

فیوض البیاری

فیض

صحیح البخاری

کتاب الجہاد

قدس سرہ العزیز

امیر اہلسنہ حضرت

علامہ سید محمود احمد رضوی

امیر شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور



شعبہ تبلیغ مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف کتبچہ بخش روڈ لاہور پاکستان

آثار شریفہ کا محبوب و مقبول نیز قرآن مجید سے صحیح کتاب المم فیما فیہ المومنین
فی البیروت اس المحدثین اس المحدثین حضرت ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن عیسیٰ بن
الباقی کی تالیف صحیح الباقی علیہ السلام اور نور علی شرح



علامہ سید محمود احمد رضوی

تاشی

علامہ ابولبرکات اکیلی عیٰی گنج بخش دہلاہو

فیوض الباری شرح بخاری پارہ دہم جلد پنجم کے مضامین کا اجمالی خاکہ

حدیث نمبر ۲۳۲۸ تا ۲۵۴۳

- ① مسائل شرکت — شرکار کے درمیان تقسیم کے مسائل و احکام
- ② کتاب الرهن — رہن اور اس کے مسائل و احکام
- ③ کتاب العتق — غلام آزاد کرنے کے احکام و مسائل
- ④ کتاب المکاتب — مکاتیب کے احکام و مسائل
- ⑤ کتاب الہیہ — ہبہ کی فضیلت اور اس کے مسائل
- ⑥ کتاب الشهادات — جملہ مسائل و احکام کا بیان
- ⑦ حدیث افک — واقعات کا بیان اور اس ضمن میں بہت سے اہم مسائل
- ⑧ کتاب الصلح — صلح کی تعریف، اس کی فضیلت، صلح کے احکام و مسائل کا بیان
- ⑨ کتاب الشروط — معاملات، بیع و شراء، دیگر امور میں شرط لگانے کے احکام، جائز و ناجائز شرطوں کا بیان

نام کتاب — فیوض الباری شرح بخاری پارہ دہم جلد پنجم
 مؤلف — علامہ سید محمود احمد رضوی اشرفی
 تاریخ طبع — جولائی ۱۹۹۲ء
 واحد تقسیم کار
 مکتبہ رضوان گنج بخش روڈ لاہور
 مطبع —
 ناشر — علامہ ابوالبرکات اکیڈمی گنج بخش روڈ لاہور
 باہتمام — صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف رضوی اشرفی ایم اے

فہرست مضامین فیوض الباری شرح صحیح البخاری جلد پنجم (۱۰)

۳۳	باب ایک اونٹ کے برابر دس بھریاں	۱۸	ابتداء تیرہ مختلف امور
۳۴	کتاب الزَّهْن		باب شرکاء کے درمیان انصاف کے ساتھ
۳۴	کتاب الزہن کے بیان ہیں	۱۷	اشیار کی قیمت لگانا
۳۴	باب زرہ دہن رکھنا	۱۷	مال مشترک کو تقسیم کرنے کا طریقہ
۳۵	دہن کے بعض ضروری احکام و مسائل	۱۹	مشترک چیز کو تقسیم کرنے کے مسائل
	اگر راہن نے مرتہن کو مرتہنوں سے نفع	۲۰	باب تقسیم میں قرعہ اندازی
	اٹھانے کی اجازت دیدی ہے تو کیا	۲۱	مشترک مکان کے ضروری مسائل اور احکام
۳۸	نفع اٹھانا جائز ہے	۲۳	باب یتیم کی شرکت وارثوں کے ساتھ
۳۸	باب ہتھیار دہن رکھنا	۲۵	باب زمین وغیرہ میں شرکت کے متعلق
	باب دہن پر سوار ہوا جائیگا اور اس کا		مشترک زمین، مکان، کھیت وغیرہ
۴۰	دودھ دوبا جائے گا		اشیار کی تقسیم کرنے کے بعض ضروری
۴۱	باب یہود وغیرہ کے پاس دہن رکھنا	۲۶	احکام و مسائل
	باب راہن اور مرتہن کا اگر اختلاف ہو جائے		باب جب شرکا گھر وغیرہ کی تقسیم کر لیں تو
	تو گواہی پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے	۲۸	انہیں رجوع کا حق رہتا ہے اور نہ شفعہ کا
۴۲	ورنہ مدعی علیہ سے قسم لی جائیگی		باب سونے چاندی اور ان تمام چیزوں میں
۴۳	باب غلام آزاد کرنے کی فضیلت	۲۸	اشتراک جن میں بیع صرف ہوتی ہے
۴۳	باب کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے		باب مشترکین اور ذمیوں کے ساتھ مزارعت
	باب سورج گرہن اور آیات کے ظہور کے	۲۹	میں شرکت
۴۴	وقت غلام آزاد کرنے کا انتخاب	۳۰	کیا ذمی کا فر کے ساتھ شرکت جائز ہے؟
	مصیبت و مشکلات کے وقت توبہ	۳۰	باب بکریوں کی تقسیم انصاف کے ساتھ
۴۴	استغفار اور اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے	۳۲	باب غلہ وغیرہ میں شرکت کے متعلق
	جس نے دو افراد کے درمیان مشترک	۳۲	باب غلام میں شرکت
	غلام کو یا متمتعہ افراد کے درمیان مشترک	۳۳	باب قربانی کے جانوروں اور اونٹوں میں شرکت

۵۶	اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو تین قسم کے علم عطا فرمائے ہیں	۴۵	نزدیکی کو آزاد کر دیا
۵۹	قیامت کی علامات	۴۵	باب جب کسی تے غلام کے اپنے حصے کو آزاد کر دیا
۶۰	باب مدبر کی بیع کے متعلق	۴۶	کیا دوسو سال پر مواخذہ ہوگا
۶۱	باب دُلا ر کی بیع اور اس کا ہبہ جائز نہیں	۴۸	انسانی ذہن میں جو خیالات آتے ہیں ان کی پانچ کیفیتیں ہیں
۶۱	باب ۱۵۰ بنائی یا چچا قید ہو کر آئے تو بیبا اس کے مشرک ہونے کی صورت میں بھی اس کا فیہ دیا جائیگا	۴۸	دوسرے اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت
۶۵	باب ۱۵۱ مشرک غلام کو آزاد کرنا	۴۸	باب آزاد کرنے اور طلاق وغیرہ میں خطا و نسیان کا حکم اور غلام اللہ کی رضا کے لیے آزاد کیا جائے
۶۶	حضرت حکیم بن عزام	۴۹	خطا ر یا نسیان کے طور پر طلاق دی تو وہ واقع ہو جائے گی
۶۷	باب جس نے عربی کو غلام بنایا	۴۹	طلاق کا معاملہ بڑا نازک ہے ہنسی مذاق میں طلاق دی تو وہ واقع ہو جائے گی اگرچہ نیت نہ کی ہو
۶۹	برخلاف کنٹرول، عربل جائز ہے البتہ ایک احتیاط کی سخت ضرورت ہے	۵۱	گمناہ کے کاموں کو حُسنِ نیت سے کرنا شریعت سے مذاق ہے
۷۲	اپنی باندی کو اذ ب سکھانے اور تعلیم دینے کی فضیلت	۵۳	اس دُنیا میں فیصلے ظاہر ہو چکے جائیگے
۷۵	غلاموں، زیر دستوں، ماتحتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کی ہدایت	۵۳	باب ایک شخص نے آزاد کرنے کی نیت سے اپنے غلام کے لیے کہا کہ وہ اللہ کے لیے ہے اور آزادی کے ثبوت کے لیے گواہ بنانا
۷۵	باب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، یہ غلام تمہارے بھائی ہیں انھیں وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو	۵۴	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
۷۶	ماں باپ عزیز واقارب اور حمایہ کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت	۵۵	باب اُمّ ولد کے متعلق
۷۶	باب جو غلام اپنے رب کی عبادت بھی اچھی طرح کرے اور اپنے آقا کی خیر خواہی بھی	۵۵	حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کا حکم ہے
۷۷		۵۶	

۹۴	باب پانی طلب کرنا	باب غلام پر اپنی بڑائی جتانے کی کراہت
۹۶	باب شکار کا ہدیہ قبول کرنا	سے متعلق
۹۷	بوقت ضرورت شکار کرنا جائز ہے	بزرگوں کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے
۹۷	خرگوش حلال جانور ہے	عبدالرسول نام رکھنا اور عبدی (میرا بندہ)
۹۸	باب ہدیہ قبول کرنا	کنا جائز ہے
۹۹	گوہ مکروہ تحریمی ہے	غیر اللہ پر لفظ رب کا اطلاق کرنا جائز
	جس سختی کو مالِ زکوٰۃ دیا جائے اسے	ہے یا نہیں
۱۰۱	اس کا مالک بنا دینا ضروری ہے	باب جب کسی کا خادم کھانا لائے
۱۰۲	باب جس نے اپنے دوست کو ہدیہ بھیجا	باب غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے
	اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو	باب غلام کو مارے تو چہرہ پر نہ مارے
۱۰۵	نان نفقہ اور رہائش میں مساوات فرض ہے	کتاب المکاتب
۱۰۷	باب وہ ہدیہ جو واپس نہ کیا جائے	باب جس نے اپنے غلام پر کوئی نعمت لگائی
	باب جن کے نزدیک غیر موجود چیز کا ہدیہ	باب مکاتب اور اس کی قطعیں ہر سال ایک
۱۰۸	کرنا درست ہے	قسط کی ادائیگی چوگی
۱۰۸	باب ہبہ کا بدلہ دینا	باب مکاتب سے کس قسم کی شرطیں جائز ہیں؟
۱۰۹	باب اپنے بیٹے کو ہبہ کرنا	باب مکاتب کا لوگوں سے امداد طلب کرنا اور
	کیا اپنی تمام اولاد کو برابر ہی کے ساتھ	سوال کرنا
۱۰۹	دینا ضروری ہے	باب مکاتب کی بیع اگر وہ اس پر راضی ہو
	ذی رحم حرم کو ہبہ کی گئی چیز کو واپس	باب مکاتب نے کسی سے کہا کہ مجھے خرید کر لے لو
۱۱۰	لینا جائز نہیں ہے	کتاب الہبہ
	شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو کوئی چیز ہبہ	ہبہ کی تعریف شرائط اور اس کے بعض
۱۱۰	کرے تو اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے	ضروری احکام و مسائل
	ہبہ کی گئی چیز کو واپس لینے کے بعد	مشاع کی تعریف
۱۱۰	اہم مسائل	باب معمولی ہدیہ دینا
	وہ صورتیں جن کی وجہ سے ہبہ میں رجوع	باب جو اپنے دوستوں سے ہدیہ مانگے

۱۳۴	باب مقبوضہ وغیر مقبوضہ ہبہ کے متعلق	۱۱۱	نہیں ہو سکتا
	باب جب متعدد اشخاص نے متعدد افراد کو	۱۱۳	باب ہدیہ کے گواہ بنانا
۱۳۵	کوئی چیز ہبہ کی ہو	۱۱۴	اپنی ساری اولاد کو مساوی طور پر دینا
	باب کسی کو ہدیہ دیا گیا اور دوسرے لوگ بھی		مستحب ہے
	اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو اس کا		بحالت صحت اور مرض الموت میں ہبہ اور
۱۳۶	مستحق وہی ہے	۱۱۵	دیگر تصرفات کا حکم
۱۳۶	باب کسی نے دوسرے شخص کو اؤٹ ہبہ کیا	۱۱۵	مرض الموت کی تعریف
	باب ایسے کپڑے کو ہبہ کرنا جس کا پہننا جائز	۱۱۷	مہر خالص بیوی کا حق ہے اسی کو ادا کیا جائے
۱۳۷	نہ ہو	۱۱۷	مہر صاف کرنے یا ہبہ کرنے کا مطلب
۱۳۸	باب مشرکوں سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے		باب بیوی کا اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کو
۱۳۰	حضور علیہ السلام تحفے تحائف قبول فرماتے تھے	۱۱۹	ہبہ کرنا
	غیر مسلم ملوک و سلاطین کے ہدیے حضور	۱۲۱	باب ہدیہ کا زیادہ مستحق کون ہے
۱۳۰	علیہ السلام نے قبول فرماتے ہیں		باب جس نے کسی عذر کی وجہ سے ہدیہ قبول
	لباس کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ کے	۱۲۱	نہیں کیا
۱۳۱	متعلق ایک اہم بحث	۱۲۳	قاضی حج وغیرہ حکام کو ہدیہ لینا جائز نہیں
	حضور علیہ السلام کا جبر رومی وجہ طیبہ	۱۲۴	باب ایک شخص نے دوسرے کو ہبہ دیا
۱۳۲	کسر وانیہ زیب تن فرمانا	۱۲۵	صدقہ ہبہ اور وقف میں فرق
۱۳۲	تشبہ بالکفار کا ضابطہ		باب غلام اور سامان کے قبضہ کی کیفیت کے
۱۳۵	قلمسۃ الجوس	۱۲۷	بیان میں
۱۳۶	برنس لباس نصاریٰ		باب جب کوئی چیز ہبہ کی اور مہربوب لے لے
۱۳۷	بال کے چپڑے کی جوئیاں	۱۲۸	اس پر قبضہ کر لیا
	فقہاء اسلام نے شعاری لباس میں بھی	۱۲۹	ہبہ تمام ہونے کے مسائل
۱۳۹	قصہ وزینت کا لحاظ کیا ہے	۱۳۰	باب اپنا قرض کسی کو ہبہ کرنا
	یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی لباس ایک ملک	۱۳۱	باب کسی چیز کا متعدد اشخاص کو ہبہ کرنا
	میں شعاری کفار ہو اور وہی لباس دوسرے	۱۳۲	ہبہ المشاع کی توضیح

۱۵۰	ملک میں شعار کفار نہ ہو	۱۵۱	حدود کی گواہی کے دو پہلو ہیں
۱۵۱	جو لباس شعار کفار ہو، اس میں تبدیلی	۱۵۲	مقدمہ زمانہ میں چار مردوں کی گواہی ضروری ہے
۱۵۱	کردی جائے تو پھر وہ شعار نہیں رہتا	۱۵۳	حدود و قصاص، دو مردوں کی گواہی ضروری ہے
۱۵۳	ضروری وضاحت	۱۵۴	حدود و قصاص کے علاوہ تمام حقوق مالی و
۱۵۴	باب مشرکوں کو ہدیہ دینا	۱۵۵	غیر مالی میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں
۱۵۴	مجرد معاملت ہر کافر سے جائز ہے	۱۵۶	کی گواہی ضروری ہے
۱۵۴	کافر والدین سے بہر حال نیک سلوک کرنا	۱۵۷	ولادت، بکارت اور نسوانی عیوب جنہیں
۱۵۴	واجب ہے	۱۵۸	عام طور پر مرد نہیں دیکھتے ایک مسلمان مرد
۱۵۵	مولات ہر کافر سے حرام ہے	۱۵۹	یا ایک عورت کی گواہی کافی ہے
۱۵۶	کافراں باپ سے صلہ رحمی کرنا جائز ہے	۱۶۰	شرائط تحمل و شرائط اداریہ مدت سماعت
۱۵۶	باب ہیر کی گئی چیز کو واپس لینا	۱۶۱	وعدہ معاف گواہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے
۱۵۸	باب عمری اور قبی کے بارے میں اقوال	۱۶۲	شہادت کا حکم اور اس کا رکن
۱۵۹	باب جس نے لوگوں سے گھوڑا مستعار لیا	۱۶۳	باب گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے
۱۶۰	حضور کے گھوڑوں کے نام	۱۶۴	معاملات اور ضابطہ شہادت کے
۱۶۰	عاریت کی تعریف اور اس کے احکام	۱۶۵	اہم اصول
۱۶۱	باب دامن کے لیے زفاف کے موقع پر کوئی	۱۶۶	ضابطہ شہادت کے اہم امور
۱۶۲	چیز مستعار لینا	۱۶۷	گواہی دینے سے بلا قدر شرعی انکار
۱۶۳	باب دودھ دینے والے جانور کی فضیلت	۱۶۸	جائز نہیں ہے
۱۶۵	حضرت ام امین رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۶۹	شہادت دینا فرض ہے مگر گواہ کو نقصان
۱۶۶	باب اگر کوئی کہے کہ میں نے دستور کے مطابق	۱۷۰	پہنچانا اور اس کی عزت نفس سے کھینچنا
۱۶۶	خدمت کے لیے تجھے یہ ٹوڈی دی	۱۷۱	بھی حرام و گناہ کبیرہ ہے
۱۶۷	کتاب الشہادات	۱۷۲	باب ایک شخص دوسرے کے متعلق یہ
۱۶۷	شہادت کی تعریف اور اس کے بعض	۱۷۳	کہے میں تو اسے نیک سمجھتا ہوں یا نیک
۱۶۷	اہم مسائل	۱۷۴	ہی جانتا ہوں
۱۶۷	بعض صورتوں میں گواہی دینا واجب ہے	۱۷۵	گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے اور گواہ

۱۸۴	کے نزکیہ کے مسائل	ثبوت رضاعت کے لیے صرف عورتوں کی
۱۸۵	واقعہ افک اور منکرین شان نبوت	گواہی معتبر نہیں ہے
۱۹۰	باب چھپے ہوئے آدمی کی شہادت	باب مادل گواہوں کے بیان میں
۱۹۰	چھپ کر گواہ بننے والے کی شہادت جائز نہیں ہے	قبول شہادت کے لیے عدالت شریعہ ہے
۱۹۳	بعض امور ایسے ہیں جن کی محض شہرت اور سننے کی بنا پر شہادت دینا درست ہے	صحبت قضا کے لیے نہیں
۱۹۴	مطلقہ ثلاثہ حلالہ کے بعد شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے	باب تعدیل کے لیے کتنے افراد کی گواہی جائز ہوگی
۱۹۴	حلالہ میں شوہر ثانی کا جماع کرنا ضروری ہے	جس مسلمان میت کے متعلق لوگ یہ گواہی دیں کہ وہ نیک تھا تو کیا وہ یقینی ہو گیا؟
۱۹۹	طلاق رجعی طلاق بائن اور طلاق ثلاثہ کے مختصر احکام	باب نسب، مشہور رضاعت اور پرائی موت کی شہادت کے مقبول ہونے کے متعلق
۲۰۰	تین طلاق کا حکم	دودھ کے رشتہ کا احترام
۲۰۶	کلمہ واحد سے تین طلاق دینا حرام ہے	رضاعت کے معنی اور مدت رضاعت
۲۰۸	مرد واقع ہو جاتی ہیں	رضاعت کے احکام
۲۰۹	یکدم ایک مجلس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے والوں کے استدلال کا مختصر جواب	احکام رضاعت کے چند اہم مسائل
۲۰۹	بغیر مدخلہ کو اگر تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ کر کے دی جائیں تو ایک ہی واقع ہوگی	مطلقاً دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو جائے گی
۲۰۹	اگر غیر مدخلہ کو کلمہ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دیں تو تین واقع ہوں گی	مدت رضاعت
۲۱۲	باب جب ایک یا کئی گواہ کسی معاملے میں گواہی	مدت رضاعت سے متعلق اہام اعظم سے منقول روایت
		مدت رضاعت میں اختلاف کے متعلق
		ایک اہم وضاحت
		بچہ کو دودھ پلانے یا پلرانے کی ذمہ داری کس پر ہے
		مدت رضاعت میں دودھ پینے سے ہی
		حرمت ثابیت ہوگی ورنہ نہیں

۲۴۹	باب نابینا کی گواہی کے متعلق نابینا کی شہادت کے جواز و عدم جواز کی بحث	۲۳۳	اگر ڈھائی سال کے بعد دودھ پلایا تو بالاتفاق حُرمت ثابت نہ ہوگی
۲۵۰	نابینا کی شہادت مقبول نہیں	۲۳۴	باب کسی پر زنا کی تمت لگانے والے یا چور یا زانی کی گواہی کی قبولیت کے متعلق
۲۵۱	باب عورتوں کی شہادت	۲۳۵	زنا کی تمت لگانے اور حد قذف کے بعض ضروری احکام و مسائل
۲۵۲	باب باندیوں اور غلاموں کی گواہی	۲۳۶	محضنت کے معنی
	عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف ہے	۲۳۷	محسن کی دوسری قسم جس کا حد قذف میں اعتبار ہے
۲۵۳	باب عورتوں کا باہم ایک دوسرے کی عدالت بیان کرنا	۲۳۸	ثبوت زنا
۲۵۴	حدیث ایک	۲۳۹	زنا کی جھوٹی تمت لگانے والے کی سزا
	آیات برأت کے نزول سے قبل بھی حضور کو حضرت عائشہ کے پاکدامن ہونے کا یقین تھا	۲۴۰	اسی کوڑے ہے
۲۵۵	واقعوں ایک، آیات برأت کا نزول، چند اہم امور کی نشاندہی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظیم و جلیل فضیلت	۲۴۱	قذف کے الفاظ
۲۵۶	باب صرف ایک شخص اگر کسی کی تعدیل کر دے تو کافی ہے	۲۴۲	زنا کے علاوہ کسی اور عیب کی تمت لگائی تو حد نہیں تعزیر ہے
۲۵۷	باب مدح میں بے جا مبالغہ کی کراہت - حقیقی بات معلوم ہوا تہی ہی کہنی چاہیے	۲۴۳	محدود فی القذف کی گواہی کے مقبول ہونے اور مقبول نہ ہونے میں اختلاف ہے
۲۵۸	مدح میں حد سے تجاوز کرنا مکروہ ہے	۲۴۴	غیر محسن کی حد صرف سو کوڑے ہے
۲۵۹	باب بچوں کا بلوغ اور ان کی شہادت کے متعلق	۲۴۵	جلاد طہنی حد کا مجزوم نہیں ہے
۲۶۰	مرد عورت کے یا رخ ہونے کا بیان	۲۴۶	باب جب کسی کو گواہ بنایا جائے تو وہ ناحق بات پر گواہی نہ دے
	باب قسم لینے سے پہلے حاکم کا مدعی سے یہ کہنا کہ تمہارے پاس گواہ ہو؟	۲۴۷	جھوٹی شہادت کو قرآن نے بت پوجنے کے برابر ٹھہرایا ہے
		۲۴۸	باب جھوٹی گواہی کے متعلق
		۲۴۹	حضرت عباد

۲۹۲	قسم کے الفاظ اور اس کے بعض ضروری مسائل	۲۷۱	باب اموال اور معدود میں مدعا علیہ پر قسم ہے
۲۹۳	باب جس نے قسم کے بعد گواہ پیش کیے	۲۷۱	مدعی اور مدعا علیہ کی تعریف
۲۹۵	باب جس نے وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا	۲۷۳	مدعی پر گواہ اور مدعا علیہ پر قسم کا لزوم
	وعدہ، عہد، معاہدہ، قول و قرار کو پورا	۲۷۳	جب مدعا علیہ قسم کھانے سے انکار کرے
۲۹۷	کرنا واجب ہے		مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم کے لزوم
۳۰۰	باب غیر مسلموں سے شہادت نہ طلب کی جائے	۲۷۳	کی حدیثیں اور اس کی حکمت
۳۰۲	باب مشکل امور میں قرعہ اندازی کے متعلق		بعض وہ مقدمات جن میں احتلاف کے
۳۰۵	کتاب الصلح	۲۷۴	نزدیک ٹمکنے سے قسم لینا جائز نہیں
	باب لوگوں میں صلح کروانے کے متعلق آیات		مدعی کے ایک گواہ اور اس کی قسم فیصلہ
۳۰۵	واحادیث	۲۷۶	کرنے کی روایات کا جواب
	حضور کی حیات مبارکہ میں توہین رسول		باب جب کوئی شخص دعوائے کرے یا کسی پر
۳۰۸	کرنے والے کو قتل کیوں نہیں کیا گیا	۲۷۹	نہمت لگائے
	بعض ایسے مواقع جہاں خلاف واقع بات	۲۸۰	لعان اور اس کے ضروری مسائل
۳۱۰	کہنے کی اجازت ہے	۲۸۲	شرائط لعان
	تین صورتوں میں خلاف واقع بات	۲۸۳	لعان کے ضروری مسائل
۳۱۰	کرنا جائز ہے	۲۸۴	لعان کی حکمت
	فقہاء اسلام نے بعض ایسے مواقع کی	۲۸۵	باب عصر کے بعد قسم کھانے کی ممانعت
۳۱۱	نشانہ ہی کی ہے		باب مدعی علیہ پر جہاں قسم واجب ہوئی
	کسی غرض صحیح کے لیے توریہ اور تعريض	۲۸۶	اسی جگہ اس سے قسم کی جائیگی
۳۱۱	سے کام لینا جائز ہے	۲۸۷	جھوٹی قسم کھانا سخت و شدید گناہ ہے
۳۱۱	توریہ اور تعريض کے معنی		باب جب ایک دوسرے سے پہلے قسم کھانے
۳۱۲	توریہ اور تعريض کی مثالیں	۲۸۸	کی کوشش کریں
	باب امام کا اپنے ساتھیوں سے کہنا کہ چلو	۲۸۸	باب اللہ کا ارشاد وہ جو اللہ کے عہد
۳۱۳	صلح کرانے چلیں	۲۹۰	حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
	باب اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ اگر دونوں فریق	۲۹۱	باب کن الفاظ سے قسم لی جائے

۳۳۶	حضرت علی سے حضور نے فرمایا انت منی وانا منک	۳۱۴	آپس میں صلح کر لیں
۳۳۸	حضرت زید بن حارثہ		اگر خاندان طلاق دینا چاہتا ہے اور میاں بیوی
۳۳۸	باب مشرکوں سے صلح کے متعلق		باسمِ رضا مندی سے خاص شرائط پر صلح
۳۳۹	حضرت ابو جندل کا واقعہ	۳۱۴	کر لیں تو یہ جائز بلکہ افضل ہے اور اس
۳۴۰	باب دیت میں صلح کے متعلق		صلح کے ضروری احکام و مسائل
	تمام صحابہ کرام اولیاء اللہ ہیں بعض سے	۳۱۶	باب اگر ظلم پر صلح کریں تو وہ مردود ہے
۳۴۲	کرامات کا غور ہوا ہے	۳۱۶	صلح کی بعض ناجائز صورتیں
۳۴۳	باب حضرت حسن کے متعلق حضور کا ارشاد	۳۱۸	غیر محسن یعنی کنوارا اگر زنا کرے تو اس
۳۴۵	حضرت امام حسن کے فضائل و مناقب		کی حد صرف سو کوڑے ہے
۳۴۶	حضرت امام حسن کی خلافت	۳۲۰	رجسمِ اسلامی سزا ہے
۳۴۷	باب کیا امام صلح کے لیے اشارہ کر سکتا ہے	۳۲۳	بدعت کے معنی
	باب لوگوں میں باہم صلح کرانے اور انصاف	۳۲۳	کیا ہر بدعت گمراہی ہے
۳۴۸	کرنے کی فضیلت	۳۲۴	بدعت کی پانچ قسمیں
	باب امام کے صلح کی تلقین کے بعد کسی فریق نے		کھڑے ہو کر سلام پڑھنا، انگوٹھے پوننا،
۳۴۸	صلح سے انکار کیا اس کا حکم	۳۲۸	اذان کے قبل درود پڑھنا، فاتحہ پھل
۳۴۹	قرضخواہوں اور وارثوں کے درمیان صلح کرنا		وغیرہ سب جائز و مستحب ہے
۳۵۰	باب قرض اور نقد مال کے عوض صلح کرنا	۳۲۸	ایک ضروری بات
۳۵۰	کتاب الشروط	۳۲۹	باب صلح کی دستاویز کس طرح لکھی جائے
	باب قبول اسلام کے وقت کرنی شرط لگانا	۳۳۰	صلح مدیہ کا منظر اور پس منظر
۳۵۰	جائز ہے	۳۳۲	حضرت علی نے لفظ رسول اللہ ماننے
۳۵۲	حضور علیہ السلام نے حکم کو جلا وطن کیا تھا	۳۳۳	سے کیوں انکار کیا
۳۵۳	حضرت ہبیل کے متعلق حضور کی پیشگوئی	۳۳۴	حضور لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی
	صلح مدیہ کے موقع پر جو عورتیں مرتد ہو گئیں		نزدول قرآن کے بعد حضور کا لکھنا پڑھنا
۳۵۴	ان کی تعداد و چھٹی	۳۳۵	نہ کسی آیت کے خلاف ہے اور نہ آپ
			کے امی ہونے کے منافی ہے

۳۵۹	باب معاملات میں شرطیں لگانے کے متعلق	۳۵۴	حضور علیہ السلام مستورات کو کلام سے بیعت فرماتے تھے
۳۶۰	باب نکاح کے وقت مہر کی شرطیں	۳۵۴	اولیاء کرام کا بیعت کرنا سنت رسول ہے
۳۶۰	باب مزارعت کی شرطیں	۳۵۵	کیا دار الحرب سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا فرض ہے
۳۶۱	باب جو شرطیں نکاح میں جائز نہیں	۳۵۵	باب جس نے پیوندی کھجور کا باغ فروخت کیا
۳۶۱	باب وہ شرطیں جو حدود میں جائز نہیں	۳۵۶	باب بیع میں شرطوں کا بیان
۳۶۲	باب مکاتب اگر اپنی بیع پر اس وجہ سے راضی ہو جائے کہ اسے آزاد کر دیا جائے	۳۵۶	باب اگر بیچنے والے نے کسی خاص مقام تک سواری کی شرط لگائی تو جائز ہے
۳۶۲	باب طلاق کی شرطوں کے متعلق	۳۵۶	
۳۶۳	الحمد للہ رب العالمین		
	تمت بالخیر		

فیض الہدیٰ

سید الشیخ المحدثین امام اہل سنت والجماعہ
حضرت علامہ ابو محمد سید محمد دیر علی شاہ صاحب رضوی
قادر فیضی غانی مدرسہ اہل سنت

سید المفسرین شیخ المحدثین امام اہل سنت والجماعہ
حضرت علامہ ابو بہرہ سید محمد شاہ صاحب رضوی
قادر شریفی رضافہ تالیف

جن کی تعلیم و تربیت اور فیض نظر سے یہ فقیر بخاری شریف
کی شرح لکھنے کی جرأت کر سکا۔ سید محمود احمد رضوی

از زبان فیض ترجمان جدی المکرم فقیہ معظم محدث کبیر
مفسر جلیل شیخ المحدثین امام اہلسنت حضرت مولانا الحاج
علامہ سید محمد دیدار علی شاہ صاحب حدیث انوی
رضی قادی فیض رحمانی قدس سرہ العزیز

حکمت

یک جو چو صد حمد خداوند نعم را بروفق نعم خالق صد علم و حکم را
حمدیکہ سزاوار خداوند جهان ست حمدیکہ سزاوار معطی تو نسبیق اتم را
صد حمد بہر حمد کہ از کلک زبانتم آید و سزاوار صاحب فضل و کرم را
صد شکر بریں نعمت عظمی کہ بماداد محبوب خود آں ماحی صد ظلم و ستم را
گویم چہ شناسش کہ خود آں خالق اکبر مداح بود آں شہ ذی جاہ و شتم را
عرش است کمین پایہ ایوان شہ دیں جبریل غلامیت مرآں شاہ اہم را
قربان شومت رحم کن اے حمت عالم از خاک مذلت تو بیفر از سرم را
اے جان من خستہ نثار ہر ادایت قربان زمن ایمان بود ہر نقش قدم را
اے جو وجود تو وجود ہمہ عالم یتہ است بفرک تو حق جان و دلم را
موجود وجود ہمہ عالم بوجودت از ظل تو شد زریب ضیا ملک عدم را
اے کوکب دیں بدر کرم مہر رسالت آبر سر بادور کن ظلمت و عشم را

یک جان چہ دیدار کہ جان ہمہ عالم
قربان شہنشاہ عرب را و عجبم را

مختصر تعارف

مولف فیوض الباری

تحریر — حکیم العلماء علامہ عبدالحکیم صاحب شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور

اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جس شخص کو دین کا فہم حاصل ہو جائے، رحمت الہیہ اس کے شامل حال ہوتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ومن بود اللہ بہ خیرا یفقهہ فی اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی بصیرت عطا فرمادیتا ہے

پھر اگر اس کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری، حق گوئی اور بے باکی، رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام، تدریس و تصنیف اور اعلاء کلمہ حق ایسے اوصاف بھی جمع ہو جائیں تو سونے پر سہاگہ۔ فضیلۃ الشیخ، جلالتہ العلم و المعرفة، محدث عمر، حضرت علامہ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ العزیز ایسی ہی جامع صفات اور نادر روزگار شخصیت تھے، ان کی دینی اور ملی خدمات اس لائق ہیں کہ ان پر علمی اور تحقیقی مقالے لکھے اور شائع کئے جانے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دو قابل صد فخر فرزند عطا فرمائے۔

۱۔ غازی کشمیر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

۲۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات سید احمد قادری

علامہ سید ابوالحسنات قادری نے میدان سیاست، خطابت قومی خدمات اور تصنیف میں وہ گراں قدر خدمات سرانجام دیں جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، ان کی عظمت و جلالت کا یہ عالم تھا کہ مخالف کتب فکر سے تعلق رکھنے والے نامور علماء بھی ان کے قدموں میں بیٹھنے اور ان کے جوتے سیدھے کرنے کو سرمایہ فخر تصور کرتے تھے، علامہ سید ابوالبرکات قادری رحمہ اللہ اپنے دور کے مفتی اعظم پاکستان، یکائے زمانہ محدث اور بے مثال مناظر تھے، اپنے اور بیگانے سب ہی ان کی جلالت علمی اور ژرف نگاہی کے معترف تھے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا۔ اسی دور میں پاکستان کی تاریخ کا سخت ترین مارشل لاء نافذ ہو چکا تھا، کسی کو لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی، اس کے باوجود حضرت سید ابوالبرکات ہر روز نماز فجر کے بعد قرآن پال کا درس دیتے۔ غنہ قادیانیت کے موضوع پر تقریر

کرتے، ختم نبوت کے بارے میں قادیانیوں کے شبہات کا جواب دیتے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی پرزور تائید فرماتے۔ اس انشاء میں کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ آپ کا لاؤڈ سپیکر بند کرادے۔

۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء میں جنگ ستمبر کے بعد علماء اہل سنت کا ایک وفد جنرل محمد ایوب خاں سے ملا، جس میں حضرت علامہ سید ابو البرکات قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے، ایوب خاں نے مزاج پرسی کے بعد دعا کے لیے کہا تو سید صاحب نے فرمایا:

دعا کیا کروں؟ آپ نے عائلی آرڈیننس نافذ کیا ہے جس کی بعض دفعات، صریح طور پر قرآن و سنت کے خلاف ہیں، آپ نے شاستری کی ارٹھی کو کندھا دیا، ایک مشرک کی ارٹھی کو کندھا دینا کب جائز ہے؟

جنرل محمد ایوب خاں نے وعدہ کیا کہ عائلی آرڈیننس میں شریعت کے مطابق ترمیم کر دی جائے گی، اور شاستری کی ارٹھی کو کندھا دینے کے متعلق کہا کہ یہ ایک رسمی چیز تھی اور مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس خاندان نے اعلاء کلمۃ الحق میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ اسی عظیم خانوادے کے جلیل القدر فرزند، وسیع النظر محدث، عظیم تقیہ اور محقق، حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی، مدظلہ العالی شارح بخاری ہیں، جو خاندانی وجاہت کے علاوہ قابل قدر خصوصیات کے حامل ہیں۔ اکثر و بیشتر جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انہیں کسی نہ کسی دینی مسئلہ میں غور و فکر کرتے ہوئے پایا، ان کی گفتگو عام انداز سے ہٹ کر، مسائل دہنہ کے بارے میں ہی ہوتی ہے۔ وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں گہری سوچ بچار کے بعد لکھتے ہیں۔ ان کی تحریرات، مفید عام موضوعات پر ہیں اور عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ العالی کی ولادت باسعادت ۱۳۳۳ھ / ۱۹۴۵ء میں ہوئی۔ علمی اور روحانی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور اسی میں نشو و نما پائی، درس نظامی کی ابتدائی کتابیں آمد نامہ گلستان وغیرہ اپنے چدا سجد، سید المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ سے پڑھیں، بقیہ کتب، جید اور متجربہ اساتذہ سے پڑھیں۔ شرح تہذیب، قطبی اور مختصر العالی وغیرہ کتب منطقی بابا مولانا محمد دین بدھوی سے، ملاحسن، تفسیر بیضاوی وغیرہ کتب ملک المدرسین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی سے پڑھیں۔

ان کے علاوہ دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا جن میں حضرت مولانا مراد الدین جماعتی رحمۃ اللہ علیہ شارح مختصر المعانی کا اسم گرامی نمایاں ہے۔ درس حدیث اپنے والد گرامی، مفتی اعظم پاکستان حضرت شیخ الحدیث علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ سے لیا۔ ۱۹۴۷ء میں حزب الاحتاف، لاہور کے سالانہ جلسے میں آپ کی دستار بندی کرائی گئی۔ اس اجلاس میں پاک و ہند کے اکابر علماء مثلاً حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مفتی آگرہ مولانا مفتی عبدالحفیظ، محدث اعظم ہند، علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا محمد یار، گڑھی شریف، علامہ عبدالغفور ہزاروی، حضرت مولانا سید مختار اشرف کچھوچھوی قدس سرہ، اسرارہم تشریف فرما تھے، حضرت صدر الافاضل نے اس موقع پر بطور تبرک اپنی ٹوپی عنایت فرمائی۔

حضرت علامہ رضوی مدظلہ نے ۷ جون ۱۹۴۷ء کو موقر جریدہ ”رضوان“ جاری کیا، جو ابتداً ”ہفت روزہ تھا“ پھر پندرہ روزہ ہوا، بعد ازاں ماہنامہ کی صورت میں شائع ہوا اور بحمدہ تعالیٰ آج تک شائع ہو رہا ہے۔ اس جریدے میں وقیع اور گرانقدر مقالات شائع ہوا کرتے تھے، اس جریدے نے دین متین کی حفاظت اور مسلک اہل سنت و جماعت کی تبلیغ و اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ اس رسالے کے کئی قیمتی نمبر، راقم کی نظر سے گزرے ہیں، مثلاً نماز نمبر، ختم نبوت نمبر، پکڑالویت نمبر اور معراج النبی نمبر وغیرہ، مشہور شیعہ مناظر مولوی اسماعیل گوجروی سے متعدد مسائل پر مباحثہ کا سلسلہ جاری رہا۔ ان مباحثوں میں علامہ رضوی مدظلہ کا قلم علمی اور تحقیقی جواہر بکھیرتا رہا۔ علامہ کا استدلال، عالمانہ گرفت، مخالفین کے اعتراضات کے ٹھوس جوابات، یہ سب چیزیں پڑھنے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت علامہ کی تصانیف رضوی گوجروی مکالمہ، بیعت رضوان، باغ فدک، حدیث قرطاس حضور کی نماز جنازہ اسی دور کی یادگار ہیں۔

اس خاندان کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ جب بھی ملی اور ملکی مسئلہ پیش آیا، یہ حضرات راہنمائی میں پیش پیش رہے۔ تحریک پاکستان میں دارالعلوم حزب الاحتاف، لاہور کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جامع مسجد وزیر خاں، لاہور، تحریک پاکستان کا اہم ترین شیخ تھی۔ اس شیخ سے پاکستان کی حمایت میں اٹھنے والی آواز اتنی زوردار تھی کہ اس کی گونج پورے پنجاب بلکہ اس کے ارد گرد تک سنی جاتی تھی۔

۷ ہر تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس کے باغ فاطماں میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی

کانفرنس، تحریک پاکستان کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس اجلاس میں اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ نے اجتماعی طور پر مطالبہ پاکستان کی زبردست حمایت کی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ جب تک پاکستان نہیں بن جاتا ہم آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس اجلاس میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، علماء پنجاب کے وفد کے ہمراہ شریک ہوئے، اس وفد میں علامہ سید محمود احمد رضوی بھی شامل تھے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلائی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ قادیانوں کو پاکستان کے کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے اور انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، اس تحریک کے صدر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری تھے۔ علامہ سید محمود احمد رضوی نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی ذاتی مشین پر پمفلٹ چھاپ کر فوج اور پولیس کے نوجوانوں میں تقسیم کئے اور انہیں تحریک کے مقاصد سے آگاہ کیا اور گرفتار ہوئے، قلعہ لاہور اور سنٹرل جیل لاہور میں مقید رہے۔

۲۲ مارچ ۱۹۷۰ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں نام نہاد کسان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ”مولانا“ بھاشانی مہمان خصوصی تھے۔ اس کانفرنس کا نعروں تھا، ”ماریں گے۔۔۔ مرجائیں گے۔۔۔ سوشلزم لائیں گے۔“ اسی کانفرنس میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کا نام لینے گراڈ تجویز کیا گیا۔ اہل سنت کے علماء و مشائخ نے اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے سوشلزم کے پروپیگنڈے کا موثر جواب دینے اور کسان کانفرنس کے اثرات زائل کرنے کے لیے عین اسی جگہ ۱۳، ۱۴ جون ۱۹۷۰ء کو عظیم الشان سنی کانفرنس منعقد کی۔ جس میں حضرت مولانا فضل الرحمن قادری مدنی مدخلہ، مدینہ طیبہ سے تشریف لاکر بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے۔

اس کانفرنس کا منظر دیدنی تھا۔ تاحد نظر پھیلے ہوئے غلامان مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جم غفیر اور تین ہزار علماء و مشائخ کے مبارک اجتماع سے وہ سماں پیدا ہوا کہ باطل کی تمام تاریکیاں چھٹ گئیں۔ اس کانفرنس میں اسلامیان پاکستان کو مقام مصطفیٰ کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کا نعروں ملا، اور اعلان کیا گیا کہ اسی منشور کی بنیاد پر دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حصہ لیا جائے گا۔ اس کانفرنس کے کنوینیر حضرت علامہ رضوی مدخلہ اور ان کے رفقاء تھے۔ انہوں نے ملک بھر کے دورے کر کے کانفرنس کے انعقاد کے لیے فضا ہموار کی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مولانا مختار الحق مرحوم اور ان کے رفقاء نے بھی اس کانفرنس کے انعقاد کے لیے مگر انقدر

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں تمام مکاتب فکر کے اشتراک سے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت معرض وجود میں آئی۔ علامہ رضوی مدظلہ اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ نے ملک کے طول و عرض میں دورے کئے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ بالآخر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو اسلامیان پاکستان کے شدید دباؤ کی بنا پر قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

علامہ رضوی مدظلہ ۱۹۷۴ء تک جمعیتہ العلماء پاکستان کے مرکزی جنرل سیکرٹری رہے۔ ایک مرحلے پر جمعیتہ داخلی انتشار کا شکار ہو گئی، کوشش بسیار کے باوجود اتفاق و اتحاد کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔ ۱۹۶۹ء میں حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد قادری قدس سرہ نے حزب الاحناف لاہور میں ملک بھر کے علماء کی ایک میٹنگ بلائی، حضرت سید صاحب کی دعا و برکت سے تمام علماء اہل سنت شیرو شکر ہو گئے۔ علامہ رضوی پہلے سنی بورڈ پھر مجلس عمل جمعیتہ العلماء پاکستان کے کنوینر مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر جمعیتہ کو فعال بنانے کے لیے دن رات کام کیا اور گونا گوں مشکلات کے باوجود اپنی مہم میں کامیاب رہے۔

یا رسول اللہ! کانفرنس

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور تعظیم و تکریم اہل سنت و جماعت کا طرہ امتیاز اور سرمایہ ایمان ہے۔ بارگاہ رسالت کی بے ادبی اور گستاخی دیکھ اور سن کر خاموشی سے برداشت کر جانا ان کے نزدیک غیرت ایمانی کے منافی ہے۔ حضرت علامہ رضوی مدظلہ کو یہ عقیدہ ورثہ میں ملا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں برطانیہ کے نام نہاد اکثر منہاس نے ایک دل آزار کتاب لکھی جس میں اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ اس کتاب کی اشاعت کے خلاف جمعیتہ علماء پاکستان نے لاہور سے جلوس نکالے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس کتاب کو ضبط کیا جائے۔ لیکن حکومت نے مطالبہ تسلیم کرنے کی بجائے ۱۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو علامہ سید محمود احمد رضوی اور مولانا اکرام حسین مجددی، مولانا فیض القادری اور پیر طریقت میاں جیل احمد شرتپوری کو گرفتار کر لیا۔ پھر ان حضرات کی رہائی کے لیے حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی اور حضرت مولانا حامد علی خاں کی قیادت میں ایک وفد ۲۰ جنوری کو اس وقت کے گورنر پنجاب، جنرل عتیق الرحمن سے ملا اور ان رہنماؤں کی رہائی کے بارے میں گفتگو کی۔

چنانچہ ۲۱ جنوری کو تمام حضرات رہا کر دیئے گئے۔

۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء کو بادشاہی مسجد، لاہور میں محفل قرأت منعقد ہوئی، مصر کے معروف قاری عبدالباسط نے تلاوت کی، سامعین میں ہر کتب فکر کے افراد موجود تھے۔ اسی اثناء میں کسی نے نعرہ رسالت بلند کیا اور اس کے جواب میں کسی بد بخت نے مردہ باد کا نعرہ لگایا، نعرہ لگانے والے حافظ غلام معین الدین کو مارا گیا اور اسے مرزائی کہہ کر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔

علامہ رضوی نے اس سانحہ کا بروقت نوٹس لیا اور اپریل ۱۹۸۳ء ملک بھر کے علماء و مشائخ اہلسنت کی میٹنگ بلا کر مجلس عمل علماء اہلسنت قائم کی اور طے پایا کہ ۱۲ اپریل کو حزب الاحناف لاہور میں یا رسول اللہ کانفرنس منعقد کی جائے، چنانچہ اس کانفرنس میں ہزاروں علماء و مشائخ اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ سامعین نے شرکت کی۔ اہل سنت و جماعت نے مغرب اور عشاء کی نمازیں شاہی مسجد میں باجماعت ادا کیں اور رات کے ساڑھے بارہ بجے تک یا رسول اللہ کانفرنس کا پروگرام جاری رہا۔ شاہی مسجد کے درو دیوار نعرہ رسالت سے گونجتے رہے۔ چاروں میٹاروں، برجیوں اور مسجد کے چپے چپے پر یا رسول اللہ اور سبز گنبد کے عکس والے جھنڈے لہراتے رہے اور دنیا پر واضح ہو گیا کہ اس دور بے عملی میں بھی مسلمان ناموس رسول کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

مشہور صحافی جناب انور قدوائی نے نوائے وقت لاہور میں لکھا۔

”علامہ محمود احمد رضوی نے جس بات پر علم احتجاج بلند کیا تھا وہ اہم ترین اور سنگین مسئلہ تھا جس سے اختلاف بریلوی کیا؟ کوئی مسلمان بھی نہیں کر سکتا تھا۔“ اس کانفرنس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا

(۱) کہ اس واقعہ کی تحقیق کی جائے اور گستاخ رسول کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

(۲) سنی اوقاف علیحدہ کیا جائے۔

یہ جنرل ضیاء الحق کی مارشل کا دور تھا۔ مگر اس کے باوجود لاہور اور ملک بھر میں یا رسول اللہ کانفرنس منعقد ہوئیں۔ مجلس عمل نے ۲۱ مئی کو شاہی مسجد لاہور اور نومبر ۱۹۸۵ء کو مرس و اتانج بخش کے موقع پر یا رسول اللہ کانفرنس منعقد کیں۔ جس کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے۔

نوائے وقت کے جناب محترم انور قدوائی کا تبصرہ ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں ۲۱ مئی کو ملامہ

محمود احمد رضوی نے تمام سرکاری رکاوٹوں کو روند ڈالا اور نہ صرف جلوس نکالا بلکہ بادشاہی مسجد میں جلسہ بھی کیا۔ علامہ محمود احمد رضوی کی اپیل پر جس طرح لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے ناموس رسول کے لیے جس جذبہ و جوش کا مظاہرہ کیا ہے، اس سے دو فائدہ ہوئے ہیں۔

ایک تو یہ کہ علامہ محمود احمد رضوی جو ایک عرصہ سے علیل تھے، پھر جوان ہو گئے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ملک کے اندر اور باہر وہ عناصر جو یہ سوچ کر خوش تھے کہ پاکستان میں ایمان کی طاقت کمزور ہو گئی ہے اور یہ کہ روسی ٹینکوں پر بیٹھ کر پاکستان آئیں گے۔ ان کے خواب بکھر گئے ہیں اور یہ کہ اسلام کے ماننے والوں کا ایمان ابھی تک قائم ہے اور اس ملک میں کسی کو اسلام کے خلاف بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

تدریس و تالیف

علامہ رضوی جہاں دقیق النظر محدث، نکتہ رس فقیہ اور مفتی صاحب طرز ادیب اور قادر الکلام خطیب بھی ہیں۔ ان کی تقریر علم و فضل، سنجیدگی اور متانت کا بہترین مرقع ہوتی ہے۔

علامہ رضوی نے زمانے طالب علمی میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دارالعلوم حزب الاحناف میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور درس نظامی کی اکثر کتب پڑھاتے رہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے تصنیف و تالیف اور دارالعلوم حزب الاحناف کی تعمیر و انتظام کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

علامہ رضوی کی تمام تصانیف، علم و تحقیق کا منہ بولا ثبوت اور عوام و خواص کے لیے مفید ہیں اور علمی حلقوں میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کی سب سے اہم تالیف بخاری شریف کی شرح فیوض الباری ہے جس کے اب تک دس پارے پانچ ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر مقبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں خصائص مصطفیٰ، جامع الصفات، روح ایمان، شان مصطفیٰ، مقام مصطفیٰ، معراج النبی، علم غیب، رسول بصیرت، لمحات فکر، دین مصطفیٰ، شان صحابہ، چراغ ہدایت، مسائل نماز، روہی، اسلامی تقریبات، جواہر پارے، فتاویٰ برکات العلوم، سیدی ابوالبرکات، بھی آپ کی مشہور مقبول تصانیف ہیں۔

علامہ سید محمود احمد رضوی کو اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادیاں اور سات صاحبزادے عطا فرمائے ہیں۔ صاحبزادوں میں سے سید مصطفیٰ اشرف رضوی بڑے ہونمار اور باصلاحیت نوجوان ہیں جن کے بارے میں توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے قابل صد فخر آباء اجداد کے مسند نشین ہوں

ستارہ امتیاز

حضرت علامہ رضوی نے غیر ممالک کے تبلیغی دورے بھی کئے ہیں۔ آپ کی دینی، علمی اور ملی خدمات کی بنا پر حکومت پاکستان نے آپ کو ستارہ امتیاز بھی دیا۔ آپ تقریباً سات سال ۱۹۸۳ء تک مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے بلا مقابلہ چیئرمین بھی رہے اور ۱۹۸۱ء سے ۳۱ اپریل ۱۹۸۳ء تک اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ نے ممالک اسلامیہ کا بھی دورہ کیا اور تین حج اور ایک عمرہ کی سعادت بھی حاصل کی۔

فیوض الباری شرح صحیح بخاری

علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ قلم و قراطس کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ تحقیق کا مادہ ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان کی تمام تصانیف علم و تحقیق کا بہترین شاہکار اور افادیت عامہ کی حامل ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ان کی جملہ تصانیف، عوام و خواص میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی تصانیف کے نام اس سے پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ اس وقت ان کی اہم تصنیف فیوض الباری کا مختصر تعارف پیش کرنا مقصود ہے۔

فیوض الباری کا انداز بیان یہ ہے۔

- ۱۔ ہر حدیث کا با محاورہ اور سلیس اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔
- ۲۔ الفاظ حدیث کی لغوی تحقیق پیش کی گئی ہے۔
- ۳۔ حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔
- ۴۔ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فقہی اختلافات کی تفصیل پھر روشن دلائل سے مذہب حنفی کی ترجیح اور تحقیق
- ۵۔ مسلک اہل سنت کو مدلل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ فرق باطلہ اور منکرین حدیث کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کے معقول اور مسکت جوابات دیئے ہیں۔
- ۶۔ امام بخاری اکثر و بیشتر احادیث کی پوری سند بیان کرتے ہیں۔ فیوض الباری میں اختصار کے پیش نظر سندوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۷۔ امام بخاری ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب میں بیان کر جاتے ہیں۔ فیوض الباری میں ابواب کے عنوانات تو باقی رکھے گئے ہیں، لیکن حدیث کو ایک جگہ بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے اور اسی جگہ اس سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۸۔ حسب ضرورت راویوں کے مختصر احوال بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۹۔ ابتداء میں مفصل مقدمہ ہے جس میں حجت حدیث، مقام رسول عہد نبوی، عہد صحابہ، عہد تابعین میں حدیث کی حفاظت و کتابت وغیرہ امور پر پر مغز علمی گفتگو کی گئی ہے۔ نیز امام بخاری کا تذکرہ مختصر مگر دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ علم حدیث کی چند ضروری اصطلاحات بھی بیان کی گئی ہیں۔

فیوض الباری کو جلیل القدر محدثین نے داد و تحسین سے نوازا ہے۔ قومی اخبارات نے شاندار تبصرے کئے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ فرماتے ہیں بخاری شریف کی ایک بلند پایہ شرح جن خوبیوں کی حامل ہو سکتی ہے وہ تمام خوبیاں ”فیوض الباری“ میں پائی جاتی ہیں..... اکثر و بیشتر اردو تراجم میں جو کمزوریاں اور نقائص پائے جاتے ہیں الحمد للہ! فیوض الباری کا دامن ان سے پاک ہے۔ اس کا مطالعہ عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص اہل علم، طلباء اور مدرسین کے لیے بھی نہایت ہی مفید ہے۔

فاضل مولف نے یہ کتاب لکھ کر وقت کے اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ اور ان کی یہ گراں مایہ تالیف اہل سنت پر ایسا احسان عظیم ہے جس کو ہماری آئندہ نسلیں بھی فراموش نہیں کر سکتیں۔ حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی، مولف فیوض الباری، اپنی اس قابل قدر تالیف پر یقیناً شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری مرحوم فرماتے ہیں اس کتاب نے از اول تا آخر دریائے علم حدیث کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور حدیث پاک کی وہ خدمت کی ہے جس کے متعلق سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نضر اللہ عبدہ! سمع مقلتی فحفظها ووعاها وادھا وارب حامل فقہ لیس بفقہہ، وارب حامل فقہ الہی من ہو افقہ منہ (مشکوٰۃ ص ۲۵) اللہ تعالیٰ اس بندے کو حسن و روثق عطا فرمائے جس نے میری حدیث سنی اور اس کو یاد کیا اور اسے سمجھا اور ادا کیا، اس لیے کہ بہت سے علم اٹھانے والے عالم نہیں اور بہت سے علم کے حامل اسے سناتے ہیں جو اس سے زیادہ قیصر ہے۔

الغرض علامہ سید محمود احمد رضوی زید مجدہ نے فہم و افہام و تفہیم و اتقان و تلقین کا حق ادا کیا ہے اور حقائق و معارف حدیث کے دریا بہا دیئے ہیں اور مشکلیں کے شکوک و شبہات کو دفع کر کے حنفیہ و عقائد اہل سنت و جماعت کی خوب اور بہت خوب خدمت کی ہے۔ (عبدالمصطفیٰ ازہری، علامہ: تقریظ فیوض الباری ج ۵ ص ۲)

۲۷ جولائی ۱۹۵۹ء کو روزنامہ نوائے وقت کے تبصرہ نگار نے پہلی جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

آج کے دور میں اکثر تصانیف، محض پرانے مصنفین کی محنتوں کو نئے قالب میں ڈھال کر پیش کی جاتی ہیں اور ایک روش یہ ہو گئی ہے کہ نئے مصنفین، اس محنت، کاوش، وسیع مطالعہ اور عمیق فکر سے کام نہیں لیتے جو کسی تصنیف کو مکمل بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس ماحول میں ”فیوض الباری“ ایک ایسی نئی تصنیف نظر آتی ہے جس میں مصنف نے وسعت علم کے فن پر عبور کے علاوہ محنت کا ثبوت دیا ہے جس سے اس کی افادیت علماء اور عوام سب کے لیے یکساں ہو گئی ہے۔ (فیوض الباری: ج ۳ ص ۳)

روزنامہ جنگ، شمارہ ۱۱ ستمبر ۱۹۶۱ء میں تبصرہ نگار تیسری جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ترجمہ و تشریح علمی لحاظ سے بہت بلند اور زبان کے لحاظ سے نہایت سلیجھا ہوا ہے، حضرت مولف کا انداز تحریر مدرسانہ، قیسانہ اور ناصحانہ ہے، ان کی تحریر میں تعصب، عناد، اور کرخنگی نہیں، بلکہ اکثر مقامات پر فروعی مسائل پر تشدد کرنے والوں کو خوف خدا یاد دلایا گیا ہے۔

ان آراء اور تبصروں کے بعد راقم کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے؟ ہاں یہ دعا ضرور ہے کہ مولائے کرم حضرت علامہ کا سایہ تادیر سلامت رکھے اور اس شرح کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادوں کو علم دین میں کمال حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اپنے آباء کی مسند کو سنبھال سکیں۔

سند حدیث اور سلسلہ بیعت

حضرت علامہ رضوی کے جد امجد شیخ الحدیث حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری علیہ الرحمہ سے بھی درس حدیث لیا۔ اس کے بعد قطب وقت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن سبج مراد آبادی علیہ الرحمہ سے دوبارہ حدیث کا

درس لیا اور آپ سے بیعت ہوئے۔ حضرت گنج مراد آبادی نے آپ کو اپنی خلافت سے بھی نوازا اور سلاسل ادلیاء اللہ کے معمولات و وظائف کی اجازت عطا فرمائی۔

حضرت علامہ رضوی کے والد محترم شیخ الحدیث علامہ ابو البرکات علیہ الرحمہ طریقت میں اعلیٰ حضرت شاہ سید علی حسین شاہ صاحب سجادہ نشین کچھوچھ شریف علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں اور ان کے خلیفہ مجاز بھی اور علامہ رضوی کو بھی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے بیعت و خلافت حاصل ہے۔

علامہ رضوی نجیب الرفیقین سید ہیں اور سیدنا امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس لیے علامہ رضوی اپنے نام کے ساتھ رضوی لکھتے ہیں اور سلسلہ اشرفیہ میں مرید و خلیفہ ہیں۔ نیز آپ کو سلسلہ اشرفیہ محمودہ سجادہ نشین صدر شریعت حضرت ابوالمعود شاہ سید محمد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھ شریف انڈیا نے بھی اپنی خلافت سے نوازا ہے۔

آخر میں یہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ علامہ سید محمود احمد رضوی کا سلسلہ حدیث ایک واسطہ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تک پہنچتا ہے کیونکہ آپ کے والد ماجد قدس سرہ کو امام احمد رضا بریلوی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ (اور امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ تک صرف چار واسطے ہیں۔ ۱۔ استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد صاحب رضوی قادری اشرفی۔ ۲۔ امام المحدثین حضرت مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ صاحب رضوی قادری فضل رحمانی۔ ۳۔ قطب وقت شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی۔ ۴۔ سراج المند شیخ الحدیث حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیم اجمعین۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پارہ دہم

بَابُ تَقْوِيمِ الْأَشْيَاءِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ بِقِيَمَةِ عَدْلِ

باب شرکاء کے درمیان انصاف کے ساتھ چیزوں کی قیمت لگانا

- ۱۔ یعنی مشترک اشیاء کی انصاف کے ساتھ قیمت لگا کر شرکاء میں تقسیم کرنا بلا خلاف جائز ہے البتہ تقویم سے قبل (اشیاء کی انصاف کے ساتھ قیمت متعین کیے بغیر) تقسیم کرنے میں علماء کا اختلاف ہے اکثر علماء نے تقویم سے قبل بھی تقسیم کو جائز قرار دیا ہے۔ جب کہ تمام شرکاء رضامند ہوں۔ واضح ہو کہ
- ۲۔ تقسیم کا ہوا قرآن و حدیث و اجماع سے ثابت۔ قرآن مجید میں فرمایا

وَنَبِّئُهُمْ أَنَّ الْمَاعِ قِسْمًا بَيْنَهُمْ | اور انہیں خبر دے دو کہ پانی کی ان کے مابین تقسیم ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ | جب تقسیم کے وقت رشتہ والے آجائیں اور احادیث اس بارہ میں بہت ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غنیمتوں اور میراثوں کی تقسیم فرمائی اور اس کے جواز پر اجماع بھی منقطع ہے۔

۳۔ واضح ہو کہ جو مال مشترک ہے۔ اگر کیلی ہے توکیل کے ذریعہ مال مشترک کو تقسیم کرنے کا طریقہ | دینی ہے تو دین کے ذریعہ اور اگر عدوی ہے تو عدو کے ذریعہ، جیسے انڈے وغیرہ۔ اگر ذریعی ہے یعنی گز سے ناپا جاتا ہے تو خورج کے ذریعہ تقسیم کیا جائیگا جیسے کپڑا یا زمین اور اگر زمین میں دھتت ہوں یا عمارت ہو تو اس کی قیمت لگا کر تقسیم ہوگی۔

۴۔ اور اگر مکان مشترک ہو اور اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے زیادہ قیمتی ہو تو کم قیمت والے حصہ کے ساتھ عمارت کا کچھ حصہ لگا کر تقسیم کریں تاکہ مساوات ہو جائے اور اگر اس طرح تقسیم میں عدل و مساوات نہ ہو سکے تو پھر پورے مکان کی انصاف کے ساتھ قیمت لگا کر تقسیم کی جائے گی۔

۵۔ دو منزل مکان مشترک ہے۔ ایک حصہ دار اوپر والی منزل میں اور دوسرا نیچے والی منزل میں سکونت پزیر ہو گیا۔ اب تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو دونوں منزلوں کی قیمت لگا کر مکان کو تقسیم کیا جائیگا۔ (المجلد ۲۲۲) ۲۳۲۸۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ | حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ
شَفِصًا لَّهِ مِنْ عَبْدٍ اَوْ شَرَّكَ اَوْ قَالَ
نَصِيبًا وَكَانَ لَهُ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ بِقِيَمَةِ
الْعَدْلِ فَهُوَ عَتَقَ وَالْاَقْدَعُ عَتَقَ
مِنْهُ مَا عَتَقَ قَالَ لَوْ اَدْبَحْتَ قَوْلَهُ عَتَقَ
مِنْهُ مَا عَتَقَ قَوْلٌ مِّنْ بَنَافِعِ اَوْفَى
الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۲۳۲۹- عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ
شَفِصًا مِنْ مَمْلُوكٍ فَعَلَيْهِ خَلَصَةٌ
فِي مَا بَدَّ ذَنَابَهُ يَكْفُرُ لَهُ مَالٌ ثَوَمَرِ
الْبُسْمُونِ فَيَمْنَعُ عَلَيْهِ شَعْرًا اسْتَبْعَى
عَبْدًا شَفِصًا عَلَيْهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے
مشترک غلام کا اپنا حصہ آزاد کیا اور اس کے پاس
اتنا مال بھی تھا۔ جو اس پر اسے غلام کی قیمت کو پہنچ کے
کسی عادل نے لگائی ہو تو وہ پورا غلام آزاد ہو گا اور اگر
ایکے پاس اتنا مال نہیں ہے تو اس کا وہی حصہ آزاد ہو گا
جو اس نے آزاد کر دیا ہے۔ خود نافع کا قول ہے یا
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا حصہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے غلام کا ایک
حصہ آزاد کر دیا اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مال سے
غلام کو پوری آزادی دلا دے۔ لیکن اگر اس کے پاس
اتنا مال نہیں ہے تو انصاف کے ساتھ غلام کی قیمت
لگائی جائے گی۔ پھر غلام سے اس طرح مزدوری
کرائی جائے گی کہ اس کو تکلیف نہ ہو۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے عقیق اور شرکت میں۔ ابو داؤد نے عقیق میں مسلم نے مذکور
فوائد و مسائل اور عقیق۔ ترمذی نے احکام، نسائی نے احکام اور عقیق میں ذکر کیا ہے۔ فہم و عقیق
کا مطلب یہ ہے کہ غلام کا ایک حصہ عقیق سے اور دوسرا حصہ مساعیہ کی بنا پر آزاد قرار پائے گا۔ غیب
مشقوق کا مطلب یہ ہے کہ قیمت کن وصول کے لیے غلام پر ایسا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا جس کا وہ متحمل
نہ ہو سکے۔

فقہ کے کچھ مسائل ایسے ہیں جن کی فی زمانہ ضرورت نہیں پڑتی۔ غلام کو مذہبی کے احکام و مسائل بھی
اسی نوع کے ہیں۔ بہر حال اس سلسلہ کی احادیث کے مسائل ہم فقہاء ضرورت بیان کریں گے۔

۲۔ مالک نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کر دیا تو انصاف آزاد ہو جاے گا اور جتن باقی ہے اس میں رعایت
کرائیں گے یعنی اس غلام کی اس روز جو قیمت بازار کے نرخ سے ہو اس قیمت کا جتنا حصہ غیر آزاد شدہ
کے مقابل ہو اتنا مزدوری وغیرہ کرنا وصول کی جائے گی۔ جب قیمت کا وہ حصہ وصول ہو جائے اس وقت

پورا آزاد ہو جائے گا اور جس غلام کا کوئی حصہ آزاد کر دیا تو اب مالک نہ اسے فروخت کر سکتا ہے نہ خدمت لے سکتا ہے اور نہ اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے (عالمگیری رد المحتار)

۳۔ سیدنا امام اعظم و شافعی علیہما الرحمہ نے اس حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ جو غلام دو مخصوص کی شرکت میں ہے۔ ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو دوسرے کو اختیار ہے کہ اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے (یعنی مکان و خادم و سامان خانہ داری اور بدن کے کپڑوں کے علاوہ اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اپنے شریک کے حصہ کی قیمت ادا کر سکے) تو اس سے اپنے حصہ کا تاوان لے یا یہ بھی اپنے حصہ کو آزاد کر دے یا یہ اپنے حصہ کی قدر سعایت کرے۔ نیز جب ایک شریک نے آزاد کر دیا تو دوسرے کو اسے فروخت کرنے یا ہبہ کا حق نہیں ہے عرضیکہ غلام اپنے ایک حصہ کی آزادی کے بعد مستقبل میں غلام نہیں رہ سکے گا اسے آزادی ملنی ضروری ہے۔ جس کی صورت اوپر بیان کی گئی ہے۔

۴۔ علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ اس حدیث سے امام مالک اور ان کے اصحاب نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اگر کوئی کسی کی ایسی چیز ضائع کر دے جو کیلی اور ونی نہ ہو تو اسے مالک کو اس چیز کی قیمت دینی لازم ہوگی۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کی بھی یہی رائے ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس شخص پر (جس نے اپنے حصہ کا غلام آزاد کر دیا) یہ لازم نہیں کیا کہ وہ نصف غلام کی مثل دے۔

۵۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے اس حدیث سے یہ مشترک چیز کو تقسیم کرنے کے مسائل

تقسیم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے مشترک غلام کو آزاد کرنے کے لیے اس کی قیمت لگا کر فروخت کرنے کو جائز قرار دیا لہذا تقسیم کے وقت بھی اس کی قیمت کا تعین ضروری ہے۔ لہذا تقسیم سے قبل غلام کو تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور سیدنا امام مالک و ابو یوسف و محمد علیہم الرحمہ فرماتے ہیں کہ تقسیم کے تعین سے قبل بھی مشترک مال کی تقسیم جائز ہے بشرطیکہ تمام شریک اس پر راضی ہو جائیں۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے غزوہ حنین کی مالی غنیمت بغیر تقسیم کے تقسیم فرمائی تھی اور یہ غنیمت مختلف اشیاء پر مشتمل تھی۔ ان میں جائز بھی تھے سامان وغیرہ بھی اور قیدی بھی اور غلاموں اور جہانوات میں کوئی فرق نہیں ہے اور کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام نے حنین کی غنیمت کی اشیاء وغیرہ کی قیمت لگا کر تقسیم فرمائی تھی۔ لہذا مشترک اشیاء کو تقسیم سے قبل شرکاء میں تقسیم کرنے کا جواز ثابت ہوا۔

علامہ بدر محمود عینی فرماتے ہیں کہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے۔ جب تک غلام کے ساتھ کوئی دوسری چیز نہ ہو اس کی تقسیم درست نہیں کیونکہ آدمیوں میں ان کے باطنی محاسن اور خوبوں جیسے امانت

دیانت، ذہانت، فراست، علم و فضل وغیرہ اوصاف کی وجہ سے بہت تفاوت ہوتا ہے اور اس تفاوت کی وجہ سے قیمت کا تعین بہت دشوار ہے ہاں اگر آدمی کے ساتھ کسی اور چیز کو شامل کر لیا جائے تو پھر انصاف کے ساتھ مالی مشترک کی قیمت کا تعین ہو سکتا ہے۔ لہذا شرکار کی مرضی کے بغیر تقسیم کا یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ غلام کو دوسری چیز کے ساتھ بالمستیع تقسیم کیا جائے۔ جیسا کہ زمین کو فروخت کرنے کی صورت میں راستہ یا پانی کا حصہ وغیرہ بالمستیع فروخت کیا جاتا ہے۔

امام ابو یوسف و محمد امام مالک و شافعی و امام احمد علیہم الرحمہ نے فرمایا کہ غلام کو جبراً تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ایک مجلس ہے۔ رہا قیمت کا تفاوت تو اتحاد مجلس کے ہوتے ہوئے قیمت کا تفاوت صحت تقسیم کو مانع نہیں ہونا چاہیے جیسے مشترک اونٹن گائے و بکریاں تقسیم کر لی جاتی ہیں۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ جواب فرماتے ہیں کہ حیوانات میں ایک مجلس ہونے کی وجہ سے تفاوت (فرق) کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ مذکورہ منوث ہونا حیوانات میں صرف ایک مجلس ہے اور انسانوں میں دو مجلس ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اس شرط پر خرید لیا کہ وہ غلام ہے اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لونڈی ہے تو یہ بیع درست نہیں ہے کیونکہ آدمیوں میں مذکورہ منوث ہونا دو مجلس ہیں۔ لیکن مالی غنیمت کی یہ کیفیت نہیں ہے کیونکہ مالی غنیمت کے شرکار کا حق مالی غنیمت کی مالیت میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان اسلام کو مالی غنیمت فروخت کر کے اس کی قیمت کو شرکار غنیمت میں تقسیم کر دینا جائز ہے۔ اس کے برعکس غلام میں ملکیت کی شرکت کا تعلق معین شے اور اس کی مالیت میں ہے۔ لہذا غلام اور مالی غنیمت کا حکم جدا جدا ہے۔ اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے (یعنی ج ۱۳ ص ۵۲)

باب هل يقرع في القسمة والاستنساخ فيه

باب تقسیم میں قرعہ اندازی

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی مدد پر قائم رہنے والے (ایمانت گزار) اور اس میں مبتلا ہو جانے والے (یعنی اللہ کے احکام کی پابندی نہ کرنے والے) کی مثال ایک ایسی قوم کی سی ہے جس نے ہاہم مشترک (ایک کشتی کے سلسلے میں قوطر انداز کی - قرعہ اندازی کے نتیجے میں قوم کے بعض افراد کو

۲۳۳۰۔ سَمِعْتُ النَّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْفَتَّاحِ عَلَى حَدِّهِ وَاللَّهِ وَالْوَأَقِ فِيهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهْمُوا عَلَى سَفِينَةٍ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَرُّوا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوا عَلَى مَنْ قَوْفَهُمْ

کشتی کے اوپر کا حصہ ملا اور بعض کو نیچے کا۔ جو لوگ نیچے تھے، انھیں (دریا سے) پانی لینے کے لیے اوپر سے گزرتا پڑتا۔ انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اپنے ہی حصہ میں ایک سوراخ کر لیں، تاکہ اوپر والوں کو ہم سے کوئی اذیت نہ پہنچے، اب اگر اوپر والے بھی نیچے والوں کو من مانی کر لے دیں (کہ وہ اپنے نیچے کے حصہ میں سوراخ کریں) تو تمام کشتی و اسے ہلاک ہو جائیں اور اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں تو یہ خود بھی اور ساری کشتی بچ جائے۔ (بخاری)

۱۔ عنوان میں بقتراح سے مراد قرعہ اندازی ہے اور استہمام کے معنی بھی از روئے قلعہ و مسائل لعنت قرعہ اندازی کے ہیں مگر یہاں اس کے معنی حصہ کے ہیں۔ مطلب عھنان یہ ہے کہ مشترک چیز تقسیم کر لی تو قرعہ ڈال کر حصہ کا تعین کرنا جائز ہے مثلاً دو منزلہ مشترک مکان تقسیم کر لیا اب قرعہ اندازی کے ذریعہ حصہ کا تعین کر لیں تو جائز ہے یعنی جس کا نام اوپر کے حصہ میں آجائے وہ اوپر کا حصہ لے لے اور جس کا نام نچلی منزل میں آئے وہ نیچے کی منزل لے لے ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ تقسیم کے وقت محض تطبیق نفس کے لیے قرعہ ڈالنا جائز ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام جب سفر کے لیے روانہ ہوتے تو جس بی بی کا نام قرعہ میں آجاتا اسے ہمراہ لے لیتے تھے۔

۲۔ اس حدیث میں دنیا کی مثال ایک کشتی سے دی گئی ہے کہ اگر کشتی کو نقصان پہنچے گا تو اس میں سوار سب ہی متاثر ہوں گے۔ یہی حال دنیا کا ہے کہ اگر مسلمانوں نے حدودِ الہیہ کو قائم کیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کیا تو بجات پائیں گے ورنہ گناہگار گناہوں کی وجہ سے اور نیکوکار بھلائی کا حکم اور برائی سے نہ روکنے کی وجہ سے گرفتار ہلا ہوں گے۔

۱۔ اس حدیث کی روشنی میں علامہ ابن بطال نے دو منزلہ مکان کا مسئلہ بیان کیا ہے جو آدمیوں میں

مشترک ہو ایک اونپر کی منزل کا اور دوسرا نیچے کی منزل کا مالک ہو۔ اگر نیچے والی منزل خراب ہو جائے تو نیچے والی منزل کے مالک کو اس کے منہدم کرنے کا اختیار نہیں ہے مگر بغیر روت۔ اسی طرح اوپر والی منزل کے مالک کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس پر ایک اور منزل بنائے کیونکہ اس سے نیچے والی منزل کو نقصان پہنچ سکتا ہے البتہ اوپر کی منزل کا مالک ایسی معمولی تعمیر کر سکتا ہے جس سے نیچے کی منزل کو نقصان نہ پہنچے۔ اور امام اشعرب نے فرمایا دروازہ نیچے والی منزل کے مالک کی ملک قرار پائے گا۔ اگر نچلی منزل منہدم ہو جائے تو نچلی منزل کے مالک کے لیے لازم ہے کہ وہ اس کی تعمیر کرے اگر وہ تعمیر نہ کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ اس حصہ کو اس کے ہاتھ فروخت کر دے جو اس کی تعمیر کرے اور اوپر والی منزل کے مالک کے لیے نچلی منزل بنانا

کی ذمہ داری نہیں آتی۔

۳۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اصحاب حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ بخی منزل خود بخود منہم ہو جائے تو اوپر والی منزل کے مالک کو اس بخی منزل کے بنانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر تیری مرضی ہو تو اپنی منزل کی بلندی تک نیچے والا حصہ بنا کر اس پر اپنا مکان بنالے اس صورت میں اوپر والی منزل کا مالک بخی منزل کے مالک سے بخی منزل کے اخراجات وصول کرنے کا مجاز ہوگا کہ اگر وہ نہ دے تو بخی منزل اوپر والی منزل کے ہاتھ میں رہیں قرار پائے گی۔ اور بخی منزل کی چھت مع اس کے میٹرل کے بخی منزل والے کی ملک ہوگی اور اوپر والی منزل والا اس میں رہائش کا حقدار ہے (یعنی) درختار میں اس مسئلہ کی صورت بوں بیان کی گئی ہے کہ اوپر والی منزل گر چکی ہے۔ صرف نیچے والی منزل باقی ہے اور بخی منزل کے مالک نے خود گرا دی اب اوپر والا بھی بنانے پر مجبور ہو گیا۔ نیچے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی عمارت بنوائے تاکہ بالا خانہ والا اس کے اوپر عمارت تیار کر لے اور اگر اس نے نہیں گرائی ہے بلکہ اپنے آپ عمارت گر گئی تو بنوانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ اس نے اس کو نقصان نہیں پہنچایا ہے بلکہ قدرتی طور پر اسے نقصان پہنچ گیا۔ پھر اگر بالا خانہ والا یہ چاہتا ہے کہ نیچے کی منزل بنا کر اپنی عمارت اوپر بنائے تو نیچے والے سے اجازت حاصل کر لے یا قاضی سے اجازت لے کر بنائے اور نیچے کی تعمیر میں جو کچھ صرف ہوگا وہ مالک مکان سے وصول کر سکتا ہے۔ اوپر والے نے جب بخی منزل بنوائی تو نیچے والے کو اس میں سکونت سے روک سکتا ہے جب تک وہ نیچے کی منزل کی لاگت ادا نہ کر دے (درختار) اور اگر نہ اس سے اجازت لی نہ قاضی سے حاصل کی خود ہی بنا ڈالی تو صرف نہیں ملے گا بلکہ عمارت کی بنانے کے وقت جو قیمت ہوگی وہ وصول کر سکتا ہے (درختار وغیرہ)

۴۔ دو منزلہ مکان دو شخصوں کے مابین مشترک ہے۔ نیچے کی منزل ایک کی ہے۔ بالا خانہ دوسرے کے ہے۔ ہر ایک اپنے حصہ میں ایسا تصرف کرنے سے روکا جائے گا جس کا ضرر دوسرے تک پہنچتا ہو مثلاً نیچے والا دیوار میں سب گڑنا چاہتا ہے یا حاق بنا چاہتا ہے یا بالا خانہ والا اوپر عمارت بنانا چاہتا ہے یا پردہ کی دیواروں پر کڑیاں رکھ کر چھت پاٹنا چاہتا ہے یا جدید پاخانہ بنانا چاہتا ہے یہ سب تصرفات بغیر رضی دوسرے کے نہیں کر سکتا اس کی رضا مندی سے کر سکتا ہے اور اگر ایسا تصرف ہے جس سے ضرر کا اندیشہ نہیں ہے مثلاً چھوٹی ٹیکل گاڑنا کہ اس سے دیواریں کیا کمزوری پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کی ممانعت نہیں اور اگر مشکوک حالت ہے۔ معلوم نہیں کہ نقصان پہنچے گا یا نہیں یہ تصرف بھی بغیر رضامندی نہیں کر سکتا (ہاں یہ فیق درختار وغیرہ)

۵۔ اسی حدیث کی روشنی میں یہ بھی واضح ہوا کہ ہر شخص اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے دوسرے کو منع کرنے کا اختیار نہیں ہے لیکن اگر کوئی ایسا تصرف کرے جس سے شریک کو یا ہمسایہ کو کھلا ہوا نقصان پہنچے

تو اب اسے تصرف سے روک دیا جائے گا۔

مثلاً کوئی شخص اپنے مکان میں تنور گاڑنا چاہتا ہے۔ جس میں ہر وقت روٹی پکے گی جس طرح دکانوں میں ہر تاسے یا اجرت پر آٹا پینے کی چکی لگانا چاہتا ہے یا دھوبی کا پائا رکھونا چاہتا ہے۔ جس پر کپڑے دھلتے رہیں گے ان چیزوں سے منع کیا جاسکتا ہے کہ تنور کی وجہ سے ہر وقت دھواں آئے گا جو پریشانی کرے گا۔ چکی اور کپڑے دھونے کی دھمک سے پڑوسی کی عمارت کمزور ہوگی اس لیے ان سے مالک مکان کو منع کر سکتا ہے (علیگیری)

بَابُ شُرْكََةِ الْيَتِيمِ وَ أَهْلِ الْبَيْتِ

باب یتیم کی شرکت، وارثوں کے ساتھ

حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَإِنْ خِفْتُمْ" سے ودیاع "تمک کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا۔ میرے بھانجے! اس میں اس یتیم لڑکی کا ذکر ہوا ہے جو اپنے ولی کی زیر نگرانی ہو۔ ولی کے مال میں اس کی شرکت بھی جو پھر ولی اس کے مال و جمال پر بکھر جائے اور چاہے کہ ہمر کے معاملے میں عدل و انصاف کے بغیر اس سے شادی کر لے اور اسے اتنا بھی نہ دے جتنا دوسرے دیتے تو انہیں اس سے منع کر دیا گیا کہ اس ارادہ سے ان سے نکاح نہ کریں البتہ اگر ان کے ساتھ ان کے ولی عدل و انصاف کر سکیں اور ان کی حسب حیثیت مہر مقرر کریں تو نکاح کرنے کی اجازت ہے اور ان سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ ان کے سوا جو عورتیں ہوں ان سے وہ نکاح کر سکتے ہیں۔ عروہ نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

پھر لوگوں نے

۲۳۲۱۔ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَإِنْ خِفْتُمْ إِلَىٰ ذَرْبِ مَا بَاعْتُمْ فَلْيَكِلُوا بَيْعَ الْيَتِيمِ تَكُونُ فِي حَقِّهِ وَلِيًّا لَهَا تَشَارِكُ فِي مَالِهِمْ فِيمُوجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا فَمِيرِئُهُ وَلَيْسَ لَهَا أَنْ يَتَرَ وَجْهَهَا بِغَيْرِ أَنْ يُعْطِ فِي صَدَاقِهَا فَيُعْطِيَهَا مِثْلَ مَا يُعْطِيهَا غَيْرُهُ فَتَكُونُ أَنْ يَشْكُرَ هُنَّ إِلَّا أَنْ يُفْسِدُوا لَهُنَّ وَيَبْلُغُوا بِهِنَّ أَعْلَىٰ سُنَّتِهِنَّ مِنَ الصَّدَاقِ وَأَمْرٍ وَأَنْ يَنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَا هُنَّ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ شَرَّ النَّاسِ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هَذِهِ الْأَيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ وَيَشْفَعُونَكَ فِي النِّسَاءِ إِيَّا قَوْلِهِمْ وَتَرَىٰ عِبَادُ أَنْ تَنْكِحُوا هُنَّ وَالَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ أَنَّ تَنْكِحُوا عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ الْأَيَّةِ الْأُولَىٰ

الَّتِي تَمَالَيْتُ فِيهَا وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَقْسِطُوا فِي الْيَسْتِخِي فَاتَّكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ قَالَتْ عَائِشَةُ وَقَوْلُ اللَّهِ فِي الْاِيَةِ الْاُخْرَى وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَتَّكِحُوا هُنَّ يَغْنِي هِيَ رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ لِيَسْتَمْتِدَ الَّتِي تَكُونُ فِي تَجَرُّمِ حَيْثُ تَكُونُ قَلِيلَةً اَلْمَالِ وَالْجَمَالِ فَتُهْمَلُوا أَنْ يَتَّكِحُوا مَا رَغِبُوا فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا مِنْ يَسْتِخِي النِّسَاءِ إِلَّا بِالنِّقْطِ مِنْ أَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُمْ

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسند پر چھا تو اللہ نے یہ آیت نازل کی "اور آپ سے عورتوں کے بارے میں یہ لوگ سوال کرتے ہیں" سے وترغبون ان تنكحوا ہن تکحون اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "انہ یستل علیکم فی الکتاب" تو اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے (جس کا ذکر اوپر ہوا) جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر تمہیں خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم انصاف نہیں کر سکو گے تو تم ان (دوسری) عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد، دوسری آیت میں وترغبون

ان تنكحوهن "اور تمہیں اگر ان سے نکاح میں کوئی رغبت نہ ہو" سے مراد کسی ولی کی ایسی قیم لڑکی کی طرف سے بے رغبتی ہے جو اس کی پرورش میں ہو اور مال و جمال دونوں اس کے پاس کم ہوں تو دیہوں کو اس سے منع کر دیا گیا کہ وہ ایسی قیم لڑکیوں سے نکاح کریں جن کے مال و جمال میں ان کے لیے رغبت کا کوئی سامان نہ ہو لیکن انصاف کا اگر ارادہ ہو (تو کر سکتے ہیں) کیونکہ ان کی طرف سے پہلے ہی سے انہیں بے رغبتی ہے۔

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے شرکت اور احکام میں ابوداؤد و نسائی نے نکاح میں قوائد و مسائل ذکر کیا ہے ۲۔ تشاركۃ کے الفاظ عزوان کے مطابق ہیں یعنی شرکاء کو شرکت کے مال میں نا انصافی نہیں کرنی چاہیے ۳۔ حدیث ہذا میں سورہ نساء کی آیات کا ذکر ہے جن کے مختصر مسائل و احکام یہ ہیں۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَقْسِطُوا فِي الْيَسْتِخِي فَاتَّكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبْعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ لَمْ يَنْصِبُوا

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بی بیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو

آیت کے معنی میں چند قول ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ پہلے زمانہ میں مدینہ کے لوگ اپنی زیر ولایت یتیم لڑکی سے اس کے مال کی وجہ سے نکاح کر لیتے باوجودیکہ اس کی طرف رغبت نہ ہوتی۔ پھر اس کے ساتھ محبت و معاشرت

و معاشرت میں اچھا سلوک نہ کرنے اور اس کے مال کے وارث بننے کے لیے اس کی موت کے منتظر رہتے۔ اس آیت میں انھیں اس سے روکا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگ یتیموں کی ولایت سے تو بے توجہ ہی ہو جانے کے اندیشہ سے گھبراتے تھے اور زنا کی پروا نہ کرتے تھے۔ انھیں بتایا گیا کہ اگر تم نا انصافی کے اندیشہ سے یتیموں کے ولایت سے گریز کرتے ہو تو زنا سے بھی خوف کرو اور اس سے بچنے کے لیے جو عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں ان سے نکاح کرو اور عرام کے قریب مت جاؤ۔ ایک قول یہ ہے کہ لوگ یتیموں کی ولایت و سرپرستی میں تو نا انصافی کا اندیشہ کرتے تھے اور بہت سے نکاح کرنے میں کچھ باک نہیں رکھتے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ جب عورتیں نکاح میں ہوں تو ان کے نکاح میں نا انصافی ہونے سے بھی ڈرو اتنی ہی عورتوں سے نکاح کرو جن کے حقوق ادا کر سکو۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ قریش دس دس بلکہ اس سے زیادہ عورتیں کرتے تھے اور جب ان کا خرچ نہ اٹھ سکتا تو جو یتیم لڑکیاں ان کی سرپرستی میں جوتیں ان کے مال خرچ کر دالتے۔ آیت میں فرمایا گیا کہ اپنی استطاعت و دیکھ لو اور چار سے زیادہ نہ کرو تاکہ تمہیں یتیموں کا مال خرچ کرنے کی حاجت پیش نہ آئے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آزاد مرد کے لیے ایک وقت میں چار عورتوں تک سے نکاح جائز ہے خواہ وہ عہد ہوں یا باندی۔ تمام امت کا اجماع ہے کہ ایک وقت میں چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں رکھنا کسی کے لیے جائز نہیں سوائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص اسلام لائے ان کی آٹھ بیبیاں تھیں۔ حضور نے فرمایا ان میں سے چار رکھنا۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے ان کی دس بیبیاں تھیں وہ ساتھ مسلمان ہوئیں۔ حضور نے حکم دیا ان میں سے چار رکھو۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یتیموں کے اوسیار کا دستور یہ تھا کہ اگر یتیم لڑکی صاحب مال و جمال ہوتی تو اس سے تھوڑے مہر پر نکاح کر لیتے اور اگر حسن و مال نہ رکھتی تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر حسن صورت نہ رکھتی اور ہوتی مال دار تو اس سے نکاح نہ کرتے اور اس اندیشہ سے دوسرے کے نکاح میں بھی نہ دیتے کہ وہ مال میں حصہ دار ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر انھیں ان عادلوں سے منع فرمایا۔

بَابُ الشَّرْكََةِ فِي الْأَرْضَيْنِ وَغَيْرِهَا

زمین وغیرہ میں شرکت کے متعلق

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے شفعہ کا حق اس جامدا میں رکھا جو تقسیم نہ ہوئی ہو اور جو جامدا تقسیم ہو جائے حدود اور راستے متعین کر دیے گئے تو پھر شفعہ کا حق نہیں ہے۔

۲۳۳۲ - عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ
إِسْمًا جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الشَّفْعَةَ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَفَّعَتْ
الْحُدُودَ وَصَرَفَتْ الطَّرِيقَ فَلَا شَفْعَةَ

فوائد مسائل | عنوان کے مطابق حدیث ہذا میں مالہر لقیسم کے الفاظ ہیں۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ زمین مکان باغ یا کھیت وغیرہ مشترک ہوں تو شرکاء میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔

مشترک زمین مکان کھیت وغیرہ اشیا کی تقسیم کرنے کے بعض ضروری احکام مسائل | ایسی ہے کہ تقسیم کے

بعد ہر ایک شریک کو جو کچھ حصہ ملے گا وہ قابل انتفاع ہوگا تو ایک شریک کی طلب پر تقسیم کر دی جائے گی اور اگر بعد تقسیم بعض شریک کو اتنی قلیل ملے گی کہ نفع کے قابل نہ ہوگی اور تقسیم وہ شخص چاہتا ہے جس کا حصہ زیادہ ہے تو تقسیم کر دی جائے گی اور جس کا حصہ اتنا کم ہے کہ بعد تقسیم قابل نفع نہیں رہے گا اس کی طلب پر تقسیم نہیں ہوگی۔
۴۔ تقسیم کے بعد ہر شریک کو اتنا ہی حصہ ملے گا جو قابل نفع نہیں تو جب تک سب شرکاء راضی نہ ہوں ایک کے چاہنے سے تقسیم نہیں ہوگی۔ مثلاً دکان دو شخصوں کی شرکت میں ہے۔ اگر تقسیم کے بعد ہر ایک کو دکان کا اتنا حصہ ملتا ہے کہ جو کام اس میں کر رہا تھا اب بھی کر سکے گا تو ہر ایک کے کہنے سے تقسیم کر دی جائے گی اور اتنا حصہ نہ ملے تو تقسیم نہیں ہوگی جب تک دونوں راضی نہ ہوں (ہدایہ در مختار)

۳۔ کنواں یا چٹم یا ہنر مشترک ہو شرکاء تقسیم چاہتے ہوں۔ اگر اس کے ساتھ زمین نہیں ہے تو تقسیم نہیں کی جائے گی اور اگر زمین بھی ہے تو زمین کی تقسیم کر دی جائے اور وہ چیزیں مشترک رہیں (علگیری)
۴۔ زراعت مشترک ہے۔ اگر دوائے پڑ چکے ہیں مگر ابھی کاٹنے کے قابل نہیں ہے اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی جب تک کھیت کٹ نہ جائے اگرچہ سب شرکاء راضی ہوں اور اگر کھیتی بالکل کچی ہے۔ یعنی دانے پیدا نہیں ہوئے ہیں اور شرکاء تقسیم پر راضی ہوں تو تقسیم ہو سکتی ہے مگر اس شرط سے کہ تقسیم کے بعد ہر ایک اپنا حصہ کاٹ لے یہ نہیں کرے تک کھیت ہی میں چھوڑ رکھے (علگیری)

۵۔ زمین مشترک میں درخت اور زراعت بھٹی۔ صرف زمین کی تقسیم ہوئی تو جس کے حصہ میں درخت یا زراعت پڑی وہ قیمت دے کر اس کا مالک ہوگا (علگیری)

۶۔ تقسیم کرنے والے کو یہ چاہیئے کہ ہر شریک کے سهام جتنے ہوں انہیں پہلے لکھ لے اور زمین کی پیمائش کر کے ہر شریک کے سهام کے مقابل میں جتنی زمین پڑے صحیح طور پر قائم کرے اور ہر حصہ کے لیے راستہ وغیرہ جلعہ قائم کر دے تاکہ آئندہ جھگڑے کا احتمال نہ رہے اور ان حصص پر ایک دین وغیرہ نمبر ڈال دے اور ہر حصہ شرکاء کے نام لکھ کر قرعہ اندازی کرے جس کا نام پہلے نکلے اسے پہلا نمبر جس کا نام دوسری مرتبہ نکلے اسے نمبر دوم دیدے و علیٰ ہذا الفباس (ہدایہ)

۷۔ تقسیم میں قرعہ رانا ضروریات میں نہیں بلکہ تطبیق قلب کے لیے ہے کہ کہیں حصہ داروں کو یہ وہم

نہ ہو کہ فلاں کا حصہ میرے حصہ سے اچھا ہے اور قصداً ایسا کیا گیا ہے اول تو تقسیم کرنے والا ہر حصہ میں مساوات کا ہی لحاظ رکھے گا پھر اس کے باوجود قرعہ بھی ڈالے گا تاکہ وہم ہی نہ پیدا ہو سکے اور اگر قاضی نے بغیر قرعہ ڈالے ہوئے خود ہی حصص کو نامزد کر دیا کہ یہ تمہارا ہے اور یہ تمہارا تو اس میں بھی حرج نہیں کہ قاضی کے فیصلہ سے انکار کی گنجائش نہیں (در مختار و المختار)

۸۔ مکان کی تقسیم میں جب زمین کی پیمائش کر کے حصے قائم کر لیا۔ عمارت کی قیمت لگائے گا کیونکہ آگے چل کر اس کی بھی ضرورت پڑے گی مثلاً کسی کے حصہ میں اچھی عمارت آئی اور کسی کے حصہ میں غراب تو بغیر قیمت معلوم کیے کیونکہ مساوات قائم رہے گی (ہدایہ)

۹۔ اگر زمین و عمارت دونوں کی تقسیم منظور ہے اور عمارت کچھ اچھی ہے کچھ بُری یا ایک طرف عمارت زیادہ ہے اور ایک طرف کم اور ایک کو اچھی یا زیادہ عمارت ملے تو دوسرے کو زمین زیادہ دے کر وہ کمی پوری کر دی جائے اور اگر زمین زیادہ دینے میں بھی کمی پوری نہ ہو کہ ایک طرف کی عمارت ایسی اچھی یا اتنی زیادہ ہے کہ بقیہ کل زمین دینے سے بھی کمی پوری نہیں ہوتی تو یہ کمی روپے سے پوری کی جائے (ہدایہ)

۱۰۔ مکان کی تقسیم میں ایک کا پر نام یا راستہ دوسرے کے حصے میں پڑا اگر تقسیم میں یہ شرط مذکور ہو کہ اس کا پر نام یا راستہ دوسرے کے حصہ میں ہوگا جب تو اس تقسیم کو بدستور باقی رکھا جائے گا اور شرط نہ ہو تو دوسری باتیں ہیں۔ اس حصہ کا راستہ وغیرہ پھر کو دوسرا کیا جاسکتا ہے یا نہیں اگر ممکن ہو تو راستہ وغیرہ پھر کر دوسرا کر دیا جائے اور ناممکن ہو تو اس تقسیم کو توڑ کر از سر نو تقسیم کی جائے (ہدایہ در مختار)

۱۱۔ اگر شرکار میں اختلاف ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ راستہ کو تقسیم میں نہ لیا جائے بلکہ جس طرح پہلے پورے مکان کا ایک راستہ تھا اب بھی بسے اور مکان کا ایسا موقع ہے کہ ہر حصہ کا جدا گانہ راستہ ہو سکتا ہے یعنی جدید دروازہ کھول کر آمد و رفت ہو سکتی ہے تو اس شریک کا کہنا مانا جاسکتا ہے اور اگر یہ بات ناممکن ہے تو اس کا کہنا نہیں مانا جائے گا (در مختار)

۱۲۔ راستہ کی چوڑائی اور اونچائی میں اختلاف ہو تو صدر دروازہ کی چوڑائی کی برابر راستہ کی چوڑائی رکھی جائے اور اس کی بلندی کے برابر راستہ کی بلندی رکھی جائے یعنی اس بلندی سے اوپر اگر کوئی اپنی دیوار میں چھانکالنا چاہتا ہے نکال سکتا ہے اور اس سے نیچے نہیں نکال سکتا (عناہ در مختار)

۱۳۔ مکان کی تقسیم میں اگر یہ شرط ہو کہ راستہ کی مقدار میں مختلف ہوں گی۔ اگرچہ شرکار کے حصے اس مکان میں برابر ہوں یہ جائز ہے جب کہ تقسیم آپس کی رضامندی سے ہو کہ غیر اموال ربوبہ میں رضامندی کے ساتھ کمی بیشی ہو سکتی ہے (در مختار)

۱۴۔ دو منزلہ مکان ہے اس میں چیز صورتیں ہیں پورا مکان یعنی دونوں منزلیں مشترک ہیں یا صرف نیچے کی منزل مشترک ہے یا صرف بالا خانہ مشترک ہے۔ اس کی تقسیم میں ہر ایک کی قیمت لگائی جائے اور قیمت کے لحاظ سے تقسیم ہوگی (در مختار)

بَابُ إِذَا اقْتَسَمَ الشَّرَكَاءُ الدُّوْرَ

باب جب شرکاء گھر وغیرہ کی تقسیم کریں تو
اَوْعِيْزَهَا فَلَیْسَ لَهُمْ رُجُوْعٌ
وَلَا شَفْعَةٌ | انہیں رجوع کا حق رہتا ہے اور نہ شفعہ کا

۲۳۳۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو کتاب الشفعہ میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ ہشتم ص ۲۶۲۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ جب جائداد تقسیم ہو جائے اور اس کے الگ الگ راستے متعین ہو جائیں تو پھر شفعہ کا حق نہیں رہتا (بخاری)

۱۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ جب شرکاء نے مکان یا باغ یا زمین وغیرہ تقسیم کر لی تو اب رجوع نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تقسیم عقیدہ لازم ہے جس میں رجوع نہیں ہے۔

۲۔ دو شخصوں میں کوئی چیز مشترک تھی انھوں نے تقسیم کر لی اور قرعہ ڈال کر حصہ کا تعین کر لیا۔ اس کے بعد ایک شریک اس تقسیم پر نادم ہوا اور چاہتا ہے کہ تقسیم ٹوٹ جائے یہ نہیں ہو سکتا کہ تقسیم مکمل ہو چکی ہو۔ دوسری اگر ان دونوں نے کسی تیسرے شخص کو تقسیم کے لیے مقرر کیا اور اس نے انصاف کے ساتھ تقسیم کر کے قرعہ ڈالا تو جس کے نام جو حصہ قرعہ کے ذریعے متعین ہو چکا پس وہی اس کا مالک ہے (علیگیری) اسی طرح قاضی نے تقسیم کی ہو اور قرعہ ڈالا اور بعض کے نام نکل آئے تو کسی شریک کو انکار کی گنجائش نہیں۔

۳۔ واضح ہو کہ محض تقسیم کر دینے سے کوئی معین حصہ شرکاء میں سے کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے یہ ضرور ہے کہ قاضی نے معین کر دیا ہو کہ یہ فلاں کا ہے اور یہ فلاں کا یا یہ کہ ایک نے تقسیم کے بعد ایک حصہ پر قبضہ کر لیا تو یہ اس کا ہو گیا یا قرعہ کے ذریعہ سے حصص کا تعین ہو جائے یا یہ کہ شرکاء نے کسی کو وکیل کر دیا ہو کہ تقسیم کر کے ہر ایک کا حصہ مشخص کر دے اور اس نے شخصیں کر دیا (علیگیری)

بَابُ الْاِسْتِزَالِ فِي الذَّهَبِ

باب سونے، چاندی اور ان تمام چیزوں

میں اشتراک بن میں بیع صرف ہوتی ہے۔

سیمان بن ابی سلم نے ابوالمہمال سے بیع صرف نقد

وَالْفِضَّةِ وَمَا يَكُونُ فِيهِ الصَّرْفُ

۲۳۴۔ قَالَ أَحَبُّ بَنِي سُلَيْمٍ بَنُ أَبِي

مُسْلِمٌ قَالَ قَالَ أَبُو الْمُنْهَالِ عَنْ الْمَرْفُوفِ
بِذَا بَيْدَ فَقَالَ اشْتَرَيْتُ أَتَا وَشَرِيكَ
لَمْ شَيْئًا بَيْدَ ابْيَدَ وَلَسِيْمَةً نَجَاء
نَا الْبَرَاءَ بِنُ عَازِبَ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ
فَعَلْتُ أَتَا وَشَرِيكَ ذِيْدُ بْنُ أَرْقَمَ
وَسَأَلْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ
ذَلِكَ فَقَالَ مَا كَانَ يَدُ ابْيَدَ فَخَذُوهُ وَمَا كَانَ
لَسِيْمَةً فَخَذُوهُ

کرنے کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے
اور میرے ایک شریک نے کوئی چیز (سوئے) اور
چاندی کی خریدی، نقد بھی اور ادھار بھی۔ پھر ہمارے
ہاں برابر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے
تو ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا۔ آپ نے
فرمایا کہ میں نے اور میرے شریک زید بن ارقم رضی اللہ
عنہ نے بھی یہ بیع کی تھی اور اس کے متعلق رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا
کہ جو نقد ہو وہ تو لے لو لیکن جو ادھار ہو اسے چھوڑ دو

۱۔ علامہ معینی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ چاندی اور سوئے میں شرکت جائز ہے اور اس
کی صورت یہ ہے کہ دونوں شریکوں کی طرف سے درہم ہوں یا دنانیر اور دونوں شریک
اپنے اپنے درہم کو یا اپنے اپنے دنانیر کو اس طرح ملا دیں کہ ان میں تین برابر ہوں اور ہر شریک دوسرے
کا قائم مقام ہو۔ پھر دونوں اس میں شرکت کریں تو یہ صورت بلا خلاف جائز ہے۔

۲۔ اور اگر ایک کی طرف سے درہم ہوں اور دوسرے کی طرف سے دنانیر تو اس کے جواز میں اختلاف
ہے۔ امام مالک ابام شافعی اور علما رکوفہ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں کیونکہ یہ بیع صرف اور شرکت ہے۔
لیکن سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اگر ایسا کریں کہ ایک اپنے درہم اور دوسرا اپنے دینار کو ملا لیں گویا ان میں سے
ہر ایک شریک نے اپنا نصف حصہ دوسرے کے نصف حصہ کے عوض فروخت کر دیا اور اب اس میں شرکت
کریں تو جائز ہے۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں مع مفصل تعلیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ ابو منہال اور ان کے شریک
سوئے چاندی کی بیع و شراعت نقد اور ادھار کرتے تھے۔ حدیث میں بتایا گیا کہ بیع صرف نقد جائز ہے ادھار
ناجائز ہے۔ بیع صرف کے مکمل احکام و مسائل کے لیے پارہ ہشتم ص ۱۹۱، ۱۹۸ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ مُشَارَكَةِ الذِّمِّيِّ وَالْمُشْرِكِينَ فِي الْمَزَارَعَةِ

باب مشرکین اور ذمیوں کے ساتھ مزارعت میں شرکت

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام
نے خیبر کی زمین یہود کو بٹائی پر وہی تھی وہ اس میں

۲۳۳۵۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَعْطَى رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ الْيَهُودَ

جو تیس اور پیداوار کا نصف ان کو ملے گا۔

أَنْ يَمْلِكُوهُمَا وَيَزِدَّوْهُمَا وَلَهُمْ شَطْرُ
مَا يَخْرُجُ مِنْهَا (بخاری)

فوائد و مسائل ۱۔ عزان میں مشرکین سے مراد مسلمان ہے جو دارالاسلام میں حکومت کی اجازت سے رہے اور مسلمان ذمی کے حکم میں ہے یعنی مزاد عتیں میں مسلم اور ذمی کی شرکت جائز ہے بلکہ یہ شرکت اجارہ کی طرح ہے اور ذمی کو اُمرت پر رکھنا جائز ہے۔

۲۔ زراعت کے علاوہ دیگر اشیاء میں ذمی و مسلم کے درمیان شرکت کو عطاء حسن بصری لیث، ثوری امام احمد و اسحاق و امام مالک ناجائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر صورت یہ ہو کہ مسلمان شریک کی موجودگی میں بیع و شرا کرے یا مسلمان خود غریہ و فروخت کرے تو اس صورت کو امام مالک جائز کہتے ہیں۔ ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ذمی کبھی شراب کی تجارت کرتا ہے یا سودی لین دین کرنے لگتا ہے اور یہ مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔

کیا ذمی کافر کے ساتھ شرکت جائز ہے؟ اور امام اعظم ابو حنیفہ و محمد فرماتے ہیں۔ ذمی کے ساتھ شرکت مفادعہ جائز نہیں اور امام ابو یوسف جائز قرار دیتے ہیں۔

۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر زمین یا درخت کا مالک اپنا حصہ متعین کر دے تو یہ جائز ہے اور باقی عامل کا ہوگا۔ جیسا کہ مالک اگر عامل کا حصہ متعین کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ کتاب المزارعہ میں اس سلسلہ کے مسائل بڑی تفصیل سے بیان کر دیے ہیں ضرور ملاحظہ کیجئے۔ حدیث نمبر ۲۱۷۷ تا حدیث نمبر ۲۱۹۴

بَابُ قِسْمَةِ الْعَتَمِ وَالْعَدْلِ فِيهَا

باب بکریوں کی تقسیم انصاف کے ساتھ

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بکریاں دی تھیں کہ قربانی کے لیے انھیں صحابہ میں تقسیم کر دیں۔ ایک سال کا، بکری کا ایک بچہ بچ گیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی تم قربانی کر لو۔

۲۳۳۹۔ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ عَتَمًا يَتَبَسُّهُمَا عَلَى صَحَابَيْهِ صَحَابَايَا فَبَقِيَ عَتَوْدٌ فَلَمَّا كَرَهُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَعِ بِهِ أَنْتَ

فوائد و مسائل ۱۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عقبہ کو ان بکریوں کو صحابہ میں تقسیم کرنے کے لیے وکیل بنایا تھا کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق تقسیم کر دیں۔ حضور نے کسی کا حصہ متعین نہیں فرمایا تھا۔ یہ صریح

نافلہ تھا۔ اس لیے اس تقسیم میں مساوات ضروری نہ تھی۔ کیونکہ تقسیم میں مساوات اس وقت ضروری ہوتی ہے۔ جب کہ اس چیز میں شرکاء کا حق ہو اور ان بکریوں میں کسی کا حق نہ تھا۔

نبی علیہ السلام نے بطور صدقہ نافلہ حضرت عقبہ کو تقسیم کے لیے وکیل بنایا تھا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ عیدہ اخفی کی قربانی کے لیے بکری بکرے کی عمر پورے ایک سال ہونا ضروری ہے۔ یہ حدیث کتاب الکلالہ میں گزری ہوئی ہے۔ دیکھتے حدیث نمبر ۲۱۵۲

۲۳۴۶۔ عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبُدٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ هِشَامٍ وَكَانَ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ زَيْنَبُ بِنْتُ حَبِيدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا بَيْتُ فَقَالَ هُوَ صَغِيرٌ فَسَمِعَ رَسُولُ اللَّهِ وَدَعَا لَهُ وَعَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبُدٍ أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ بِهِ جَدُّهُ عَبْدِ اللَّهِ بْنُ هِشَامٍ إِلَى السُّوقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ فَيَقُولَانِ لَهُ أَشْرَكْنَا فَتَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَاكَ بِالسَّبَرِ كَتَبَ فَيُشِيرُ كَهْمُ فَدَبُّبَهَا أَصَابَ السَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعُثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ

(بخاری)

زہرہ بن معبد اپنے دادا عبد اللہ بن ہشام سے راوی انہوں نے رسول کریم کا عید پایا تھا۔ عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی والدہ زینب بنت عیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر لائیں اور عرض کی یا رسول اللہ اس کو بیعت فرما لیجئے۔ فرمایا یہ چھوٹا بچہ ہے۔ پھر ان کے سر پر حضور نے ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے دعا کی۔ ان کے پوتے زہرہ بن معبد کہتے ہیں کہ میرے دادا عبد اللہ بن ہشام مجھے بازار لے جاتے اور وہاں غلہ خریدتے تو ان عمرہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے ملنے اور کہتے ہمیں بھی شریک کر لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہارے لیے دعا کی برکت کی ہے۔ وہ انہیں بھی شریک کر لیتے اور بسا اوقات ایک مسلم اونٹ نفع میں مل جاتا اور اسے گھر بھیج دیا کرتے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے شرکت، دعوات اور ابوداؤد نے فراج میں ذکر کیا ہے۔

فوائد و مسائل

۲۔ بوجہ صغریٰ حضور علیہ السلام نے عبد اللہ بن ہشام کو بیعت تو نہ فرمایا مگر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ برکت کی دعا کی۔ ۳۔ ستورات اپنے بچوں کو بخیر نبوی لاتی تھیں تاکہ حضور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائیں اور جس کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعا و برکت فرمادیتے تو صحابہ کرام پر یقین کرتے تھے کہ ضرور برکت ہوگی۔ اس نوع کے ایک نہیں بہت واقعات سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

اشْرِكْنَا كَمَا مَطْلَبُ يَهِيءُ كَمَا اِهْنِيءُ يَسِيرٌ فِي هِمَارٍ يَحْمِلُ عَلَيْنَا سَهْلًا وَغَيْرُهُ غَرِيدٌ وَنُفْعٌ
هَوَ كَوْدُهُ هِمَارًا تَهْمَارًا۔

بَابُ الشَّرِكَةِ فِي الطَّعَامِ وَغَيْرِهِ

باب غلہ وغیرہ میں شریکت کے متعلق

ایک شخص دام بٹھار رہا ہے اور دوسرے نے اسے
اشارہ کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اس اشارہ کو شریکت
قرار دیا۔

ابو عبد اللہ امام بخاری نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص
کسی سے یہ کہے کہ مجھے بھی شریک کر لو اور وہ
خاموش رہے تو یہ شریکت نصف میں ہوگی۔

واضح ہو کہ شریکت میں ایجاب و قبول ضروری ہے۔ خواہ لفظوں سے ہو یا قرینہ سے جیسا کہ اثیرؓ حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واضح ہوا۔

بَابُ الشَّرِكَةِ فِي الرَّقِيقِ

باب غلام میں شریکت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کسی (شریک)
غلام کا اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کے لیے ضروری ہے
کہ اگر غلام کی منصفانہ قیمت کے برابر اس کے پاس
مال ہے تو پورا غلام آزاد کر دے۔ اس طرح دوسرے
شریکار کو ان کے حصے کے مطابق دے دیا جائے اور
آزاد شدہ غلام کی راہ صاف کر دی جائے۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ جس نے کسی غلام کا ایک حصہ آزاد کر
دیا تو اگر اس کے پاس مال ہے تو پورا غلام آزاد
کر دیا جائے گا۔ اور اگر مال نہیں ہے تو غلام سے کہا

۲۳۳۸۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ شَرِكًا لَهُ
فِي مَمْلُوكٍ وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُعْتِقَ كُلَّهُ
إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ قَدَرَتْ ثَمَنُهُ يُقَامَرُ
فَبِمَا لَكَ عَدْلٌ وَيُعْطَى شُرَكَاءُ وَهُوَ حَصَّتْهُمْ
وَيُخْلَى سَبِيلُ الْمُعْتَقِ .

۲۳۳۹۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ شَفِيعًا لَهُ
فِي عَبْدٍ أَعْتَقَ كُلَّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ قَدَرَتْ
يُسْتَسْنَى لغير مَشْفُوقٍ عَلَيْهِ

جائے گا کہ بقیہ حصہ محنت مزدوری کر کے ادا کرے مگر اس سلسلہ میں اسے تکلیف میں نہیں ڈالا جائیگا۔

اس مضمون کی احادیث باب تعویم الاشیاء بین الشکر والبقیۃ عدل میں گزر چکی ہیں وہاں ہم نے اس سلسلہ کے مختصر مسائل بھی بیان کر دیے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۳۳۲۴

بَابُ الْإِشْتِرَاكِ فِي الْمَذْيِ وَالْبُذْنِ

باب قربانی کے جانوروں اور اونٹوں میں شریکت

وَإِذَا اشْتَرَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي هَذِيهِ | اور جب کسی نے قربانی کا جانور بیچنے کے بعد
بَعْدَ مَا أَهْلَى | اس میں کسی کو شریک کر لیا۔

۲۳۴۰۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی ذی الحجہ کی صبح کو تبلیہ کہتے ہوئے جس کے ساتھ کوئی اور چیز (عمرہ) کی نیت آپ نے نہ کی تھی (مکہ میں) داخل ہوئے۔ جب ہم پہنچے تو آنحضرت کے حکم سے ہم نے اپنے حج کو عمرہ میں تبدیل کر لیا اور یہ کہ عمرہ کے افعال ادا کرنے کے بعد حج کے احرام تک) ہماری ہریاں ہمارے لیے حلال رہیں گی۔ اس پر لوگوں میں چرمیگوئیاں شروع ہو گئیں۔ حضرت جابر نے کہا کیا ہم منیٰ اس حال میں جائیں کہ ہماری خواہش نفسانی زوروں پر ہو۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ میں تم میں سے سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہوں۔ اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی حلال ہو جاتا۔ اس پر سرقرن مالک بن جشم کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا یہ حکم (حج کے ایام میں عمرہ) خاص ہمارے ہی لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ نہیں ہمیشہ کے لیے ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (میں سے) آئے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ بلکہ ہمارا اہل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے یوں کہا تھا۔ بحجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے
أَنْ يُقِيمَ عَلَى إِحْرَامِهِ وَاشْتَرَاكِ | احرام پر قائم رہیں (جیسے انھوں نے باندھا ہے) اور
فِي الْمَذْيِ (بخاری) انھیں اپنی قربانی میں شریک کر لیا۔

یہ حدیث کتاب الحج فیوض پارہ ششم میں گزر چکی ہے۔ عنوان کے مطابق اس حدیث میں اشترکہ فی الہدی کے الفاظ ہیں۔

بَابُ مَنْ عَدَلَ عَشْرًا مِنَ الْغَنَمِ

باب ایک اونٹ کے برابر دس بھریاں

بِمَجْزُورٍ فِي الْقُسْمِ | تقسیم کرنا۔

۲۳۴۱۔ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث داؤد بن عبدیج ذکر کی ہے۔ ضرور ملاحظہ کیجیے۔ حدیث نمبر ۲۳۴۲ وہاں ہم نے اس حدیث کے تمام مسائل بڑی تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔ اس حدیث میں شمر عدل عشر آمن العنعمہ مجزور کے الفاظ عنوان کے مطابق ہیں۔ واضح ہو کہ جانور شلی نہیں بلکہ قیمی ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ ایک اونٹ کی قیمت میں دس بکریاں آجاتی تھیں اس لیے نبی علیہ السلام نے ایک اونٹ کے عوض دس بکریاں تقسیم فرمائیں۔

کتاب الرهن

کتاب رہن کے بیان میں

رہن کا جو از کتاب وسنت سے ثابت اور اس کے جائز ہونے پر اجماع منعقد قرآن مجید میں ارشاد ہے: **وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا** | اور اگر تم سفر میں ہو (اور لین دین کرو) اور کتاب کتابت الرهن مکتوبہ ہے **كَاتِبًا فَرِهْنٌ مِّمَّنْ بَوَّضَهُ** | نہ پاؤ (کہ وہ دستاویز لکھے) تو گروہی رکھنا ہے جس پر قبضہ ہو جائے۔

اس آیت میں سفر میں گروہی رکھنے کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ بحالت سفر رہن رکھنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے ورنہ سفر و حضر میں رہن رکھنا جائز ہے۔

بَابُ مَنْ رَهْنًا دَرَعًا

باب زره رہن رکھنا

۲۳۴۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کے مقابل میں اپنی زره گروہ دی تھی اور میں بجنور نبوی پرانی چربی لے کر حاضر ہوا اور حضور نے فرمایا۔ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی بیع اور شام ایسی نہیں گزری کہ ایک صاع سے زیادہ کچھ اور رہا ہو۔ حالانکہ حضور کے نوگھرتے (بخاری)۔

۲۳۴۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے غلہ ایک معین مدت پر اُدھار خرید لیا تھا اور اپنی زره اس کے پاس رہن رکھی (بخاری) واضح ہو اس مضمون کی احادیث فیوض پارہ ہشتم ص ۴۲، پر باب شرار النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں گزر چکی ہیں۔ ہم نے وہاں بڑی تفصیل سے ان احادیث کے احکام و مسائل، رہن کے نفوذ و شرعی معنی، رہن کے کچھ ضروری مسائل اور نبی علیہ السلام نے جو زره گروہی رکھی اس کا حال و احوال تفصیل کے ساتھ

بیان کر دیے ہیں ضرور ملاحظہ کیجئے ۲

۲۔ امام بخاری نے ان احادیث کو ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے کہ رہن رکھنا جائز ہے اور یہ کہ رہن بیعہ بحالت سفر جائز ہے حضرات بھی جائز ہے بلکہ بضرورت رہن رکھنا سنت ہے نیز بضرورت ہتھیار وغیرہ کافر کے ہاتھ رہن رکھنا جائز ہے۔

رہن کے بعض ضروری احکام و مسائل | ۱۔ نفث میں رہن کے معنی روکنا ہیں۔ اس کا سبب کچھ بھی ہو اور اصطلاح شرح میں دوسرے کے مال کو اپنے حق میں اس لیے روکنا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے حق کو نگلا یا جرم وصول کرنا ممکن ہو مثلاً کسی کے ذمہ اس کا دین ہے۔ اس مدیون نے اپنی کوئی چیز دائن کے پاس اس لیے رکھ دی ہے کہ اس کو اپنے دین کی وصولی پانے کے لیے ذریعہ بنے۔ رہن کو اردو زبان میں گروی رکھنا کہتے ہیں۔

۲۔ چیز کے رکھنے والے کو راہن۔ راہن مدیون ہوتا ہے یعنی مقروض

۳۔ جس کے پاس چیز رکھی جائے اسے مرتن۔ یہ دائن ہوتا ہے یعنی قرض دینے والا۔

۴۔ جو چیز رہن رکھی جائے اسے مرہون۔ جیسے دکان و مکان وغیرہ

۵۔ رہن میں دائن اور مدیون دونوں کا غائدہ ہے۔ بعض اوقات بغیر رہن رکھے کوئی قرض واپس نہیں کرتا۔ مدیون کا بھلا یوں ہو کہ دین مل گیا اور دائن کا بھلا ظاہر ہے کہ اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اب میرا روپیہ مارا نہ جائے گا۔ (ردایہ، حنفیہ)

۶۔ عقد رہن ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے۔ مثلاً مدیون نے یوں کہا کہ تمہارا جو کچھ میرے ذمہ ہے اس کے مقابلہ میں یہ چیز تمہارے پاس رہن رکھی جائے کہ اس چیز کو رہن رکھ لو۔ دوسرا کہ میں نے قبول کیا۔ نیز بعینہ لفظ رہن ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہر وہ لفظ جس سے رہن کے معنی سمجھے جائیں عقد رہن کیلئے کافی ہیں۔ (عالمگیری ردایہ و دالمختار)

۷۔ ایجاب و قبول سے عقد رہن ہوتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا جب تک مرتن نے مرہون پر قبضہ نہ کر لے لہذا قبضہ سے پہلے راہن کو اختیار رہتا ہے کہ چیز دے یا نہ دے اور جب مرتن نے قبضہ کر لیا تو پکا معاملہ ہو گیا۔ اب راہن کو بغیر اس کا حق ادا کئے چیز واپس لینے کا حق نہیں رہتا (ردایہ) مگر حنفیہ میں فرمایا کہ یہ عام کتب کے مخالف ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح یہ ہے کہ بغیر قبضہ رہن جائز ہی نہیں۔ امام حاکم شہید نے کافی میں اور امام جعفر طحاوی و امام کرخی نے اپنے اپنے مختصر میں اسی کی تصریح کی اور در مختار میں مجتبے سے ہے کہ قبضہ شرط ہوا ہے نہ کہ شرط لزوم۔

۸۔ قبضہ کے لیے اجازت راہن ضروری ہے۔ صراحت قبضہ کی اجازت دے یا دلالت دونوں صورتوں میں قبضہ ہو جائے گا۔ اسی مجلس میں قبضہ ہو جس میں ایجاب و قبول ہوا ہے یا بعد میں خود قبضہ کرے یا اس کا نائب قبضہ کرے سب صحیح ہے (رد المحتار)

۹۔ مہرجن شے پر قبضہ اس طرح ہو کہ وہ اکٹھی ہو متفرق نہ ہو مثلاً درخت پر پھیل ہیں یا کھیت میں زراعت ہے۔ صرف پھلوں یا زراعت کو بہن رکھا درخت اور کھیت کو نہیں رکھا۔ یہ قبضہ صحیح نہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ مہرجن شے حق راہن کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ مثلاً درخت پر پھیل ہیں اور صرف درخت کو بہن رکھا اور یہ بھی ضرور ہے کہ متمیز ہو یعنی مشاع نہ ہو (در مختار)

۱۰۔ ایسی چیز بہن رکھی جو دوسری چیز کے ساتھ منقلب ہو، مثلاً درخت جی پھیل گئے ہیں صرف پھلوں کو بہن رکھا اور مرتہن نے ٹھہا کر کے مثلاً پھلوں کو توڑ کر قبضہ کر لیا۔ اگر یہ قبضہ بغیر اجازت راہن ہے تو ناجائز ہے اور اگر اجازت راہن سے ہے تو جائز ہے (عالمگیری)

۱۱۔ بہن کے شرائط حسب ذیل ہیں ۱۔ راہن و مرتہن قاتل ہوں یعنی ناکچہ بچہ اور مجنون کا بہن رکھنا صحیح نہیں۔ بلوغ اس کے لیے شرط نہیں۔ نابالغ بچہ جو قاتل ہو اس کا بہن رکھنا صحیح ہے۔ بہن کسی شرط پر منقطع نہ ہو نہ اس کی اضافت وقت کی طرف ہو۔ جس چیز کو بہن رکھا وہ قابل بیع ہو یعنی وقت عقد موجود، مال متقوم مملوک اور مقدر و التسلیم ہو اس لیے درخت میں جو پھیل اس سال آئیں گے یا یکریوں کے اس سال جو بچے پیدا ہوں گے یا اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے ان سب کا بہن نہیں ہو سکتا۔ مژدار اور خون کو بہن نہیں رکھ سکتے۔

۱۲۔ دان نے مدیون سے اپنے دین کے مقابل جب کوئی چیز بہن رکھ لی تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اب وہ دین کا مطالبہ ہی نہیں کر سکتا خاموش بیٹھا رہے بلکہ اب بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔ قاضی کے پاس دین کا دعوے کر سکتا ہے۔ اور قاضی کو اگر ثابت ہو جائے کہ مدیون

ادا سے دین میں ڈھیل ڈال رہا ہے تو اسے قید بھی کر سکتا ہے کہ ایسے کی سزا یہی ہے (ہایہ)

۱۳۔ مہرجن چیز مرتہن کے ضمان میں ہوتی ہے یعنی مہرجن کی مالیت اس کے ضمان میں ہے اور خود شئی مہرجن وہ بطور امانت ہے۔ لہذا مہرجن کا نفع راہن کے ذمہ ہے۔ مرتہن کے ذمہ نہیں۔ (ہایہ رد المحتار)

۱۴۔ مہرجن شئی جب تک مرتہن کے قبضہ میں ہے راہن اسے فروخت نہیں کر سکتا۔ مرتہن جب تک پورا قرض وصول نہ کر لے اس کو اختیار ہے کہ فروخت نہ کرنے دے۔ (ہایہ)

۱۵۔ جیسے مہرجن سے مرتہن نفع نہیں اٹھا سکتا اسی طرح راہن کو بھی اس سے نفع اٹھانا منع ہے۔

ہاں اگر مرتن اجازت دیدے تو پھر راہن کو مرہون سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ (درمختار)

۱۶۔ مرتن کے پاس اگر مرہون ہلاک ہو جائے تو دین اور اس کی قیمت میں جو کم ہے اس کے مقابلہ میں ہلاک ہوگا۔ مثلاً سو روپے دین ہیں اور مرہون کی قیمت دو سو روپے ہے تو سو کے مقابلہ میں ہلاک ہو جائیگی اس کا دین ساقط ہو گیا اور مرتن راہن کو کچھ نہیں دے گا اور اگر صورت معروضہ میں مرہون کی قیمت پچاس روپے ہے تو دین میں سے پچاس ساقط ہو گئے اور پچاس باقی ہیں اور اگر دونوں برابر ہیں تو نہ لینا ہے نہ دینا۔ (درمختار)

۱۷۔ راہن یا مرتن کے مرنے سے رہن باطل نہیں ہوتا بلکہ دونوں مرجائیں۔ جب بھی باطل نہ ہوگا بلکہ ورثہ قائم مقام ہوں گے۔ (درمختار) اسی طرح مرہون میں جو کچھ زیادتی ہوئی۔ مثلاً جانور تھا اس کے بچہ پیدا ہوا۔ بھیڑ دینہ کی اُون، درخت کے پھل، جانور کا دودھ، یہ سب چیزیں راہن کی ملک ہیں اور رہن میں داخل ہیں یعنی راہن ان چیزوں کو جب تک قرض ادا نہ کرے مرتن سے نہیں لے سکتا۔ پھر اگر یہ چیزیں ملک رہن تک باقی رہ جائیں تو قرض کو اصل اور اس زیادتی کی قیمت پر تقسیم کیا جائیگا اور اگر ملک رہن سے قبل یہ چیزیں ہلاک ہو جائیں تو ان کے مقابل قرض ساقط نہیں ہوگا۔ (درمختار و رد المحتار) مرتن نے اگر مرہون میں کوئی ایسا فعل کیا جس کی وجہ سے وہ چیز ہلاک ہو گئی یا اس میں نقصان پیدا ہو گیا تو ضامن ہے یعنی اس کا تاوان دینا ہوگا۔

۱۸۔ مرتن کے ذمہ مرہون کی حفاظت لازم ہے لہذا شے مرہون کی صرف حفاظت کے لیے جو اخراجات ہوں وہ مرتن کے ذمہ ہے اور شے مرہون اگر جانور ہے تو اس کے کھانے پینے کا خرچہ، باغ رہن ہے تو درختوں کو پانی دینے وغیرہ امور کے اخراجات زمین پر اگر کوئی ٹیکس ہے وہ سب راہن کے ذمہ ہوں گے۔ (ہلیہ)

۱۹۔ ایک شخص سے روپیہ قرض لیا اور اسے اپنا مکان رہنے کو دیدیا کہ جب تک قرض ادا نہ کر دوں تم اس میں رہو یا کھیت اس طرح دیا مثلاً سو روپے قرض لے کر کھیت دے دیا کہ قرض دینے والا کھیت جو روئے گا اور نفع اٹھائے گا۔ یہ صورت رہن میں داخل نہیں بلکہ یہ بمنزلہ اجارہ فارسدہ ہے۔ اس شخص پر اجرت مثل لازم ہے کیونکہ مکان یا کھیت اسے مفت نہیں دے رہا ہے بلکہ قرض کی وجہ سے دے رہا ہے اور چونکہ قرض سے امتناع حرام ہے۔ لہذا اجرت مثل دینی ہوگی۔ (رد المحتار)

۲۰۔ بعض لوگ قرض لے کر مکان یا کھیت رہن رکھ دیتے ہیں کہ مرتن مکان میں رہے اور کھیت کو چوتے برسے اور مکان یا کھیت کی کچھ اجرت مقرر کر دیتے ہیں مثلاً مکان کا کرایہ دو سو روپے ماہوار یا کھیت کا پٹہ ایک سو روپے سال ہونا چاہیے اور طے یہ پایا ہے کہ یہ رقم قرض سے مجرا ہوتی ہے گی۔ جب کل رقم ادا ہو جائے گی۔ اس وقت مکان یا کھیت واپس ہو جائے گا۔ اس صورت میں بظاہر کوئی قباحت نہیں معلوم

ہوتی اگرچہ کرایہ یا پٹ واجبی اجرت سے کم طے پایا ہو اور یہ صورت اجارہ میں داخل ہے یعنی اتنے زمانہ کے لیے مکان یا حکیت اجرت پر دیا اور زر اجرت پیشگی لے لیا۔

۲۱۔ مرتہن کو مرہون چیز سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً مکان ہو اس میں رہنا یا اس کو کرایہ پر دینا۔ زیور کپڑا یا بائیکل موٹر وغیرہ کوئی چیز ہے تو اسے استعمال کرنا یا کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔
۲۲۔ واضح ہو کہ اگر راہن لے کر راہن نے مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانے کی اجازت دیدی ہے تو کیا نفع اٹھانا حلال ہے؟

دو صورتیں ہیں۔ اگر یہ اجازت رہن میں شرط ہے یعنی قرض ہی اس طرح دیا ہے کہ وہ اپنی چیز اس کے پاس رہن رکھے اور یہ اس سے نفع اٹھائے جیسا کہ عموماً آج کل مکان یا زمین اسی طور پر رہن رکھتے ہیں۔ یہ ناجائز اور سود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شرط نہ ہو یعنی عقد رہن ہو جائے کے بعد راہن نے اجازت دی ہے کہ مرتہن نفع اٹھائے یہ صورت جائز ہے۔ اصل حکم یہی ہے۔

عمر نے کہا کہ میں نے

بَابُ رَهْنِ الْمَسْلُوحِ

باب ہتھیار رہن رکھنا جابر بن عبد اللہ کہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کعب بن اشرف (یہودی اور اسلام کا شدید ترین دشمن) کا کام کون تمام کر کے گا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہے۔ محمد بن مسلم رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ میں دیر کام انجام دوں گا چنانچہ وہ اس کے ہاں گئے اور کہا کہ ایک یا دو وسق غلہ قرض لینے کے ارادے سے آیا ہوں۔ کعب نے کہا۔ لیکن تمہیں اپنی بیویوں کو میرے پاس رہن رکھنا ہو گا۔ انھوں نے کہا کہ ہم اپنی بیویوں کو تمہارے پاس کس طرح رہن رکھ سکتے ہیں۔ جب کہ تم عرب کے خوبصورت ترین شخص میں سے ہو۔ اس نے کہا پھر اپنی اولاد رہن رکھ دو۔ انھوں نے کہا۔

۲۳۴۴۔ قَالَ عَنِی رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَعَنَ كَعْبَ بْنَ الْأَشْرَفِ فَإِنَّهُ أَدَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمَةَ أَنَا فَاتَاهُ فَقَالَ أَرَدْنَا أَنْ نَسْلِفًا وَسَقَا أَوْ سَفَيْنًا فَقَالَ أَذْهَبُ فِي نِسَاءِكُمْ قَالُوا كَيْفَ نَسَاءُكَ نِسَاءُ تَا وَأَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ قَالَ فَارْهِنُونِي بِنِسَاءِكُمْ قَالُوا كَيْفَ نَرَهْنُ بِنِسَاءِ تَا يَسِبُ أَحَدُهُمْ فَيَقَالَ رُهْنٌ يَوْمَئِذٍ أَوْ سَقَيْنَ هَذَا عَارِجًا عَلَيْنَا وَلَكِنَّا نَرَهْنُكَ اللَّامَةَ

کہ ہم اپنی اولاد کو کس طرح رہن رکھ سکتے ہیں۔ اسی پر انھیں طعنے دیا گیا کہ اے گاہک ایکٹا دوسرے کے لیے رہن رکھ دیتے گئے تھے۔ یہ تو ہمارے لیے بڑی شرم کی بات ہے۔ البتہ ہم ”لامہ“ تمہارے

قَالَ سَفِيَانُ يُفْتِي السَّلَاحَ فَوَعْدُهُ أَن
يَأْتِيَهُ فَقَتَلُوهُ شَعْرًا أَمَّا النَّبِيَّةُ صَلَّي
اللَّهُ عَلَيْهَا وَسَلَّم فَاحْبَرُوهُ

یہاں رہن رکھ سکتے ہیں۔ سفیان نے فرمایا کہ مراد اس سے ”ہتھیار“ ہیں۔ پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے (چلے آئے اور رات میں اس کے یہاں پہنچ کر) اسے قتل کر دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اطلاع دی۔

فوائد و مسائل | اس حدیث میں نہرہنک اللامہ کے الفاظ عنوان کے مطابق ہو سکتے ہیں۔ معلوم ہوا وہ چیز جو مال جو رہن رکھ سکتے ہیں۔

قتل کعب بن شرف، ربیع الاول ۱۰ھ | یہودیوں میں کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا۔ اس کے باپ اشرف نے جو قبیلہ طے سے تھا، مدینہ میں تفسیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا کہ ابراہام بن الحقیق جو یہود کے معتاد اور تاجر الحجاز جس کا خطاب تھا اس کی لڑکی سے شادی کی۔ کعب اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس دو طرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اس کا عام اثر تھا۔ رفتہ رفتہ دولت مندی کی وجہ سے تمام یہودی بائع عرب کا رئیس بن گیا۔ یہودی علماء اور پیشوایان مذہب کی تنخواہیں مقرر کیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے اور علمائے یہود اس سے ماہواریں لینے آئے تو اس نے ان لوگوں سے حضور علیہ السلام کے متعلق راستے دریافت کی۔ اور جب اپنا ہم خیال بنا لیا تب ان کے مفزہ روزینہ جاری کئے۔ اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ بدر کی لڑائی میں سرواران قریش مارے گئے تو اس کو نہایت صدمہ ہوا۔ تعزیت کے لیے کہہ گیا۔ گشتگان بدر کے پُر دور مرثیے جن میں انتقام کی ترغیب مٹی لوگوں کو جمع کر کے درد کے ساتھ شعر پڑھتا رہتا رہتا تھا۔ یہی وہ بدبخت ہے جو کہ میں چاہیں آدمی لے کر گیا اور ابرو سفیان کو بدر کا انتقام لینے پر گام کیا۔ حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ سے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو اس دشمن اسلام کو قتل کر دے چنانچہ ربیع الاول میں حضرت محمد بن مسلمہ لے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔ اس حدیث میں اسی واقعہ کا ذکر ہے ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ بصورت ہتھیار وغیرہ کا فر کے پاس رہن رکھنا جائز ہے۔ تفصیل کے لیے پارہ ہشتم ص ۴۴ تا ۴۶

ضرور ملاحظہ کریں۔

بَابُ الرَّهْنِ مَرْكُوبٍ وَمَحْلُوبٍ

باب رہن پر سوار ہوا جانے والا اور اس کا دودھ دہا جانے والا

یہ عنوان بعینہ حدیث کے الفاظ ہیں جسے حاکم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔

الرَّهْنُ مَرْكُوبٌ وَمَحْلُوبٌ | کہ رہن پر سواری کی جائے گی اور اس کا دودھ نکالا جائے گا۔

یعنی اگر شے مرہون قابل سواری ہو اس پر سواری کی جائے گی اور جانور دودھ دینے والا ہے تو اس کا دودھ نکالا جائے گا۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند علی شرط ایضاً ہے۔

وَقَالَ مُغِيرَةُ عَنْ ابْنِ أَبِي هَبٍ تَرَكْتُ
الْبَقَالَ يُعْذِرُ عَلَيْهَا وَتُحْلَبُ بِقَائِدٍ
عَلَيْهَا وَالرَّهْنُ مِثْلُهَا

مغیرہ نے بیان کیا اور ان سے ابن ابی ہب نے کہ گمشدہ جانور پر اگر کسی کو مل جائے تو اس پر چارہ دینے کے بدلے سواری بھی ہوا جاسکتا ہے اگر وہ سواری کا جانور ہے اور چارے کے مطابق اس کا دودھ

بھی دہا جاسکتا ہے (اگر وہ دودھ دینے کے قابل جانور ہے) یہی حال رہن کا بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانور جب مرہون ہو تو اس پر خرچ کے عوض سواری ہو سکتے ہیں اور دودھ والے جانور کا دودھ بھی نفقہ کے عوض میں پیا جائے گا اور سوار ہونے والے اور دودھ پینے کا خرچہ سوار ہونے والے اور پینے والے پر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رہن پر خرچ کرنے کے بدلے میں، اس پر سواری بھی ہوا جاسکتا ہے اور اگر دودھ دینے والا ہو تو اس کا دودھ بھی پیا جاسکتا ہے۔

۲۳۴۵۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّهْنُ
يُزَكَّبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا
وَلَكِنْ الدَّرُّ يَشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ
مَرْهُونًا وَكُلُّ الَّذِي يَزَكَّبُ وَيَشْرَبُ
النَّفَقَةُ

۲۳۴۶۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ
يَقُولُ الرَّهْنُ يُزَكَّبُ بِنَفَقَتِهِ وَيَشْرَبُ
لَكِنْ الدَّرُّ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے رہن اور ابو داؤد نے بیہوش اور ابن ماجہ نے احکام میں ذکر کیا ہے۔ سیدنا امام غنی و امام شافعی و ترمذی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ راہن کو مرہون سے نفع اٹھانا جائز ہے یعنی اگر مرہون جانور ہے تو اس کے کھانے پینے پر جو خرچ ہوگا۔ اس کے عوض وہ اس جانور پر سواری کر سکتا ہے اور دودھ والا ہے تو اس کا دودھ نکال سکتا ہے۔
۲۔ امام ترمذی و امام ابو حنیفہ و ابو یوسف و امام مالک و احمد کی رائے یہ ہے کہ راہن کو مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بات حکم رہن کے منافی ہے۔ وَهُوَ الْحَبْسُ الدَّائِمُ فَلَا يَمْلِكُهُ يَمْنَى مَرْهُونَ كَأَمْرَتَيْنِ كَقَبْضَةٍ مِنْ عَيْدٍ مَرْتَبَةٍ صَرُورِي ہے۔

۳۔ امام حمادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ مرہون کا نفع یعنی اگر جانور ہے تو اس کے کھانے پینے کے اخراجات راہن کے ذمہ ہیں اور مرہن کو رہن شدہ چیز سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ قرض کے عوض کسی چیز کو اپنے پاس رہن رکھ رہا ہے تو اگر مرہن مرہون سے نفع اٹھاتا ہے تو یہ قرض پر نفع لینا ہے جو سود ہے اور یہ ناجائز ہے۔ سیدنا امام شافعی نے حدیث سے جو یہ استدلال فرمایا کہ راہن شے مرہون سے نفع اٹھا سکتا ہے۔ یہ اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ حدیث مجمل ہے۔ اس میں نہ راہن کا ذکر ہے نہ مرہن کا اور کسی ایک کو ترجیح دینے کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ (یعنی رہن رکھنا ہے جس پر قبضہ ہو جائے) تو اگر راہن کے لیے نفع حاصل کرنے کی اجازت کا قول کیا جائے (مثلاً گھوڑا رہن ہو اور راہن اس پر سوار ہو گیا) تو اب مرہون مقبوضہ کہاں رہا۔ اس لیے مرہون سے نہ راہن کو نفع اٹھانا جائز ہے اور نہ مرہن کو۔

بَابُ الرَّهْنِ عِنْدَ الْيَهُودِ وَغَيْرِهِمْ

باب یہود وغیرہ کے پاس رہن رکھنا

۲۴۴۷۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اشْتَرَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا وَرَهْنَهُ دِرْعَةً
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے غلہ خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی

اس حدیث سے واضح ہوا وقت ضرورت کا فر کے پاس بھی اپنی کوئی چیز رہن رکھ دینا جائز ہے اگرچہ وہ ہتھیار وغیرہ ہوں۔

بَابُ إِذَا اخْتَلَفَ الرَّاهِنُ وَالْمَرْهُونُ

باب راہن اور مرہن کا اگر اختلاف ہو جائے، یا

وَنَحْمُوهُ فَالْبَيْتَةُ عَلَى الْمَدْعَى وَالْيَمِينُ
عَلَى الْمَدْعَى عَلَيْهِ

۲۳۲۸- عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ كَتَبْتُ
إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَكَتَبَ إِلَيَّ أَنَّ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى آتَ
الْيَمِينِ عَلَى الْمَدْعَى عَلَيْهِ

اسی جیسے (کسی دوسرے معاملے میں اختلاف کی صورت پیدا ہو جائے) نوگو ابی پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے ورنہ مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔
ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (مسئلہ دریافت کرنے کے لیے) لکھا تو انھوں نے جواب میں تحریر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا تھا کہ مدعی علیہ سے صرف قسم لی جائے گی (اگر مدعی گواہ نہ پیش کر سکے) اس حدیث کو امام بخاری نے شہادات اور تفسیر مسلم و ترمذی اور ابن ماجہ نے اسحاق

فوائد مسائل

۱۔ ضابطہ یہ ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کرے۔ اگر پیش نہ کر سکے تو پھر مدعی علیہ پر قسم ہے۔ راہن اور مرتہن کا قرض کی رقم کے متعلق اختلاف ہوا۔ مثلاً راہن کہتا ہے ایک ہزار روپے قرض پر رہن رکھا گیا تھا۔ مرتہن کہتا ہے کہ دو ہزار تو امام اعظم ابو حنیفہ، ثوری، امام شافعی، احمد، اسحق و ابو ثور کہتے ہیں کہ راہن کو قول تسلیم کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ قرض کی رقم میں زیادتی کا منکر ہے لہذا مدعی علیہ ہے اس سے قسم لی جائے گی اور مرتہن کے ذمہ ہو کہ مدعی ہے گواہ پیش کرنے ہیں۔

۲۳۲۹- اس کے بعد امام بخاری نے حدیث عبد اللہ بن مسعود لکھی ہے جو کہ باب الخصومة فی البیئر میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۰۲۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میرا یہودی سے کنویں کے متعلق جھگڑا ہوا۔ مقدمہ بحضور نبوی پیش ہوا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم مدعی ہو گواہ پیش کرو ورنہ مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کر دیا جائیگا۔ انھوں نے عرض کی یہ تو جھوٹی قسم کھالے گا اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

جو شخص کسی کا مال مارنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا

مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالًا
هُوَ جُنْهًا فَاجِرٌ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ
غَضَبَانِ الْح (بخاری)

اس حدیث میں جھوٹی قسم کھا کر کسی کے مال کو حاصل کرنے والے کے بے وعید شدید ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن رحمت الہی سے محروم ہوگا۔

باب فِي الْعِتْقِ وَفَضْلِهِ

باب غلام آزاد کرنے کی فضیلت

وَقَوْلُهُ تَعَالَى فَلَكَ رَقِيبَةٌ أَوْ إِطْعَامٌ ۖ اَللّٰهُ تَعَالَى کا ارشاد کسی بندے کی گردن چھڑانا یا رشتہ دار قسیم کر
فِي يَوْمٍ فِيهِ مَسْغَبَةٌ يَتِيمًا ۖ اَللّٰهُ تَعَالَى بھوک کے دن کھانا دینا۔ نک کے معنی کسی کو غلامی
سے نجات دلانا یا کسی غلام کو آزاد کرنا یا اس مال دیدے کہ وہ اپنے مالک کو دے کہ آزاد ی حاصل کرے یا قیدی
اور مقررہ صل کی امانت کرے۔

اور مقروض کی اعانت کرے۔

عالم اختیار کر کے اپنی گردن کو عذابِ آخرت چھوڑا۔
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے کسی مسلمان (غلام)
کو آزاد کیا اور اسے تم سے اس غلام کے ہر عضو کی آزدادی
کے بدلے، اس شخص کے بھی ایک ایک عضو کو فروغ
سے آزاد کر دے گا۔ سید بن مرجان نے بیان کیا کہ پھر
میں علی بن حسین (امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) کے
ہاں گیا (اور ان سے حدیث بیان کی) وہ اپنے
ایک غلام کی طرف متوجہ ہوئے، جس کی عیدِ اشدین
بعض دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار قیمت سے

۲۳۵۰- عَنْ أَبِي مُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللَّهُ بِكُلِّ عَصْفٍ مِنْهُ عَصْفًا مِنْهُ
مِنَ النَّارِ قَالَ سَعْدُ بْنُ مَرْجَانَةَ فَأَنْطَلَقْتُ إِلَى عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ نَعِمَهُ عَلَى بْنِ حُسَيْنٍ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ قَدْ أَعْطَاهُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ عَشْرَةَ أَلْفٍ وَرُحْمًا أَوْ أَلْفَ دِينَارٍ فَأَعْتَقَهُ
رہے تھے اور آپ نے اسے آزاد کر دیا۔

فوائد و مسائل | قیمتی پیر کو خرچ کرنا زیادتی اجر کا باعث ہے۔

بَابُ آخِرُ الرِّقَابِ أَفْضَلُ

باب کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں میں نے مجھ کو نبوی عرض کی کون عمل افضل ہے فرمایا ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ میں نے عرض کی کون غلام آزاد کرنا افضل ہے فرمایا جو قیمتی ہو اور مالک کی نظر میں اس

٥١٣- عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْعَمَلِ أَفْضَلُ
قَالَ إِيْمَانٌ بِاللَّهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ قُلْتُ
فَأَيُّ الرِّغَابِ أَفْضَلُ قَالَ أَغْلَاهَا لَنَا

کی قدر ہو۔ میں نے عرض کی اگر یہ مجھ سے نہ ہو کہ
توبہ فرمایا کسی کاریگر کی مدد کر یا بے ہنر کو کئی کام
سکھا دے۔ میں نے عرض اگر یہ بھی نہ کر سکوں توبہ
فرمایا پھر لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ کر دے یہ بھی
صدقہ ہے جو تم اپنے ماور پر کرو گے۔

وَأَنفُسَهَا عِنْدَ أَهْلِهَا قُلْتُ فَإِنْ لَمْ
أَفْعَلْ قَالَ تَمِينَ صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِيَحْقُقَ
قَالَ فَإِنْ لَمْ أَفْعَلْ قَالَ تَدْعُ النَّاسَ
مِنَ الشِّرِّ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا
عَلَى نَفْسِكَ

فوائد و مسائل | اس حدیث کو مسلم نے عقیق، نسائی نے عقیق اور جہاد اور ابن ماجہ نے احکام میں ذکر
کیا ہے۔ ایمان اصل اور بنیاد ہے، ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ جہاد
فی سبیل اللہ، راوہ خدا میں عمدہ مال خرچ کرنا کسی کاریگر کی امداد و اعانت کرنا بے ہنر کو ہنر سکھا دینا اسی
نوع کی نیکیاں کرنا باعث اجر و ثواب ہیں اور اگر کوئی اور نیکی نہ کر پائے تو اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچانا
یہ تو ہر شخص کر سکتا ہے۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عالم اور معنی کو چاہیے، تحمل، بردباری کو اختیار کرے اور مسائل
سے نرمی کے ساتھ پیش آئے۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْعَتَاقَةِ

باب سورج گرہن اور آیات کے ظہور کے

فِي الْكُسُوفِ وَالْأَيَّاتِ

اس عنوان کے ماتحت امام نے ایک ہی مضمون کی دو حدیثیں لکھی ہیں۔

اسمار بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے
وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا تھا۔

۲۳۵۲، ۲۳۵۳ - عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ
أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ أَمَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّعْتَةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ

اس حدیث سے واضح ہوا کہ سورج گرہن، زلزلہ اور اسی نوع کے حادثات کے رونما ہونے
پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور صدقہ و خیرات کرنا چاہیے۔

مُصِيبَاتٍ وَ مُشْكَلَاتٍ فِي وَقْتِ تَوْبَةٍ اسْتَغْفَارَ اللَّهُ لَكُمْ فِي طَرَفِ رَجْعِ كَرْنَا چاہیے | کسی بلا و آفت
اور جسمانی انفرادی

اجتماعی ظاہری باطنی مشکلات کے موقع پر حضور ربیعہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع
کرنے، دعا کرنے، پناہ مانگنے، نیک کام کرنے اور صدقہ و خیرات کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ نزدیکی کی

حدیث میں فرمایا۔ صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے حتیٰ کہ منہ احمد کی حدیث میں فرمایا۔ قیامت کے دن مومن پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔ اسی طرح سورج گرہن اور چاند گرہن کے مریخ پر نماز پڑھنے کی تلقین بھی اسی سلسلہ کی ہدایت ہے۔

بَابُ إِذَا أَعْتَقَ عَبْدًا ابْنِ اثْنَيْنِ

باب جس نے دو افراد کے درمیان مشترک غلام

اَزَامَةَ بَيْنَ الشَّرَكَاءِ | کو یا متعدد افراد کے درمیان مشترک نوذبی کو آزاد کر دیا
اس عنوان کے تحت امام بخاری نے چھ حدیثیں ذکر کی ہیں جو اس سے قبل بھی مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہیں۔ احادیث کے الفاظ میں فرق ہے مگر مضمون ایک ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کسی مشترک غلام کے اپنے حصے کو آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا مال بھی تھا کہ غلام کی پوری قیمت اس سے ادا ہو سکے تو اس کی قیمت انصاف و عدل کے ساتھ لگا لی جائے گی اور بقیہ شریکار کران کے حصے کی قیمت (اسی کے مال سے) دے کر غلام کو اسی کی طرف سے آزاد

۲۳۵۹ تا ۲۳۵۴ - عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ مَنْ أَعْتَقَ شَرَكَاةً فِي عَبْدٍ فَكَانَ
لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ شَهْرَ الْعَبْدِ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ
عَدْلُ مَا عَطِيَ شَرَكَاةً حَصَصَهُمْ وَ
عَتَقَ عَلَيْهِ إِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ

کر دیا جائے گا ورنہ اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو غلام کا جو حصہ آزاد ہو چکا وہ ہو چکا اور بقیہ کی آزادی کے لیے غلام کو خود کو بخش کرنی چاہیے۔

بَابُ إِذَا أَعْتَقَ نَصِيبًا فِي عَبْدٍ

جب کسی نے غلام کے اپنے حصے کو آزاد کر دیا

اور تملک دست تھا تو غلام سے کو بخش کرائی جائے گی (کہ اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کرے) لیکن اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا، جیسے مکاتبت کی صورت میں ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کسی (مشترک) غلام کا اپنا حصہ آزاد کیا تو اس کی پوری آزادی اسی

لَيْسَ لَهُ مَالٌ اسْتَشْعَى الْعَبْدُ غَيْرَ
مَشْتَقٍ عَلَيْهِ عَلَى نَحْوِ الْكِتَابَةِ
اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا، جیسے مکاتبت کی صورت میں ہوتا ہے۔
۲۳۶۰ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ
نَصِيبًا أَوْ شَقِيقًا فِي مَبْلُوكٍ فَعَلَّاهُ

عَلَيْهِ فِي مَالِهِ اِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ وَ اِلَّا
قَوْمٌ عَلَيْهِ فَنَاسْتَشِي بِهِ عَنِي
مَشْقُوقٌ عَلَيْهِ

کے ذمے ہے، بشرطیکہ اس کے پاس مال ہو۔ ورنہ
غلام کی قیمت لگائی جائے گی اور (اس سے اپنے
بقیہ حصے کی قیمت ادا کرنے کی) کوشش کے لیے
کہا جائے گا، لیکن کوئی دباؤ نہیں ڈالا جائیگا۔

دونوں عنواناتوں کے ماتحت احادیث کی شرح کے لیے دیکھئے حدیث نمبر ۲۳۲۸، ۲۳۲۹

۲۳۶۱- عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ اُمَّتِي مَا
وَسَّوَسْتَ بِهِ صُدُورُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ
اَوْ تَكَلَّمْ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے میری
امت سے دل کے دوسوں (بڑے خیالات) کو
درگزر فرمایا ہے۔ جب تک ان پر عمل نہ ہوا اور زبان
سے کہے۔

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام بخاری نے طلاق، مذکور، مسلم نے ایمان، ابو داؤد، ترمذی و نسائی
اور ابن ماجہ نے طلاق میں ذکر کیا ہے۔

کیا دوسو سوں پر مواخذہ ہوگا | مطلب حدیث یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں طرح طرح کے
خیالات، دوسو سے آتے رہتے ہیں۔ کبھی ایسے خیالات بھی آتے
ہیں جو ممکنہ اور لمحدانہ اعتراضات پر مشتمل ہوتے ہیں تو جب تک یہ صرف خیالات اور دوسو اس کی
حد تک رہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر مواخذہ نہیں فرماتا کیونکہ بڑے اور خلاف شرع خیالات و خطرات
اور دوسو سوں سے محفوظ رہنا انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ خیالات، دوسو اس کی حد سے
بڑھ کر اس شخص کا قول یا عمل بن جائیں تو پھر ان پر مواخذہ ہوگا۔

بخاری و مسلم کی احادیث میں ان دوسو سوں کی وضاحت بھی موجود ہے۔ مثلاً نبی علیہ السلام نے
فرمایا تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں فلاں کو
کس نے پیدا کیا۔ پھر یہ سوال وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی ڈال دیتا ہے کہ ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے والا
ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب سوال اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس
تک پہنچ جائے تو پھر بندہ کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور رک جائے یعنی ایسے خلاف شرع
دوسو کو دل سے ہٹا جائے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دے کہ میرے لیے یہ سوال قطعاً قابل غور
نہیں ہے۔ مسلم کی حدیث میں فرمایا کہ جب ایسے دوسو پیدا ہوں تو یہ کہہ کر بات ختم کر دے

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ | میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا

یعنی ایسے دوسو سوں کو قابلِ غور ہی نہ سمجھے آتے ہی رد کر دے۔

۲۔ واضح ہو کہ دوسوہ پر مواخذہ نہ ہونا اس اُمت کی خصوصیات سے ہے اور اس امت کو یہ رعایت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ملے ہے۔ چنانچہ حدیث ہذا میں تجاؤز اللہ لی کے الفاظ سے بھی یہ واضح ہے۔

۳۔ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں یہ ہے کہ نفس کے خیالات اور دوسو سوں پر مواخذہ نہ ہوگا اور سورہ بقرہ کی آیت وَإِنْ تَبُدُّوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخَفُوْهُ يُخَاسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسو سوں اور خیالات کا بھی مواخذہ ہوگا۔ معتزین نے اس شبہ کے متنفذ جواب دیے ہیں۔

۱۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ حدیث کا تعلق احکام دنیا سے ہے یعنی طلاق، عتاق، بیع و شراء، ہبہ وغیرہ صرف دل میں ارادہ کر لینے سے منعقد نہیں ہوں گے۔ جب تک ان کو زبان یا عمل سے نہ کیا جائے اور آیت میں جو کچھ مذکور ہے اس کا تعلق احکام آخرت سے ہے اس لیے کوئی تعارض نہیں ہے (قرطبی)۔

۲۔ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حکم لَا تَكِلُكُمُ اللّٰهُ لِنَفْسِكُمْ اَلَا وَشَعَهَا سَ مَنْسُوْنٌ ہے یعنی اللہ تمہارے کسی کو اس کی قدرت و اختیار سے زائد تکلیف نہیں دیتا اور دوسو سے انسان کے اختیار میں نہیں ہیں۔ متنفذ صحابہ کو کام (جن میں حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ بھی شامل ہیں) کا یہی قول ہے۔

۵۔ بعض علمائے یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں معافی ان دوسو سوں اور خیالات کے لیے ہے جو بیعت قصد و ارادہ کے پیدا ہو جاتے ہیں اور آیت میں جس محاسبہ کا ذکر ہے۔ اس سے مراد انسان کے وہ ارادے اور نیتیں ہیں جو انسان اپنے قصد و اختیار سے اپنے دل میں لاتا ہے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے خواہ کسی وجہ سے ان پر عمل نہ کر سکے قیامت کے دن ان کا محاسبہ ہوگا۔ یعنی مطلب حدیث یہ ہے کہ وہ خیالات و وساوس جو خود بخود بغیر اختیار کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان پر مواخذہ نہ ہوگا اور آیت کا مقاد یہ ہے کہ جن کام کے کرنے کا قصد اور نیت کر لی جائے۔ اس کا محاسبہ ہوگا۔

۶۔ حضرت فاضل شامی اللہ پانی تنی علیہ الرحمہ تفسیر منطہری میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کام انسان پر فرض یا حرام کئے ہیں ان میں سے بعض کا تعلق انسان کے ظاہری اعضاء و جوارح سے ہے جیسے نماز حج زکوٰۃ اور تمام معاملات اور کچھ اعمال و احکام ایسے ہیں جو انسان کے قلب اور باطن سے متعلق ہیں۔ جیسے ایمان و اعتقاد اخلاق صالحہ جیسے سخاوت، تفانعت، صبر و شکر تواضع و انحساری وغیرہ اسی طرح اخلاق ذمیرہ جیسے بغض، حسد، تکبر، غرور، حرص، حُب دنیا وغیرہ تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اعمال ظاہری کا

قیامت کے دن حساب لیا جائے گا۔ ایسے ہی اعمالِ باطنہ کا بھی حساب ہوگا۔

انسانی ذہن میں جو خیالات آتے ہیں انکی پانچ کیفیتیں ہیں

۱۔ ہاجس - اچانک کسی چیز کا صرف خیال آنا۔

۲۔ خاطر - بار بار کسی چیز کا صرف خیال آنا

۳۔ حدیثِ نفس - جس کام کا خیال آیا ہو ذہن میں صرف اس کو کرنے کا پروگرام بنانا۔

۴۔ ہَمّ - جس کام کا خیال آیا ہے اس کو کرنے کا خیال غالب ہو اور نہ کرنے کا خیال مغلوب ہو

۵۔ عَزْم - جس کام کا خیال آیا ہے اس کو کرنے کا پختہ عزم و ارادہ ہو اور نہ کرنے کا ہلکا سا خیال

بھی باقی نہ رہے۔

تو اگر کسی شخص کے ذہن میں گناہ کا خیال آیا۔ اگر وہ ہاجس، خاطر، حدیثِ نفس اور ہَمّ کے مرتبہ میں ہے تو قیامت کے دن مواخذہ نہ ہوگا اور اگر عَزْم کر لے یعنی اس گناہ کے خیال کو عملِ جامہ پہنانے کے لیے پختہ ارادہ کرنے تو قیامت کے دن عَزْم پر مواخذہ ہوگا۔ اگرچہ کسی وجہ سے اس گناہ کو نہ کر سکے۔ چنانچہ قرآن مجید میں گناہ کا عزم کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَقْضُوا عَقْدَ الدِّعَاءِ
(حاشیہ صادی علی الجلالین ج ۱ ص ۹)

جو عہدِ عدت میں ہو اس سے نکاح کرنے کا عزم (پختہ ارادہ) نہ کرو۔

چنانچہ مسلم شریف کی احادیث میں دوسروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت اور اس کے رحم و کرم اور

وسوے اور اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت

فصل کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیثِ نفس پر مواخذہ نہیں فرماتا جب تک اس کے مطابق کلام یا عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حدیثِ نفس کو معاف فرمادیا ہے۔

مَا حَآدَثَتْ بِهِ أَنْفُسُهُمْ مِمَّا كَرِهُوا
يَتَكَلَّمُوا أَوْ يَفْعَلُوا بِهِ

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے نگاہ رکھو حالانکہ اللہ تعالیٰ خود بھی عظیم و خیر ہے۔ اگر میرا بندہ گناہ کرے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک گناہ لکھ دو اور

وَإِنْ شَرَّكَهَا فَكَتَبُوا لَهُ حَسَنَةً
إِنَّمَا شَرَّكَهَا مِنْ جَبَرَاءِ

گناہ نہ کرے تو پھر بھی ایک نیکی لکھ دو کیونکہ اس نے میرے خوف کی بنا پر ترک کیا ہے۔

اس کے برعکس اگر نیکی کا ہَمّ کرے اور اس کو نہ کر پاتے تو اس کے

فَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللَّهُ
عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ حَسَنَةً كَامِلَةً
(مسلم شریف ج ۱ ص ۷۰)

نام اعمال میں اللہ تعالیٰ ایک کامل نیک لکھ دیتا ہے
اگر وہ نیک کرے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک
نیک کا ثواب سات سو نیکوں تک بلکہ اس سے
بھی کئی گنا زیادہ لکھ دیتا ہے۔

غالباً اسی لیے بعض علماء کا طہین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے انصاف نہیں بلکہ فضل مانگو۔ میرے والد
محترم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ قطب وقت حضرت شاہ فضل الرحمن مراد آبادی قدس سرہ العزیز نے مجلس ذکر میں
ایک دفعہ فرمایا کہ لوگوں! اللہ پاک سے مانگنا ہے تو انصاف نہیں بلکہ اس کا فضل و کرم مانگو۔

اس حدیث سے عطار بن ابی بیاہ، ابن سیرین، حسن، سعید بن جبیر، شعبی، قتادہ، ثوری، اسلمی، امام
شافعی، امام احمد اور امام ابو نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی
بیوی کو دل سے طلاق دیدے اور زبان پر طلاق کا لفظ نہ لائے تو ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

بَابُ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ فِي الْعَتَاةِ

باب آزاد کرنے اور طلاق وغیرہ میں خطا و نسیان

وَالطَّلَاقِ وَنَحْوِهِ وَلَا عَتَاةَ إِلَّا لِمُجَدِّدِ
اللَّهِ وَهَذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لِكُلِّ امْرَأَةٍ مَا قَوَّيَ وَلَا
نِيَّةَ لِلنَّاسِخِ وَالْمُخْطِئِ

کا حکم اور غلام اللہ کی رضا کے لیے آزاد کیا
جائے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہر شخص کے
لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی اور بھولنے
والے اور خطا کرنے والے کی نیت نہیں ہوتی۔

۱۔ علامہ عینی شارح بخاری نے لکھا ہے کہ قصود نام کے بغیر کسی فعل کے ہو جانے کو خطا کہتے ہیں حافظ
سے کسی چیز کا علم زائل ہو جائے اور بہت چیزوں کا علم باقی رہے اسے نسیان کہتے ہیں۔

خطا یا نسیان کے طور پر طلاق دی تو وہ واقع ہو جائیگی ۲۔ واضح ہو کہ خطا کے طور
پر طلاق دینے کا مفہوم یہ ہے

کہ زبان سے کہنا کچھ اور چاہتا تھا مگر اپنی بیوی کے لیے یہ الفاظ نکل گئے۔ مجھے طلاق اور ناسی بھول کر
طلاق دینے کا مفہوم یہ ہے کہ قسم کھا لی کہ میں اپنی بیوی کو طلاق نہ دوں گا اور بھول گیا اور اپنی بیوی کو طلاق
دے دی تو امام بخاری اور امام شافعی علیہما الرحمہ فرماتے ہیں۔ ناسی اور خطی کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح
اگر غلام آزاد کیا تو غلام آزاد نہ ہوگا۔ چنانچہ امام بخاری نے حدیث لکل امسری ما قوئی کو عنوان بنا کر
یہ مسئلہ لال کیا ہے کہ خطا و نسیان کی بنا پر جو فعل صادر ہو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ غلطی و ناسی کی

نیت نہیں ہوتی اس لیے ناسی و مخطی کی طلاق واقع نہ ہوگی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ
 تَبَايَعْنَا لِلَّهِ فِي هَذِهِ الْأُمَّتِ الْمَخْطَاةِ
 کی بنا پر صادر ہونے والے اعمال کو معاف کر دیا ہے

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غامی و ناسی کی نیت نہیں ہوتی اور اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ لہذا یعنی علیہ اور ناسی کی طرح ہو گیا۔ لہذا غامی و ناسی کے غلام آزاد کرنے اور بیوی کو طلاق دینے سے نہ غلام آزاد ہوگا اور نہ طلاق واقع ہوگی۔

احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ناسی و غامی کا آزاد کرنا اور طلاق دینا درست ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کی نیت نہ تھی۔ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا تعلق باطن سے ہے اور باطن کا حال رول کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ ہمارے پاس اس کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ باطن کے حال کو جان سکیں۔ لہذا طلاق و عتاق کو نیت پر موقوف کرنا درست نہیں ہے۔ ثانیاً اس مضمون کی احادیث کا تعلق حقوق العباد سے نہیں ہے بلکہ حقوق اللہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر بطور خطا و نسیان کوئی گناہ ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن اگر خطا و نسیان کی بنیاد پر قتل ہو جائے تو گنہگار نہ ہوگا مگر دیت واجب ہے۔ اسی طرح غامی و ناسی کا آزاد کرنا یا طلاق دینا بھی درست ہے گو کہ اس کی نیت نہ ہو۔ ثالثاً جو شخص بطور خطا و نسیان کلام کرتا ہے تو یہ کلام صحیح ہے جو عاقل بالغ نے صادر ہو رہا ہے۔ اگر نیت نہ ہونے کی بنا پر اس کے کلام کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر نہ دنیا سے امن اٹھ جائے گا۔ ایک شخص عاقل و بالغ صحیح الدماغ ہے۔ فریب و فروخت کرتا ہے۔ قرض لیتا ہے۔ اسٹام پر افراد نامہ لکھ دیتا ہے جو ضک مختلف قسم کے معاملات کرتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ میں نے یہ تمام کام خطا و نسیان کی حالت میں کئے ہیں۔ میری نیت اور ارادہ تو تھا نہیں تو کیا اس کے یہ تمام کام باطل اور غیر موثر قرار دیے جائیں گے؟ ایک شخص عاقل و بالغ صحیح الدماغ شکر پر گر لی چلانا جانتا تھا مگر بطور خطا کسی آدمی کو لگ گئی یا یہ کہتا ہے کہ میں نے بھول کر قتل کیا ہے؟ تو کیا نیت و ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اس عمل کو موثر نہیں مانا جائے گا؟ ان فرض احناف کا موقف عقل و نقل کے بالکل مطابق ہے۔ اس لیے اگر کسی نے بطور خطا و نسیان غلام آزاد کیا یا اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو نہ غلام آزاد اور بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

۴۔ اور غامی و ناسی کو ناسی اور مخطی علیہ کی طرح قرار دینا اس لیے درست نہیں ہے کہ بحالت خطا و نسیان عقل جوئی ہے جو قصد پر دلالت کرتی ہے برخلاف ناسی اور بیہوش اسکو عقل کے استعمال کی اہلیت نہیں

ہوئی اور یہ معلوم باہر ہے۔

نیز نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہر طلاق نافذ ہے (واقع ہو جائے گی۔)
 كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقُ الْعَتَقِ | مگر بچہ اور مجنون کے طلاق نافذ نہ ہوگی۔
 وَالْمَجْنُونِ

۵۔ واضح ہو کہ طلاق کی طرح غلام کی آزادی کے لیے بعض الفاظ صریح ہیں بعض کنایہ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ اگر کسی اور نیت سے بھی صریح الفاظ کہے جب بھی طلاق ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ مثلاً غلام سے کہا تو آزاد ہے یا بیوی سے کہا تجھے طلاق تو خواہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو بصورت طلاق واقع ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ العرض احناف کے نزدیک خاتمی، ناسی، ہازل اور لاعب کا طلاق دینا یا غلام آزاد کرنا درست ہے یعنی اگر بطور خطا طلاق دی۔ کنا کچھ اور چاہتا تھا زبان سے یہ الفاظ نکل گئے تجھے طلاق یا مسخرہ پن کھیل

طلاق کا معاملہ بڑا نازک ہے، ہنسی مذاق میں طلاق دی
 واقع ہو جائے گی اگرچہ نیت نہ کی ہو | میں اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق تو
 طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ طلاق
 دینے کا ارادہ یا نیت نہ ہو۔ یہی حکم نکاح اور عتاق کا ہے۔

۵۔ البتہ مجنون جسے ہوش نہ ہو بیہوشی یا ایسا مریض جس کی عقل جاتی رہی ہو اور مسرمام و برسم اور نیند کی حالت میں طلاق دی تو واقع نہ ہوگی۔

۶۔ حضرت قاضی شامہ اللہ پانی ہتی علیہ الرحمہ نے تفسیر مظہری میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت لَا تَنْتَحِلُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوا کہ اللہ کی آیات کو کھیل نہ بناؤ کی تفسیر میں فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ بیوی کو طلاق دیدیتے تھے اور غلام کو آزاد کر دیتے تھے اور پھر طلاق دے کر اور غلام آزاد کر کے مکر جاتے تھے اور کہتے کہ خچم تو ہنسی مذاق میں طلاق دی تھی اور غلام آزاد کیا تھا۔ تم نے طلاق یا عتاق کی نیت نہیں کی تھی۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں یہ بتایا گیا کہ اگر ہنسی مذاق مسخرہ پن میں طلاق دی تو واقع ہو جائے گی اور نیت نہ کرنے کا قاعدہ نہیں مانا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ثَلَاثٌ جِدُّ هُنَّ جِدٌّ وَ هُزُوٌ هُنَّ
 جِدُّ الْبَيْتِ كَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ | تین چیزیں ایسی ہیں جنہیں ہنسی کے طور پر کرنا یا
 دونوں برابر ہیں ایک طلاق، دوسرے عتاق تیسرے

(ابن مردودہ و ابن المنذر)

نکاح (تفسیر مغنری سورہ بقرہ)

نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدُّكُمْ وَهَنَ لِهِنَّ
جِدُّكُمْ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ
(رواہ الحنفیۃ إلا النائی)

ثَلَاثٌ لَا يَجُوزُ فِيهِنَّ اللَّعِبُ الطَّلَاقُ
وَالنِّكَاحُ وَالْعَتَقُ

لَا يَجُوزُ اللَّعِبُ فِيهِنَّ الطَّلَاقُ
وَالنِّكَاحُ وَالْعَتَقُ فَمَنْ قَالَهُنَّ فَقَدْ
وَحَجَبْنِ

مَنْ طَلَّقَ وَهُوَ لَا عَيْبَ فَطَلَّاقُهُ جَائِزٌ
وَمَنْ أَعْتَقَ وَهُوَ لَا عَيْبَ فَعَتَقُهُ جَائِزٌ
وَمَنْ نَكَحَ وَهُوَ لَا عَيْبَ فَنِكَاحُهُ جَائِزٌ

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ مرد و عورت بلا قصد و نیت ہنسی میں دو گواہوں کے سامنے
ایجاب و قبول کر لیں تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بلا قصد و نیت ہنسی مذاق کھیل یا خطنار و نسیان کے
طور پر اپنی بیوی سے کہا۔ تجھے طلاق یا طلاقِ رجعی میں رجوع کیا تو طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور رجعت بھی
درست قرار پائے گی۔

۲۳۶۲۔ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ الْأَعْمَالُ بِالْبَيْتَةِ وَلَا مَرْءِي
مَا قَوَّيْتُ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَ
رَسُولِهِ فَهِيَ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا
أَوْ امْرَأَةٍ يَتَنَزَّهُهَا فَهِيَ هِجْرَتُهُ إِلَى
مَا هَا جَرَ إِلَيْهِ

تین چیزیں ایسی ہیں جن کو ارادہ و نیت کر کے کہنا
یا ہنسی مذاق کے طور پر کہنا برابر ہے ایک نکاح
دوسرے طلاق تیسری رجعت (ترمذی)

تین چیزوں میں کھیل جائز نہیں۔ طلاق، نکاح،
عتق (طبرانی)

طلاق و نکاح و عتاق میں ہنسی مذاق جائز نہیں
تو جس نے ہنسی کھیل کے طور پر طلاق دی نکاح
کیا غلام آزاد کیا تو یہ واجب ہو جائیں گے۔

جس نے مسخرہ بن میں طلاق دی واقع ہو گئی۔ غلام
آزاد کیا تو وہ آزاد ہو گیا۔ مسخرہ بن میں نکاح کیا تو
نکاح بھی ہو گیا۔ (مصنف عبد الرزاق)

نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل کمال مار نیت پر
ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ثواب ملتا
ہے تو جو اللہ اور رسول کے لیے ہجرت کرے اس
کی ہجرت اللہ اور رسول کے لیے ہوگی اور جس کی
ہجرت حصول دنیا یا کسی عورت سے شادی کی نیت
سے ہوگی تو اس کی ہجرت دنیا اور عورت ہی کے
لیے ہوگی۔

قائد و مسائل

۱۔ یہ حدیث فیوض الباری پارہ اول صفحہ ۷۴ پر گزر چکی ہے وہاں ہم نے اس حدیث مبارک پر تفصیل گفتگو کی ہے اور اس کے تمام مسائل بھی بیان کر دیے ہیں ضرور بالضرور ملاحظہ کیجئے۔

۲۔ حدیث ہذا کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ نیک عملوں کا ثواب اور ان کی مقبولیت کا مدار نیت پر ہے نہ کہ نیک اعمال میں خلوص و تلبیت اور رضا سے الہی کی نیت ہوگی تو وہ نیک عمل مقبول بھی ہوگا اور ثواب بھی ملے گا اور اگر کوئی نیک عمل خواہ وہ کیسا ہی بڑا اور عظیم ہو اور دیری عرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو تو اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ مختصر یہ کہ اللہ کے ہاں وہی نیک عمل مقبول و محمود ہوگا جو صالح نیت یعنی محض رضا سے الہی کے لیے کیا گیا ہو دین کی اصطلاح میں اسی کا نام اخلاص ہے۔

گناہ کے کاموں کو حسن نیت کرنا شریعت سے مذاق ہے | اس موقع پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ جو کام فی نفسہ بُرے ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ

اور اس کے مقدس رسول نے منع فرمایا ہے۔ وہ تو بہر حال بُرے اور موجب غضب الہی ہیں۔ ان بُرے کاموں میں حسن نیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری کرے ڈاکہ ڈالے کہ جو مال و دولت حاصل ہوگا اس سے عزیزوں کی سکینوں کی امداد و اعانت کروں گا تو یہ بُرا کام حسن نیت سے نیک کام نہیں قرار پائے گا بلکہ بُرے کام کو اخلاص کے ساتھ کرنا مزید قباحت اور سزائیں زیادتی کا موجب ہوگا کیونکہ نیک نیتی سے بُرا کام کرنا دین کے ساتھ ایک قسم کا تلاعب (کھیل) ہی ہے۔

۴۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ اس دنیا میں صرف ظاہر پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ یعنی کسی کے دل میں کیا ہے؟ اس کو ٹھٹھنے کی ذمہ داری ہم پر

اس دنیا میں فیصلے ظاہر پر کیے جائیں گے | انہیں ڈال گئی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ وَاللَّهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ | ہمارا کام ظاہر پر حکم لگانا ہے مخفی راز اللہ کے سپرد ہیں۔

یعنی انسان جو کچھ کہتا اور کرتا ہے تو اس کے قول و عمل اور شواہد کے مطابق فیصلہ کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے یعنی احکام کے بارے میں اس دنیا میں ظاہری اعمال اصل اور بنیاد ہیں اور کسی کی نیت پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں اعمال کا فیصلہ نیتوں پر ہوگا اور ظاہری اعمال اس کے تابع ہوں گے کیونکہ ظاہری اعمال کی نیتوں، دل کے عہدوں اور سینوں کے رازوں کو جاننے سے ہم قاصر ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن دونوں کا جاننے والا ہے اس لیے آخرت میں اللہ تعالیٰ نیتوں پر فیصلے فرمائے گا۔

بَابُ إِذَا قَالَ رَجُلٌ لِعَبْدِهِ هُوَ لَكَ

باب ایک شخص نے آزاد کرنے کی نیت سے اپنے غلام کو نَوَى الْوُثْقَ وَالْإِسْتِثَادَ فِي الْوُثْقِ کے لیے کہا کہ وہ اللہ کے لیے ہے اور آزادی کے ثبوت کے لیے گواہ بنانا

اس عنوان کے تحت امام بخاری نے تین حدیثیں درج کی ہیں۔ سب کا معنوں ایک ہی ہے۔ صرف

ایک حدیث میں حَصَلَ كِي بَعْدَ ابْنِ مَيْتِي کے الفاظ ہیں کہ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ راستہ میں میرا غلام بھاگ گیا اور دو حدیثوں میں حَصَلَ کے لفظ ہیں کہ راستہ میں میرا غلام مجھ سے بچھڑ گیا یا تم ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حب اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے (مدینہ آئے) تو ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا (اتفاق سے راستے میں) دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ پھر جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے کے بعد حضور اکرم کی خدمت میں گئے تو ان کے غلام بھی اچانک آگئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوہریرہ! تمہارا غلام آگیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ آپ کا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچ کر یہ شعر کہے تھے "ہائے بی طول شب! رات کی سختیاں اگرچہ دارالکفر سے نجات بھی ملے گی۔"

۶۳، ۶۴، ۶۵۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَمَا أَقْبَلَ بِرِيْدِهِ إِلَى سَلَامٍ وَمَعَهُ غُلَامُهُ حَصَلَ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ صَاحِبِهِ فَأَقْبَلَ بَعْدَ ذَلِكَ وَابْنُ هُرَيْرَةَ جَالِسٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ هَذَا غُلَامُكَ قَدْ أَتَاكَ فَقَالَ أَمَا إِنِّي أَشْهَدُكَ أَنَّهُ حُرٌّ قَالَ فَهُوَ حَيِّنٌ يَقُولُ يَا لَيْلَةَ مَنْ طُولُهَا وَعَنَايُهَا عَلَى أَهْلِهَا مِنْ دَارِ الْكُفْرِ فَجِئْتُ

یہ احادیث مسائل ذیل پر مشتمل ہیں۔

قَوْلُهُ وَمَسَائِلُ

۱۔ مطلب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا تو آزاد ہے یا تو اللہ کے لیے آزاد ہے اور آزادی کی نیت کی تو تمام آئمہ کے نزدیک بالاتفاق غلام آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر وہ کلام جس سے آزادی کا مفہوم سمجھا جائے غلام کی آزادی کے لیے کافی ہے۔

۲۔ علامہ ابن بطل فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی مراد کو پالے یا کسی مصیبت سے نجات پانے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اسے غلام آزاد کرنا مستحب ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ نے دارالکفر سے نجات پانے پر جب کہ وہ مسیحی میں مدینہ منورہ میں اسلام قبول کرنے کے لیے آئے تھے غلام آزاد کیا۔ ہر حال مصائب و آلام سے نجات پانے پر حسبِ توفیق صدقہ و خیرات کرنا باعثِ رحمت و برکت ہے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ شامی تھے اسی لیے شامیوں نے لکھا ہے کہ یہ شریعت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ نے بطور تشبیل پڑھا۔ معلوم ہوا ایسے اشعار پڑھنا جو جائز و مباح مضامین پر مشتمل ہوں۔ جائز ہیں خصوصاً ایسے اشعار جو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور حضور نبی کریم علیہ السلام کی مدح و ثناء پر مشتمل ہوں نہ صرف جائز ہیں بلکہ عبادت ہیں۔ بلکہ حضور علیہ السلام کی سنت اور سنت تقریری بھی ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبوی حضور کی مدح و ثناء اور کفر و کفار کی بوجہ عرض کرتے تو نبی علیہ السلام پسند فرماتے تھے۔ ایسے اشعار جو محرب اخلاق مضامین پر مشتمل ہوں یا ان میں بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کی بھجوا کر گئی ہو ان کا پڑھنا منع ہے۔

۴۔ غلام آزاد کرنے پر گواہ بنا لینا یا کسی معاملہ کو طے کرتے وقت گواہ بنا لینا مناسب ہے۔ کیونکہ گواہ یا دنا و بیز سے برقت نزاع ثبوت مہیا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ | حضرت ابو ہریرہ کا نام عبد اللہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد نبی علیہ السلام نے ان کا نام عبد اللہ رکھا۔ آپ کو قبیلوں سے بہت پیار تھا۔ حضور علیہ السلام نے ان کی آستین میں ہلی دیکھی تو فرمایا۔ ابا ہریرہ ہلی کے باپ یا بلی والے۔ اس وقت سے آپ ابو ہریرہ مشہور ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بحرین کے گورنر مقرر ہوئے۔ آخر عمر میں مدینہ منورہ میں سکونت کو ترجیح دی۔ حضرت ابو ہریرہ سے سب سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔ جن کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوبتر ہے۔ عینی ج ۱ ص ۱۲۴ شہ کے اوائل میں فتح خیبر کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بَابُ اِقْرَانِ وَلَدٍ

باب ام ولد کے متعلق

ام ولد اس لفظ کی کہتے ہیں۔ جس کے بچہ پیدا ہوا اور اس کے آقا نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے آفاقی موت کے بعد ام ولد خود بخود مالک آزاد ہو جاتی ہے۔ ام ولد کو نہ بیچ سکتے ہیں۔ نہ بوندہ گروی اور نہ نجات کر سکتے ہیں (در مختار عالمگیری) چنانچہ حضرت عمر، حضرت عثمان، عمر بن عبد العزیز، حضرت حسن، عطاء، جہاد، سالم، ابن شہاب، ابراہیم، امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث، سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی ابو یوسف محمد زفر حسن بن صالح، امام احمد اسحاق ابو عبیدہ ابو ثور رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مسلک ہے اور حضرت صدیق اکبر حضرت علی ابن عباس ابن زبیر جابر اور ابوسعید ام ولد کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | حضرت ابو ہریرہ سے مروی کہ نبی علیہ السلام نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ | فرمایا۔ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوٹتی
تَلِدُ الْأَمَمَةَ رَبَّهَا | اپنے سردار کو بجھے گی۔

فوائد ومسائل | ۱۔ یہ حدیث جبریل کا ایک حصہ ہے۔ جو فیوض پارہ اول کتاب الایمان کے صفحہ ۲۸ پر مکمل
تفسیر و ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے۔ ۲۔ عنوان سے مناسبت اس حدیث کی شاید
یہ ہے کہ جب لوٹتی سے لوٹ کا پیدا ہوگا

حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کا علم ہے | تو وہ لوٹتی ہی رہے گی مگر لوٹ کا چونکہ آقا کا ہے اس
لیے وہ آقا کا قائم مقام بن کر آقا ہی قرار پائے گا
تو گویا لوٹتی نے اپنے آقا کو بتا دیا۔ ۳۔ حضرت جبریل امین نے اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیے تھے اور حضور نے جواب عطا فرمائے تھے۔ اس کے بعد حضرت جبریل
امین نے عرض کی

فَاحْذَرْنِي عَنِ السَّاعَةِ | یعنی مجھے قیامت کی بابت بتائیے کہ کب آئے گی
اپنے جواب دیا۔

مَا أَلَمْ سَأَلُ عَنْهَا يَا عَلَمٌ مِنَ السَّائِلِ | جس سے سوال کیا جا رہا ہے سائل سے زیادہ نہیں جانتا
اس موقع پر نبی علیہ السلام نے قرآن مجید کی آیت اِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۝۱ تلاوت
فرما کر یہ واضح کیا تھا کہ قیامت انورِ خمسہ سے ہے اور انورِ خمسہ کا بالذات کوئی عالم نہیں ہے اس لیے وقت
قیامت کا بالذات علم صرف اور صرف اللہ عزوجل کو ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انورِ خمسہ اور غیب کے
متعلق قرآن میں یہ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالذات عالم ہے یا اس کے سوا بالذات کوئی علم نہیں رکھتا لیکن قرآن
کی کسی آیت میں یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو غیب پر مطلع نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
انبیاء میں سے جسے چاہے غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ حضور اقدس کے جوابی کلمات سے بعض لوگ یہ استدلال
کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو وقت قیامت کا علم نہ تھا۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے۔ تفصیل اس اجمال
کی یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو تین قسم کے علم عطا فرمائے ہیں | ۱۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث
دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے علم عطا فرمائے ہیں۔ (مراجع ج ۱ صفحہ ۱۶۵)

اول وہ علم جس کا تعلق تبلیغ دین سے ہے۔ یعنی اسلام کے وہ احکام و مسائل، عقائد و اعمال جن کی تبلیغ

اور انہیں اتنت تک پہنچانا آپ کا فرض نبوت ہے اور جن کی تبلیغ میں کو تا ہی آپ کی ذات اقدس سے ممکن ہی نہیں ہے اور جس کے متعلق سورہ مائدہ میں ارشاد و رہائی ہے۔

اے رسول پہنچا دو جو کچھ نازل ہوا تم پر تمہارے رب کی طرف سے ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری عجبائی کرے گا لوگوں سے

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغُوا مَا أُتِيَكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَإِذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ فَمَا بَلَّغْتُمْ رَسُولَهُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (مائدہ ۶۷)

دوم وہ علم جس کے متعلق حضور علیہ السلام کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ جسے اس کا اہل سمجھیں اسے بنادیں۔ جیسے صحابہ کرام میں خصوصی طور پر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منافقین کی پہچان کا علم دیا (اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۹۱) یا جیسے بعض وہ علوم جن کے ساتھ حضور نے حضرت ابراہیمؑ کو خاص کیا اور وہ انہیں تعلیم فرمائے۔ چنانچہ جناب ابراہیمؑ فرماتے ہیں۔

میں نے نبی علیہ السلام سے دو ترن علم کے بھرے ہیں۔ ایک تو وہ جس کو میں نے نشر کر دیا اور دوسرے ترن کے علم کو ظاہر کر دوں تو میری شہرہ گ کاٹ دی جائے۔

حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَاصِيْنٍ - فَمَا آتَا أَحَدَهُمَا بَشْرُوتٌ وَآمَّا الْآخَرُ فَمَا بَشْرُوتٌ دُفِعَ هَذَا الْبَلْعُومُ (بخاری ج ۱ ص ۲۳)

سوم وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے حضور کو دیا مگر دوسروں پر اس کے انکشاف سے منع فرمایا جیسے علوم خمسہ (یعنی قیامت کے وقت کا علم، بارش کب ہوگی، کل کیا ہوگا۔ کرن کہاں وفات پائے گا۔ شہید مادر میں کیا ہے) ان سب کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ مگر دوسروں پر اس کے اظہار و بیان سے منع فرمایا۔ چنانچہ علامہ شیخ احمد صاوی مالکی فرماتے ہیں۔

علماء کرام نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرمایا لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔

قَالَ التَّكْمَلَاءُ الْحَقُّ إِنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ بَيْنَنَا مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى تِلْكَ الْخَمْسِ وَلَكِنَّهُ أَمَرَهُ بِكْتُمِهَا

(تفسیر صاوی ج ۲ ص ۲۱۵)

اور مفسر شہید علامہ سید محمد آوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں۔

لَمْ يَقْبِضْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَهُ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَهُوَ الَّذِي أَعْلَمَهُ بِتِلْكَ الْخَمْسِ

حَتَّىٰ يَعْلَمَ كُلُّ شَيْءٍ بِمَنْ يَنْصَرِفُ إِلَيْهِ
(تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۴)

نہیں پائی جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم نہیں دے دیا جس کا علم آپ کو دینا ممکن تھا۔

اور قیامت کے وقت کا علم عطا ہونا محال نہیں ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو قیامت برپا کرنے کا جب حکم ہوگا تو وقت قیامت ان پر عطا ہوگا۔ جب اسرافیل کو قیامت کے وقت کا علم دیا جانا ممکن ہے تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیوں ناممکن ہو اسی لیے شارح بخاری علامہ قسطلانی فرماتے ہیں۔

(وَلَا يَعْلَمُ مَتَىٰ تَقُومُ السَّاعَةُ) أَحَدٌ إِلَّا اللَّهُ

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَعْطِيهِ عَلَىٰ مَا يَشَاءُ مِنْ غَيْبٍ وَالْوَلِيُّ الشَّابِعُ يَأْخُذُ عَنْهُ

(ارشاد الساری ج ۷ ص ۱۶۱)

اللہ تعالیٰ کے سوا وقت وقوع قیامت کو کوئی نہیں جانتا سوا ان کے جن سے اللہ راضی ہے جو اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر جس کو چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے اور اولیاء اللہ جو رسولوں کے تابع ہوتے ہیں وہ ان سے غیب کا علم حاصل کرتے ہیں۔

بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور آپ تو تمام کمالات اولین و آخرین کے جامع ہیں۔ علامہ امام قرطبی اور علامہ آلوسی اور سیدی احمد بن مبارک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام کو بھی حضور کے وسیلہ سے علوم غمہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔

جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کیا وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا۔

فَمَنْ ادَّعَىٰ عِلْمَ بَشِيٍّ مِنْهَا غَيْرَ مُسْتَنِدٍ إِلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ كَاذِبًا دَعَا

اور سیدی خوث عبد العزیز دباغ رضی اللہ عنہ سے جب ان پانچ چیزوں کے علم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:-

فَقَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَعَنْ سَادَتِنَا الْعُلَمَاءِ وَكَيْفَ يَخْفَىٰ أَمْرُ الْحَمْسِ عَلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ أَهْلِ التَّصَرُّفِ مِنْ أُمَّتِهِ الشَّرِيفَةِ لَا يُمْكِنُ لَهُ التَّصَرُّفُ إِلَّا بِمَعْرِفَتِهِ

(ابن ماجہ ص ۲۸۷)

سیدی عبد العزیز دباغ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کرام نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پانچ چیزوں کا علم کیسے مخفی ہو سکتا ہے جب کہ آپ کی امت کے اولیاء سے بھی ان کا علم پوشیدہ نہیں ہے اور اس وقت تک اولیاء امت اس کائنات میں تصرف نہیں کر سکتے جب تک ان علوم غمہ

کا انہیں علم نہ ہو

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت جبریل امین کے سوال کے جواب میں وقت قیامت کے علم کی نفی نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا۔

مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ | وقت قیامت کے متعلق جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ (بخاری و مسلم کتاب الایمان)

یعنی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے وقت قیامت کا علم نہیں ہے بلکہ نہایت لطیف انداز میں یہ فرمایا کہ قیامت کے بارے میں میں سائل سے زیادہ نہیں جانتا تو حضور نے سائل سے زیادہ جاننے کی نفی فرمائی۔ لیکن اپنی ذات سے علم قیامت کی نفی نہیں فرمائی۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ آپ وقت قیامت کا علم تو رکھتے تھے مگر متعدد حکمتوں کی بنا پر اس کا اظہار اس لیے نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو علم قیامت کے بتانے سے حضور کو منع فرمادیا تھا جیسا کہ علامہ قسطلانی، آلوسی اور علامہ صاوی علیہ الرحمہ نے تصریح فرمائی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ علم قیامت کے انکشاف سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیوں منع فرمادیا تھا تو اس کی متعدد وجوہ ہیں جن میں سے دو یہ ہیں۔ اول سورۃ اعراف میں ارشادِ ربّانی ہے۔

لَا يَأْتِيَكُمُ إِلَّا بَغْتًا | قیامت نہیں آئے گی مگر تم پر اچانک۔

تو اگر حضور علیہ السلام قیامت کے وقت کا اظہار فرمادیتے تو تصریح قرآنی کے مطابق قیامت (بغتہ) اچانک نہ رہتی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر قیامت کے وقوع کا وقت معلوم ہو جائے تو سارا نظام عالم درہم برہم ہو جائے اور قیامت کے قریب آنے سے پہلے ہی انسان پر قیامت قائم ہو جائے۔ جو کہ ناممکن ہے اس لیے علم قیامت کے اظہار سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمادیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ جب جبریل امین نے قیامت کی علامات دریافت فرمائیں تو حضور علیہ السلام نے علامات قیامت میں سے چند بیان فرمادیں اور بعض احادیث میں وقوع قیامت کا دن مبینہ، تاریخ نمک بیان فرمادی مثلاً یہ کہ محرم کی دس تاریخ جمعہ کے دن قیامت آئے گی۔ صرف سن نہیں بتایا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو قیامت کا علم نہ تھا بلکہ وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے اظہار و انکشاف سے منع فرمادیا تھا (انعام) قیامت کے متعلق سوال کے بعد حضرت جبریل نے عرض کیا۔

قیامت کی علامات | فَاحْذَرُنِي عَنْ أَمَادَاتِهَا۔ مجھے قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتائیے

اس کے جواب میں حضور نے دو خاص نشانیاں بیان فرمائیں۔

ایک یہ کہ "لنڈی اپنی مالک اور آقا کو بجنے گی" اور دوسری یہ کہ نادار اور بچے اور بھوکے لوگ جن کا کام بکریاں

چرانہ تھا وہ بھی بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائیں گے۔

شامین نے حدیث کے ان الفاظ کی متعدد توجہیں کیں۔ ایک توجہ یہ ہے کہ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کی نافرمان ہو جائے گی حتیٰ کہ لڑکیاں بھی سرکش اور نافرمان ہو جائیں گی جیسے ایک مالکہ اپنی لونڈی پر کرتی ہے۔ ایسے ہی لڑکیاں کریں گی۔ تو محکمہ قرب قیامت میں عورت سے جو لڑکی ہوگی وہ بڑی ہو کر خود اپنی ماں پر حکومت چلائے گی۔ دوسری نشانی یہ بیان فرمائی۔ غریب و نادار سبکیاں چرانے والے اونچے اونچے محلوں میں رہیں گے یعنی قرب قیامت میں مال و دولت کی فراوانی ہوگی۔ ذلیل اور کم ظرف لوگوں کے ہاتھوں میں دولت آجائے گی اور وہ دولت مندی کے فتنہ میں مبتلا ہو کر فساد برپا کریں گے لوگوں کی عزتوں پر ہاتھ ڈالیں گے اور ظلم و عدوان سے گویہ نہ کریں گے۔ یہی بات ایک دوسری حدیث میں یوں بیان فرمائی گئی ہے کہ

إِذَا قُتِلَ الْمَرْءُ الْغَيْرُ أَهْلُهُ | جب حکومت و اقتدار نااہلوں کے سپرد ہونے لگے
فَانْتَضَبِرَ السَّاعَةُ | تو پھر قیامت کا انتظار کرو

اس مسئلہ کی توضیح کے لیے فیوض پارہ اول کا صفحہ ۲۲۷ تا ۲۲۸ تک ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ۔ واضح ہو کہ جن احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامتوں کو بیان فرمایا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام علامات جو وقوع پذیر ہوں گی حرام و مذموم ہوں کیونکہ علامت کے لیے یہ شرط نہیں ہے وہ ضرور بالضرور مذموم و حرام ہو جیسے علامات قیامت کے سلسلہ میں حضور نے فرمایا مال کی زیادتی ہوگی۔ لوگ عالیشان مکان بنائیں گے حتیٰ کہ پچاس عورتوں کی ضروریات صرف ایک شخص پوری کرے گا تو یہ بلاشبہ حرام و ناجائز نہیں ہے۔

۲۳۶۶۔ باب أم الولد کے عنوان کے تحت امام بخاری نے حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ذکر کی ہے۔ جس میں حضرت سعد بن وقاص اور عبد بن زمرہ کے درمیان ایک لونڈی کے بچے کے متعلق مقدمہ کا ذکر ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جو فیوض الباری کتاب البیوع پارہ ہشتم کے صفحہ ۲۵ پر اور پارہ نہم باب دعوی الوصی میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر (۲۲۶۰) ان دونوں مقامات پر ہم نے اس حدیث کے تمام مسائل بیان کر دیے ہیں ضرور ملاحظہ کیجئے۔

بَابُ بَيْعِ الْمَدَبَرِ

باب مدبر کی بیع کے متعلق

مدبر اس کو کہتے ہیں جس کی نسبت آخانے یہ کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ مدبر کی بیع جائز ہے

یائیں اس میں اختلاف ہے۔ مجاہد، طاووس، امام شافعی، احمد، اسحق، ابو ثور اور امام ابو نعیم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حجاز کے قائل ہیں اور زید بن ثابت، ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن ابی یسلف، امام مالک، نفعی، لیث اور اعمیٰ اور امام ابو حنیفہ عدم حجاز کا قول کرتے ہیں۔ کتاب البیوع میں بھی یہ عنوان گزر چکا ہے۔

۲۳۶۷۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص نے اپنے غلام کو مدبر قرار دیا۔
 قَدْ عَاثَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | تَوْبَنِي صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسَ غُلَامٍ كُفْرُوهُتْ كَرِيَا
 بِهِ فَبَاعَهُ فَتَالَ جَابِرٌ مَاتَ الْغُلَامُ | جَابِرُ كَتَبْتُمْ هِيَ۔ غُلَامٍ پچھلے سال ہی مر گیا۔
 عَامَ أَقُولُ

امام بخاری علیہ الرحمہ کی رائے ہے کہ مدبر کو فروخت کرنا جائز ہے اور اس حدیث کے ظاہر سے
 فوائد و مسائل | یہی معلوم ہوتا ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کی تحقیق یہ ہے کہ مدبر اپنے آقا کے انتقال کے بعد آزاد
 ہو جائے گا اور اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ مدبر مطلق کو بیچ سکتے ہیں نہ مہر، نہ رہن اور نہ صدقہ کر سکتے
 ہیں۔ البتہ مدبر مقید جسے اس کا آقا یہ کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مر گیا تو آزاد ہے اس کی بیع امام اعظم علیہ الرحمہ کے
 نزدیک بھی جائز ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهَيْبَتِهِ

باب ولای کی بیع اور اس کا ہبہ جائز نہیں

۲۳۶۸۔ فَهَلْ دَسُّوْهُ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ
 وَسَلَّمْ عَنْ بَیْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هَيْبَتِهِ | حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے ولای کی بیع و ہبہ سے منع فرمایا ہے۔
 ۲۳۶۹۔ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث عائشہ بھی ذکر کی ہے جو مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ فیوض
 پارہ ہشتم ص ۱۹ پر گزر چکی ہے۔

ولا۔ یعنی جب غلام کو آزاد کر دیا جائے تو اس کی میراث آزاد کرنے والے کو ملے گی۔ اس
 فوائد و مسائل | مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے اور ولا کو بیع کرنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں ہے جبکہ زمانہ جاہلیت
 میں اس کا دستور تھا۔

بَابُ إِذَا أُسِرَ أَحْوَالُ الرَّجُلِ أَوْ عَمَلُهُ

باب اگر کسی کا بھائی یا چچا قید ہو کر آئے تو کیا اس

هَلْ يُفَادَى إِذَا كَانَ مُشْرِكًا | کے مشرک ہونے کی صورت میں بھی اس کا فدیہ دیا جائے
 مطلب عنوان یہ ہے کہ اگر کسی کا بھائی یا چچا کفار سے لڑائی میں قید ہو جائیں اور وہ کافر ہوں تو کیا ان کو بھی

فدیہ دے کر چھڑایا جائے گا؛ امام بخاری نے اس کا جواب نہیں تحریر کیا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے (۲)۔ امام بخاری نے بھائی اور چچا کا ذکر کر کے زیرِ عنوانِ حدیث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ ذی محرم صرف ملکیت میں آجانے سے آزاد نہیں ہوتا۔ کیونکہ غزوہ بدر کے اسیروں میں حضرت عباس اور عقیل بھی تھے جو کہ حضرت علی اور خود حضور علیہ السلام کے ذی محرم تھے اور انھیں فدیہ لے کر آزادی دی گئی تھی۔ — اخاف کا مسلک یہ ہے کہ ذی محرم اگر کسی کی ملکیت میں آجائے تو وہ فوراً آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ صَنْ مَلَكٌ ذَا مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ۔ اس حدیث کو ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام بخاری کے استدلال کا جواب یہ ہے جس وقت اسیرانِ بدر سے فدیہ لیا گیا تو اسیرانِ کسی فردِ خاص کی ملکیت نہ تھے۔ اس وقت تو یہ حکومت کی تحویل میں تھے۔ جب تک غلبت کو تقسیم نہ کر دیا جائے۔ اس وقت تک غائبانِ اس کے مالک نہیں تھے تو حضرت عباس و عقیل اگرچہ ذی محرم تھے مگر اس وقت غنیمتِ تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے وہ کسی کی ملک میں نہیں آئے تھے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے درجِ بدر کے بعد قید سے آزاد ہونے کے لیے اپنا بھی فدیہ دیا تھا اور عقیل (رضی اللہ عنہ) کا بھی۔

وَقَالَ اَنَسٌ قَالَ اَلْعَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادَيْتُ نَفْسِي وَادَيْتُ
عَقِيلًا

(بخاری)

۱۔ یہ تعلق اس حدیث کا ایک حصہ ہے جو کتاب الصلوة باب القسمة میں گزر چکی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے چچا ہیں۔ حضرت عباس کفارِ قریش کے اُن دس سرداروں میں تھے جنہوں نے جنگِ بدر میں لشکرِ کفار کے کھانے کی ذمہ داری لی تھی اور یہ اس خرچ کے لیے بیس اوقیہ سونا ساتھ لے کر چلے تھے ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) لیکن ان کے ذمے جس دن کھلانا تجویز ہوا تھا۔ خاص اسی روز جنگ کا واقعہ پیش آیا اور قتال میں کھانے کھلانے کی فرصت و مہلت نہ ملی تو بیس اوقیہ سونا ان کے پاس بچ رہا۔ جب وہ گرفتار ہوئے اور یہ سونا اُن سے لے لیا گیا تو انھوں نے درخواست کی کہ یہ سونا ان کے فدیہ میں محسوب کر لیا جائے مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا۔ ارشاد کیا جو چیز ہماری مخالفت میں صرف کرنے کے لیے لاتے تھے وہ چھوڑی جائے گی اور حضرت عباس پر ان کے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کے فدیہ کا بار بھی ڈالا گیا تو حضرت عباس نے عرض کیا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مجھے اس حال میں چھوڑو گے کہ میں باقی عمر قریش سے مانگ مانگ کر بسر کیا کروں؟ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فَاَيْنَ الْمَالِ الَّذِي شَرَكْتَهُ عِنْدَ اُمِّ الْقُعُيْلِ پھر وہ سونا کہاں ہے جس کو تمہارے مکہ مکرم سے

فَقَالَ يَا ابْنَ آخِي مَنْ أَعْلَمَكَ
فَوَاللَّهِ مَا كَانَ عِنْدَنَا شَيْءٌ
فَقَالَ أَحْبَبَنِي اللَّهُ

(بہقی) عینی ج ۱۳ ص ۹۷

چلتے وقت تمہاری بی بی ام الفضل نے دفن کیا ہے اور تم ان سے کہہ کر آئے ہو کہ خبر نہیں ہے مجھے کیا حادثہ پیش آئے۔ اگر میں جنگ میں کام آ جاؤں تو یہ تیرا ہے اور عبد اللہ اور عبید اللہ کا اور فضل اور ثقم کا سب ان کے بیٹے تھے، حضرت عباس نے عرض کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ حضور نے فرمایا مجھے میرے رب نے

خبردار کیا ہے۔ اس پر حضرت عباس نے عرض کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں بے شک آپ سچے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میرے اس راز پر اللہ کے سوا کوئی مطلع نہ تھا اور حضرت عباس نے اپنے جھنجھو عقیل و فاضل کو حکم دیا وہ بھی اسلام لائے۔

وَكَانَ عَلَىٰ لَدَىٰ لَصِيبٍ فِي تِلْكَ النِّعْمَةِ
الَّتِي آصَابَ مِنْ آخِلِهِ عَمِيلٌ وَعَمِلُهُ
عَبَّاسٌ

حالات اس غنیمت میں علی رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ تھا
جو ان کے بھائی عمیل کے چچا عباس رضی اللہ عنہ
سے ملی تھی۔

یہ امام بخاری کا کلام ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس اور عقیل حضرت علی کے ذی رحم نطفے اور جب یہ قید ہو کر غنیمت میں آئے تو حضرت علی کا بھی اس غنیمت میں حصہ تھا۔ مگر ان سے فدیہ لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ ذی رحم مجرد ملک سے آزاد نہیں ہوتا۔ ورنہ حضرت عباس اور عقیل آزاد قرار پاتے اور ان سے فدیہ نہ لیا جاتا جیسا کہ خلیفہ کہتے ہیں۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ کا فخر محض غنیمت بن جانے سے ملک میں نہیں آتا۔ کیونکہ اس امر کا اختیار ہوتا ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا غلام بنایا جائے۔

فَلَا يَلْزَمُ الْعِتْقُ بِهَجْدٍ الْغَنِيْمَةِ

اور کسی شخص کے حصہ میں ایسا قیمتی آجائے جو اس کا ذی رحم ہو تو اب وہ اس کی ملک میں آجائے گا اور ملک میں آئے ہی آزاد قرار پائے گا۔

٣٤٠- حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ أَلْبَسَ رَجُلًا ثِيَابًا مِنْ ثِيَابِ الْفِرْيَاقِ أَلْبَسَهُ اللَّهُ ثِيَابَ الْفِرْيَاقِ فَكَانُوا أَكْثَرُ النَّاسِ فِي النَّارِ لَا يَنْفِي عَنْهَا عِبَادٌ فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُ وَرَهْمَتِهِ

حضرت ارضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انصار کے بعض افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہمیں اس کی اجازت دیجیے کہ ہم اپنے بھلے بھالے عباس (رضی اللہ عنہ) کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیں۔ لیکن حضور نے فرمایا کہ ان کے فدیہ سے ایک دوہرمٹھی چھڑیا

فائدہ و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے جہاد اور مختاری میں بھی ذکر کیا ہے۔ حزنان سے مطابقت اس

حدیث کی یہ ہے کہ اس میں فدیہ لے کر جنگ کے قیدیوں کو چھوڑنے کا ذکر ہے کہ اہل قرابت خواہ ذوی الارحام سے ہوں یا عصبیات سے ہوں فدیہ لیے جانے میں بلا رہیں۔ ۲۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے چچا تھے۔ انصار نے حضرت عباس کو اپنا بھائی بنایا کہ آپ کے والد اور حضور کے دادا عبدالمطلب کی تنہا مدینہ کے قبیلہ بنو نجار میں تھی۔

واضح ہو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ جن کا نام فقیلہ ہے انصار سے نہ تھیں بلکہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو بن اخیصر بنی نجار سے تھیں۔ حضرت عبدالمطلب کے والد ہاشم نے دوران سفر شام مدینہ منورہ میں عمرو بن زید بن لبید النجاری (جو اپنی قوم کے سردار تھے) کے ہاں قیام کیا تھا۔ ان کی ایک صاحبزادی سلمیٰ بہت حسین و جمیل تھیں۔ ہاشم نے ان کے لیے پیغام نکاح دیا تو سلمیٰ کے والد عمرو نے منظور کر لیا مگر یہ شرط رکھی کہ سلمیٰ ہمارے گھر ہی رہے گی اور ولادت کامر حلد بھی ہمارے گھر میں منظور پذیر ہوگا۔ چنانچہ نکاح ہو گیا۔ مختصر یہ کہ ہاشم اپنی بیوی کو بوقت ولادت مدینہ چھوڑ گئے اور شام چلے گئے اور وہاں انتقال کر گئے اور سلمیٰ کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ شیبہ سات سال تک اپنی والدہ کے پاس اپنے تنہا میں پرورش پاتے رہے اس کے بعد آپ کے چچا مطلب شیبہ کو خفیہ طور پر مکہ لے آئے۔ راستہ میں کوئی پوچھتا تو مطلب کہتے یہ میرا غلام ہے۔ اسی بنا پر شیبہ عبدالمطلب مشہور ہو گئے ورنہ آپ کا نام عبدالمطلب نہیں بلکہ شیبہ تھا۔ اسی بنا پر انصار نے حضرت عباس کو ابنِ افتخار کہا۔ (یعنی ج ۱۳ ص ۹۸)

۲۔ غزوہ بدر میں جو لوگ قید ہوئے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے قریبی عزیز تھے۔ حضور نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیرانِ جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت صدیق اکبر نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ عرض کیا اور حضرت عمرؓ نے قتل کرنے کا۔ حضور نے صدیق اکبر کے مشورہ کو پسند فرمایا اور اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا۔ لیکن جو ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیے گئے۔ ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان کو مکہ ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھادیں تو چھوڑ دیے جائیں گے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سکھا تھا۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۴)

انصار نے عرض کی کہ حضرت عباس ہمارے بھانجے ہیں۔ ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور ان کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا۔ فدیہ کی عام مقدار ۴۰۰ ہزار درہم تھی لیکن امرار سے زیادہ لیا گیا۔ حضرت عباس دولت مند تھے۔ اس لیے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی۔ حضرت عباس نے زیادہ فدیہ وصول کرنے کی حضور علیہ السلام سے شکایت بھی کی تھی۔

ایک طرف تو اداۓ فرض کی یہ مسالط تھی۔ دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباس کی کراہ سن کر اہل اسلام آرام نہ فرمائے، لوگوں نے اُن کی گمہ کھل دی تو آپ نے آرام فرمایا۔

۲۔ چنانچہ مسلم کی حدیث کا مضمون ہے کہ جنگ بدر میں شتر کا فرقیہ کر کے میدان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لائے گئے۔ حضور نے ان کے متعلق صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے فرض کیا کہ یہ آپ کی قوم قبیلہ کے لوگ ہیں۔ میری رائے میں انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس سے مسلمانوں کو قوت بھی پہنچی گی اور کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام نصیب کرے۔ حضرت عرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔ آپ کو مکہ مکرمہ میں نہ رہنے دیا۔ یہ کفر کے سرور اور سر پرست ہیں ان کی گردنیں اڑا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فدیہ سے غنی کیا ہے۔ علی مرتضیٰ کو عقیل پر اور حضرت حمزہ کو عباس پر اور مجھے میرے قرابتی پر مقرر کیجئے کہ ان کی گردنیں مار دیں۔ آخر کار فدیہ ہی لینے کی رائے قرار پائی اور جب فدیہ لیا گیا تو سورۃ انفال کی یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يَسْتَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ
حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ط

یعنی کسی نبی کو یہ لائق نہیں ہے کہ قتلِ کفار میں مبالغہ کر کے کفر کی ذلت اور اسلام کی شوکت کا اظہار کے بغیر کافروں کو زندہ قید کرے۔ اس کے بعد ارشاد باری ہے۔

مَنْ يَشِدُّ الْأَسْرَافَ عَلَى النَّفْسِ يَصْلُحْهَا
يُزِيدُ الْخَيْرَ ط

یہ مومنین کو خطاب ہے اور مال سے فدیہ مراد ہے اللہ تعالیٰ نے مومنین سے فرمایا تمہارے لیے کفر کا ثواب ہے جو قتلِ کفار اور اعزازِ اسلام پر مرتب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم بدر میں تھا جب کہ مسلمان تھوڑے تھے پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوئی اور وہ فضلِ الہی سے قوی ہوئے تو قیدیوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ نَاصِحًا مَّا بَعْدُ وَ إِمَّا يَنْفِدُ عَنْهُ أَوْ رُبَّ تَعَالَىٰ لَمْ يَلِمْ نَبِيًّا صَاحِبًا عَدُوًّا لِّلْإِسْلَامِ ط

بَابُ عَشَقِ الْمُشْرِكِ
باب مشرک غلام کو آزاد کرنا

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اپنے کفر کے زمانے میں سو غلام آزاد کئے تھے اور سواؤنٹوں کی قربانی دی تھی۔ پھر جب اسلام لائے تو سواؤنٹوں کی قربانی دی اور سو

۲۳۷۱۔ عَنْ هِشَامٍ أَخْبَرَنِي أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حَزْرَامٍ أَغْتَقَى فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِائَةَ رَقَبَةٍ وَحَمَلَ عَلَى مِائَةِ بَيْعِهِ فَلَمَّا أَتَاهُ حَمَلٌ

عَلَى مَا تَوَلَّيْتُمْ بِعَمِيرٍ وَأَخْتَىٍّ وَمَا تَوَلَّيْتُمْ فَقَالَ
فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْعِيتُ أَشْيَاءَ كُنْتُ
أَضْمَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنْتُ أَتَخَنَّنْتُ بِهَا
يَمْنِي أَتَسْتَبِرُّ بِهَا فَقَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسَلِمْتُ عَلَى مَا سَلَّمْتُ
لَكَ مِنْ حَيْثُ

غلام آزاد کیجیے۔ آپ نے حضور نبویؐ عرض کی کہ بھائی
کفرِ ثواب کی نیت سے میں نے جو کام کئے کیا مجھ ان
کا ثواب ملے گا۔ اَتَخَنَّنْتُ کے معنی اَسْتَبَرُّ کے
ہیں۔ نبی علیہ السلام نے جواباً فرمایا۔ جو نیکیاں تم نے
بمحالت کفر کی ہیں ان کے سمیت اسلام میں داخل ہوئے
ہو (بخاری)

۱۔ اَتَخَنَّنْتُ کے معنی عبادت کے ہیں یعنی وہ کام جو رمضان الہی کے لیے کیا جائے۔

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ غلام اگر مشرک ہو اور ثواب کی نیت سے اسے آزاد کیا جائے تو جائز ہے
کیونکہ حکیم بن حزام نے حالت کفر میں حصولِ ثواب کے لیے جو غلام آزاد کیے۔ اسلام لانے کی وجہ سے وہ باعث
اجر و ثواب قرار پاتے تو اگر مسلمان کسی کا فرمایا مشرک غلام کو آزاد کرے گا تو بطریقِ اولیٰ مستحقِ ثواب ہوگا۔
۳۔ امام مالک شافعی احمد کی رائے یہ ہے کہ قسم کے کفارہ اور ظہار میں کا قمر غلام کا آزاد کرنا جائز نہیں
ہے جیسے قتلِ خطا میں جائز نہیں ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ قسم کے کفارہ اور ظہار
میں کا فر غلام کو آزاد کرنا اس لیے جائز ہے کہ قرآن مجید میں مطلقاً غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے خواہ
کافر ہو یا مسلمان اور قتلِ خطا میں غلام کے مسلمان ہونے کی قید ہے۔ لہذا مسلمان غلام آزاد کیا جائیگا۔ نیز
ضابطہ یہ ہے کہ نص کا جو مقتضی ہے۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر آیت یا حدیث کا مطلق ہے
تو مطلق پر اور اگر مقید ہے تو مقید پر عمل کیا جائے گا۔

۴۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ کافر نے بمحالت کفر جو نیکیاں کی ہیں اسلام لانے کی وجہ سے
ان نیکیوں کا بھی اسے ثواب ملے گا۔

۵۔ حضرت حکیم بن حزام حضور علیہ السلام کی ولادت سے تین سال قبل کعبہ
میں پیدا ہوئے۔ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ نبی علیہ السلام نے انھیں مال
نہ کرنے کی ترغیب دی جس کے بعد انھوں نے تاحیات اپنی ضرورت کے لیے کسی سے سوال نہ کیا حتیٰ کہ
حضرت ابوبکر و عمر نے انھیں باصرار بیت المال سے وظیفہ لینے کے لیے کہا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کی
ایک سو بیس سال عمر ہوئی۔ ساٹھ سال بحالتِ جاہلیت رہے اور ساٹھ سال بحالتِ اسلام۔ ۲۵
حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (اسد الغابہ ج ۲ ص ۶۵)



بَابُ مَنْ مَلَكَ مِنَ الْعَرَبِ

باب جس نے عربی کو غلام بنایا

فَوَهَّبَ وَبَاعَ وَجَامَعَ وَقَدَّاهُ وَ
سَبَى الذَّرِّيَّةَ قَوْلُهُ تَعَالَى ضَرْبُ
اللَّهِ مَثَلًا عَبْدًا قَتَلُوا كَالْخ

پھر اسے ہبہ کیا یا بیچا یا اس سے جماع کیا یا
قدیرہ لیا اور جس نے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا۔

عنوان سے آیت کی مناسبت یہ ہے کہ اس میں عَبْدًا قَتَلُوا کا کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ مطلق ہے
اس میں عربی اور عجمی کی کوئی قید نہیں ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ جنگ میں جو کافر غلام وہ عربی ہو یا عجمی ہو، قید
ہوگا وہ مالی غنیمت میں شمار ہوگا اور اسے یا قتل کیا جائے گا یا قیدی لے کر چھوڑ دیا جائے گا یا پھر غلام بنالیا جائے
گا اور جب وہ غلام ہو جائے گا تو اس پر غلاموں کے احکام نافذ و جاری ہوں گے۔

۲۳۷۲۔ اسی عنوان باب هُنْ مَلَكَ مِنَ الْعَرَبِ میں امام بخاری نے حدیث مسور بن مخرمہ بھی ذکر کی ہے۔
جس میں وفد ہوازن کا ذکر ہے۔ یہ وفد بھڑور نبوی حاضر آیا اور اس نے اپنے قیدیوں کی واپسی کی درخواست
کی تھی۔ امام بخاری نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے کہ کافروں سے جنگ میں جو کافر بھی قید ہوگا غلام
وہ عجمی ہو یا عربی اس میں کوئی تفریق نہ ہوگی یعنی عرب بھی قیدی بنائے جائیں گے۔ یہ حدیث مع مکمل تفہیم و
ترجمانی کے فیوض پارہ نهم کتاب الاکالہ میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۱۵۵ نیز حدیث نمبر ۲۱۶۰

۲۳۷۳۔ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُثْمَانَ قَالَ كَتَبْتُ
إِلَى نَافِعٍ فَكَتَبَ إِلَيَّ أَنَّ الشَّيْخَ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آغَارَ عَلَى سَبْيِ الْمُضْطَلِّقِ

عبداللہ بن عون کہتے ہیں کہ میرے سوال پر نافع نے
اپنے مکتوب میں لکھا کہ نبی علیہ السلام نے بنی مضطلق
پر حملہ کیا جب کہ وہ غافل تھے اور ان کے جانوروں

وَهُمْ عَارِضُونَ وَإِنَّمَا هُمْ تَسْقَى عَلَى الْعَوَا
نَقَتَلْ مُقَاتِلَهُمْ وَسَبَى ذَلِيلَهُمْ وَأَصَابَ
يَوْمَئِذٍ جَوْنِيَّةَ حَلَّةٍ شَيْءٌ بِهِ عِنْدَ اللَّهِ
ابْنُ عَسْرٍ وَكَانَ فِي ذَلِكَ الْحَبِشِ

کو تالابوں پر پانی پلایا جا رہا تھا۔ آپ نے ان میں
سے مقابلہ کرنے والوں کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو
قیدی بنالیا۔ انہی قیدیوں میں جویریہ بھی ملی تھیں۔
عبداللہ بن عمر نے یہ واقعہ بیان کیا اور وہ اس لشکر
میں شامل تھے۔

فوائد و مسائل

اس حدیث کو مسلم نے معاذی اورداد نے جہاد اور نسائی نے سیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت
ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
بنی مصطلق کے قیدی تقسیم کئے تو جویریہ بنت حارث ثابت بن قیس بن شماس یا ان کے چچا زاد بھائی کے
حصہ میں آئیں اور مکاتبت کو قبول کر کے بحضور نبوی حاضر آئیں۔ عرض کی میں جویریہ بنت حارث ہوں۔ میرے
والد اپنی قوم کے سردار تھے آج میں بڑی شکل میں ہوں حضور عقید کثابت کی رقم میں میری مدد فرمائیں۔ آپ نے
فرمایا۔ میں تجھے ہنرمند ہونے دوں۔ عرض کی دیجئے۔ فرمایا تمہاری کتابت کی رقم میں ادا کر دیتا ہوں اور تم مجھ سے
نکاح کر لو۔ وہ رضا مند ہو گئیں۔ نبی علیہ السلام نے ان سے نکاح فرمایا۔ جب صحابہ کرام کو اس امر کی اطلاع
ہوئی تو انہوں نے کہا کہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خاندان تو حضور کا سسرال ہو گیا ہے چنانچہ صحابہ نے
بنی مصطلق کے تمام قیدی جن کی تعداد ایک سو تھی حضور نبی علیہ السلام سے نسبت اور آپ کے احترام کی بنا پر
بخوشی آزاد کر دیے ۲۔ اس حدیث میں اعزاز کا لفظ ہے جس کا مطلب اچانک حملہ کرنے کے ہیں۔ ابتداء
اسلام میں ایسا جائز تھا۔ بعد میں پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری قرار پایا۔

۴۳۴۔ عَنْ ابْنِ مُحَيْتَبٍ قَالَ رَأَيْتُ
أَبَا سَعِيدٍ فَمَسَاكُنَهُ فَقَالَ خَرَجْنَا مَعَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
غَزْوَةٍ بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَأَصْبَحْنَا سَبِيًّا
مِنْ سَبَى الْعَرَبِ فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ
فَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُرْبِيَّةُ وَاجْتَبْنَا
الْعَدْلَ فَمَا كُنَّا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا
تَعْمَلُوا مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَأَنفَسَةِ الْخَلِيقِ الْقَلِيلَةِ

ابن محیتر کہتے ہیں۔ میں نے ابوسعید سے سوال کیا۔ آپ
نے جواب میں فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ غزوہ بنی مصطلق کے لیے نکلے۔ اس غزوے
میں ہمیں عرب قیدی لے (قبیلہ بنی مصطلق کے)۔ ارا
ہی میں ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی اور تجرد و شاف گزرتے
لگا، اس لیے (ان باندیوں سے ہم بستی میں) ہم عمل
کرنا چاہتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا، ایسا کرنے
میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن جن ارواح کی قیامت تک

کے لیے پیدا آتش مقدر ہو چکی وہ تو بہر حال پیدا ہو کے رہیں گے۔

بہر کثرتول عزول جائز ہے

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اپنی بیوی سے عزول جائز ہے۔ مسئلہ کی تفصیل یہ ہے۔
۱۔ حدیث و فقہ کی تقریباً تمام کتب میں مستقل طور پر باب العزل کا عنوان قائم ہے اور شارحین نے عزول کے متعلق شرح و لمبط کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ شارحین حدیث اور فقہاء نے عزول کے معنی یہ کئے ہیں کہ اپنی بیوی سے جماع کے وقت ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ مادہ باہر گرے۔ مقصد اس عمل کا یہ ہے کہ بچے پیدا نہ ہوں۔ جہاں تک میرے علم اور عقل کا تعلق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عزول اور بہر کثرتول یا دوسرے نفعوں میں خاندانی منصوبہ بندی کا مطلب و مقصد ایک ہی ہے۔ فی زمانہ بہر کثرتول کے مختلف طریقے ہیں۔ ادویہ کا استعمال، لیدر کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔ زمانہ رسالت میں مانع حمل ادویہ اور اشیاء ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے صرف عزول کے ذریعے بچہ کی پیدائش کو روکا جاتا تھا۔

۲۔ زمانہ رسالت میں صحابہ کرام دو وجہ سے عزول کرتے تھے۔ لڑائی سے عزول کرتے تھے تاکہ اس کے اولاد نہ ہو۔ کیونکہ جس لڑائی کے اولاد ہو جائے وہ شرعاً نائم ولدہ ہو جاتی ہے اور اس کی بیع منوع و ناجائز قرار پاتی ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم، ابوداؤد، مسند احمد و ابن ماجہ کی متعدد احادیث میں اس وجہ کا واضح طور پر ذکر ہے اور اپنی بیوی سے عزول اس لیے کرتے تھے تاکہ اولاد زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ مسلم و مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ بحضر نبوی ایک شخص حاضر ہوا۔ عرض کی میں اپنی

اِفْرِغْ اَعْزِلْ عَنْ اِمْرَاَتِي فَقَالَ لَكَ صَلَی
اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لِمَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ
اَشْفَقْتُ عَلٰی وَلَدِہَا اَوْ عَلٰی اَوْلَادِہَا

بیوی سے عزول کرتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عزول کیوں کرتے ہو۔ اس نے جواباً عرض کی اس کے بچہ یا اولاد پر شفقت کی بنا پر (مسلم)

علامہ شرنکائی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا کہ اس میں عزول کی وجوہات میں سے ایک وجہ کا ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ کثرت اولاد سے بچا جائے (نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۹۸)۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام اپنی ازواج سے عزول (بہر کثرتول) کرتے تھے۔ اور اس لیے کرتے تھے تاکہ اولاد کی کثرت نہ ہو۔ ثابت ہوا کہ کثرت اولاد کی مشکلات سے بچنے کے

لیے اپنی بیوی سے عزول جائز ہے یعنی عقیدہ کی صحت و سلامتی کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کو قادر و قادر اور خالق و رازق سمجھتے ہوئے) محض سبب کے طور پر عزول کے عمل کو اپنانا جائز ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس عمل کو مکرر حتمی نہ سمجھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ خواہ کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ کو پیدا کرنا مقصود ہے

بہر حال و بہر صورت پیدا ہوگا۔ چنانچہ یورپ میں جن عورتوں نے مانع حمل گولیاں استعمال کیں اخبارات شاہد ہیں کہ ان کے ایک نہیں دو بچے بھی پیدا ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی نے عزیل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے بڑے حکیمانہ انداز میں انھیں بتایا کہ عزیل محض ایک سبب ہے اسے موثر حقیقی نہ سمجھا جائے اور اللہ تعالیٰ کے خالق و رازق ہونے کے عقیدہ کو ذہنوں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ بخاری مسلم ابوداؤد، احمد، موطا امام محمد کی احادیث میں اس امر کی تصریح ہے۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بھنور نبوی عرض کی۔ میں اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا کہ میری لونڈی حاملہ ہو۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر تو چاہتا ہے تو عزیل کر گم

فَقَالَ اعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهُ
سَيَاْتِيْهَا مَا فَدَوَ لَهَا

(موطا امام محمد)

اسی طرح امام اور بزار نے بساند حسن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے عزیل کے متعلق نبی علیہ السلام سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ پانی جس سے بچے کی پیدائش اللہ کو منظور ہے۔ اھرقتہ علی صخرۃ لا یخرج اللہ منها ولد اذ یخلقن اللہ نفسا هو خالقها (موطا امام محمد)

۲۔ موطا امام محمد کی شرح التعلیق المجد میں حضرت مولانا عبدالحی کسٹنوی علیہ الرحمہ زیر عنوان باب العزیل لکھتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت ابن عباس، جابر بن عبد اللہ، سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی بیوی اور لونڈی سے عزیل کو جائز قرار دیتے ہیں۔ البتہ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کراہت کا قول کیا ہے (یعنی یہ حضرات عزیل کو جائز تو قرار دیتے ہیں مگر اس عمل کو اچھا نہیں سمجھتے یعنی مکروہ تنزیہ قرار دیتے ہیں اور مکروہ تنزیہ فعل جائز ہے۔ حرام یا مکروہ تحریمہ یا گناہ بزرگ نہیں ہے)۔

۳۔ علامہ ابن عثیمہ اور علامہ ابن ہبیر نے لکھا ہے کہ اپنی بیوی کی اجازت سے عزیل کے جواز پر اجماع ہے۔ حافظ ابن حجر شارح بخاری فرماتے ہیں۔ عزیل کے جواز سے بغرض علاج اسقاط حمل کا جواز بھی واضح ہو

لہ و نقل ابن عبد البر وابن ہبیرہ اَلْاِجْمَاعُ عَلٰی اَنَّهَا لَا يَعْزِلُ عَنْ الزَّوْجَةِ
الْحَبْرَةُ اِلَّا بِاِذْنِهَا لہ قَالَ حَافِظُ ابْنِ حَجْرٍ يَشْتَرِئُ مِنْ حُكْمِ الْعُزْلِ مَعَ الْبَعْثَةِ الْمَرْأَةِ

جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ بچہ میں رُوح نہ پڑی ہو۔ علامۃ ابن ہمام علیہ الرحمۃ فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ اسقاطِ حمل مباح ہے جب تک اعضا نہ بنے ہوں اور رُوح نہ پڑی ہو یعنی اگر حاملہ بیروی کہ حمل کی درجہ سے جان کا خطرہ پیدا ہو جائے یا سخت بیماری کا موجب تک بچہ میں جان نہ پڑی ہو اسقاطِ حمل جائز ہے (فقہ حنفی کی مشہور کتاب خانیہ میں ہے کہ اپنی بیوی کا اسقاطِ حمل اس صورت میں ناجائز و گناہ ہے جب کہ عذر شرعی نہ ہو) یعنی حاملہ کی جان یا سخت و شدید بیماری کا خطرہ نہ ہو اور صاحب بحر الرائق نے فرمایا۔ بضرورت اسقاطِ حمل جائز ہے کیونکہ اس کے لیے دلیل صحیح موجود ہے جس پر اسقاطِ کر قیاس کیا جائے گا۔

۴۔ بحال رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ابن قدامنی نے اپنی لڑکی سے عزل کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ تیری کھیتی ہے اب یہ تیری مرضی ہے خواہ

هُوَ حَرْثُكَ اِنْ شِئْتَ عَطَشْتَهُ
وَ اِنْ شِئْتَ سَقَيْتَهُ
اس کہ پیاسا رکھ یا سیراب کر دے
(موطا امام محمد ص ۱۹)

۵۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ ہمارا موقف بھی یہی ہے کہ لڑکی سے عزل میں حرج نہیں البتہ لَا شَرَّ لِي بِالْعَزْلِ بِنَاسٍ عَنِ الْاَمَةِ وَ
اَمَّا الْحُرَّةُ فَلَا يَتَّبِعُنِي اَنْ يَعْزِلَ
عَنْهَا اِلَّا بِمَا ذَرَفَهَا
اگر بیوی مجھ ہو تو اس کی اجازت سے عزل کرنا جائز ہے
(موطا امام محمد ص ۱۹)

۶۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ موطا امام محمد کی ان روایات کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے اور سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قرآن مجید

اِسْقَاطُ النُّطْفَةِ قَبْلَ نَفْخِ الرُّوحِ ۛ قَالَ ابْنُ اِلَهَمَامٍ يَبَاحُ الْاِسْقَاطُ مَا لَمْ يَتَخَلَقْ
۴۔ لَا اَقُولُ اِنَّهُ يَبَاحُ الْاِسْقَاطُ مُطْلَقًا اَنْ يَلْحَقَهَا اِسْمُ مِهَا اِنَّا اسْقَطْتُمْ مِنْ غَيْرِ
عَذْرِ ۛ قَالَ فِي الْبَحْرِ يَنْبَغِي الْاِعْتِمَادُ عَلَيْهِ لَانْ لَهُ اَصْلًا صَالِحًا يَقَاسُ عَلَيْهِ
(التعليق المجدد) ۛ اِنَّ جَوَازَ الْعَزْلِ مُتَّبِعٌ مِنَ الْكِتَابِ ۛ فَاِنَّهُ
تَعَالَى قَالَ فِي بَابِ وَطْئِ النِّسَاءِ نِسَاءُكُمْ حُرَّتْ لَكُمْ قَا تَوَحَّرْتُمْ اَفِي
شِئْتُمْ فَسَمَى بَصْعَ الْمَرْأَةِ حَرْثًا وَ مِنَ الْمَعْلُومِ اَنَّ الْحَرْثَ يَتَخَيَّرُ فِيهِ
الْاِنْسَانُ بَيْنَ اَنْ يَسْقِيَهُ وَاَنْ لَا يَسْقِيَهُ فَكَذَلِكَ بَصْعُ النِّسَاءِ وَ بَلْ قِيلَ اَنَّ نَزُولَ
اَلَى شِئْتُمْ اَمْ كَيْفَ شِئْتُمْ كَانَ لِبَيَانِ جَوَازِ الْعَزْلِ۔

کی آیت نساء کُم حرف لکم الخ سے عزل کے جواز کا استدلال فرمایا ہے۔ آیت میں الخی شتمت بمعنی کیفت شتمت اور آیت کے اس جملہ سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے (طبرانی وحاکم) اور حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، بیہقی نے مرفوع اور موقوف حدیثیں روایت کی ہیں جن سے لونڈی سے اس کی اجازت کے بغیر اور اپنی قرعہ بری سے اس کی اجازت سے عزل کا جائز ہونا واضح ہے۔ اسی طرح ابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع حدیث اور علامہ ابن حجر نے تلخیص الجبہ میں اور امام طحاوی علیہ الرحمہ نے شرح معانی الآثار میں متعدد احادیث و آثار نقل کئے ہیں جن سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ جو یہ فرمایا ہے کہ لوگ اپنی لونڈیوں سے عزل کرتے ہیں۔ جو لونڈی میرے پاس آئے گی اور اس کا آقا یہ اعتراف کرے گا کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو یہ اولاد آقا ہی کی قرار دوں گا۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم عزل کر دینا کرو۔ تو حضرت عمرؓ نے اپنے اس فرمان میں لونڈی سے حرمت کا قصد نہیں فرمایا کیونکہ وہ بھی لونڈی سے عزل کا جائز قرار دیتے ہیں لہ

نوٹ۔ یہ تمام مضمون موطا امام محمد اور اس کی شرح تعلیق مجدد کا خلاصہ ہے۔ جسے ہم نے آسان زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ موطا امام محمد ص ۱۹۴/۱۹۵

۷۔ مولانا عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ نے احادیث عزل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض صحابہ کرام سے عزل کو مکروہ اس لیے قرار دیا کہ عزل کی کراہت کا قول کرنے سے ایک تو حق زوجہ کو تقویت ملتی ہے اور دوم یہ کہ عزل کا عمل قضا و قدر کے معاند ہے۔ حق زوجہ کے تقویت کی دلیل۔ حدیث احمد و ابن ماجہ ہے کہ

لہ حدیث جملہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو داؤد بنی یعنی کم درجہ کا "زندہ درگزر کرنا" قرار دیا تھا۔ اگرچہ حدیث کے اس جملہ سے شارحین نے کراہت تنزیہ مراد لی ہے تاہم صاحب فح القدیر نے صحابہ کرام کے درمیان عزل کے متعلق ایک علمی مذاکرے کا ذکر کیا ہے۔ جن میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ انہوں نے آپس میں عزل کا ذکر کیا اور سب نے کہا اس میں کوئی جرم نہیں۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ عزل مودہ صغریٰ ہے تو حضرت علی نے جواب دیا کہ یہ مودہ صغریٰ نہیں جب تک اس پر سات ادوار نہ گزر جائیں یعنی ۱۔ سلاطین ۲۔ علقہ ۳۔ علقہ ۴۔ مضغہ ۵۔ عظام ۶۔ لحم ۷۔ خلق آخر۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی سے کہا کہ آپ نے سچ بتایا۔ اللہ آپ کی عمر دلا کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَنْ يَعْزَلَ عَنِ الْحَرَةِ إِلَّا
بِإِذْنِهَا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد بھڑی سے اس کی
اجازت کے بغیر عزل سے منع فرمایا ہے۔

(نبیل الاوطار ج ۶ ص ۱۹۶)

اور قضا و قدر کے سامنے ہونے کی دلیل حدیث جابر و حدیث انس ہے تاہم (التعلیق المجربہ) امام مالک ۱۹۵

۸۔ واضح ہو حدیث جابر سے عزل کی ممانعت کا قول کیا جاتا ہے جس میں عزل کے متعلق سوال کے جواب
میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ذَٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ الخ (احمد و مسلم) اور حدیث البرسید میں ہے یہود نے عزل
کو السَّوْدَةُ الصَّغْرَىٰ قرار دیا۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ كَذَبْتَ يَهُودُ یہودی جھوٹ
بولتے ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں آپس میں متعارض ہیں۔ ایک سے عزل کا حجاز اور دوسری سے ممانعت ثابت
ہوتی ہے۔ اسی طرح بخاری شریف کی حدیث میں کہ حضور علیہ السلام سے عزل کے بارے میں سوال ہوا تو آپ
نے فرمایا۔ مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا۔ حدیث کے اس جملہ سے بھی ممانعت کا قول کیا گیا ہے۔ شارح مسلم
حضرت امام نووی علیہ الرحمہ اور علامہ ابن قیم نے ان احادیث میں تطبیق دی ہے۔ فرماتے ہیں۔ جن احادیث میں
عزل کی ممانعت ہے وہ کہ بہت تنزیہی پر معمول ہیں اور جن میں عزل کی اجازت ہے وہ اس پر معمول ہیں کہ یہ
فعل حرام نہیں ہے۔ مگر شکر شارحین کرام نے ممانعت کی احادیث میں نبی کو نبی تنزیہہ قرار دیا ہے اور جو فعل
مکروہ تنزیہہ ہو وہ جائز ہوتا ہے۔

۹۔ علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ عزل جائز
ہے اور عامۃ العلماء کا یہی مذہب ہے۔ دس صحابہ کرام حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت، ابو الیاس
ابن عباس، حسن بن علی، جناب ابن ارت، البرسید خدی و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے عزل کا
جائز ہونا مروی ہے۔ (فتح القدیر ص ۲۶۲ ج ۳)
مسلم شریف کی ان حدیثوں سے بھی عزل کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بخاری شریف میں بھی اس مضمون
کی احادیث موجود ہیں۔

لَمْ يَشْرَهْذِمِ الْاَحَادِيثُ مَعَ غَيْرِهَا يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا بِأَنَّ مَا وَرَدَ فِي النَّهْيِ مُحْمُولٌ
عَلَى كَرَاهَةِ التَّنْزِيهِ وَمَا وَرَدَ فِي الْاِذْنِ فِي ذَٰلِكَ مُحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ بِحَرَامٍ
(حاشیہ مسلم جلد اول ص ۲۶۴)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن کا نزول جاری تھا۔ سفیان نے کہا اگر عزل کا عمل ممنوع ہوگا تو قرآن مجید میں اس کی ممانعت آجائی۔ (مسلم)

حضرت عائشہ فرماتے ہیں کہ ہم عہد نبوی میں عزل کرتے تھے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اس کو اطلاع ہوئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا۔ (مسلم ج ۱ صفحہ ۴۶)

فقہاء کرام احمد دین اور شاربین حدیث نے بخاری و مسلم کی انہی احادیث کی بنا پر عمل کو جائز و مباح قرار دیا ہے۔ اس لیے اس عمل کو مطلقاً حرام و ناجائز قرار دینا سخت زیادتی ہے۔

البتہ ایک احتیاط کی سخت ضرورت ہے، اور یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ عزل (برقعہ کنٹرول) کی ادویہ و آلات وغیرہ صرف شادی شدہ افراد کے لئے مختص کر دے۔

اور ایسا انتظام کیا جائے کہ یہ ادویہ و آلات وغیرہ غیر شادی شدہ مرد و عورت نہ حاصل کر سکیں تاکہ کوئی ان سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے اور یہ بھی ضروری ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی تشریح کے ساتھ ساتھ ان احادیث کو بھی بیان کیا جائے۔ جن میں نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے جسے اللہ تعالیٰ کو پسند آکر نہ مقصود ہے وہ بہر حال و بہر صورت پیدا ہوگا تاکہ لوگ حقیقہ کی درستگی کے ساتھ اس عمل کو اگر اپنانا چاہیں تو اپنائیں مگر اسے محض ایک سبب سمجھیں اور موثر حقیقی صرف اور صرف خداوند قدوس کو جانیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تین باتوں کی وجہ سے، جنہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سُن ہے، میں بنو قُنیق سے ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔ حضور اکرم ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ لوگ و حِجَال کے مقابلے میں میری امت میں سب سے زیادہ سخت ثابت ہوں گے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ بنو قُنیق کے یہاں سے صدقات وصول ہو کر آئے

٤٥ ٢٣ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا زِلْتُ
أُحِبُّ بَيْتِي سِتِينَ مَسَّةً تِلْكَ سَمِعْتُ مِنْ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
فِيهِمْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ هُمْ أَشَدُّ أُمِّيَ عَلَى
الدَّجَالِ قَالَ وَجَاءَتْ صَدَقَاتُهُمْ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ
صَدَقَاتُ تَوْفِيقِي وَكَانَتْ سَبِيحَةً مِنْهُمْ عِنْدَ

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْمَلُ وَالْفُزْنُ يُسْقِطُ زَادَ إِسْحَاقُ قَالَ سُفْيَانُ كُنَّا كُنَّا
شَيْئًا يُنْهَى عَنْهُ لَنَهَا نَاعْنَهُ الْقُرْآنُ
عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْمَلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَلَغَ ذَلِكَ
نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُنْهَ عَنْهُ
(مسلم ج ١ ص ٢٧٥)

عَائِشَةُ فَقَالَتْ اَعْتَقْتُهَا فَوَاتَّهَا مِنْ
وَلَدِ سُبُعِ بْنِ

آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ ہماری
قوم کے صدقات ہیں۔ بنو قریظہ کی ایک عورت قید ہو
کر حضرت عائشہ کو ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان سے فرمایا کہ اسے آزاد کر دو کہ یہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

اس حدیث سے واضح ہو کہ ہمارا اسلامی میں جو قیدی ہاتھ آئیں ان کو غلام بنانا جائز ہے خواہ وہ عربی ہو
یا عجمی۔ بنو قریظہ سے حضور علیہ السلام اس لیے بھی خوش تھے کہ وہ حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھتے تھے اور مال کی
بہتر سے بہتر چیز راہ خدا میں خرچ کرتے تھے۔

بَابُ فَضْلِ مَنْ آدَبَ جَارِيَتَهُ وَعَلَمَهَا

باب اپنی باندی کو ادب سکھانے اور تعلیم دینے کی فضیلت

حضرت موسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس باندی ہو اور وہ
اس کی پرورش کرے (اور اسے تعلیم دے) اور اس
کے ساتھ سخن معاملت کرے، پھر اسے آزاد کرے اس
سے شادی کرے تو اس پر دوا جڑ پڑھتے ہیں

۶۴ - عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ
جَارِيَةٌ فَعَالَهَا فَاحْسَنَ إِلَيْهَا ثُمَّ
اَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا كَانَ لَهُ أَجْرَانِ
(بخاری)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم جب دنیا میں مبعوث

غلاموں، زیر دستوں، ماتحتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کی ہدایات

ہوئے تو عام حالت یہ تھی کہ لوگ زیر دستوں اپنے ماتحتوں خصوصاً غلاموں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے
تھے۔ قوم کا سردار (وڈیرہ) اپنے ماتحتوں پر ظلم و زیادتی کرتا تھا۔ نبی علیہ السلام نے کسی بھی انسان کے ساتھ
غیر انسانی سلوک کرنے اور ان پر ظلم و زیادتی کرنے سے منع فرمایا۔ خصوصاً غلاموں کے ساتھ نرمی، لطف و مہربانی
سے پیش آنے کی ہدایات دیں۔ ان احادیث میں اگرچہ غلاموں کا ذکر ہے جو آفاقی ملکیت ہوتے تھے مگر ان
حدیثوں کی روح یہی ہے کہ کسی شخص کو کسی شخص پر خواہ کسی نوعیت و کیفیت کی برتری حاصل ہو اسے بر حال و
بہر صورت ظلم و زیادتی سے پرہیز کرنا لازم ہے

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَبِيدُ إِخْوَانُكُمْ

باب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ غلام تمہارے بھائی ہیں انھیں

وہ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو

فَأَطِيعُواهُمْ مِمَّا تَمَرَّتْ كُلُّكُمْ

ماں باب عزیز واقارب اور ہمسایہ کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت

وَقَوْلُهُ تَعَالَى وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ذِي الْقُرْبَىٰ الْقَرِيبِ وَالْجُنُبِ الْقَرِيبِ الْجَارِ الْجُنُبِ يَعْنِي الصَّاحِبِ فِي السَّفَرِ - بخاری

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے - اللہ کی بندگی کرو۔ اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ جلالی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کدو کے ساتھی اور انجیر اور اپنے باندی غلام کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا اترانے والا بڑائی مارنے والا ————— ذی القربی سے رشتہ دار مراد ہیں اور جنب سے اجنبی اور الجار الجنب سے رفیق سفر مراد ہے۔

یہ سورہ نساء کی آیت (۲۶) ہے جو صوبہ ذیل آیات پر مشتمل ہے۔

فوائد و مسائل

۱۔ کسی جاتنار یا بے جان غرضیکہ کسی بھی چیز کو اس کی ربوبیت اور اس کی عبادت میں شریک نہ کیا جائے۔

۲۔ والدین کی خدمت کے لیے ادب و تعظیم کے ساتھ مستعد رہنا چاہیے اور ان پر فرح کرنے میں کمی نہیں کرنی چاہیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ اس کی ناک خاک آلود ہو۔ حضرت ابوہریرہ نے عرض کی کس کی یا رسول اللہ۔ فرمایا جس نے بوڑھے ماں باپ پائے یا ان میں سے ایک کو پایا (اور ان کی خدمت کر کے) جنتی نہ ہو گیا (مسلم)

۳۔ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والوں کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ان کی عمر میں برکت اور رزق میں وسعت ہوتی ہے (بخاری و مسلم)

۴۔ تعلیم کی سرپرستی کرنے والوں کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن وہ میرے ایسے قریب ہوں گے جیسے آنکھت شہادت اور بیچ کی گھمٹی (بخاری)

۵۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ وہ مسکین کی امداد و خبرگیری کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

۶۔ نیز فرمایا۔ جبریل مجھے ہمسایوں کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ اس حد تک کہ گمان ہوتا تھا کہ ان کو وارث قرار دیدیں (بخاری و مسلم) اسی طرح اپنی یربئی رفیق سفر ایک ساتھ پڑھنے یا مجلس یا مسجد میں بیٹھنے

داوں اور مافو مہمان کے ساتھ بھی نیک سلوک کی ہدایت دی گئی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا جبرائیل اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے مہمان کا اکرام کرنا چاہیے (بخاری مسلم)۔
۷۔ نیز باندی غلام سے ان کی طاقت و قوت سے زیادہ کام لینے اور ان کے ساتھ سخت کلامی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور یہ کہ کھانا کپڑا انھیں بقدر ضرورت دینا لازم و واجب ہے۔

حضرت معمر رکتہ ہیں میں نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ کے بدن پر بھی ایک ہی علقہ تھا اور آپ کے غلام کے بدن پر بھی ایک ہی علقہ تھا۔ ہم نے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میری ایک صاحب (بلال رضی اللہ عنہ) سے تلخ کلامی ہو گئی۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری شکایت کی۔ مجھ سے آنحضور نے دریافت فرمایا۔ کیا تم نے انھیں ان کی ماں کی طرف سے عار دلائی ہے پھر آپ نے فرمایا۔ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے انھیں تمہارے زیر دست کر دیا ہے۔ تو اللہ جس کے زیر دست کسی بھائی کو کر دے تو اس کو وہی کھلا کہ جو خود کھاتا ہے اور وہ پہنا کہ جو خود پہنتا ہے اور کسی ایسے کام کا مکلف نہ کرے جو بہت بھاری ہو

۴۳۷۷۔ حَدَّثَنَا وَاصِلُ الْاَحْمَدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ الْمُعْتَزُورَ بْنَ مُسَيْبٍ قَالَ رَأَيْتُ اَبَا ذَرَّ الْغِفَارِيَّ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ اِنِّي سَأَبَيْتُ رَجُلًا فَشَكَانِي اِلَى السَّيِّئِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي السَّيِّئُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْيَيْتَنِي بِأَمْرٍ شَرٍّ قَالَ بَلَّ إِن اِحْرَأْتُمْ خَوْلَكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ آخِرُهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يَكْلِفُوهُ شَيْئًا يَلْبِسُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُ شَيْئًا يَلْبِسُهُمْ فَاَعْيُوهُمْ

اور اگر ایسے کام کا مکلف کرے تو پھر خود بھی اس کی مدد کرے۔

آقا کے لیے یہ لازم و واجب ہے کہ حسبِ طاقت و وسعت غلام کے کھانے پینے کی ضرورت کو پوری کرے البتہ مساوات مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

بَابُ الْعَبْدِ إِذَا أَحْسَنَ عِبَادَةَ

باب جو غلام اپنے رب کی عبادت بھی اچھی طرح

کرے اور اپنے آقا کی خیر خواہی بھی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام، جو اپنے آقا کا بھی

رَبِّهِ وَنَصَحَ سَيِّدَهُ
۴۳۷۸۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَبْدُ إِذَا

خیر خواہ ہو اور اپنے رب کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہو تو اسے دوا جرتے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کے پاس بھی باندی ہو اور وہ اسے ادب دے پے پر سے حسن و خوبی کے ساتھ، پھر آنا دکر کے اس سے شادی کرے تو اسے دوا جرتے ہیں اور جو غلام اللہ تعالیٰ کے بھی حقوق ادا کرے اور اپنے مولیٰ کے بھی تو اسے دوا جرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو اور صلح ہو تو اسے دوا جرتے ہیں اور ابو ہریرہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد، حج اور والدہ کی خدمت (کے فضائل) نہ ہوتے تو میں پسند کرتا کہ کسی کا غلام ہو کر مروں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنا مبارک ہے کسی کا وہ غلام جو اپنے رب کی عبادت تمام نجن و آداب کے ساتھ بجالاتا ہو اور اپنے مالک کی خیر خواہی بھی کرتا ہو۔

نَعَسَ كَسِيَّةً وَ أَحْسَنَ عِبَادَةً رَبِّهِمَا كَانَ
كَهَ أَجْرُهُ مَسْرَتَيْنِ

۲۳۷۹- عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا
وَجُلٍّ كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ فَادَّبَهَا فَأَحْسَنَ
تَأْدِيبَهَا وَاعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ
أَجْرَانِ وَأَيُّمَا عَبْدٍ أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَ
حَقَّ مَوْلَاهُ فَلَهُ أَجْرَانِ

۲۳۸۰- قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوكِ
الصَّالِحِ أَجْرَانِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ
كَوْلَا الْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْحَجِّ وَ
بِرَّ أُمِّي لَا حَبِيبَتْ أَنْ أَمُوتَ وَأَنَا
مَمْلُوكٌ

۲۳۸۱- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ مَا لَاحِدٍ
هُمُ يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَيَتَصَحَّحُ لِيَدِهِ

فوائد و مسائل

یہ احادیث اپنے مطلب و مفہوم میں واضح ہیں۔ حضور علیہ السلام کی تعلیم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ آپ نے ہر فرد اور ہر طبقہ کے حقوق متعین فرما کر انہیں ان کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ آقاؤں اور سربراہوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے غلاموں اور زیر دستوں کے بارے میں اللہ سے ڈریں اور ان کے حقوق ادا کریں اور غلاموں اور زیر دستوں کو ہدایت فرمائی کہ اپنے آقا کے خیر خواہ اور وفادار رہیں اور بھی فرمایا کہ جو غلام اپنے آقا کے حقوق اور اپنے خالق و مالک حقیقی کے حقوق ادا کرتا ہے وہ دوا جرتا ہے۔ حدیث نمبر ۲۳۸۳

کے آخری جملے وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ کے متعلق علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ یہ جملے حضور علیہ السلام کے نہیں بلکہ ابوہریرہ ہیں۔ داؤدی نے کہا یہ جملے درج ہیں اور اسماعیلی نے میں طریق عبد اللہ بن مبارک ہیں والذی نفس ابوہریرہ کے الفاظ ہیں نیز امام مسلم علیہ الرحمہ نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ جملے حضرت ابوہریرہ کے ہیں۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيقِ

باب غلام پر اپنی بڑائی جتانے کی کراہت کے متعلق

تطاؤل کے معنی ترفع اور حد سے تجاوز کرنے کے ہیں یعنی بخت و غرور

وَقَوْلِهِ عَبْدِي وَامَتِي | اور یہ کہنا کہ میرا غلام میری باندی

شرح بخاری علامہ عینی و قسطلانی علیہما الرحمہ نے فرمایا۔ عنوان میں کراہت سے کراہت متفرق مراد ہے۔ لہذا مستحب یہ ہے کہ کوئی اپنے مملوک کو عبدی نہ کہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے آیات و احادیث سے استدلال کر کے یہ واضح کیا ہے کہ عبدی اور کنیت کہنا جائز ہے۔ مثلاً سورہ نور آیت ۳۲ میں فرمایا۔

وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَامَاتِكُمْ | اور نکاح کرو دو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں
اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔

اور سورہ نحل آیت ۲۵ میں فرمایا۔ عَبْدًا مَمْلُوكًا۔ سورہ یوسف آیت ۲۵ میں فرمایا۔ وہ دونوں دروازہ کی طرف دوڑے اور عورت نے ان کا کرتہ پیچھے سے چیر دیا۔

وَأَلْفَيْ سَيِّدٍ هَذَا لَدَى الْبَابِ | اور دونوں کو عورت کا (سیّد) خاوند دروازہ کے
پاس ملا

سورہ نسا۔ آیت ۲۵ میں فرمایا۔

فَتَسِيًّا تَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ | جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں ایمان والی کنیزیں

اور سورہ یوسف میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے کہا تھا۔

وَإِذْ كُنَّا فِي عِنْدَ رَبِّكَ | اپنے رب کے ہاں میرا ذکر کرنا

آیت میں رَبِّكَ سے سید لہراد ہے اور بنی کریم علیہ السلام نے بنو سلمہ سے فرمایا تھا مَنْ تَسِيْتُكُمْ
تمہارا سردار کون ہے (بخاری)

بزرگوں کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے | اسی طرح بزرگوں، استادوں، علمائے دین و مشائخ کے احترام کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔ چنانچہ جب یہودی بنی قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا تو بنی قریظہ نے انہیں بلایا وہ سوار ہو کر آئے

سید کے قریب پہنچے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا

قَوْمُوا إِلَّاهُ سَيِّدُكُمْ بخاری کتاب المغازی

۲۳۸۲- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَصَحَ الْعَبْدُ

سَيِّدَهُ وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ لَدَيْهِ كَانَ لَهُ

أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ

۲۳۸۳- عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَسْتُ بِكُمْ

الَّذِي يُحْسِنُ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَيُؤَدِّي

إِلَّاهُ سَيِّدِهِ الَّذِي لَهُ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ

وَالنَّصِيحَةِ وَالطَّاعَةِ لَهُ أَجْرَانِ

۲۳۸۴- عَنْ هَتَامِ بْنِ مَتِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ

أَبَا هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا يَقُولُ أَحَدٌ

كُفُّ أَطْعَمُ رَبِّكَ وَهَيَّجُ رَبِّكَ إِلَّا سَنِي

رَبِّكَ وَلَيَقُولُ سَيِّدِي مُؤَلَّدِي وَلَا

يَقُولُ أَحَدٌ كُفُّ عَبْدِي أَمِيقِي وَلَيَقُولُ

فَتَايَ وَفَتَاتِي وَغُلَامِي

اپنے یہ (سردار) کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا، جب غلام اپنے آقا کی خیر خواہی

کرے اور اپنے رب کی عبادت تمام حسن و آداب

کے ساتھ بجالائے تو اسے دو گنا ثواب ملتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مملوک جو اپنے رب کی

عبادت حسن و آداب کے ساتھ بجالاتا ہے اور اس

کے آقا کے جو اس پر حق و خیر خواہی اور فرمانبرداری

(کے ہیں) انھیں بھی ادا کرنا ہے تو اسے دو گنا اجر

ملتا ہے۔

ہمام بن منبہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا۔ کوئی شخص کسی غلام یا کسی بھی شخص سے

یہ نہ کہے "اپنے رب کو کھانا کھلاؤ۔ اپنے رب کو وضو

کراؤ، اپنے رب کو پانی پلاؤ۔ بلکہ میرے سردار، میرے

آقا (میرے مولائی) کہنا چاہیے۔ اسی طرح کوئی شخص

یہ نہ کہے "میرا بندہ، میری بیٹی، بلکہ یوں کہنا چاہیے

"میرا آدمی، میری لڑکی (میرا غلام وغلامی)

علامہ ابن بطلال کہتے ہیں۔ عبدی

وامتی کہنا جائز ہے کیونکہ قرآن

عبدالرسول نام رکھنا اور عبدی (میرا بندہ) کہنا جائز ہے

مجید میں ارشاد ہے۔ مِنْ عِبَادِ كُفُّ وَ إِمَا شَكُّهُ اذ حدیث میں ممانعت تحریم کے لیے نہیں بلکہ تنزیہ

کے لیے ہے۔ اسی طرح علامہ مینی شارح بخاری نے تفسیر صحیح کی کہ امام بخاری نے آیات و احادیث پر پیش کر کے

یہ واضح کیا ہے کہ عبدی و امتی۔ میرا غلام میری لڑکی کہنا جائز ہے اور احادیث میں جو ممانعت آئی ہے تو

یہ نئی تفسیر کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں۔ لَلَّتْ نَزِيْطًا لَا لَلَّتْ خَيْرِيْعٍ مِّنِيْ ج ۱۳ ص ۱۱
البتہ ازراؤ تجر و غرور کسی کو اپنا بندہ کہنا ممنوع ہے۔ تقریباً تمام شارحین نے اس مضمون کی احادیث پر یہی گفتگو کی ہے جس سے واضح ہو کہ عبد اللہ بن عبد الرحمن نام رکھنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔ عبد اللہ بن عبد الرحمن نام رکھنے کو حرام و شرک قرار دینا سخت زیادتی بلکہ حماقت ہے۔ اسی طرح اہلسنت و جماعت اپنی ذات کو حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر کے لیے عبد اللہ بنی کہتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے۔

غیر اللہ پر لفظ رب کا اطلاق کرنا جائز ہے یا نہیں | اسی طرح رب کے بھی ایک حقیقی معنی ہیں۔
یعنی مالکِ حقیقی قائم بالذات۔ تو جس معنی

میں اللہ تعالیٰ کو رب کہتے ہیں۔ اس معنی میں غیر اللہ کو رب کہنا حرام بلکہ شرک ہے اور مجازی معنی میں غیر اللہ کو رب کہنا یعنی رب یعنی مرنی تربیت دینے والا، انتظام کرنے والا یا رب بمعنی سردار (سید) سلطان بادشاہ جائز ہے۔ اور جیسا کہ خود قرآن و حدیث میں لفظ رب کا اطلاق غیر اللہ پر آیا ہے اور اضافت کے ساتھ لفظ رب کا غیر اللہ پر اطلاق بلاشبہ جائز ہے جیسے رب المال، رب البیت اور کتب فقہ میں اس لفظ کا استعمال عام ہے اور سورۃ یوسف میں ہے۔

وَ اَذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ | حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ میرا ذکر اپنے رب کے ہاں کرنا یعنی سردار کے ہاں
۲۳۸۵، ۲۳۸۶، ۲۳۸۷۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس عنوان کے ماتحت تین حدیثیں اور کبھی ہیں۔ ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جس نے اپنے غلام کا ایک حصہ ادا کر دیا الخ یہ حدیث پارہ ہفتم میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۳۲۹، ۲۳۲۸۔ دوسری حدیث کا مضمون یہ ہے۔ تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحتوں کا نفعان ہے اور ہر ایک سے قیامت کے دن سوال ہوگا الخ کتاب الاستقراض باب العبد و راجع میں بھی گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۲۹۔

تیسری حدیث کا مضمون ہے کہ اگر غلام زنا کاری سے باز نہ آئے تو اسے فروخت کر دو خواہ قیمت میں ایک رسی ہی ملے۔ یہ حدیث فیوض پارہ ہشتم ص ۱۸۵ پر گزر چکی ہے۔

بَابُ اِذَا اَتَاكَ خَادِمٌ يُّطْعَمُ
جب کسی کا خادم کھانا لاتے

۲۳۸۸۔ قَالَ اَحْبِبْنِيْ مُحَمَّدٌ بَنِيْ زَيْدٍ يَقْتُلُ | حضرت محمد بن زید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَى أَحَدَكُمْ خَادِمَةً
بِطَعَامٍ فَإِنْ كَرِهَ يُجْلِسُهُ مَعَهُ فَلْيَتَنَاوَلْهُ
لُحْمَةً أَوْ لَفْصَتَيْنِ أَوْ أَكْلَةً أَوْ أَكْلَتَيْنِ
فَرَاتَهُ وَلِيَّ عِلَاجَةٍ

سے کہ جب کسی کا خادم کھانا لائے اور وہ اسے اپنے
ساتھ رکھلانے کے لیے (نہ بیٹھا کے تو ایک یا دو
لقمہ اسے دیے کیونکہ اس نے کھانا پکانے میں
محنت کی ہے) بخاری

واضح ہو اسلامی تعلیم کی دو چیزیں ہیں۔ ایک وجہی جن کو ادا کرنا لازم و واجب ہے۔ دوسری
فوائد و مسائل اور نابالغ بچوں اور غلامانہ نفع و واجب ہے۔ ایک اخلاقی تعلیم۔ اس کا دائرہ بہت
وسیع ہے۔ اخلاقی تعلیم کی فائزنی حیثیت یہ ہے کہ اس کو بجالانا مستحب ہے واجب نہیں۔ جیسے اس
حدیث میں مکارم اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے کہ غلام یا نوکر جو کھانا پکاتا مشقت اٹھاتا ہے۔ اسے بھی
کھانے میں شریک کر لیا جائے۔ یا جیسے نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ شخص مومن کامل نہیں جو خود زبردست
بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھر کر رہے۔

بَابُ الْعَبْدِ رَاجٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ

باب غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے

اور نبی علیہ السلام غلام کے مال کو آقا کی طرف
منسوب فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ ہر فرد نگران ہے اور اس سے نگرانی
کے متعلق پوچھا جائیگا اور حاکم نگران ہے۔ اس سے
اس کی رعیت کی نگرانی کے متعلق سوال ہوگا۔ مرد اپنے
گھر کے معاملات کا نگران ہے۔ عورت اپنے شوہر
کے گھر کی نگرانی ہے اور ہر ایک سے نگرانی کے متعلق
قیامت کے دن سوال ہوگا مجھے خیال ہے حضور
نے یہ بھی فرمایا کہ لڑکا اپنے باپ کے مال کا نگران
ہے۔ پس ہر فرد نگران ہے اور اس سے اس کی
رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

وَلَسَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
النَّسَالِ إِلَى السَّيِّدِ

۲۳۸۹۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ
سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
كُلُّكُمْ رَاجٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَإِلَّا مَاتُمْ
رَاجٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ فِي
أَهْلِهِ رَاجٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ
فِي بَيْتِ رَوْحِهَا رَاجِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ
رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاجٍ وَهُوَ
مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ قَالَ فَسَمِعْتُ هُوَ يَقُولُ
مَنْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَحْسِبُ
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالرَّجُلُ
فِي مَالِ آيِسِهِ رَاجٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ
كُلُّكُمْ رَاجٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

فوائد و مسائل | یہ حدیث اس سے قبل متعدد الہاب میں گزر چکی ہے۔ مطلب حدیث واضح ہے کہ ہر شخص کی دینی تلّ مذہبی اور قانونی ذمہ داریاں ہیں جنہیں اسے ادا کرنا چاہیے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کے ذمہ اہل و عیال ہوں دوست و احباب نہ وہ حاکم ہو نہ کسی ادارہ کا سربراہ نہ کارخانہ دار نہ جاگیردار غرض کہ اس کی کوئی رعیت ہی نہ ہو تو وہ کس کا نگران ہوگا؟ حالانکہ حدیث میں ہے کہ ہر فرد نگران ہے۔ جواب یہ ہے کہ خود اس کی ذات تو ہے وہی اس کی رعیت ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ تیرے نفس (ذات) کا بھی تجھ پر حق ہے تو انسان کی ذات ہی اس کی رعیت ہے۔ وہ اپنی ذات کے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن انسان سے خود اپنی ذات کے متعلق بھی سوال ہوگا۔

بَابُ إِذَا ضَرَبَ الْعَبْدُ فَلْيَجْتَنِبِ التَّوَجُّعَ
باب غلام کو مارے تو چہرہ پر نہ مارے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا ضَرَبْتَ أَحَدَكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ التَّوَجُّعَ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی کسی سے جھگڑا کرے تو چہرہ پر نہ مارے

فوائد و مسائل | چہرہ کو ہدف بنانے کی روایت عام ہے۔ ذکر چہرہ غلاموں کا ہو رہا تھا۔ اس لیے امام بخاری اس حدیث کو اس عنوان کے تحت لے آئے ورنہ چہرہ پر مارنے کی ممانعت غلام کے ساتھ خاص نہیں۔ ہر انسان بلکہ حیوان کے بھی چہرہ پر مارنا منع ہے۔ حتیٰ کہ تاویب اور تعزیر اور رجم کے موقع پر بھی چہرہ کو پھلانے کا حکم ہے۔ نبی علیہ السلام نے ایک زانیہ عورت کے رجم کا حکم دیا تو فرمایا۔ اِذْهُوْا، وَاتَّقُوا التَّوَجُّعَ رجم کرو مگر چہرہ کو بچاؤ

۲۔ امام نووی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ انسانی جسم میں چہرہ خصوصاً حسن و جمال کا مخزن ہے۔ انسان کے دیکھنے سونگھنے، کھانے پینے کا ذریعہ بھی چہرہ ہی ہے۔ چہرہ پر مارنے سے اس کے ادراک کی قوتوں کے معطل ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لیے چہرہ پر مارنے سے منع فرمایا۔ چہرہ پر مارنے کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حدیث میں آیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ | اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔

یعنی چہرہ اللہ تعالیٰ کی صناعی اور کاریگری کا شاہکار ہے لہذا اسے نہ بگاڑا جائے۔

کِتَابُ الْمَكَاتِبِ

مُكَاتِبٌ بفتح التاء وہ غلام جس کو اس کا مالک یہ کہہ دے یا لکھ دے کہ اتنی رقم مجھے ادا کرو

تو تم آزاد ہو۔ اگر وہ رقم غلام ادا کر دے تو آزاد ہو جائے گا ورنہ غلام ہی رہے گا۔ مکاتبت بکسرتاء مالک مکاتبت کرنے والا۔ کتابت۔ مالک کے کاتبتک علی آلف دوسرے میں نے تجھ پر ہزار درہم لازم کر دیئے۔ مکاتب کا لفظ کتب سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جمع کرنا جیسے محاورہ ہے کتبت الکتاب جب کلمات و حروف کو جمع کیا جائے۔ دوسرا معنی لازم کرنا جیسا کہ کتب علیکم العیام تم پر روزے لازم کئے گئے اسی طرح

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
صِكَا بَأْتٍ مُوقُوتًا | بے شک نماز مومنین پر لازم ہے وقت مقررہ
میں رنج المبارک ص ۱۳۹

۲۔ مکاتبت اسلام سے قبل بھی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اسے برقرار رکھا۔ بعض نے کہا کہ اسلام میں سب سے پہلے مکاتبت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ابوالمول جوں کے متعلق حضور نے فرمایا۔ اعیینہ۔ ان کی اعانت کرو۔ مستورات میں پہلی مکاتبت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ نبی علیہ السلام کے اصال کے بعد پہلا مکاتبت ابوجامہ حضرت عمر کے غلام اس کے بعد سیرین حضرت انس رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں۔

بَابُ إِشْرَافٍ مَنْ قَدْ فَتَ مَمْلُوكَةٍ

باب جس نے اپنے غلام پر کوئی تہمت لگائی

اس عنوان کے تحت امام بخاری نے کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔ البتہ کتاب الحدود میں اس عنوان کے مناسب حدیث کا ذکر ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے غلام پر جھوٹی تہمت لگائے تو قیامت کے دن اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔

بَابُ الْمَكَاتِبِ وَتَجْمُودِ فِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً

باب مکاتبت اور اس کی تسلیں ہر سال ایک قسط کی دایگی ہر گز

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "جو لوگ اپنے مملوک غلام یا باندی سے کتابت کا معاملہ کرنا چاہیں، انہیں یہ معاملہ کر لینا چاہیئے۔ ادا انہیں اللہ کے اس مال میں سے بھی دینا چاہیئے جنہیں تمہیں اس نے عطا کیا ہے۔" روح نے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے بیان کیا کہ میں نے عطار سے پوچھا۔ اگر مجھے معلوم

وَقَوْلُهُ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِنْ مَمْلُوكَاتٍ آتَيْنَاكُمْ نَكَا تَبَوْهُنَّ رَأَتْ عَلَيْهِنَّ فِيهِمْ حَيْرًا وَآتَوْهُنَّ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ وَقَالَ تَوَجَّعَ ابْنُ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِمَ تَوَجَّعَ أَجَبَ عَلِيٌّ إِذَا عَلِمْتَ لَهُ مَالًا أَنْ أَكَاتِبَكَ

ہو جائے کہ میرے غلام کے پاس مال ہے تو مجھ پر واجب ہو جائے گا کہ میں اس سے کتابت کا معاملہ کروں؟ انھوں نے فرمایا کہ میرا خیال یہی ہے کہ واجب ہو جائے گا۔ عمرو بن دینار نے بیان کیا کہ میں نے عطاء سے پوچھا۔ کیا آپ نے اس سلسلہ میں کسی سے روایت کی تو انھوں نے جواب دیا کہ نہیں اور مجھے انہوں نے خبر دی کہ موسیٰ بن انس نے انہیں خبر دی کہ سیرین (ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے والد) نے انس رضی اللہ عنہ سے کتابت کی درخواست کی۔ وہ مالدار تھے۔ لیکن آپ نے انکار کیا۔ اس پر سیرینؓ عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتابت کا معاملہ کرو، انھوں نے پھر بھی انکار کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دُڑے سے مارا آپ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے کہ ”غلاموں میں اگر غیر دیکھو تو ان سے کتابت کا معاملہ کرو“ (بخاری)

۱۔ نجوم جمع ہے نجوم کی۔ نجوم کا معنی طالع (ستارہ) کے ہیں۔ لیکن یہاں وقت مراد ہے۔
فوائد مسائل | اسی سے امام شافعی کا قول ہے۔ اقل المتاجیل بخیمان اے شہساز۔ رافعی کہتے ہیں کہ نجوم اصل میں وقت کے معنی میں ہے۔ عرب ستاروں کے طلوع سے حساب کرتے تھے۔ قرض دینے والا کہتا تھا۔ اِذَا طَلَعَ نَجْمُ الشَّرِيَا اَدَيْتُ حَقَّكَ جب ثریا طلوع ہوگا تو میں تمہارا حق ادا کر دوں گا تو اوقات کا نام نجوم رکھا گیا۔ پھر وقت پر ادا کردہ چیز کو نجوم کہنے لگے۔
 ۲۔ آیت میں فَبَا تَسْوَمُ امراً کا معنی ہے جو استحباب کے لیے ہے کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ مالک کو غلام کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ غلام کی قیمت گنتی ہو گئی جو تو جب فروخت ہو مجبور نہیں کیا جاسکتا تو مکاتب پر کیسے مجبور کیا جائے گا۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حویطب بن عبد العزیٰ کے غلام صبیح نے اپنے مولیٰ سے کتابت کی درخواست کی مولیٰ نے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اس کو سو دینار پر مکاتب کر دیا۔ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا سے واضح ہوا کہ غلام کو مکاتب بنانا مستحب ہے۔ خیر سے کیا مراد ہے؟ امام نووی نے فرمایا۔ خیر سے مراد کمانے کی قوت ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا خیر سے مراد صدق امانت وعدہ کا وفا کرنا ہے۔ بعض نے خیر سے مراد نماز اور نیک نفسی مراد لی۔ الغرض مطلب آیت یہ ہے کہ اگر تم اپنے عملوں کو کمانے پر قادر، دیندار اور معاملہ کا اچھا دیکھو تو اس کو مکاتب بنا دو۔ علامہ عینی و قسطلانی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا زندہ لگانا محض تادیب کے طور پر تھا۔ اگر مکاتب بنانا واجب جزا تو حضرت انسؓ انکار نہ کرتے۔

امام قرطبی نے فرمایا۔ غلام اور اس کی کمانی سب مالک کی ملک ہوتی ہے تو اگر مکاتبت کو واجب

قرار دیا جائے تو صورت یہ ہوگی۔

حَدَّثَنَا كُثَيْبٌ وَاعْتِقَتْنِي

جس کے معنی یہ ہوتے کہ مجھے بلا معاوضہ آزاد کر دے اور یہ بالاتفاق واجب نہیں ہے (فتح الہامی ج ۵ ص ۱۴۱)

۲۳۹۱۔ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ إِنَّ

بِرِّيْرَةَ دَخَلَتْ عَلَيْهَا تَسْتَعِينُهَا فِي
كِتَابَتِهَا وَعَلَيْهَا خَمْسَةُ أَوَاقٍ فَبَحَّتْ
عَلَيْهَا فِي خَمْسِ سِنِينَ فَقَالَتْ لَهَا
عَائِشَةُ وَنَفِيسَتْ فِيهَا أَدَايْتُ عَدَدْتُ
لَهُمْ عِدَّةً وَاحِدَةً أَيْبِعُكَ أَهْلَكَ
فَاعْتَقَكَ فَيَكُونُ مَدْلَاءَ لِي قَدْ هَبْتُ
بِرِّيْرَةَ إِلَيْكَ أَهْلُهَا فَعَرَضْتُ ذَلِكَ
عَلَيْهِمْ فَقَالُوا لَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَنَا الْوَلَاءُ
قَالَتْ عَائِشَةُ قَدْ خَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ
لَهُ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اشْتَرِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ
لِمَنْ أَهْتَقَ شَمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِكُونَ
شَرْطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنْ
اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ
فَهُوَ بَاطِلٌ شَرْطُ اللَّهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ

عروہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
فرمایا کہ بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں، اپنے
کتابت کے معاملہ میں ان کی مدد حاصل کرنے کے
لیے بریرہ رضی اللہ عنہا کو پانچ اونٹنیہ چاندی پانچ
سال کے اند پانچ قسطوں میں ادا کرنا تھی۔ حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ انہیں خود بریرہ رضی
اللہ عنہا میں دلچسپی ہو گئی تھی کہ یہ بتاؤ۔ اگر میں انہیں
ایک ہی مرتبہ (چاندی کی یہ مقدار) ادا کر دوں تو کیا تمہارے
مالک تمہیں میرے ہاتھوں بیچ دیں گے؟ پھر میں نہیں
آزاد کر دوں گی اور تمہاری دلا میرے لیے ہوگی۔
بریرہ رضی اللہ عنہا اپنے مالکوں کے پاس گئیں اور
ان کے سامنے یہ نئی صورت پیش کی۔ انھوں نے
کہا کہ ہم یہ صورت اس وقت منظور کر سکتے ہیں کہ دلا
ہمارے لیے ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
بیان کیا کہ پھر میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
تشریف لائے۔ تو میں نے آپ سے اس کا تذکرہ
کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بریرہ کو
خرید کر آزاد کر دو، ولانفوس کی ہوتی ہے جو آزاد

کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو
ایسی شرطیں (معاہلات میں) لگانے ہیں۔ جن کی کوئی اصل کتاب اللہ میں نہیں ہے تو جو شخص کوئی ایسی شرط

لگائے جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شرط زیادہ سختی اور زیادہ مضبوط ہے۔
فوائد و مسائل | یہ حدیث فیرض پارہ دوم ص ۱۸۲ پر گزر چکی ہے۔ یہاں بھی امام بخاری نے متعدد عنوان قائم کر کے اسی حدیث کا ذکر کیا ہے لہذا ہم صرف اس حدیث کا حوالہ دینگے۔ مضمون حدیث ذہن میں رکھیں واضح ہے۔

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ شُرُوطِ الْمَكَاتِبِ

باب مکاتب سے کس قسم کی شرطیں جائز ہیں؟

وَمَنْ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ | اور جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جس کی اصل کتاب اللہ میں موجود نہ ہو

۲۳۹۲۔ اس عنوان کے تحت امام بخاری نے حدیث بریرہ ذکر کی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ عقدہ کتابت کے جواز کی شرطیں یہ ہیں۔ غلام عاقل بالغ ہو اور عقدہ کتابت کو قبول کرے اور کتابت کی رقم ذکر کی جائے کہ فوراً ادائیگی یا فسط وار۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ عقدہ کتابت میں ایسی قیود لگانا جو قرآن و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہوں وہ باطل ہیں۔ البتہ یہ شرط لگانا درست ہے کہ فریدار اس کو آزاد کرے گا جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ شرط لگائی تھی کہ قیمت میں ادا کروں گی پھر آزاد کروں گی ۲۔ اور یہ شرط لگانا کہ غلام کی میراث (دولہ) آزاد کرنے والے کے لیے نہ ہوگی باطل ہے۔ جیسا کہ حضرت بریرہ کے مالک نے یہ شرط لگائی تھی کہ ولا ہمارے لیے ہوگی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ شرط جائز نہیں ہے۔

بَابُ اسْتِعَانَةِ الْمَكَاتِبِ وَسُؤَالِهِ النَّاسَ

باب مکاتب کا لوگوں سے امداد طلب کرنا اور سوال کرنا

۲۳۹۳۔ اس عنوان کے ماتحت بھی امام بخاری نے حدیث بریرہ ہی ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت بریرہ نے جناب عائشہ صدیقہ سے اپنے کتابت کے معاملہ میں امداد طلب کی تھی اور سوال کیا تھا۔ جس سے واضح ہوا کہ مکاتب کا اپنے معاملہ میں مدد طلب کرنا اور سوال کرنا جائز ہے۔

بَابُ بَيْعِ الْمَكَاتِبِ إِذَا رَضِيَ

باب مکاتب کی بیع، اگر وہ اس پر راضی ہو

وَمَا لَيْتَ عَائِشَةُ هُوَ عَبْدٌ تَمَاتَبَعِي عَلَيْهِ شَيْءٌ وَمَا لَيْتَ بَنِي تَمَاتَبَعِي | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مکاتب پر (بدل کتابت میں سے) جب تک کچھ بھی باقی

ہے وہ غلام ہی رہے گا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب تک ایک درہم بھی باقی ہے (مکاتب آزاد متصور نہیں ہوگا) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکاتب پر جب تک کچھ بھی باقی ہے

عَلَيْهِ وَرَهْمٌ وَقَالَ ابْنُ عَسَمَرٍ هُوَ عَبْدٌ
لِإِنْ عَاشَ وَإِنْ مَاتَ وَإِنْ جُنِيَ مَا بَقِيَ
عَلَيْهِ شَيْءٌ

وہ اپنی زندگی، موت اور جرم (سب) میں غلام ہی متصور ہوگا۔

۲۳۹۴۔ اس عنوان کے تحت بھی امام نے حدیث بریرہؓ کی ہے۔ یہاں یہ ہے حضرت بریرہؓ حضرت عائشہ کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا۔ اگر تمہارا مالک یہ مان لے تو میں کتابت کی ساری رقم یک دم ادا کر کے تمہیں فریادلوں اور پھر آزاد کر دوں۔

بَابُ إِذَا قَالَ الْمَكْتَبُ اشْتَرِنِي
باب مکاتب نے کسی سے کہا کہ مجھے خرید کر

وَأَعْتَقْنِي فَاشْتَرَاهُ لِذَلِكَ
۲۳۹۵۔ اس عنوان کے ماتحت بھی امام بخاری علیہ الرحمہ نے حدیث حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ذکر فرمائی ہے۔ حضرت بریرہؓ مکاتبہ تھیں۔ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے استدعا کی تھی۔ کہ مجھے خرید کر آزاد کر دیجئے۔ الخ

كِتَابُ الْهَبَةِ وَفَضْلِهَا
کتاب ہبہ کے متعلق ہبہ کی

فضیلت اور اس کی ترغیب

التَّحْرِيفُ عَلَيْهَا

ہبہ کی تعریف شرائط اور اس کے بعض ضروری احکام و مسائل | کسی چیز کا دوسرے کو دینا یعنی اس میں عوض ہونا شرط ضروری نہیں دینے والے کو واجب کہتے ہیں اور جس کو دی گئی اسے مہرب لہ اور چیز کو مہرب ۲۔ ہبہ صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ واجب قاتل جو

لہ الہبۃ۔ نفی معنی۔ کسی کو کوئی چیز دینا جس سے وہ فائدہ اٹھائے خواہ وہ مال ہو یا کوئی اور چیز اور اصطلاح شرع میں ہبہ کے معنی۔ تَبْلِيْكُ الْمَالِ بِلَا عَوْضٍ۔ کسی کو مال کا بغیر عوض کے مالک بنا دینا۔

مجھن کا ہبہ درست نہیں بالغ ہونا بالغ کا ہبہ صحیح نہیں۔ جو چیز ہبہ کی جانے والی ہو اور قبضہ میں ہو۔ تو اگر ایسی چیز کو ہبہ کیا کہ جو موجود نہ ہو یا فاسد ہو تو قبضہ میں نہ ہو ہبہ درست نہیں۔ مشاع نہ ہو متمیز ہو۔ مشغول نہ ہو۔ اور اگر چیز تقسیم کے قابل ہے اسے ہبہ کرنا درست نہیں ہے ہاں تقسیم کر کے ہبہ کر دے تو صحیح ہے۔ عمن میں دودھ، بیٹھڑ کی پیٹھ پر ادون، زمین میں درخت، درخت میں پھل، زراعت جو حکیت میں ہے ان کا ہبہ درست نہیں۔ یہ سب مشاع کے حکم میں ہیں۔ اسی طرح جو چیز معدوم ہے اس کا ہبہ باطل ہے۔

۳۔ ہبہ میں یہ ضروری ہے کہ وہ جو ہبہ شدہ غیر موجود ہو یا اگر غیر کے ساتھ متصل ہو۔ ہبہ صحیح نہیں مثلاً درخت میں جو پھل لگے ہوں۔ ان کو ہبہ کرنا درست نہیں جو چیز ہبہ کی گئی اگر وہ قابل تقسیم ہو تو ضرور ہے کہ اس کی تقسیم ہو گئی ہو بغیر تقسیم کیے ہوئے ہبہ درست نہیں۔

۴۔ ہبہ دو قسم ہے ایک تملیک دوسرا اسقاط مثلاً جس پر مطالبہ تھا اسے ہبہ کرنا اس کو ساقط کرنا ہے۔ دیون کے سوا دوسرے کو دیون ہبہ کرنا اس وقت صحیح ہے کہ قبضہ کا بھی اس کو حکم دیا ہو اور قبضہ کا حکم نہ دیا ہو تو صحیح نہیں۔

۵۔ ایک شخص نے ہنسی مذاق کے طور پر دوسرے سے چیز ہبہ کرنے کا ہاشلا ہنسی مذاق میں دوست احباب کہتے ہیں کہ معافی کھلا دیا یہ چیز دے دو مگر اس نے سچ بول کر ہبہ کر دیا یہ ہبہ صحیح ہے۔

۶۔ ہبہ کے بہت سے الفاظ ہیں۔ میں نے تجھے ہبہ کیا۔ یہ چیز تمہیں کھانے کو دی۔ یہ چیز میں نے فلاں کے لیے یا تیرے لیے کر دی۔ میں نے یہ چیز تیرے نام کر دی۔ اس معاملہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر لفظ ایسا بر لا جس سے ملک رقبہ سمجھی جاتی ہو یعنی خود اس شے کی ملک تو ہبہ ہے اور اگر مضاعف کی تملیک معلوم ہوتی ہو تو عادیات ہے اور دونوں کا احتمال ہے تو نیت دیکھی جائے گی (در مختار)

المہدیۃ۔ کسی کی عزت افزائی کے لیے جو مال دیا جائے یا بھیجا جائے اسے ہدیہ کہتے ہیں۔ الصدقہ۔ وہ مال جو کسی کو بغرض حصول ثواب دیا جائے اسے صدقہ کہتے ہیں۔ صدقہ میں قبضہ شرط نہیں ہے۔ بغیر قبضہ کے بھی صدقہ درست ہو جائیگا۔

الاباحتہ۔ کسی کو اس امر کی رخصت و اجازت دی جائے کہ تم اسے کھاؤ یا لے جاؤ بغیر عوض کے۔ اس کو اباحتہ کہتے ہیں۔ ایجاب و قبول سے ہبہ منعقد ہو جاتا ہے اور اس کی تکمیل قبضہ سے ہوتی ہے۔ (کرمانی والمجلد)

۷۔ ہبہ کے ارکان ایجاب و قبول ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ ہبہ کرنے سے چیز موهوب لک بلک موهباتی ہے۔

مشاع کی تعریف

۸۔ مشاع اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ایک جزو غیر متعین کا یہ نامک ہو۔ یعنی دوسرا شخص بھی اس میں شریک ہو اور دونوں حصوں میں امتیاز نہ ہو اس کی دونوں قسمیں ہیں۔ ایک قابل قسمت جو تقسیم ہونے کے بعد قابل امتناع باقی رہے۔ جیسے زمین مکان دوسری غیر قابل قسمت کہ تقسیم کے بعد اس قابل نہ رہے کہ جیسے پکلی۔ چھوٹی سی کوٹھڑی کہ تقسیم کر دینے سے ہر ایک کا حصہ بیکساں ہو جاتا ہے۔ مشاع غیر قابل قسمت کا ہبہ بالاتفاق جائز ہے اور قابل قسمت ہو تو اس کا ہبہ فاسد ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ فی نفسہ ہبہ جائز ہوگا مگر اس شے میں موهوب لک کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔ چنانچہ مشاع کے ہبہ کرنے کی صورت میں ملکیت جب ہی ثابت ہوگی جب کہ تقسیم سے وہ حصہ جن کا ہبہ کیا گیا جو علیحدہ کر دیا جائے۔ مثال کے طور پر ایک مکان الف و ب کی مشترک ملکیت ہے جو قابل تقسیم ہے۔ الف نے ج کے حق میں اس مکان کا اپنا نصف حصہ ہبہ کر دیا اگرچہ ہبہ منعقد ہو جائے گا لیکن ج کی ملکیت اس وقت تک ثابت نہ ہوگی تا وقتیکہ الف اپنا حصہ علیحدہ کر کے ج کے قبضہ میں نہ دیدے۔

۹۔ مشاع کا ہبہ صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ کے وقت شیئہ پاپا جائے اور اگر ہبہ کے وقت شیئہ ہے مگر قبضہ کے وقت شیئہ نہ ہو تو ہبہ صحیح ہے مگر مکان کا نصف حصہ ہبہ کیا اور قبضہ نہیں دیا۔ پھر دوسرا نصف ہبہ کیا اور پورے مکان پر قبضہ دے دیا ہبہ صحیح ہو گیا اور اگر نصف ہبہ کر کے قبضہ دے دیا پھر دوسرا نصف ہبہ کیا اور اس پر قبضہ دے دیا۔ یہ دونوں ہبہ صحیح نہیں۔ (علیگیری)

۱۰۔ ہبہ میں یہ ضروری ہے کہ موهوب شے غیر موهوب سے جدا ہو۔ اگر غیر کے ساتھ متصل ہو، ہبہ صحیح نہیں۔ مثلاً درخت میں جو پھل لگے ہوں۔ اُن کو ہبہ کرنا درست نہیں جو چیز ہبہ کی گئی۔ اگر وہ قابل تقسیم ہو تو ضرور ہے کہ اس کی تقسیم ہو گئی جو بغیر تقسیم کیے ہوئے ہبہ درست نہیں اور اگر تقسیم کے قابل ہی نہ ہو یعنی تقسیم کے بعد وہ شے قابل امتناع نہ رہے مثلاً چھوٹی سی کوٹھڑی یا حمام، ان میں ہبہ صحیح ہونے کے لیے تقسیم ضرور نہیں (دایہ و غیر مل)

۱۱۔ جو چیز تقسیم کے قابل ہے اس کو انہی کے لیے ہبہ کرے یا شریک کے لیے دونوں صورتیں ناجائز ہیں مثال اگر ہبہ کرنے کے بعد دوا ہبہ نے اُسے عود یا اس کے حکم سے کسی دوسرے نے تقسیم کر کے قبضہ دے لیا یا موهوب لک کو حکم دے دیا کہ تقسیم کر کے قبضہ کر لو اور اس نے ایسا کر لیا۔ ان صورتوں میں

ہر جائز ہو گیا کیونکہ مانع زائل ہو گیا۔ اگر بغیر تقسیم موبوب لہ کو قبضہ دے دیا موبوب لہ اس چیز کا مالک نہیں ہوگا بلکہ اس کے تصرف سے جو نقصان ہوگا اس کا ضامن ہوگا اور خود واجب اس میں تصرف کرے ، مثلاً بیع کر دے اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا (بحر در مختار)

۱۲۔ تھن میں دودھ ، جھڑکی پیٹھ پر اذن ، زمین میں درخت ، درخت میں پھل ، یہ چیزیں مشاع کے حکم میں ہیں کہ ان کا ہر صبیح نہیں مگر دودھ دودھ کر اذن کاٹ کر پھل توڑ کر موبوب لہ کو تقسیم کر دیے تو ہر جائز ہو گیا کہ مانع زائل ہو گیا۔

۱۳۔ جو مشاع غیر قابل قسمت ہے اس کا ہر صبیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو یعنی اس چیز میں اس کا حصہ اتنا ہے جس کو ہر کرتا ہے۔ اگر معلوم نہ ہو تو ہر صبیح نہیں۔

۱۴۔ ایک شخص نے دو کپڑے ایک شخص کو دیے اور یہ کہا کہ ایک تمہارا ہے اور ایک تمہارے لڑکے کا اور اور تمہارا ہونے سے قبل یہ نہیں متعین کیا کہ کون کس کا ہے۔ یہ ہر جائز نہیں اور بیان کر دیا ہے تو جائز ہے (در المختار)

۱۵۔ دو شخصوں نے ایک شخص کو مکان جو قابل قسمت ہے ہر کر دیا اور قبضہ دے دیا۔ ہر صبیح ہے کہ یہاں شیوع نہیں ہے اور اگر ایک نے دو شخصوں کو ہر کیا اور یہ دونوں بالغ ہیں یا ایک بالغ ہے دوسرا نابالغ اور یہ نابالغ اسی بالغ کی پرورش میں ہے اور فقیر بھی نہیں ہیں اور مکان قابل تقسیم ہے تو ہر صبیح نہیں کہ مشاع کا ہر ہے۔

۱۶۔ شیوع جو تمامیت قبضہ کر دیتا ہے وہ شیوع ہے جو عقد کے ساتھ متعارف ہو۔ عقد کے بعد جو شیوع طاری ہو گا وہ مانع نہیں (ہذا یہ فتح القدیر مبسوط - کنز) ہر کے لیے قبول ضروری ہے یعنی موبوب لہ جب تک قبول نہ کرے اس کے حق میں ہر نہیں ہوگا اگرچہ واجب کے حق میں فقط ایجاب سے ہر ہو جائیگا ۱۷۔ ہر تمام ہونے کے لیے قبضہ کی بھی ضرورت ہے بغیر اس کے جب تمام نہیں ہوتا پھر اگر اسی مجلس میں قبضہ کرے تو واجب کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں اور مجلس بدل جانے کے بعد قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اجازت درکار ہے۔ ہاں اگر جس مجلس میں ہر کیا ہے اس نے کہہ دیا ہے کہ تم قبضہ کر لو تو اب اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں وہی پہلی اجازت کافی ہے (ہذا یہ در مختار)

۱۸۔ ہر کے لیے قبضہ کامل کی ضرورت ہے اگر موبوب شے (یعنی جو چیز ہر کی گئی ہے) واجب کی ملک کو شامل ہو تو قبضہ کامل ہو گیا اور ہر تمام ہو گیا اور اس کی ملک میں مشغول ہے تو قبضہ کامل نہیں ہوا مثلاً بوری میں واجب کا غلہ ہے بوری ہر کر دی اور مع غلہ کے قبضہ دیا یا مکان میں واجب کے سامان میں مکان ہر کر دیا اور سامان کے ساتھ قبضہ دیا ہر تمام نہیں ہوا اور اگر غلہ ہر کیا یا مکان میں جو چیزیں تھیں ان کو ہر کیا اور بوری سمیت قبضہ دے دیا یا مکان اور سامان سب پر قبضہ دیا یا ہر تمام ہو گیا۔

الغرض مہر میں یہ ضروری ہے کہ جو چیز بہر کی جائے۔ واجب اس کو مہر ہو بلکہ کے قبضہ میں دیرے اور اس بہر کی ہوتی چیز سے متعلق تمام اختیارات سے مکمل طور پر دستبردار ہو جائے۔ واضح ہو کہ مہر ایک رضا کارانہ عمل ہے جبراً مہر ناجائز اور کالعدم ہوگا۔ مہر اپنے عزیز اقرباء اور اولاد کے حق میں کرنا بھی صحیح و درست ہے۔ مہر کے مزید مسائل اس باب کی احادیث کے تحت بھی بیان ہوں گے بغور مطالعہ فرمائیں

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مسلمان عورتیں! ہرگز کوئی پڑوسن اپنی دوسری پڑوسن کے لیے (ممنولی ہر یہ کو بھی) حقیقہ نہ سمجھے، خواہ بکری کے کھڑکا ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عروہ سے مروی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: میرے بھانجے! (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عبد مبارک میں حال یہ تھا کہ) ہم ایک چاند دیکھتے، پھر دوسرا دیکھتے، پھر تیسرا دیکھتے،

اس طرح دو دو مہینے گزر جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہ جلتی تھی۔ میں نے پوچھا: خالہ! پھر آپ لوگ زندہ کیسے رہتی تھیں؟ آپ نے فرمایا: صرف دو چیزوں بھجور اور پانی پر (گزر جاتا تھا) البتہ

نہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند انصاری پڑوسن تھے جن سے پاس دو دھ دینے والی بیکریاں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا دودھ بھیج دیتے تھے جو حضور میں پلاتے تھے۔

بَابُ الْقَلِيلِ مِنَ الْهَبَةِ

باب معمولی ہدیہ

۲۳۹۸- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر مجھے

أَوْ كِرَاعٍ لَأَجِبْتُ وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كِرَاعٌ لَقَبِلْتُ

دست یا پائے (کے گوشت) پر بھی بلایا جائے تو میں قبول کروں گا اور مجھے دست یا پائے (کے گوشت) کا ہدیہ بھیجا جائے تو اسے قبول کروں گا۔

بَاب مَنِ اسْتَوْهَبَ مِنْ اصْحَابِ شَيْئٍ

باب جو اپنے دوستوں سے ہدیہ مانگے

ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے ساتھ میرا بھی حصہ رکھنا۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابہ خاتون کے پاس آدمی بھیجا۔ ان کا ایک غلام بڑھی تھا۔ ان سے آپ نے فرمایا کہ اپنے غلام سے ہمارے لیے کٹڑیوں کا ایک منبر بنانے کے لیے کہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے غلام سے کہا۔ وہ جا کر جھاڑ کاٹ لائے اور اس کا ایک منبر بنایا۔ جب وہ منبر بنا چکے تو خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ منبر تیار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس بھجوا دیں۔ لوگ اسے لے

۲۳۹۹ - وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَةٍ مِنْ الْأَنْصَارِ فَقَالَ لَهَا غُلَامٌ بَخَّارٌ قَالَ لَهَا مَرْحُومٌ عَبْدٌ لِي فَلْيَمْلِكْ لَنَا اَعْوَادَ الْبُسْبُرِ فَأَمَرَتْ عَبْدَهَا فَذَهَبَ فَقَطَعَ مِنَ الطَّرْفَاءِ فَصَنَعَ لَهُ مِنْهَا قَلْبًا فَقَضَاهُ أَرْسَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَدْ قَضَاهُ فَسَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلْتُ بِهِ إِلَى بَخَّارٍ وَإِلَيْهِ فَأَحْتَمَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ حَيْثُ تَرَوْنِ

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اٹھایا اور جہاں تم اب دیکھ رہے ہو وہیں آپ نے اسے رکھ دیا۔

فوائد ومسائل | ہدیہ کرنے کے فضائل بکثرت احادیث میں آئے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ تَقْهَادُوا تَحَابُّوا۔ باہم ہدیہ کرو۔ اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ حضور نے فرمایا ہدیہ سے حسد دور ہوتا ہے۔ ہدیہ کا بدلہ دینا مستحب ہے۔ بدلہ دینے پر قادر نہ ہو تو اس کی تینا کر کے یعنی یہ کہے۔ جزاک اللہ خیر۔ نیز فرمایا تین چیزیں واپس نہ کی جائیں۔ تیکبر، دودھ، تیل۔ اگر کوئی پھول بھی ہدیہ کرے تو اسے واپس نہ کرے کہ یہ جنت سے آیا ہے (خلاصہ حدیث ترمذی)

نیز فرمایا۔ پھول ہدیہ کیا جائے تو واپس نہ کرے یہ اٹھانے میں ہلکا ہے (یعنی دینے والے کا احسان زیادہ نہیں ہے) اور خوشبو بھی ہے۔

۲۔ زبیر عن ابن عباس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہدیہ کرے تو برائے مانے قبول کر لے۔

فہرسن نشاء کے معنی بجری کے کھڑے ہیں۔ ظاہر ہے اسے کون ہدیہ دیتا ہے؟ لیکن اس لفظ کو استعمال فرما کر نبی علیہ السلام نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ہدیہ نوا کیسا ہی معمول کیوں نہ ہو اس کو متغیر نہ سمجھا جائے قبول کر لیا جائے۔ عزیز آدمی معمول چیز ہی ہدیہ کر سکتا ہے جو اس کے جذبہ محبت کا آئینہ دار ہوتا ہے تو معمولی چیز کو واپس کر دینا اس کے جذبہ محبت کو مجروح کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام معمول سے معمولی ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے اور کسی مسلمان کا دل نہیں توڑتے تھے۔

نیز یہ بھی واضح ہوا کہ دوست احباب سے حسب موقع و محل ہدیہ طلب کرنا جائز ہے اور باہمی محبت و اُلفت کا باعث ہے۔ نبی علیہ السلام کے کثارتہ مبارک میں دو ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔ یہ حضور علیہ السلام کا فقر اختیار ہی تھا۔ آپ فی الواقع غریب نہ تھے بلکہ آپ نے یہ انداز زندگی خود اختیار فرمایا تھا۔ جو آتا تھا فقرار و مساکن میں تقسیم فرادیتے تھے۔

۲۴۰۰ - اس عثمان کے تحت امام نے حدیث عبداللہ بن ابی قتادہ بھی ذکر کی ہے جو کتاب الحج میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ خلاصہ حدیث یہ ہے کہ حضرت ابو قتادہ نے گورخ شکار کیا تھا وہ محرم نہ تھے۔ اس میں سے کچھ بچا ہوا گوشت ان کے پاس تھا۔ پھر بحضور نبوی حاضر آئے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا اس میں سے کچھ بچا ہوا تمہارے پاس موجود ہے۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں اور وہی دست آپ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اسے تناول فرمایا تا آنکہ وہ ختم ہو گیا۔ آپ بھی اس وقت محرم تھے۔

فَقَالَ مَعَكُمْ هَلْ شَيْءٌ فَقُلْتُ نَعَمْ
فَنَادَيْتُهُ اَلْبَعْضَ فَاَكَلَهَا حَتَّى تَقَدَّهَا
وَهُوَ مُخْدِرٌ فَخَدَّتْنِي بِهَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ
عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي قَتَادَةَ

۱۔ حدیث کے یہی جملے عثمان کے مطابق ہیں۔ جن سے واضح ہوا کہ حضور علیہ السلام نے

فوائد و مسائل

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حج کے موقع پر محرم کو خود شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی غیر محرم شکار کرے تو محرم کو اس شکار کا گوشت کھانا جائز ہے۔

باب مَنِ اسْتَسْقَى
باب پانی طلب کرنا

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ مجھے پانی پلاؤ۔

وَقَالَ سَهْلٌ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِنِي

۲۴۰۱۔ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ يَقُولُ أَنَا نَا
وَسُئِلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
دَارِنَا هَذَا فَمَا تَسْتَقِي فَعَلْنَا لَهُ شَاةً
لَنَا شَمَّ شَبْتَهُ مِنْ مَاءٍ بِئْرِنَا
هَذَا فَاَعْلَيْتُهُ وَأَبُو بَكْرٍ عَنْ بَنِي
وَعَمْرٍو فَبَايَاهُ وَأَعْرَاجِي عَنْ يَمِينِهِ
فَلَمَّا فَتَرَ قَالَ عَمْرٍو هَذَا أَبُو بَكْرٍ
فَاَعْلَى الْأَعْرَاجِي شَمَّ قَالَ الْأَيْمَنُونَ
الْأَيْمَنُونَ الْأَفْيَئُونَ قَالَ النَّبِيُّ فَهِيَ
سُتَّةٌ فَهِيَ سُنَّةٌ بِحَثِّكَ مَرَاتٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اسی گھر میں تشریف لائے
اور پانی طلب فرمایا۔ ہمارے پاس ایک بکری تھی
اسے ہم نے دولا۔ پھر میں نے اس میں اپنے
کنویں کا پانی ملا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے بائیں طرف بیٹھے
ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ تھے اور اکیلا عربی
دائیں طرف تھے۔ جب آپ پی کر نارغ ہوئے تو
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ ابو بکر ہیں۔
لیکن آپ نے اسے اعرابی کو عطا فرمایا رکھ کر کہ وہ
دائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے، پھر فرمایا، دائیں طرف
بیٹھنے والے (مقدم ہیں) دائیں طرف بیٹھنے والے
ہی! ہاں، دائیں طرف سے ابتدا کیا کرو۔ انس
رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہی سنت ہے، یہی سنت ہے

اس مضمون کی احادیث اس سے قبل متعدد ابواب میں گزر چکی ہیں۔ علامہ عینی لکھتے
ہیں۔ **قواعد ومسائل** | **الْأَيْمَنُونَ**۔ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ ترکیب عبارت
یوں ہے۔ **الْأَيْمَنُونَ**۔ **مُقَدَّمُونَ** اور **دُورُونَ**۔ **الْأَيْمَنُونَ**۔ تاکیدی لفظ ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے
دودھ پانی نمک آگ ایسی اشیاء بوقت ضرورت کسی دوست ہمسایہ وغیرہ سے طلب کرنا جائز ہے اور جو
مانگے اسے دے دینا اور محل سے کام نہ لینا مستحب ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی یہی کیفیت تھی
کہ وہ ایثار و قربانی سے کام لیتے تھے۔ فیاضی اور سخاوت ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ
نے صحابہ کی صفات ایثار کو بیان فرمایا ہے۔ **يُؤْتُونَ سِوَىٰ ذَوِي الْقَرْبَىٰ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَكُلُوْا**
كَانَ بِهِمْ حَصَصَةٌ اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو اس
آیت کا نشان نزول یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بھوکا شخص آیا۔ حضور نے
ازواج مطہرات کے جبروں پر معلوم کرایا۔ کیا کھانے کی کوئی چیز ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی بی بی صاحبہ کے ہاں
کچھ بھی نہیں ہے۔ تب حضور علیہ السلام نے اصحاب سے فرمایا جو اس شخص کو مہمان بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس

پر رحمت فرمائے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری کھڑے ہو گئے اور حضور سے اجازت لے کر مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔ گھر جا کر بی بی سے دریافت کیا۔ کچھ ہے۔ انھوں نے کہا کچھ نہیں۔ صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے۔ حضرت ابو طلحہ نے فرمایا۔ بچوں کو ہسلا کر سلا دو اور جب مہمان کھانے بیٹھے تو چراغ دُست کرنے اٹھو اور چراغ کو بجھا دو تا کہ وہ اچھی طرح کھائے۔ یہ اس لیے تجویز کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اہل خانہ اس کے ساتھ نہیں کھا رہے ہیں کیونکہ اس کو یہ معلوم ہو گا کہ وہ اصرار کرے گا اور کھانا کم ہے بھوکا رہ جائے گا۔ اس طرح مہمانوں کو کھلایا اور آپ ان صاحبوں نے بھوکے رات گزار دی۔ جب صبح ہوئی اور بید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رات فلاں فلاں لوگوں میں عجیب معاملہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے بہت راضی ہے۔

۲۔ اپنے عزیز و اقربا، دوست احباب کے گھر جانا سنت ہے تاکہ اس ملاقات سے رشتہ محبت و اخوت قائم رہے اور ایک دوسرے کے حال احوال سے باخبر رہیں تاکہ دُکھ درد میں ساتھ ہو سکے۔

۳۔ دودھ کی لٹی نبی علیہ السلام کو پسند تھی۔ اس کا پینا سنت ہے۔

۴۔ تقسیم دہنی طرف سے شروع کرنی مسنون ہے۔ اگرچہ بائیں طرف بیٹھے ہوئے افراد علم و فضل میں افضل ہوں۔ مزید تفصیل کے لیے حدیث نمبر ۲۱۹۹، ۲۱۹۸ و ۲۲۱۱ ملاحظہ کیجئے۔

بَابُ تَبَوُّلِ هَدِيَّةِ الصَّيْدِ

باب شکار کا ہدیہ قبول کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کے دست کا ہدیہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے قبول فرمایا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مرا نظر ان میں ہم نے ایک قرگوش کا پیچھا کیا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے اور اسے تھکا دیا اور میں نے قریب پہنچ کر اسے پکڑ لیا۔ پھر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے یہاں لایا۔ آپ نے اسے ذبح کیا اور اس کے پیچھے کایا دونوں رانوں کا گوشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی بھیجا۔ (شعبہ نے بعد میں یقین کے ساتھ) کہا کہ دونوں بائیں آپ بھی بھیجیں، اس میں کوئی

وَقِيلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ أَحَدٍ قَتَاوَةً عَصَا الصَّيْدِ
۲۴۰۲ - عَنْ أَنَسٍ قَالَ الْفَحْشَاءُ
أَرْبَابًا بِسَرِّ الظُّهْرِ إِنْ فَسَعِيَ الْقَدَمُ
فَلْيَقْبُضُوا فَإِذَا رَكْنُهَا فَاحْذَرُوهَا
فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا
وَبَعَثْتُ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِرُكْنِهَا أَوْ أَخَذْتُهَا لَا شَكَّ فِيهِ
فَقَبِلَهُ قُلْتُ وَآكَلَ مِنْهُ قَالَ وَآكَلَ مِنْهُ
شَرُّ قَالَ بَعْدَ قَبْلِهِ (بخاری)

شبہ نہیں۔ حضور اکرم ﷺ اسے قبول فرمایا تھا۔ میں نے پوچھا۔ اس میں سے آپ نے تناول بھی فرمایا تھا؛ انھوں نے بیان کیا کہ تناول بھی فرمایا تھا۔ اس کے بعد پھر آپ نے فرمایا کہ آپ نے وہ پرہیز قبول کیا تھا۔

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام بخاری نے ذباحہ، مسلم نے ذباحہ، ابو داؤد و ترمذی نے اطعمہ لئسائی و ابی ماجہ نے صید میں ذکر کیا ہے۔ علامہ کرمانی علیہ الرحمہ نے فرمایا مَرَّ الظَّهْرَانِ ایک گاؤں کا نام ہے جس میں حکمت اور باغ ہیں۔ یہ مکہ معظمہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ کی جانب واقع ہے۔ یہ حدیث مسائل ذیل پر مشتمل ہے۔

۱۔ ضرورت کے لیے شکار کرنا جائز ہے اور بلا ضرورت محض نشانہ بازی اور شوق کے طور پر شکار کرنا بوقت ضرورت شکار کرنا جائز ہے | اور اس کو کام میں نہ لانا ممنوع ہے۔ بعض لوگ محض تفریح طبع کے لیے شکار کرتے ہیں اور جانور کے گوشت پرست سے فائدہ نہیں اُٹھاتے وہ بیکار جانتے ہیں یا جانور پر گولی چلا کر اس کو تڑپتا پلکتا چھوڑ دیتے ہیں اور اسے ذبح کسے کام میں نہیں لاتے۔ ایسا کرنا گناہ اور ظلم ہے۔ ترمذی، ابو داؤد و نسائی کی حدیث میں فرمایا۔ مَنِ تَبَعَ الْمُصَيْدَ عَقَلَ۔ جس نے شکار کا تعاقب کیا وہ غافل ہوا۔ جس نے شکار کے تعاقب کرنے کی ممانعت کا پہلو پلکتا ہے۔ مطلب حدیث یہ ہے۔ بلا وجہ اور بلا ضرورت شکار کرنا یا شکار کرنے اور جانور ڈھونڈنے، اس کا تعاقب کرنے میں ایسا منہمک ہو جانا کہ اپنے دینی و دنیوی فرائض سے غافل ہو جائے جیسا کہ عموماً شکاریوں کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ شکار میں ایسے مصروف ہو جاتے ہیں کہ فرض نماز بھی ترک ہو جاتی ہے تو اس طرح شکار میں مصروف ہو جانا جائز نہیں ہے کہ اس سے فرائض و واجبات میں کوتاہی ہو یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

۲۔ جب چند لوگ شکار کا تعاقب کریں۔ ان میں سے جو بھی اس کو پکڑ لے یا جس کی گولی سے وہ زخمی ہو وہی اس کا مالک قرار پائے گا۔

۳۔ روایت ترمذی میں قَدْ بَشَحَهَا بِمِرْقَةٍ کے الفاظ ہیں۔ یعنی آپ نے اس کو پتھر سے ذبح کیا تو پتھر سے ذبح اس صورت میں درست ہے جب کہ پتھر تیز و ہار والا ہو۔ یعنی اس سے جانور کی رگیں کٹ جائیں اور اگر پتھر کے بوجھ یا ضرب سے جانور کو ہلاک کیا تو یہ شرعاً ذبح نہیں ہے۔ ایسے جانور کا گوشت حلال نہیں ہوگا۔

۴۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ خرگوش حلال جانور ہے | ائمہ اربعہ مالک شافعی، حنبلی اور امام اعظم ابو حنیفہ اور تمام

علماء کا یہی مذہب ہے کہ خرگوش حلال ہے۔ — ابنہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص، عبد الرحمن بن ابی یسلیٰ اور عمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کراہت کا قول کرتے ہیں۔ مگر کثیر احادیث جنہیں بیہقی، طبرانی، نسائی، ابن ماجہ و بیہقی نے خرگوش کی اباحث واضح ہے۔ علامہ عینی نے ان تمام احادیث کو عمدۃ النکاحی ۳۷۱ میں ذکر فرمایا ہے۔

۵۔ بعض احادیث کا یہ مضمون ہے کہ نبی علیہ السلام نے خرگوش کا گوشت کھانے کا حکم دیا ہے یا یہ ہے کہ آپ نے خود نہیں کھایا مگر اس کے کھانے سے منع بھی نہیں فرمایا اور طبرانی کی حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

لَا آءَ كُلُّهَا وَلَا أَحَرَّ مَهْمَا | نہیں اس کو کھاتا ہوں نہ کھانے سے منع فرماتا ہوں
تو جب آپ نے منع نہیں فرمایا تو پھر خرگوش کدوہ کیسے قرار دیا جائے گا؟

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گور فرکا ہر یہ پیش کیا تھا۔ حضور اس وقت مقام ابرار یا مقام ددان میں تھے (راوی کو شبہ ہے) حضور اکرم نے ان کا ہر دو پس کر دیا۔ پھر ان کے چہرے پر (ندامت کے آثار) دیکھ کر فرمایا کہ میں نے اس لیے واپس کیا ہے کہ میں احرام کی حالت میں ہوں۔

۲۴۰۳۔ عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَامَةَ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَهْدَى
لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حِمَارًا وَحَشِيئًا وَهُوَ بِالْأَنْعَاءِ أَوْ
يَوْدَانَ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَلَكَتَا دَايَ مَافِي
وَجْهِهِ فَقَالَ أَمَا آتَاكَ تَوَدُّهُ عَلَيْهِ
إِلَّا أَنَا حُرْمٌ

ابنہ اور ودان دو مقاموں کے نام ہیں جو کہ مدینہ منکہ کے درمیان واقع ہیں۔ اس سے قبل کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو قتادہ نے شکار کا گوشت بجنور نبوی پیش کیا آپ نے قبول فرمایا۔ اس حدیث میں ہے کہ صعب کا شکار آپ نے قبول نہیں فرمایا حالانکہ دونوں حالتوں میں آپ حرم تھے۔ — جواب یہ ہے قتادہ نے شکار کا گوشت پیش کیا تھا جب کہ وہ خود حرم نہ تھے اور حضرت صعب نے زندہ شکار پیش کیا تھا اور حرم زندہ شکار کا مالک نہیں ہوتا۔ اس لیے آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ ابنہ اگر غیر حرم نے شکار کو ذبح کر کے اس کا گوشت حرم کو دیا تو وہ گوشت کا مالک ہو جاتا ہے۔

بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ

باب ہر یہ قبول کرنا

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا يَتَخَفُونَ
بِهَذَا يَأْهُمُ يَوْمَ عَاثِشَةَ
يَتَّبِعُونَ بِهَا أَقْبَابُ يَتَّبِعُونَ بِهَا لَوْ مَرَضًا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
۲۴۰۵- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَهَكَذَا
أُمُّ حَفِيبَةَ حَالَةَ بَنِي عَبَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَاعَ سَمْنًا
فِي أَضْبًا فَأَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مِنَ الْأَقِطِ وَالسَّمْنِ وَشَرَكَ
الضَّبَّ تَقْدِيرًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأُكِلَ
عَلَى مَا شَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَلَكِنْ كَانَ حَرَامًا مَا أَكَلَ عَلَى
مَا شَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں
کہ لوگ یہ بھیجنے کے لیے میری باری کا انتظار
کرتے تھے۔ وہ اس طریقہ سے حضور علیہ السلام
کی خوشی چاہتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔
کہ ان کی خالہ اُم حفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاز گھی درگہ
کا یہ بھیجا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز اور
گھی میں سے تو تناظر فرمایا لیکن گوہ ناپسند ہوئے کسی وجہ
چھوڑ دی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی
علیہ وسلم کے (اسی) دسترخوان پر (گوہ کو بھی) کھایا
گیا اور اگر وہ حرام ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کے دسترخوان پر کبھی نہ کھائی جاتی۔

۱۔ عنان کے مطابق اس حدیث میں فَأَكَلَ النَّبِيُّ کے جملے ہیں۔ جو یہ قبول کرنے
پر وال ہیں۔ گوہ کے حلال ہونے میں اختلاف ہے۔

فوائد و مسائل

گوہ مکروہ تحریمہ ہے | اکثر فقہاء اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے گوہ کو حلال قرار دیتے
ہیں۔

۱۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ مکتوبات میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السبحانی نے لکھا ہے کہ میں کھانا وغیرہ
پکا کر لوگوں میں تقسیم کر دیتا تھا اور اس کا ثواب حضور علیہ السلام اور آپ کے اہلبیت اطہارینہ ناصحن و حسین
سیدہ فاطمہ زہرا اور امیر المؤمنین سیدنا علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ارواح مبارک کو بخش دیتا تھا۔
ایک بار ایسا ہوا کہ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف ہوا۔ محسوس ہوا کہ آپ
مجھ سے کچھ کبیدہ خاطر ہیں۔ میں نے بحضور نبوی گریہ زاری کی اور اس کا سبب پوچھا تو حضور علیہ السلام نے
فرمایا۔ میں کھانا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کھاتا ہوں۔ اس جگہ سے حضور نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ حضرت
عائشہ صدیقہ کی دوح مبارک کو کیوں شامل ثواب نہیں کرتے۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں۔ اس خواب کے
بعد اب میں ازواجِ مطہرات کو بھی ثواب پہنچانے میں شریک کر لیتا ہوں۔

فَقِيلَ تَصَدَّقْ عَلَى بَرِيرَةَ قَالَ هُوَ
لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ

۲۴۰۸- وَأَهْدَىٰ لَهَا لَحْمًا فَقَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا تَصَدَّقَ
عَلَى بَرِيرَةَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ

۲۴۰۹- عَنْ أُمِّ عَطِيَّةٍ قَالَتْ دَخَلَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَائِشَةَ
فَقَالَ أَعِنْدَكَ شَيْءٌ قَالَتْ لَا إِلَّا
شَيْءٌ بَعَثْتُ بِهِ أُمَّ عَطِيَّةٍ مِنَ الشَّاةِ
الَّتِي بَعَثْتُ إِلَيْهَا مِنَ الصَّدَقَةِ فَتَالَ
إِنَّهَا بَلَغَتْ مَجْلَهَا

پیش کیا گیا اور یہ بتا دیا گیا کہ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ
عنها کو کسی نے صدقہ میں دیا ہے لیکن حضور اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لیے یہ صدقہ ہے اور
ہمارے لیے جب ان کے واسطے سے پہنچا ہر یہ ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بریرہ رضی
اللہ عنہا کے یہاں (صدقہ کا) گوشت آیا تھا تو نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا یہ وہی ہے
جو بریرہ کو صدقہ میں ملا ہے، یہ ان کے لیے تو
صدقہ ہے لیکن ہمارے لیے ہر یہ۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف
لے گئے اور دریافت فرمایا، کیا کوئی چیز دکھانے
کی تمہارے پاس ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ ام عطیہ
رضی اللہ عنہا کے یہاں جو آپ نے صدقہ کی بکری
بھیجی تھی، اس کا گوشت انھوں نے بھیجا ہے۔ اس
کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اپنی
جگہ پہنچ چکا۔

جس مستحق کو مالِ زکوٰۃ دیا جائے اسے اس کا مالک بنا دینا ضروری ہے

مستحق وہ شخص ہے جو مالکِ نصاب نہ ہو جو غنی ہو مالکِ نصاب ہو اسے صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں ہے
حضرت بریرہ مستحق صدقہ تھیں۔ جب صدقہ ان کی ملک میں آگیا تو صدقہ کرنے کا عمل تمام ہو گیا۔ اب حضرت
بریرہ اس کی مالک ہو گئیں اور ان کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ جس کو چاہیں دیں خواہ وہ غریب ہو یا غنی۔

چنانچہ حضور نبی کریم علیہ السلام کے ارشاد کے الفاظ

هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ

کہ بریرہ کے لیے صدقہ ہے (تو اگر وہ ہمیں دیدیں)
تو ہمارے لیے ہر یہ ہے۔

إِنَّهَا بَلَغَتْ مَحَلَّتَهَا (بخاری) | صدقہ اپنے مستحق کو پہنچ گیا۔

سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اگر غریب و مسکین کو (جو مالکِ نصاب نہ ہو) زکوٰۃ و فطرانہ دے کر مالک بنا دیا جائے اور وہ اپنی مرضی سے یا کسی کے ترغیب دلانے سے صدقہ کی چیز کسی غنی (مالکِ نصاب) کو دیکے تو اس کا کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے زہاد و بیعتی مسلم نے زکوٰۃ اور عتق - نسائی نے بیوع، فرائض، فائدہ | غلاق اور شروط میں ذکر کیا ہے۔ علامہ علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَسَا هَدِيَّةٌ کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ جب فقیر کی ملک کر دیا گیا تو وہ اس کا مالک ہو گیا۔ جب وہ اس کا مالک ہو گیا تو اب اس کو اس میں نصرت کا حق حاصل ہو گیا خواہ وہ اسے فروخت کرے یا کسی کو ہدیہ دیدے۔ لِأَنَّ التَّحْرِيمَ يَتَعَلَّقُ بِالصَّفَةِ لَا بِالذَّاتِ وَقَدْ تَعَيَّرَ مَا تُصَدَّقُ بِهِ عَلَى بَرِيَّةٍ بِإِثْقَالِهِ إِلَى مِلْكِهَا وَخُرُوجِهِ عَنْ مِلْكِ الْمُتَصَدِّقِ (یعنی ج ۱۳ ص ۱۳۵)

معلوم ہوا کہ صدقہ واجبہ زکوٰۃ و فطرانہ وغیرہ جب محتاج کو دیا جائے تو اسے اس کا مالک بنا دینا ضروری ہے اور ادا کیلئے زکوٰۃ کے وقت کسی قسم کی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔ یعنی جب زکوٰۃ محتاج کو دے دی گئی تو اب یہ شرط لگانا زکوٰۃ کا مال تم خود استعمال کرو گے یا اس زکوٰۃ کے مال سے تم کپڑے بنا کر پہنو گے وغیرہ وغیرہ۔ ایسی شرط لگانا درست نہیں ہے کیونکہ یہ شرطیں ملکیت کے منافی ہیں۔

بَابُ مَنْ أَهْدَى إِلَى صَاحِبِهِ وَتَعَرَّى

باب جس نے اپنے دوست کو ہدیہ بھیجا اور اس

بَعْضُ نِسَائِهِ دُونَ بَعْضٍ

۲۴۱۰ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ

يَتَحَدَّرُونَ بِهِدَايَا هُمُ يَنْمُو وَقَالَتْ

أُمُّ سَلَمَةَ إِنَّ صَوَاعِجِي اجْتَمَعْنَ ،

فَذَكَرْتُ لَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهَا

کی کسی خاص بیوی کا انتظار کیا
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ لوگ
ہدایا بھیجنے کے لیے میری باری کا انتظار کرتے تھے
ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میری سونکھیں
(امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہن) جمع تھیں
اس وقت انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے اس کا ذکر کیا (کہ آنحضور صحابہ سے فرمادیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار نہ کیا کریں) تو آپ نے انھیں کوئی جواب نہ دیا۔

۲۴۱۱ - عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ لِسَاءَ رَسُولِ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ حِزْبَيْنِ
 فَحِزْبٌ فِيهِ عَائِشَةُ وَحِفْصَةُ وَ
 صَفِيَّةُ وَسُودَةُ وَالْحِزْبُ الْآخَرُ
 أُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَاءِ رَسُولِ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ
 قَدْ عَلِمُوا حُبَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ فَإِذَا كَانَتْ عِنْدَ
 أَحَدِهِمْ هَدِيَّةً يُسْرِيدهُ أَنْ
 يُهْدِيَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَرُّهَا حَتَّى إِذَا كَانَ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
 بَيْتِ عَائِشَةَ بَعَثَ صَاحِبَ الْهَدِيَّةِ
 إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فِي بَيْتِ عَائِشَةَ فَكَلَّمَ حِزْبُ أُمِّ سَلَمَةَ
 فَقُلْنَ لَهَا كَلِمَتِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُولُ مَنْ
 أَرَادَ أَنْ يُهْدِيَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً فَلْيُهْدِهَا إِلَيْهِ
 حَيْثُ كَانَ مِنْ بَيُوتِ نِسَائِهِ فَكَلَّمَتْهُ
 أُمُّ سَلَمَةَ بِمَا قُلْنَ فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا
 فَسَأَلْنَهَا فَقَالَتْ مَا قَالَ لِي شَيْئًا فَقُلْنَ
 لَهَا فَكَلَّمْنَاهُ قَالَتْ فَكَلَّمَتْهُ حِينَ دَارَ
 إِلَيْهَا أَيْضًا فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا فَسَأَلْنَهَا
 فَقَالَتْ مَا قَالَ لِي شَيْئًا فَقُلْنَ لَهَا كَلِمَتِي

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے
 کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی دو جماعتیں
 تھیں۔ ایک میں عائشہ، حفصہ اور سودہ رضوان
 اللہ علیہن اور دوسری جماعت میں ام سلمہ اور
 بقیہ ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن تھیں۔
 مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عائشہ
 کے ساتھ محبت کا علم تھا۔ اس لیے جب کسی کے
 پاس کوئی ہدیہ ہوتا اور وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تو انتظار
 کرتا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت
 عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں قیام کی
 باری ہوتی تو ہدیہ دینے والے اپنا ہدیہ حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے۔ اس پر
 ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جماعت کی ازواج مطہرات
 نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور ام سلمہ رضی اللہ
 عنہا سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
 گفتگو کریں تاکہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ جسے
 آنحضور کے ہاں ہدیہ بھیجنا ہو وہ کسی کی خاص باری
 کا انتظار کیے بغیر جہاں بھی آنحضور ہوں، وہیں
 بھیجا کریں۔ چنانچہ ازواج کے مشورہ کے مطابق
 حضرت ام سلمہ نے بحضور نبوی عرض کی حضور نے
 کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ان ازواج نے پوچھا
 تو انھوں نے بتا دیا کہ مجھے آپ نے جواب نہیں
 دیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ پھر جب آپ کی باری کی
 تو دوبارہ انھوں نے آپ سے عرض کیا۔ اس مرتبہ بھی

حَتَّى يَكْمُلَ لَكَ قَدَارُ ابْنَيْهَا فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا
لَا تُؤْذِينِي فِي عَائِشَةَ فَإِنَّ الْوَحْيَ
لَمْ يَأْتِنِي وَأَنَا فِي ثَوْبِ امْرَأَةٍ إِلَّا
عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَالَتْ أَتَقْرُبُ الْحَبْلَ اللَّهُ
مِنْ ابْنِ ذَوَالْهَيْكَلِ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَعْرِفُ أَهْلَهُ
وَعَوْنُ فَنَاطِحَةٍ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَرْسَلَنِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَوْلُ إِنْ نِسَاءَكَ يَشُدُّ
نَكَاحُ اللَّهِ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ فَكَلَّمَتْهُ
فَقَالَ يَا بُنَيَّةُ أَلَا تُحِبُّينَ مَا أَحَبُّ قَالَتْ
بَلَى فَسَرَّجَعْتُ إِلَيْهِنَّ فَأَخْبَرْتُهُنَّ
فَقُلْنَ ارْجِعِي إِلَيْنَا فَإِنَّ تَوَجُّعَ
فَأَرْسَلَنِي زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ فَأَتَتْهُ
فَاغْلَظْتُ وَقَالَتْ إِنْ نِسَاءَكَ يَشُدُّ نَكَاحُ
اللَّهُ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ ابْنِ أَبِي قُحَافَةٍ فَزَرَّعَتْ
صَوْنَهَا حَتَّى تَنَاقَلَتْ عَائِشَةُ وَهِيَ
قَاعِدَةٌ فَسَبَّهَا حَتَّى إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَذْطُرُّ إِلَى
عَائِشَةَ هَلْ تَكَلَّمُوا قَالَ فَتَكَلَّمَتْ عَائِشَةُ
تَسَرَّدَ عَلَى زَيْنَبَ حَتَّى اسْكَنَتْهَا قَالَتْ
فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِلَى عَائِشَةَ وَقَالَ إِنَّهَا بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ

(بخاری)

آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب ازواج نے
پوچھا تو انہوں نے پھر وہی بنایا کہ آپ نے مجھے
اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ازواج مطہرات نے
حضرت ام سلمہ سے کہا کہ ایک بار پھر عرض کرونا کہ
آپ اس معاملہ میں کچھ فرمائیں تو جب ان کی
باری آئی تو انہوں نے پھر عرض کی۔ اس پر حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ کے بارے
میں مجھے اذیت نہ دو۔ عائشہ کے سوا، اپنی ازواج
میں سے کسی کے بستر میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی
ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر انہوں نے
عرض کیا، آپ کو ایذا پہنچانے سے اللہ کے حضور
میں توبہ کرتی ہوں، یا رسول اللہ! پھر ان ازواج نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت
فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان کے ذریعے حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہلوا یا کہ آپ
کی ازواج ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے بارے میں
خدا کے لیے آپ سے ہر معاملہ میں عدل (برابری)
چاہتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی آپ سے گفتگو
کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری بیٹی
کیا تم وہ پسند نہیں کرتی ہو جو میں پسند کروں۔ انہوں
نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ اس کے بعد دواپس
آگئیں اور ازواج کو اطلاع کی۔ انہوں نے ان

سے بھی دوبارہ خدمت نبوی میں جانے کے لیے کہا۔ لیکن حضرت فاطمہ نے دوبارہ جانے سے انکار کیا تو
انہوں نے (ام المؤمنین) زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا۔ وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں تو انہوں

نے باصرار عرض کیا کہ آپ کی ازواج، ابو تمناؤ کی بیٹی کے بارے میں آپ سے خدا کے لیے ہر معاملہ میں عدل (برابری) مانگتی ہیں۔ ان کی آواز بلند ہو گئی اور انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی نہیں چھوڑا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے بھی ان کو جواب دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھنے لگے کہ دیکھیں کچھ بولتی ہیں یا نہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بول پڑیں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی باتوں کا جواب دینے لگیں اور آخر انھیں خاموش کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ یہ ابوبکر کی بیٹی ہے۔ (بخاری)

واضح ہو کہ اگر کسی کی متعدد بیویاں ہوں تو شرعاً اس پر لازم و واجب ہے کہ نان نفقہ اور رہائش میں عدل و انصاف سے کام لے۔ سب بیویوں کی جو ضروریات شوہر کو پورا کرنا لازم ہے اس میں برابری و مساوات قائم رکھے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے۔

اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو نان نفقہ اور رہائش میں مساوات فرض ہے

اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کرو گے تو ایک ہی سے نکاح کر دیا وہ بائیاں جن کے تم مالک ہو۔ یہ زیادہ قریب ہے اس سے کہ تم سے ظلم نہ ہو

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً
أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَذَىٰ
أَلَّا تَعْدِلُوا

اور فرماتا ہے :-

لَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ
وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ
الْمِيلِ فَتَدْرُوا هَا كَالْمُعَلَّفَةِ ۚ وَإِنْ
تَصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
غَفُورًا رَّحِيمًا

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر دونوں بیویوں میں عدل نہ کرے گا تو قیامت کے دن حاضر ہوگا اس طرح پر کہ آدھا دھڑ ساقط (بے کار) ہوگا (ترمذی و حاکم)

ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے جن کا قرعہ نکلتا انھیں اپنے ساتھ لے جاتے (بخاری و مسلم)

نیز فرمایا بیشک عدل کرنے والے اللہ کے نزدیک رحمن کی دہنی طرف نور کے منبر پر ہوں گے اور اس

کے دونوں ہاتھ دبھنے ہیں۔ وہ لوگ جو حکم کرنے اور اپنے گھر والوں میں عدل کرتے ہیں۔ (مسلم)
قرآن مجید اور احادیث سے واضح ہوا کہ جس کی دو باتیں یا چار بیاریاں ہوں اس پر عدل فرض ہے
یعنی جو چیزیں اختیار ہوں ان میں سب عورتوں کا یکساں لحاظ کرے یعنی ہر ایک کو اس کا پورا حق ادا کرے۔
پوشاک اور نان نفقہ اور رہنے سہنے میں سب کے حقوق پورے ادا کرے۔

اگر کوئی شخص اپنی بیویوں میں عدل نہیں کرتا تو قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جاسکتا ہے اور قاضی عدل
کا حکم دے گا۔ لیکن جو بات شوہر کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس میں مجبور و معذور ہے۔ اُمور غیر اختیاری
میں عدل و مساوات لازم و واجب نہیں ہے۔ مثلاً ایک بیوی سے زیادہ محبت ہے اور دوسری سے کم۔
اس میں مساوات قائم کرنا شوہر کے بس کی بات نہیں ہے۔

چنانچہ ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و ابن حبان نے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے
روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باری میں عدل فرماتے اور کہتے الہی میں جس کا مالک ہوں اس میں
میں نے تفریق کر دی اور جس کا مالک تو ہے میں مالک نہیں (یعنی محبت قلب) اُس میں ملامت نہ فرما۔

۱۔ معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ بیاریاں ہونے کی صورت میں اگر کسی بیوی سے محبت زیادہ ہے یہ بات
عدل کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے کہ ہر ایک سے محبت میں مساوات کو قائم
رکھے۔ بیویوں کے درمیان عدل و مساوات کے اس ضابطہ کو پیش نظر رکھ کر حدیث زیر عنوان پر غور کیجئے۔

۲۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام اختیاری امور میں ازواجِ مطہرات کے ساتھ قطعاً متناسبات
سلوک فرماتے تھے۔ عدل و انصاف آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھیں اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ حضور عدل نہ فرمائیں۔

۳۔ ازواجِ مطہرات نے بھی جو عرض و معروض کی وہ نان نفقہ و رکش میں عدل و مساوات کے متعلق نہ تھی
بلکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زیادہ محبوب تھیں۔ نَسَاؤُكَ
يُنْشِئُكَ اللَّهُ الْعَدْلُ کا مطلب یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات یہ چاہتی تھیں کہ حضور علیہ السلام محبت
قلبی میں بھی مساوات فرمائیں۔ جو حضور پر لازم و واجب نہ تھی۔ کیونکہ کسی بیوی سے محبت کا زیادہ ہونا
انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے حدیث کے مذکورہ بالا جملوں کا یہی مطلب بیان کیا
ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ وَلَٰكِنَّ الْمَعْنَى النَّسْوِيَّةَ بَيْنَهُنَّ فِي الْمَحَبَّةِ الْمَتَّعِلَّةِ بِالْقَلْبِ لَا أَنَّ
كَانَ يُسَوِّحُ بَيْنَهُنَّ فِي الْأَفْعَالِ الْمَقْدُورَةِ (عینی ج ۱۳ ص ۱۴)

اسی لیے علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ اپنی تمام بیویوں کے درمیان از روئے قلبی محبت مساوات
قائم رکھنا شوہر کے لیے لازم و واجب نہیں ہے۔ یہ حدیث مسائلِ ذیل پر مشتمل ہے۔

۴۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ عظیم و جلیل فضیلت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خصوصی محبت والفت تھی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنَّهَا بِنْتُ اَبِيْ بَكْرٍ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق کی صاحب زادی ہیں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق مطلقہ، عارف اور معاملہ فہم ہیں۔ ایسے ہی حضرت عائشہ بھی ہیں۔ نیز نزول وحی کے سلسلہ میں حضور کا ارشاد بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور ان کے مزہب کی بلندی پر دلالت کرتا ہے۔

۵۔ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات نبی علیہ السلام سے حیا فرماتی تھیں۔ اسی لیے انھوں نے عرض و معروض کے لیے حضرت فاطمہ کو وسیلہ بنایا جو نبی علیہ السلام کو بہت محبوب تھیں۔

۵۔ اگر کسی کی متعدد دیواریاں ہوں تو محبت قلبی میں مساوات ضروری نہیں ہے۔

۶۔ ازواج مطہرات حضور کا ایسا ادب کرتی تھیں کہ ذرا سی ناگہاری دیکھتیں تو فوراً معذرت کر لیتی تھیں حضرت ام سلمہ کا بخبر نبوی یہ عرض کرنا اَقُوْبُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ اَذَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اسی کے منظر ہیں۔

۷۔ حضرت زینب نے ذرا زور دار الفاظ میں بخبر نبوی یہ عرض کی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آپ کی پھر بھی کی صاحبزادی تھیں۔ خون کے اس قریبی رشتہ کی وجہ سے یہ تکلفی آجاتی ہے۔

۸۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معروضہ پر التفات نہ فرمانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہر یہ بھیجئے والے کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ فلاں وقت اور فلاں کی موجودگی میں ہر یہ بھیجا کرے۔

بَابُ مَا لَا يَرْدُّ مِنَ الْهَدِيَّةِ

باب وہ ہر یہ جو واپس نہ کیا جائے

۲۴۱۲۔ حَدَّثَنِي تَهْمَامَةُ بِنْتُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ فَنَاوَلَنِي طَيْبًا قَالَ كَانَ اَنْسُ لَا يَرْدُّ الطَّيِّبُ قَالَ وَذَعَمَ اَنْسُ اَبَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْدُّ الطَّيِّبَ (بخاری)

عزیز نے بیان کیا کہ میں ثمامہ بن عبد اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے مجھے خوشبودی اور کہا کہ انس خوشبودا پس نہیں کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم علیہ السلام خوشبودا پس نہیں فرماتے تھے۔

فوائد | نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خوشبودا پس نہ کی جائے۔ اسی لیے حضرت انس خوشبودا پس نہیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ خوشبودا ہر یہ قبول کرنا مستحب ہے۔

بَابُ مَنْ رَأَى الْهَبَةَ الْغَائِمَةَ جَائِزَةٌ

باب جن کے نزدیک غیر موجود چیز کا ہر گز نادرست ہے

اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے قبیلہ ہوازن کے وفد والی حدیث ذکر کی ہے جو مکمل ترجمانی کے ساتھ کتاب المغنی میں گزرا چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۳۷۲

۲۳۷۲ - حدیث زیر عنوان کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کا وفد بحضور نبوی حاضر ہوا تو نبی علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا: تمہارے بھائی تو یہ کہہ کر آئے تو اگر تمہاری مرضی ہو تو ان کے قیدی واپس کر دیتے جاتیں۔ صحابہ نے عرض کی ہم راضی ہیں (بخاری)

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان سے اس امر کا ارادہ کیا ہے کہ جبہ کے جواز کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ شعی اور مہوب لہ مجلس میں موجود ہوں اگر غائب بھی ہوں تو بھی جہد درست ہے اور اس سلسلہ میں ہوازن کے قیدیوں کے واقعہ سے استدلال فرمایا ہے کہ اس میں دامہب حضور علیہ السلام تھے اور اشبارہ مہوب یعنی قیدی بلکہ مہوب لہ بھی مجلس میں موجود نہ تھے۔

علامہ عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ متعدد وجوہ سے یہ استدلال درست نہیں۔ اول اس لیے کہ ہوازن کے قیدی مال غنیمت سے تھے اور غائبین تقسیم سے قبل مال غنیمت کے ستمی تو تھے مگر مالک نہ تھے۔ دوم یہ کہ تقسیم سے قبل غائبین کا حصہ معلوم نہیں ہو سکتا تو یہ جبہ محمول شے کا ہوا جو جائز نہیں ہے۔ سوم یہ کہ ترک پر جبہ کا اطلاق بہت بعید ہے۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ قبیلہ بنی ہوازن کے قیدیوں کو چھوڑنا جبہ نہیں بلکہ احقاقاً آزاد کرنا تھا۔ (خافہم)

بَابُ الْمَكَافَةِ فِي الْهَبَةِ

باب جبہ کا بدلہ دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دے دیا کرتے تھے۔

۲۳۷۴ - عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَبَةَ وَيُتْبِعُ عَلَيْهَا (بخاری)

حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کہ یہ بھی کہ جو شخص آپ پر احسان کرتا۔ آپ اس کا بدلہ عطا فرما دیا کرتے تھے۔ اگر جبہ بشرط العوض ہو یعنی یہ کہہ کہ یہ چیز تم کو جبہ کرتا ہوں اس شرط پر کہ فلاں چیز تم مجھ کو دو۔ یہ ابتداء جبہ ہے مگر انتہاء کے لحاظ سے بیع ہے۔ اس میں بیع کے احکام ثابت ہوں گے۔ غرض کہ وہ جبہ جس کا بدلہ لینا مطلوب ہو تو یہ بیع کی طرح ہے اور بدلہ دینا واجب ہے اور وہ جبہ جو بخرض ثواب و صلہ رحمی کے لیے ہو (رضاکا رانہ) اس کا بدلہ دینا ضروری نہیں ہے اگر دیدے تو فعل حسن ہے۔

بَابُ الْهَبَةِ لِلْوَلَدِ

باب اپنے بیٹے کو ہبہ کرنا

اور اپنے بعض لڑکوں کو اگر کوئی چیز ہبہ کی تو جب تک انصاف کے ساتھ تمام لڑکوں کو برابر نہ دے یہ ہبہ جائز نہیں ہوگا، البتہ باپ کے خلاف گواہی نہ دی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عطیوں کے سلسلہ میں اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو۔

وَإِذَا أَعْطَى بَعْضُ وَلَدِهِ شَيْئًا لَمْ يَجْزْ حَتَّى يَمْدُلَ بَيْنَهُمْ وَيُعْطَى الْآخَرِينَ مِثْلَهُ وَلَا يَشْهَدُ عَلَيْهِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اْعْدُوا بَيْنَ أَفْلاذِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ

کیا اپنی تمام اولاد کو برابری کے ساتھ دینا ضروری ہے

ہبہ کرنا مکروہ ہے مگر یہ حکم دیانت کا ہے اور قضاء کا حکم یہ ہے کہ اگر باپ بجا ملت صحت اپنا سارا مال جائداد ایک ہی لڑکے کو دے دے۔ دوسروں کو کچھ نہ دے تو ایسا کر سکتا ہے۔ دوسرے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ البتہ ایسا کرنے میں گناہ ہے اور اگر کسی مصلحت جائز کی وجہ سے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دے مثلاً ایک عالم فاضل متقی پر ہینہ چار ہے اسے زیادہ دیا اور دوسرا دنیا کے کاموں میں اشتغال رکھتا ہے اسے کم دیا تو یہ صورت بلا کراہت جائز ہے۔ (بخاری الاثر) امام ثوری، لیث بن سعد، قاسم بن عبد الرحمن، محمد بن منکدر، امام اعظم ابو حنیفہ، امام محمد و ابو یوسف و امام شافعی و امام احمد فرماتے ہیں کہ اولاد کو کمی بیشی کے ساتھ کسی چیز کو ہبہ کرنا جائز ہے (یعنی ج ۳ ص ۱۲۷)

اور کیا والد: اپنا عطیہ واپس بھی لے سکتا ہے؟ باپ اپنے لڑکے کے مال سے نیک نیتی کے ساتھ جب کہ تعدی کا ارادہ نہ جو لے سکتا ہے۔

وَهَلْ لِلْوَالِدِ أَنْ يَرْجِعَ فِي عَطِيَّتِهِ وَمَا يَأْكُلُ مِنْ مَالٍ وَلَدِهِ بِالتَّعَدُّوتِ وَلَا يَتَعَدَّى

(بخاری)

یَتَعَدَّى

۱۔ احناف کا موقف یہ ہے باپ اپنے بیٹے کو غرض کہ کسی بھی ذمی رحم محرم (جیسے بیٹا بیٹی بھائی بہن، چچا چچی) کو کوئی چیز ہبہ کر دے تو اسے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

فوائد ومسائل

۲۔ اور والد کا بوقت ضرورت اپنے بیٹے کے مال میں تصرف کرنا اور اپنے نان نفقہ کے لیے خرچ کرنا جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

فَكُلُوا مِنْ مَالِ آفَلاذِكُمْ (ترمذی) | اپنی اولاد کے مال سے کھاؤ

علامہ عینی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک باپ اگر محتاج ہو تو اسے اپنے غیر موجود بیٹے کا سامان اپنے نفقہ کیلئے فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ باپ حاجت کے وقت بیٹے کے مال کا مالک ہو جاتا ہے۔ البتہ باپ کو بیٹے کی زمین یا مکان اپنی حاجت کے لیے فروخت کرنا درست نہیں ہے اور امام محمد و ابو یوسف کے نزدیک باپ کو اپنی اولاد کے مال اور زمین دونوں کو اپنی حاجت کے لیے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اس

میں سب کا اتفاق ہے کہ ماں کو اپنی ضرورت کے لیے اپنی اولاد (نواد چھوٹی ہو یا بڑی) کے مال کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ (یعنی ج ۱۳ ص ۱۴۲ شرح الطحاوی)

ذی رحم محرم کو ہبہ کی گئی چیز کو واپس لینا جائز نہیں ہے | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِذَا كَانَتْ الْهَبَةُ لِذِي رَحْمٍ مَحْرَمٍ لَمْ يَرْجَعْ فِيهَا | جب ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کر دی جائے تو اس میں رجوع نہ کیا جائے۔ (ربیع، دارقطنی، مترک)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کی گئی چیز کو واپس لینا جائز نہیں ہے اور ابو داؤد و ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ کی احادیث میں یہ ہے کہ باپ نے اگر اپنے بیٹے (ذی رحم محرم) کو ہبہ کیا تو اس کو رجوع جائز ہے تو ان کا مطلب یہ ہے کہ بیٹے باپ کو اپنی اولاد کے مال سے خرچ کر لینا جائز ہے۔ ایسے ہبہ کی ہوئی چیز کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ہبہ سے رجوع یا اس کو فسخ کرنا جائز ہے۔

شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے

حضرت ابراہیم نخعی حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں نیز حضرت عطار و مجاہد رضی اللہ عنہم سے بھی یہ روایت ہے کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کیا اور اس نے شی جو ہبہ پر قبضہ کر لیا نواب واجب کو رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز حضرت ابراہیم نخعی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو ہبہ کرے تو ان کے لیے ہبہ سے رجوع جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شوہر اور بیوی بھی ایک دوسرے میں ذی رحم محرم ہیں۔ اخلاف کہتے ہیں کہ شوہر اور بیوی میں ایک خاص قسم کی قرابت ہے۔ بہت ہی قریبی رشتہ۔ اسی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے بغیر حجب وارث ہونے ہیں اور اسی رشتہ ازدواج کی وجہ سے شوہر کی بیوی کے حق میں گواہی اور بیوی کی شوہر کے حق میں گواہی نامقبول ہے۔ جیسے باپ کی بیٹے کے حق میں اور بیٹے کی باپ کے حق میں گواہی قبول کرنا منع ہے۔ میان بیوی کا رشتہ محبت و الفت اور مودت پر مبنی ہے۔ تو اگر شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو کوئی چیز ہبہ کر کے واپس لے لے تو یہ فعل محبت و الفت کی ضد ہوگا جو منع ہے لہذا اعتقاد بھی شوہر و بیوی کا آپس میں ہبہ کے عمل کو واپس کرنا منع ہونا چاہیے (مبسوط سرخسی ج ۱۲ ص ۵۱)

غرض کہ ہبہ ایک رضا کارانہ فعل ہے۔ اس کا مقصد آپس میں محبت و الفت اور تعلق پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ذی رحم محرم کو ہبہ کر کے رجوع کرنے کی ممانعت کی عقلی دلیل یہی ہے کہ اس سے صلہ رحمی مجروح ہوتی ہے ذی رحم محرم کو ہبہ کر کے رجوع کرنے میں ایک نوع کی عداوت، دشمنی اور رجسٹ پیدا ہوتی ہے جو قطع رحمی کے مترادف ہے۔

بہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے کے بعض اہم مسائل | کسی چیز کو ہبہ کر کے واپس لینا بڑی بات ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا واپس لینے

دلے کی مثال ایسی ہے جیسے گتے کر کے پھر چاٹ جائے — لیکن چونکہ ہمہ ایک رضا کارانہ فعل ہے۔
ایسا تصرف نہیں ہے کہ واجب پر لازم ہو۔ اگر دے کر واپس ہی لینا چاہتا ہے تو قاضی واپس کر دے گا۔
واجب کو واپس نہ لینے پر قاضی مجبور نہیں کر سکتا۔ واپس لینے کا حکم بھی حدیث ابن ماجہ سے ثابت ہے۔
أَلْوَاهِبٌ أَحَقُّ بِالْهَبَةِ مَا لَوْ عَيَّبَتْ مِنْهَا

۲= مہر کی گئی چیز پر موهوب لہ کا قبضہ ہی نہ ہوا تو مہر تمام نہ ہوا۔ واجب نے رجوع کر لیا تو

مہر ختم ہو گیا۔ نیز اسے رجوع نہیں کہیں گے — کیونکہ رجوع یہ ہے کہ موهوب لہ کو قبضہ دے دیا۔

مہر تمام ہو گیا۔ اس کے بعد واجب واپس لے کر واپسی کے لیے دو شرطیں ہیں۔ قضاء۔ قاضی یا موهوب
لہ کا راضی ہونا۔ اگر ان دونوں شرطوں میں سے کوئی نہ پائی جائے تو رجوع جائز نہ ہوگا۔ یہ بات یاد رکھئے
کہ رجوع کرنے سے جو سات چیزیں مانع ہیں۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو بھی رجوع کے لیے۔ قضاء۔ قاضی
یا موهوب لہ کی رضا ضروری ہے (عالمگیری) يَعْذِرُ الرَّجُوعَ عِنْدَ عَدَمِ الْمَوَاجِبِ السَّبْعِ مُشْرُطًا
أَيْضًا بِرِضَاءِ الْمُوهُوبِ لَهُ أَوِ الْقَضَاءِ

وہ صورتیں جن کی وجہ سے مہر میں رجوع نہیں ہو سکتا | مہر میں رجوع کرنے سے سات
امام نسفی علیہ الرحمہ نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔

قَدْ يَنْتَعِ الرَّجُوعُ عَنِ الْهَبَةِ يَا صَاحِبِي حَزَنٌ دُمُوعُ حَزَنِهِ

۱۔ دال سے مراد زیادتِ متصلہ ہے یعنی موهوب (مہر شدہ چیز میں) کوئی ایسی بات پیدا ہو جائے
جس سے قیمت میں اضافہ ہو جائے۔ زیادت کی چند صورتیں بطور مثال یہ ہیں۔ زمین مہر کی موهوب لہ
نے اس میں مکان بنالیا یا درخت لگا دے یا مکان مہر کیا اور اس میں موهوب لہ نے کسی تعمیر کی۔ جانور
مہر کیا اور وہ پہلے سے زیادہ موٹا فرہ ہو گیا۔ کپڑا مہر کیا اور موهوب لہ نے اس کو سی لیا یا رنگ لیا کاغذ
مہر کیا اور موهوب لہ نے اس پر کتاب چھپوائی یا لکھوائی۔ کٹڑی لوہا پینل کوئی دھات مہر کی اور موهوب لہ

لہ یہ ایسے ہی جیسے باپ اگر بیٹے کو کوئی چیز مہر کر دے تو اسے رجوع جائز نہیں تو باپ کے لیے رجوع
کے لفظ کا استعمال صمد ہے یعنی جب باپ اپنے بیٹے کو مہر کی گئی چیز کو استعمال کرتا ہے تو یہ رجوع
صمد ہے حقیقتہً رجوع نہیں ہے بلکہ تمکب ستانف ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔
أَنْتَ وَمَالُكَ لِابْنِكَ (خافم)

نے اس کی چیز بنالی۔ ان تمام صورتوں میں جبہ کی گئی چیز واپس نہیں لی جاسکتی۔

۲۔ تم سے مراد موت ہے یعنی داہب یا موبوب لہٰذا دونوں میں سے کوئی بھی مر گیا تو رجوع نہیں ہو سکتا۔ داہب مر جائے تو ہبہ کی ہوئی چیز اس کے ورثہ میں منتقل نہ ہوگی۔ موبوب لہٰذا مر جائے تو ہبہ کی ہوئی چیز اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

۳۔ عین سے مراد عوض ہے یعنی اگر داہب نے ہبہ کا عوض لے لیا تو اب رجوع نہیں کر سکتا۔

۴۔ تم سے مراد خروج یعنی ہبہ اگر موبوب لہٰذا کی ملک سے خارج ہو جائے تو اس صورت میں بھی رجوع نہیں ہو سکتا۔ مثلاً موبوب لہٰذا نے ہبہ کی گئی چیز کو فروخت کر دیا۔

۵۔ تم سے مراد زوجیت، یعنی اپنی بیوی کو ہبہ کیا تو رجوع نہیں کر سکتا۔

۶۔ فاف سے مراد قرابت یعنی ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو رجوع نہیں کر سکتا۔ باپ، دادا، ماں، دادی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی یہ سب ذی رحم محرم ہیں۔

۷۔ تم سے مراد ہلاک یعنی ہبہ کی گئی چیز کا ہلاک ہو جانا، مانع رجوع ہے کہ جب وہ چیز ہی نہ رہی تو رجوع کیا کرے گا۔

وَاشْتَرَا لِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ عُمَرَ كَعْبِيرًا ثُمَّ أَعْطَاهُ ابْنُ
عُمَرَ وَقَالَ اصْنَعْ بِهِ مَا شِئْتَ (بخاری)

یہ اس حدیث کا ایک حصہ ہے جسے امام بخاری نے کتاب البیوع میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ ہشتم ص۔ اس حدیث میں باپ کا ہبہ سے رجوع کا ذکر نہیں ہے کیونکہ معطل نبی علیہ السلام ہیں حضرت عمر نہیں کیا والد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی تمام اولاد کو برابر ہی کے ساتھ ہبہ کرے تو اس مسئلے پر فقہاء کا معنی تسوئہ میں اختلاف ہے۔ حضرت امام مالک، لیث، ثوری، شافعی، امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ البتہ سب کو برابر دینا تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کی کہ میں نے اپنے بیٹے کو ایک غلام دیا ہے۔ حضور اکرم نے دریافت فرمایا۔ کیا ایسا ہی غلام اپنے دوسرے لڑکوں کو بھی دیا ہے؟ انھوں نے

۲۴۱۵۔ عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ
أَبَاهُ أَتَى بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي تَخَلَّتْ أَبْنِي
هَذَا غَلَامًا فَقَالَ أَكَلَّ وَلَدِكَ تَخَلَّتْ
مِثْلَهُ قَالَ لَا قَالَ فَاذْجَعْهُ (بخاری)

عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر (ان سے بھی) واپس لے لو (بخاری)

فوائد و مسائل | امام نووی شارح مسلم نے تصریح فرمائی ہے جب سے رجوع کی ہوا کہ ہمت بیان ہوئی ہے اس سے مراد کراہت تحریمی نہیں بلکہ کراہت تنزیہی ہے (نووی علیٰ المسلم کتاب البیہار) احناف کا بھی یہی مذہب ہے کہ ہمہ کر کے رجوع کرنا اچھا نہیں اور رجوع کو کئے کی تفریق کے چات جاتا ہے تشبیہ دینے کا مقصد محض ناپسندیدگی ہے حرمت نہیں کیونکہ کئے کا فعل ناپسندیدہ ہو سکتا ہے مگر حرام نہیں ہو سکتا کیونکہ کئے انسان کی طرح مکلف نہیں ہے (میسوط سرخسی ج ۱۲)

واضح ہو کہ جو فعل مکروہ تنزیہ ہو وہ جائز ہوتا ہے مگر ضحکہ احناف کا موقف یہ ہے کہ ہمہ کر کے واپس لینا جائز ہے اگرچہ موجب لڑنے شنی ہو مگر یہ پر قبضہ بھی کر لیا ہو لایہ کہ وہ موانع پائے جائیں جن کی موجودگی کی وجہ سے مہربس رجوع کرنا جائز نہیں ہے جو تفصیلاً اوپر بیان ہو چکے ہیں۔

بَابُ الْأَشْهَادِ فِي الْهَبَةِ

باب ہد کے گواہ بنانا

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ منبر پر بیان فرما رہے تھے کہ میرے والد نے مجھے ایک عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحہ (نعمان رضی اللہ عنہ کی والدہ) نے کہا کہ جب تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر گواہ نہ بنائیں میں تیار نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ (حاضر خدمت ہو کر) انھوں نے عرض کیا، عمرہ بنت رواحہ سے اپنے بیٹے کو میں نے ایک عطیہ دیا تو انھوں نے کہا کہ پہلے میں آپ کو اس کا گواہ بناؤں۔ حضور اکرم نے دریافت کیا کیا اسی جیب عطیہ اپنی تمام اولاد کو دیا ہے۔ انھوں نے عرض کی نہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کو قائم رکھو۔ چنانچہ وہ واپس ہو گئے اور ہدیہ واپس لے لیا۔

۲۲۱۶۔ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ وَهُوَ عَلَى الْمَنْبَرِ يَقُولُ أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً فَقَالَتْ عُمَرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا أَرْضِي حَتَّى تُشْهَدَ فَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عُمَرَةَ بِنْتُ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَأَمَرْتُنِي أَنْ أَشْهَدَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَعْطَيْتُ سَائِرَ وَلَدِكَ بِمِثْلِ هَذَا قَالَ لَا قَالَ فَأَتَقُولُ اللَّهُ وَاعْدُوا بَيْنَ أَوْلَادِهِ كَمَا فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ

(بخاری)

فوائد ومسائل ۱۔ حدیث مسلم میں صراحت ہے کہ نعمان کو ان کے والد نے غلام بنہ کیا تھا ۲۔ اگرچہ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے رجوع کا حکم دیا ہے کیا تو سب اولاد کو برابر بل برود ورنہ جس کو دیدیا ہے اس سے بھی واپس لے لو۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں امر و وجوب کے لیے نہیں بلکہ فضل و احسان کے لیے ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس کی دلیل کیا ہے کہ ان احادیث میں امر و وجوب کے لیے نہیں ہے تو دلیل حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل ہے۔ انہوں نے اپنی تمام اولاد کو برابر ہی کے ساتھ نہیں دیا۔ تو اگر حدیث میں امر و وجوب کے لیے ہوتا تو حضرت اکبر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسا نہ کرتے۔ علامہ عینی نے ٹحاوی کے حوالے سے اس مضمون کی احادیث ذکر کی ہیں۔ عینی ۱۳ ص ۱۲

۳۔ اور سب سے اہم دلیل اجماع ہے یعنی اس بات کے جواز پر اجماع ہے کہ ایک آدمی اپنی اولاد کے جوئے ہوئے سال مال کسی اور کو ہبہ کر دے اور اپنی اولاد میں سے کسی کو کچھ نہ دے۔ تو جب یہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہونا چاہیئے کہ آدمی اپنی سب اولاد کو برابر ہی کے ساتھ نہ دے یا اپنے صرف ایک ہی لڑکے یا لڑکی کو سارا مال دیدے (ذکرہ ابن عبدالبر علیہ الرحمہ)

اپنی ساری اولاد کو مساوی طور پر دینا مستحب ہے | البتہ یہ اور اس مضمون کی احادیث سے واضح ہوا کہ اپنی اولاد خواہ لڑکے

ہوں یا لڑکیاں سب کو ہبہ و صدقہ میں مساوی طور پر دینا مستحب ہے۔ البتہ ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دیا تو یہ فعل حرام نہیں ہے صرف مکروہ تنزیہی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا۔ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم دینا ظلم اور ظلم ہے۔ یہ حضرات حدیث زیر بحث سے استدلال کرتے ہیں کہ نعمان بن بشیر نے اپنی اولاد کو عطیہ دینے میں مساوات اختیار نہیں کی۔ ان کی بیوی نے کہا کہ میں تو جب راضی ہوں گی کہ نبی علیہ السلام تمہارے اس عمل (عدم مساوات) پر گواہ بن جائیں۔ بحضور نبوی جب اس معاملہ کو پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: **إِنِّي لَأَشْهَدُ عَلَى جَوْدٍ** | میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا (مسلم)

معلوم ہوا اپنی اولاد کو عطیہ و ہبہ میں مساوی نہ دینا ظلم ہے اور ظلم حرام ہے۔ اس لیے اگر کسی نے اپنی اولاد کو مساوی طور پر ہبہ نہ کیا تو یہ ہبہ باطل ہے۔ اس کو چاہیئے کہ اس ہبہ سے رجوع کرے۔ سب اولاد کو مساوی طور پر دے۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ ظلم و جور کا اطلاق کفر و شرک حرام و مکروہ پر بھی آتا ہے اور یہاں ظلم سے مراد حرام نہیں ہے کیونکہ اس سلسلہ کی دوسری روایات میں یہ تصریح ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا میں گواہ نہیں بنتا تم کسی اور کو گواہ بنا لو۔ چنانچہ ٹحاوی اور عبدالرزاق کے الفاظ

ہیں۔

فَاشْهَدْ عَلَى هَذَا عَيَّوِي (طحاوی) | تم اس معاملہ میں کسی اور کو گواہ بناو

بجالتِ صحت اور مرض الموت میں نہ دیگر تصرفات کا حکم ۴۔ واضح ہو کہ ایک مسلمان مرد یا عورت) اس امر کا مجاز ہے کہ وہ

اپنی زندگی میں بجالتِ صحت (مرض موت میں نہیں) جس شخص کو چاہے اپنی کل جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ یا اس کا کوئی حصہ ہبہ کر دے۔ اسی طرح اسے یہ بھی حق ہے کہ اپنی اولاد میں سے کسی بیٹی کے ساتھ ہبہ کرے یعنی کسی کو زیادہ دے کسی کو کم دے یا اپنی اولاد میں سے صرف ایک کو دیدے اور باقی اولاد کو کچھ نہ دے۔

مرض الموت کی تعریف | فاج ذوق بسل دل کا مریض۔ ایسے ہی دیگر امراض مزمنہ کے مرض الموت

ہونے کے لیے آئندہ تنفیہ نے سال بھر کی حد مقرر کر رکھی ہے۔ اگر سال بھر کے اندر مریض کی موت واقع ہو چکے تو وہ مرض الموت قرار پائے گا اور اس حالت میں مریض نے جو تصرفات کیے مثلاً بیع اور شراہ خواہ وارث سے کیے یا غیر وارث سے سب کے سب باطل اور غیر نافذ ہوں گے۔ حتیٰ کہ ہبہ تو دکنار مرض الموت میں کوئی شخص وارث کے ہاتھ اپنی جائیداد پر ہی قیمت (یعنی اس وقت کی بازاری قیمت) پر بھی فروخت کر دے تو یہ ناجائز و نامعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک دیگر گورث کی اجازت کے بغیر صحیح و نافذ نہ ہوگی۔ تلویح میں ہے۔ كُوبَاعَ أَحَدِ الْوَرَثَةِ عَيْنًا مِنْ أَشْيَاءِ التَّرَكَةِ - بِسَبِيلِ الْقِيَمَةِ فَلَا يَجُوزُ

اور اگر یہ امراض سال سے تجاوز کر جائیں اور مریض صاحب فراش ہو جائے حتیٰ کہ چلنے پھرنے سے بھی بالکل معذور ہو جائے تو اسے مرض الموت نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ ایک سال گزر جانے کے بعد ان امراض سے مرنے کا وہ خوف نہیں رہتا جسے شرع مرض الموت میں اعتبار کرتی ہے۔ بہر حال جب فاج ذوق بسل، ذوق، دل کا مرض۔ ایسے امراض مزمنہ کا مریض ایک سال گزارے تو اس مریض کا حکم شرعاً بعینہ مثل صحیح و تندرست کے ٹھہرنا ہے اور ایسا مریض ایک سال گزرنے کے بعد جو تصرفات بیع و ہبہ وغیرہ وارث خواہ غیر وارث کے نام کرے وہ سب صحیح و نافذ ہوں گے۔ عالمگیری، رد المحتار، فتاویٰ قاضی خان، جامع النفاذی، طحاوی وغیرہ، متون و شروح میں اس مسئلہ کی تصریح ہے؛

لَهُ وَالْمَقْعَدُ وَالْمَقْلُوجُ وَالْأَشْلُ، وَالْمَسْلُولُ إِذَا تَطَاوَلَ ذَلِكَ فَصَارَ بِحَالٍ لَا يَجَاوِزُهُ الْمَوْتُ فَهُوَ كَالصَّحِيحِ حَتَّى تَصَحَّ هَبْتُهُ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ

فوائد و مسائل

۱۔ ابراہیم ابن یزید نخعی کہتے ہیں کہ اگر شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو کوئی چیز مہر کے تزیینہ کے لئے دے تو یہ جائز ہے اس تعلیق کو عبد الرزاق اور امام طحاوی نے وصل کیا ہے ۲۔ عمر بن الخطاب فرماتے ہیں۔ شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو کوئی چیز مہر کے لئے دے تو دونوں رجوع نہیں کر سکتے۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا بھی یہی مذہب ہے ۳۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے درمیان عدل فرماتے تھے۔ آپ نے مرض کی حالت میں اپنی ازواج سے اجازت طلب فرمائی تھی کہ جناب عائشہ کے ہاں جلوہ فرما رہیں۔ ازواج مطہرات نے اپنی اپنی باری حضور کو مہر فرمادی اور ان کو رجوع کا حق نہ رہا۔ ۴۔ حدیث میں مہر کو واپس کرنے کی مثال کتے کے تھے کہ کتے چاٹنے سے دی گئی ہے تو اس تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ مہر کو واپس لینا۔ مروت اور حسن اخلاق کے خلاف ہے لیکن شرعاً مہر کو واپس لینا مروت کے خلاف نہیں ہے تو اس حدیث سے رجوع کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ اس مثال سے یہ واضح ہے کہ مہر کو واپس لینا اچھا نہیں ہے۔

دعائے گہری (قُلْتُ فَاثْبَتَهُ اِنْ قَدْ قَطَّوْلَ سَنَةٍ فَاَكْثَرَ كَمَا يَأْتِي فَلَا يَسْتَحْيِ مَرَضُ الْمَوْتِ اِنْ اَتَّصَلَ بِهِ الْمَوْتُ (رد المحتار) اِذَا تَصَرَّفَ بَعْدَ سَنَةٍ فَهُوَ كَالصَّحِيحِ يَجُوزُ تَصَرُّفَاتُهُ (قاضی خان) فَسَرَّ اصْحَابُنَا التَّطَاوُلَ بِالسَّنَةِ فَاِذَا بَقِيَ عَلَى هَذِهِ الْعِلَّةِ سَنَةٌ فَتَصَرَّفَتْ بَعْدَ سَنَةٍ لَتَصَرُّفِهِ خَالَ صِحَّتِهِ (عالمگیری) وَهُوَ اَنَّهُ اَيُّ الْمَرَضِ لَا يَمْنَعُ الْخُرُوجَ لِقَضَاءِ حَوَائِجِهِ فَهَبْنَاهُ لِاحَدٍ اَوْلَادِهِ وَبَيْعُهُ لِبَقِيَّتِهِمْ بِالْعَنْبِ مُطْلَقًا صَحِيحٌ نَاظِرًا صَرَحُوا بِهِ فِي كُلِّ مَرَضٍ يَطْوُلُ (سَنَةً) كَالدَّقِّ وَالْيَسَلِّ وَالْعَالِجِ (فتاویٰ خیرہ) لہ اور اس حدیث سے حضرت طاؤس، عکرمہ، امام شافعی، امام احمد و اسحق نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ دایم رجوع نہیں کر سکتا۔ لیکن باپ نے اگر بیٹے کو کوئی چیز مہر کی ہے تو اس کو رجوع جائز ہے سیدنا امام مالک علیہ الرحمہ کی رائے یہ ہے کہ اگر اجنبی کو مہر کیا اور اس نے اس کا عوض نہ دیا تو دایم رجوع کر سکتا ہے۔ امام احمد کی بھی (فی روایت) یہی رائے ہے۔

اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اجنبی کو مہر کیا اور اس نے اس کا عوض نہ دیا تو جب تک مہر کی گئی چیز موجود ہے دایم رجوع کر سکتا ہے۔ حضرت عمر حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابوبکر اور فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہی منقول ہے (یعنی ج ۱۳ ص ۱۳۹)

۵۔ واضح ہو کہ مہر خالص بیوی کا حق ہے اور شوہر کے لیے اس کی ادائیگی لازم و واجب ہے۔ حتیٰ کہ اگر شوہر مہر ادا کئے بغیر مر جائے تو جیسے دیگر واجبات تقسیم میراث سے پہلے اس کے ترکہ سے ادا کئے جائیں گے اسی طرح مہر بھی ادا کیا جائے گا۔ البتہ اگر عورت اپنی مرضی سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے مہر معاف کر دے یا شوہر کو اپنے مہر کی رقم ہمہ کر دے تو یہ جائز ہے۔ سورۃ ناس میں فرمایا۔

فَإِنْ طَبِئَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا | تمہیں کچھ دیدیں تو اسے کھاؤ۔

مگر اس سلسلہ میں مجبور کرنا اور مہر بخشنا کے لیے بد خلقی سے پیش آنا جائز نہیں ہے۔ واضح ہو کہ زمانہ جاہلیت میں مہر کے معاملہ میں مستورات پر متعدد قسم کے ظلم روا رکھے جاتے تھے۔

۶۔ مہر جو عورت کا حق ہے اس کو دینے کی بجائے عورت کے اولیاء شوہر سے وصول کر لیتے تھے اور اس طرح عورت کے اس حق سے محروم کر دیا جاتا تھا۔

۷۔ اگر مہر دینا پڑ جائے تو بادل خواستہ بہت تلخی کے ساتھ دیتے تھے۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

وَأَنثَوْنَهَا بِمَا آوَتْهُنَّ إِلَى الْكُفْرِ | کہ مہر کسی اور نہ دیا جائے بلکہ بیوی کو دیا جائے اور نکلے۔

فرما کر یہ حکم دیا گیا کہ مہر خوش دلی کے ساتھ دیا جائے اور اس کو بیوی کا حق سمجھ کر ادا کیا جائے۔

۸۔ زمانہ جاہلیت میں ایک ظلم مہر کے بارے میں کیا جاتا تھا کہ شوہر بیوی کو مجبور کر کے مہر معاف کرا لیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں فِیْئِ طَبِئَ لَكُمْ فرما کر یہ واضح کر دیا گیا کہ دھونس دباؤ اور جبر و اکراہ کے ذریعہ مہر معاف کرا لینے سے مہر معاف نہ ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

أَلَا لَا تَطْلُبُوا إِلَّا لَدَا يَحِلُّ مَالٌ | خیر دارِ رُحُوبِ اچھی طرح جان لو کہ کسی کا مال دوسرے کے لیے حلال نہیں ہے جب تک اس کے نفس کی خوشی حاصل نہ ہو۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۶)

ہمارے دور میں بھی مستورات پر زمانہ جاہلیت کے ظلم کی جھلک نظر آتی ہے۔ طرح طرح کے حیلے بہانے اور جبر و اکراہ کے ذریعہ بعض لوگ مہر معاف کرا لیتے ہیں۔ ایسا کرنا گناہ عظیم اور ظلم ہے اور اس طرح معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے۔ اگر

وافقی بہمی بلا جبر واکراہ اپنی خوشی سے مہر معاف کر دے یا جہدہ کر دے تو معاف ہو جائیگا۔

۲۴۱۷۔ قَالَتْ عَائِشَةُ كَمَا قُتِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَاذَنَ أَنْ وَاجِدَهُ أَنْ يَمْرُضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَ لَهُ فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ مَخْطُطَ رِجْلَاهُ الْأَذَى وَكَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَبَيْنَ رَجُلٍ آخَرَ قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ فَذَكَرْتُ لَابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ لِفٍ وَهَلْ تَدْرِي مِنَ السَّرْجُلِ الَّذِي كُتِبَ عَلَيْهِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلَى بَنِي أَبِي طَالِبٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بڑھی اور تکلیف زیادہ ہو گئی تو آپ نے اپنی ازواج سے میرے گھر ایام مرض گزارنے کی اجازت چاہی اور ازواج نے اجازت دیدی تو آپ اس طرح تشریف لائے کہ دونوں قدم زمین پر چھوٹ رہے تھے۔ آپ اس وقت عباس رضی اللہ عنہ اور ایک اور صاحب کے درمیان (ان کا سہارا لیے ہوئے) تھے۔ عبید اللہ نے بیان کیا کہ پھر میں نے حضرت عائشہ کی اس حدیث کا ذکر ابن عباس سے کیا تو انھوں نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ حضرت عائشہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جن کا نام نہیں لیا، جانتے ہو وہ کون تھے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

فوائد ومسائل مرض وفات میں نبی علیہ السلام نے جناب عائشہ صدیقہ کے ہاں رونق افروز رہنے کی ازواج مطہرات سے اجازت لی تھی جو انھوں نے دیدی۔ حضور حضرت عباس اور حضرت علی کے کندھوں کا سہارا لے کر تشریف لائے۔ حضرت علی کا نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف حضرت عباس تھے جو آفر تمک سہارا دیتے رہے اور دوسری طرف سہارا دینے والے تین شخص تھے جو باری باری سہارا دیتے تھے۔ حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنا ہدیہ واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو تے کر کے چاٹ جائے۔

۲۴۱۸۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَاثِدُ فِي هَبْتِهِ كَالْكَلْبِ يَفْقُؤُ شَعْرَ يَمُودُ فِي قَيْسِيهِ

فوائد ومسائل جہدہ کر کے واپس لینا اچھی بات نہیں ہے۔ اسی امر کی کراہت کو بیان کرنے کے لیے نبی علیہ السلام نے کتے کی تے کر کے چاٹ جانے سے تشبیہ دی ہے۔ یہ مسئلہ گذشتہ

ادراق میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

بَابُ هَيْبَةِ الْمَرْأَةِ لِعَیْرِ زَوْجِهَا

باب بیوی کا اپنے شوہر کے علاوہ کسی کو ہیبہ

کرنا یا غلام آزاد کرنا جائز ہے حالانکہ اس کا شوہر بھی ہو جب کہ وہ بے عقل نہ ہو۔ اگر بے عقل ہے تو جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بے وقوفوں کو انکے مال نہ دو۔

(بخاری)

وَعَتَّقَهَا إِذَا كَانَ لَهَا زَوْجٌ فَهَوُ
جَائِزٌ إِذَا لَعَنَتْ كُنْ سَفِيهَةً
فَإِذَا كَانَتْ سَفِيهَةً لَمْ يُجْزَ
قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تُؤْتُوا
السَّفِيهَاءَ أَمْوَالَكُمْ

مطلب عزراں یہ ہے کہ جو عورت عاقلہ بالغہ ہے تو وہ اپنے ملکیتی مال کو جس کو چاہے ہیبہ کر سکتی ہے۔ اگر غلام ہے تو اس کو آزاد کر سکتی ہے کیونکہ وہ اپنی ذاتی ملکیت میں خود مختار ہے اور اس کے لیے اسے شوہر سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے ناجائز عظیم جو کہ مال کا مصروف نہ ہیں انہیں ان کا مال نہ دو تا کہ ضائع نہ کر دیں۔ البتہ جب ان میں ہوشیاری اور معاملہ فہمی پیدا ہو جائے تو ان کا مال انکے سپرد کر دو۔

۲۲۱۹- عَنْ عَبْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ

أَسْمَاءَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
مَالِي مَالٌ إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَى الرَّبِيِّ
فَأَتَصَدَّقُ قَالَ تَصَدَّقْ وَلَا تُؤْجِ
فَيُؤْجِ اللَّهُ عَلَيْكَ

حضرت اسماء فرماتی ہیں۔ میں نے بحضور نبوی عرض کی۔ میرے پاس صرف وہی مال ہے جو (میرے شوہر) زبیر رضی اللہ عنہ نے میرے پاس رکھا ہے تو کیا میں اس میں سے صدقہ کر کر سکتی ہوں؟ حضور اکرم نے فرمایا۔ صدقہ کیا کرنا تمنا سببیت کے نہ رکھو کہ اللہ بھی تم سے بھی عادل کرے۔ حضرت اسماء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خرچ کیا کرو، گناہ نہ کرو تا کہ تمہیں بھی گن کے نہ لے اور اچھا کر کے نہ رکھنا کہ تم سے اللہ تنالے (اپنی نعمتوں کو) نہ چھپالے۔

۲۲۲۰- عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ أَسْمَاءَ أَنَّ

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ أَتَفْعِي وَلَا تُحْصِي فَيُحْصِي عَلَيْكِ
اللَّهُ عَلَيْكَ وَلَا تُؤْجِ فَيُؤْجِ اللَّهُ عَلَيْكَ

فوائد و مسائل | ۱- ان دونوں حدیثوں میں صدقہ خیرات کرنے کی ترغیب دی گئی۔ صدقہ ایک ایسی عین ہے جو بلاؤں کو رد کرتی ہے اور رزق میں برکت کا باعث ہوتی ہے۔

۲۔ یہ بھی واضح ہوا کہ بیوی شوہر کمال سے اس کی اجازت کے بغیر حسب عرف و رواج صدقہ و خیرات کرے تو جائز ہے مگر صدقہ کی مالیت ایسی ہونی چاہیے جو شوہر پر گراں نہ ہو یعنی وہ رقم ایسی ہو کہ عام طور پر اس قدر صدقہ و خیرات کرنے سے شوہر نہ روکتے ہوں۔

ام المؤمنین میمونۃ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ انھوں نے ایک باندی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیے بغیر آزاد کر دی، پھر جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آپ کے گھر قیام کی تھی، انھوں نے خدمت نبوی میں عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کو بھی معلوم ہوا میں نے اپنی باندی آزاد کر دی ہے۔ حضور نے فرمایا: اچھا تم نے آزاد کر دیا! انھوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا کہ اگر اس کے بجائے تم اپنے ماموں کو دیدیتیں تو تمہیں زیادہ اجر ملتا۔

۲۴۲۱۔ اَنَّ مَيْمُونَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ أَحْبَبَتْهَا أَنَّهَا اعْتَقَتْ وَلَيْدَةً وَلَمْ تَسْتَأْذِنِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُهَا الَّذِي يَدُورُ عَلَيْهَا فِيهِ قَالَتْ أَشْعَرْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيْ اعْتَقْتُ وَلَيْدَةً قَالَتْ أَوْفَعَلْتَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أُعْطِيتَ بِهَا أَحْوَالُكَ كَانَ أَعْظَمَ لَكَ حَبْرًا

۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ بیوی اپنی ذاتی ملک میں خود مختار ہے خواہ کسی کو ہیہ کرے یا غلام آزاد کرے۔ شوہر سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث موطن میں اَحْوَالُكَ کَ جَلَدِ اختیث کا لفظ ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ ان میں تعارض نہیں علامہ ابن بطال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ ذی رحم محرم کو ہیہ کرنا غلام و لونڈی کو آزاد کرنے سے افضل ہے۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

مسکین پر صدقہ کرنا ایک نیکی ہے لیکن ذی رحم و محرم کو صدقہ دینا نیکی بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔

الْصَّدَقَةُ عَلَى الْمُسْكِينِ صَدَقَةٌ وَعَلَى ذِي الرَّحِمِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ (ترمذی و نسائی و احمد)

معلوم ہوا کہ اپنے عزیز و اقربا کو تحفہ تحائف دینا یا کوئی چیز ہیہ کرنا و گننے ثواب کا باعث ہے۔ البتہ حقیق کے فضائل بھی اپنی جگہ ہیں۔ بعض اوقات ثواب میں زیادتی حالات کی بنیاد پر ہوتی ہے مثلاً دو مسکین ہیں۔ ایک کے پاس پہننے کو کپڑے نہیں ہیں۔ دوسرا بھوک کی وجہ سے قریب المرگ تو اس حالت میں بھر کے کو کھلانا، ننگے مسکین کو کپڑا پہنانے سے افضل اور زیادتی ثواب

کا موجب ہے۔

۲۴۲۲- اس کے بعد امام بخاری نے قرعہ انمازی والی حدیث ذکر کی ہے جو گزشتہ ادراق میں مکمل تشریح کے ساتھ منقذہ بار گزر چکی ہے۔ خلاصہ حدیث یہ ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی ازواج کے لیے قرعہ انمازی فرماتے تھے۔ جس کا نام نکل آتا۔ حضور انہیں کو سفر میں ہمراہ لے جاتے نیز آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ آپ نے اپنی تمام ازواج کے لیے ایک ایک دن اور رات کی باری مقرر کر دی تھی، البتہ (آخر میں) سو دنہ نبی زبور رضی اللہ عنہما نے (کبر سنی کی وجہ سے) اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہما کو دے دی تھی، اس سے ان کا مقصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا تھی۔

بَابُ مَنِ يُبْدِ ابْلَهْدِيَّةَ

باب ہدیہ کا زیادہ مستحق کون ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں تو مجھے کس کے یہاں ہدیہ بھیجنا چاہیئے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ لِيَ بَجَارَيْنِ فَيَأْتِي أَحَدَهُمَا أَهْدِي قَالَ الْاُخْرَى أَفْتَرِ بِهِمَا مِثْلُكَ مَبَاب

فوائد و مسائل | مہذب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمایلوں میں سے اس کو ہدیہ دینے کی ہدایت فرمائی جس کا دروازہ سب سے زیادہ نزدیک ہو۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جس ہمایہ کا دروازہ نزدیک ہوگا اسے آتے جاتے دیکھا جاسکتا ہے اور جب کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ جلد پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہذا ہدیہ وغیرہ کا دوسروں کی نسبت اسے دینا زیادہ مناسب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمایہ کو تحفہ تحائف ہدیہ وغیرہ بھیجنا مستحب ہے خصوصاً جب کہ وہ غریب ہو۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَقْبَلِ الْهَدِيَّةَ لِعِلَّةٍ

باب جس نے کسی عذر کی وجہ سے ہدیہ قبول نہیں کیا

عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہدیہ تھا اور اب رشوت ہے۔

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَانَتْ الْهَدِيَّةُ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً وَالْيَوْمَ رِشْوَةٌ

۱- شریعت نے ہدیہ کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے کیونکہ ہدیہ محبت و مہمانی چارہ کا آئینہ دار ہے۔

اس سے محبت بڑھتی ہے اور یہ ایک پُر غلوں رضا کارانہ عمل ہے۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی ہدیہ کو بھی قبول کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ البتہ بعض اوقات ایسی وجوہات ہوتی ہیں جن کی موجودگی میں ہدیہ کے مقاصد پورے نہیں ہوتے۔ عوام میں برٹنی پیدا ہوتی ہے اور جس کو ہدیہ دیا گیا ہے جو اس کا وقار، ثقاہت اور غیر جانبداری مجروح ہوتی ہے جیسے قاضی، جج، میجسٹریٹ اور دیگر حکام، انہیں ہدیہ قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے اس کو رشوت قرار دیا ہے۔

۲۔ اس تعلیق کو ابن سعید نے وصل کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہدیہ قبول فرمایا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا۔ ان حضرات کے دور میں ہدیہ ہدیہ تھا۔ لیکن اب ہمارے زمانہ میں حکام کو جو دیا جاتا ہے۔ وہ رشوت ہے۔ عینی ج ۳ ص ۱۵۴۔ مطلب یہ ہے کہ عموماً حکام و عمال کو لوگ عمدہ کی بنا پر ہدیہ دیتے ہیں اور اس کے پردہ میں ان کی نیت اپنے ذاتی مفاد کے حصول کی ہوتی ہے۔ اسی لیے فقہائے احناف نے فرمایا۔ عمدہ کے ملنے کے جو ہدیہ وغیرہ آئے حکام اسے قبول نہ کریں۔

۲۴۲۴۔ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث جثامہ ذکر کی ہے۔ انہوں نے بخیر بنوری کو خرکا ہدیہ پیش کیا۔ حضور علیہ السلام نے بوجہ محرم ہونے کے قبول نہ فرمایا (بخاری) مزید تشریح کے لیے دیکھیے حدیث نمبر ۲۴۰۳۔ معلوم ہوا کہ کسی معقول وجہ سے ہدیہ قبولی نہ کرنا بُری بات نہیں ہے۔

۲۴۲۵۔ ابو حمید ساعدی کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے قبیلہ ازد کے ایک صحابی کو زکوٰۃ و صدقات کی وصول کے لیے عامل بنایا۔ جب وہ واپس آئے تو کہنے لگے یہ مال صدقہ کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ اپنے والد یا والدہ کے گھر بیٹھیں پھر دیکھیں کہ کوئی ان کو ہدیہ دیتا ہے؟ (بخاری)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اس میں سے اگر کوئی شخص کچھ بھی لے گا تو قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔ اگر اونٹ ہے تو وہ اپنی آواز نکالتا ہوگا۔ گائے ہے تو وہ اپنی آواز نکالتی ہوگی پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ ہم لے

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ
مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَهُ
الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى رَقَبَتِهِ إِنْ
كَانَ بَرًّا لَّهِ رُغَاءً أَوْ بَفْسَةً
لَهَا خَوَارِجُ أَوْ شَاءَ تَبَعَرُّ ثُمَّ رَفَعَ
بِيَدِهِ حَتَّى رَأَيْنَا عَفْوَ رَافِعِهِ

آپ کی بخل مبارک کی سفیدی دیکھ لی (اور فرمایا)
اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا، اے اللہ کیا میں
لے پہنچا دیا، تین مرتبہ آپ نے فرمایا۔

اللَّهُمَّ هَلْ بَلَغْتُ اللَّهَ هَلْ
بَلَغْتُ شَيْئًا
(بخاری)

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الزکوٰۃ کے آخر میں بھی ذکر کیا ہے دیکھئے فیوض پارہ ششم
۹۳ مصلحہ اونٹ کی آواز کو حُخُوَاذْ گائے کی آواز کو نَبَسْر بھری کی آواز

فوائد و مسائل

کو کہتے ہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا اعمال کو جو تحائف ملیں وہ سٹیٹ کی ملکیت ہیں۔ بیت المال
میں جمع ہوں گے۔ عمال کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوگا (یعنی ج ۱۲ ص ۱۵۶)

دراصل ہوا کہ اگرچہ فی نفسہ ہدیہ لینا دینا جائز
قاضی نج وغیرہ حکام کو ہدیہ لینا جائز نہیں ہے بلکہ سنت ہے لیکن فقہاء احناف نے
قاضی کی ثقافت اور اس کے وقار اور اس کے متعلق لوگوں میں اعتماد قائم رہنے کی علت کی بنا پر
قاضی کے ہدیہ لینے کی ممانعت کا قول کیا ہے کیونکہ قاضی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر اس بات
سے اجتناب کرے جس میں لوگوں میں اس کے متعلق بدگمانی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ چنانچہ فقہاء احناف
فرماتے ہیں۔

۱۔ قاضی کو ہدیہ قبول کرنا ناجائز ہے کہ یہ ہدیہ نہیں ہے بلکہ رشوت ہے جیسا کہ آج کل اکثر لوگ حکام
کو ڈال کے نام سے دیتے ہیں اور اس کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی معاملہ ہوگا تو ہمارے ساتھ
رعایت ہوگی۔ قاضی کو اگر یہ معلوم ہو کہ اس کی چیز پھر دی جائے گی تو اسے تکلیف ہوگی تو چیز کو لے لے
اور اس کی واجب قیمت دیدے۔ کم قیمت دے کر لینا بھی ناجائز ہے اور اگر کوئی شخص ہدیہ رکھ کر چلا
گیا۔ معلوم نہیں کہ وہ کون کھایا اس کا مکان دُور ہے پھرنے میں وقت ہے تو بیت المال میں یہ چیز
داخل کر دے خود نہ رکھے۔ جب دینے والا لال جائے اسے واپس کر دے (درمختار)

۲۔ جس طرح ہدیہ لینا جائز نہیں ہے دیگر تبرعات بھی ناجائز ہیں مثلاً قرض لینا عاریت لینا کسی
سے کوئی کام مفت کرنا بلکہ واجبی اجرت سے کم دے کر کام لینا بھی جائز نہیں (رد المحتار)

۳۔ واعظ و مفتی و مدرس و امام مسجد ہدیہ قبول کر سکتے ہیں کہ ان کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کے
علم کا اعزاز ہے۔ کسی چیز کی رشوت نہیں ہے۔ اگر مفتی کو اس لیے ہدیہ دیا کہ فتوے میں رعایت کرے
تو دینا لینا دونوں حرام اور اگر فتویٰ بتانے کی اجرت ہے تو یہ بھی حلال نہیں ہاں لکھنے کی اجرت لے سکتا
ہے مگر یہ بھی نہ لے تو بہتر ہے (درمختار رد المحتار)

۴۔ قاضی کو بادشاہ نے یا کسی حاکم بالائے ہدیہ دیا تو لینا جائز ہے یعنی قاضی کے کسی رشتہ دار محرم نے ہدیہ دیا یا ایسے شخص نے ہدیہ دیا جو اس کے قاضی ہونے سے پہلے دیا کرتا تھا اور اتنا ہی دیا جتنا پہلے دیا کرتا تھا تو قبول کرنا جائز ہے اور پہلے جتنا دیتا تھا اب اس سے زائد یا تو جتنا زیادہ دیا ہے واپس کر دے ہاں ہدیہ دینے والا پہلے سے اب زیادہ مال دار ہے اور پہلے جو کچھ دیتا تھا اپنی حیثیت کے لائق دیتا تھا اور اس وقت جو پیش کر رہا ہے اس حیثیت کے مطابق ہے تو زیادتی کے قبول کرنے میں حرج نہیں (در مختار رد المحتار فتح)

بَابُ إِذَا وَهَبَ هِبَةً أَوْ وَعَدَ شَرًّا

باب ایک شخص نے دوسرے کو ہدیہ دیا یا اس سے

مَاتَ قَبْلَ أَنْ تَصِلَ إِلَيْهِ | وعدہ کیا پھر (فریقین میں سے کسی ایک کا) ہدیہ کے مہبوب لہٰذا تک پہنچنے سے پہلے انتقال ہو گیا۔

۱۔ عنوان دو امور پر مشتمل ہے۔ ہبہ اور وعدہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے عنوان کا جواب اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہر حال جمہور فقہاء اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ امام شافعی و احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ ہبہ مہبوب لہٰذا قبضہ شرط ہے تو اگر زید نے کوئی چیز ہبہ کی اور مہبوب لہٰذا نے یا اس کے وکیل نے ہبہ کی گئی چیز پر قبضہ نہ کیا اور مہبوب لہٰذا مر گیا یا داہب مر گیا تو ہبہ تمام نہ ہوا ہبہ کی گئی چیز داہب کے ورثہ کی قرار پائے گی اور اگر مہبوب لہٰذا نے قبضہ کر لیا ہے اب داہب یا مہبوب لہٰذا کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں ہبہ کی گئی چیز مہبوب لہٰذا کے ورثہ کی ہوگی کیونکہ ہبہ تمام ہو گیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ لَا تَجُوزُ الْهِبَةُ إِلَّا مَقْبُوضَةً (مبسوط)

نیز سیدنا امام اعظم و امام شافعی اور جمہور فقہاء امام المومنین عائشہ صدیقہ کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں غایب کا مداد ہبہ کی تھی۔ حضرت عائشہ نے ان پر قبضہ نہ کیا تو بوقت رحلت حضرت صدیق اکبر نے اس ہبہ کو مسترد فرما دیا۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ فَلَوْ كُنْتُ جَدًّا ذَنِيًّا وَ أَحَسَرْتُ نَفْسِي كَانَ لِي وَ اسْمًا هُوَ الْيَوْمَ مَالِ الْوَارِثِ جن سے واضح ہوا کہ ہبہ بلا قبضہ مکمل نہیں ہوتا۔ خواہ ہبہ اجنبی کو کیا جائے یا اپنی اولاد کو۔ عدم قبضہ اور عدم تقسیم کی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس ہبہ کو مسترد کر دیا۔ یہ بھی واضح ہوا کہ مرض الموت کی حالت میں مریض کے مال سے ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے اور یہ کہ حمل (یعنی وہ بچہ جو ابھی تک مادر میں ہے) ورثہ میں شمار ہوگا۔

واضح ہو کہ امام سرخسی علیہ الرحمہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کے الفاظ اِنَّكَ لَكُنْ تَكُونُ فِي قَبْضَتِيْهِ وَلَا حَرْبَ بَيْنِهِ وَالْمُرَادُ بِالْحَيَاةِ الْقِسْمَةُ لِذَلِكَ يُقَالُ حَزَنًا كَذَا اَيَّ جَعَلَهُ فِي حَبِيْزِهِ بِقَبْضِهِ وَحَزَنًا كَذَا اَيَّ جَعَلَهُ فِي حَبِيْزِهِ بِالْقِسْمَةِ سے معلوم ہوا کہ مشاعر کا ہر جو قابلِ قیمت ہو مطلقاً باطل نہیں ہے کیونکہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ کو غایہ کی جو جائداد دہیہ فرمائی تھی وہ قابلِ تقسیم تھی۔ البتہ مہربوب نہ تقسیم کے بعد مالک ہو گا۔

۲۔ عنوان کا دوسرا جزو وعدہ ہے۔ اس مسئلہ میں بھی امام اعظم ابو حنیفہ و شافعی و جہور فقہاء کا مذہب یہی ہے کہ ہر کرنے کا وعدہ کیا تو یہ وعدہ لازم نہیں ہے کیونکہ یہ منافع غیر مقبوضہ ہیں۔ اس لیے وعدہ کرنے والا رجوع کر سکتا ہے۔

اور حضرت عبیدہ بن عمرو السلمانی کہتے ہیں اگر ہدیہ دینے والا مرگیا اور جو چیز ہدیہ کی گئی ہے وہ اس سے جدا ہو چکی ہے (یعنی قاصد نے اس چیز پر قبضہ کر لیا ہے) اور جس کو ہدیہ بھیجا گیا یعنی ہمدیٰ زندہ ہے تو اس صورت میں ہمدیٰ یا اس کے وارث ہدیہ کے حقدار ہوں گے اور اگر ہدیہ بچھنے والے سے ہدیہ جدا نہ ہوا تو اس صورت میں ہدیہ بچھنے والا یا اس کے وارث حقدار ہوں گے۔

حضرت عبیدہ کے نزدیک قاصد کا ہدیہ پر قبضہ کر لینا ہمدیٰ کا قبضہ کرنا قرار پائے گا۔ جہور علماء امام ابو حنیفہ علیہم الرحمہ کا موقف یہ ہے کہ ہدیہ کے تمام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہمدیٰ خود قبضہ کرے یا اس کا وکیل قبضہ کرے شخص قاصد کے قبضہ سے ہدیہ تمام نہ ہو گا۔

صدقہ ہبہ اور وقف میں فرق | صدقہ وہ عطیہ ہے جو حصولِ ثواب کے لیے دیا جائے چنانچہ حضرت ابن عباس اور حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ

صدقہ بلا قبضہ جائز نہیں۔ جب صدقہ قبضہ کے ساتھ مکمل ہو جائے تو پھر رجوع جائز نہیں ہے۔ خواہ صدقہ ذی رحم محرم کو دیا جائے یا اجنبی کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ سے مقصود حصولِ ثواب ہے اور وہ نفسِ صدقہ سے پورا ہو گیا۔ صدقہ اور وقف میں فرق یہ ہے کہ صدقہ میں اصل شے خرچ کی جاتی ہے اور وقف کی صورت میں جائداد کی آمدنی وقف کی شرائط کے مطابق صرف ہوتی ہے۔ (مبسوط سرخسی)

وَقَالَ الْحَسَنُ اَيُّهُمْ مَاتَ قَبْلُ نَهَى | اور حسن بصری نے فرمایا کہ جب قاصد نے ہدیہ

لَوَرَّثَ اللَّهُ هَدًى لَهُ إِذَا قَبَضَهَا الرَّسُولُ | پہنچانے کے لیے ہر یہ پر قبضہ کر لیا تو فریقین نے
کسی کا بھی احتمال ہو جائے ہر دو صورت میں ہر یہ
ہمدی لہ کے لیے یا اس کے ورثہ کے لیے ہوگا۔

لیکن جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ہر یہ کے جائز ہونے کے لیے ہمدی لہ یا اس کے وکیل کا قبضہ
کرنا ضروری ہے۔ فاصد کے قبضہ کرنے سے ہر یہ تمام نہ ہوگا۔

پناہ حضرت ابن عباس و حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔
لَا تَجُوزُ الصَّدَقَةُ إِلَّا مَقْبُوضَةً | کہ صدقہ اس وقت تک تمام نہیں جتنا جب
تک متصدق لہ (جس کو صدقہ کیا گیا) مال
صدقہ پر قبضہ نہ کرے۔

اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ صدقہ چونکہ ہمہ کی مانند ہے اس لیے اس کا تمام قبضہ
سے ہوگا۔ البتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں صدقہ بلا قبضہ مکمل ہو
جاتا ہے۔ احناف ان کے ارشاد کو اس صورت سے متعلق قرار دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے نابالغ بچہ کو کوئی
چیز ہمہ کرے تو چونکہ وہ ولی ہونے کی وجہ سے اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے قابض ہوتا ہے۔ اس لیے
نابالغ بچہ کو کیا گیا ہمہ اس لیے بلا قبضہ جائز ہے کہ اس کا ولی اس کی طرف سے قابض ہوتا ہے۔
احناف کی اس تاویل کی بنیاد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ
انسان کتنا ہے کہ میرا مال میرا مال گم تیرے مال میں سے تیرا وہ ہے جو تو نے کھایا اور فنا کر دیا یا پہنا اور
پُرانا کر دیا۔

أَوْ لَصَدَقْتُ فَإِنَّ مَضِيَّتْ وَمَا سَوَى
ذَلِكَ فَهُوَ مَالُ الْوَارِثِ | یا صدقہ کیا جو گزر گیا اور اس کے علاوہ جو مال
دولت ہے وہ وارثوں کے لیے ہے۔
(مبسوط شرح ج ۱۲ ص ۴۸)

تو ا مضارہ صدقہ قبضہ سے ہی ہوتا ہے۔

حضرت مجلس علم فرماتے ہیں کہ وعدہ پورا کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے اور دلیل اس کی
یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز دینے کا وعدہ کر لے اور مر جائے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ
جس کے لیے وعدہ کیا ہے وہ حقداروں اور مرے والوں کے قرضخواہوں میں شریک نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ
وعدہ پورا کرنا مستحسن ہے اور مکارم اخلاق سے ہے لیکن واجب نہیں ہے (یعنی ج ۱۳ ص ۱۵۷)

۲۲۲۶۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اگر بحرن کا مال (جزیرہ کا) آیا تو میں تمہیں اتنا تین مرتبہ دوں گا۔ لیکن بحرن سے مال آنے سے پہلے ہی حضور کا وصال ہو گیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک منادی سے یہ اعلان کرنے کے لیے کہا کہ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وعدہ ہو یا آپ پر اس کا کوئی قرض ہو تو وہ ہمارے پاس آئے۔ چنانچہ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور نے مجھ سے وعدہ کیا تھا تو انھوں نے تین لپ بھر کر مجھے دیے (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا) بخاری

فوائد و مسائل | اس حدیث کو امام مسلم نے فضائل النبی میں ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے کتاب الکفارة میں بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۱۵۰

۲۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عثمان سے اس حدیث کی مطابقت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت جابر سے وعدہ فرمایا اور وفات سے قبل آپ کا وصال ہو گیا اور صورتِ مسلمہ دوسروں کے لیے یہ ہے کہ واجب کا انتقال ہو جائے اور ہبہ کی گئی چیز پر مہربوب لہ قبضہ نہ کرے تو وہ چیز واجب کے ورثہ کے لیے ہوگی مہربوب لہ اس کا حقدار نہ ہوگا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ لازم نہ تھا اور نہ حضور نے حضرت ابو بکر صدیق کو حکم دیا تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بطور احسان ایسا کیا۔ حالانکہ حضور پر اور حضرت صدیق اکبر پر لازم و واجب نہ تھا۔ لیکن آپ نے حضور کے وصال کے بعد آپ کے اموہ کی پیروی کرتے ہوئے وعدہ پورا کر دیا کیونکہ حضرت صدیق اکبر ہی حضور کے بعد سب سے زیادہ صادق الوعدہ تھے۔

بَابُ كَيْفَ يُقْبَضُ الْعَبْدُ وَالْمَتَاعُ

باب غلام اور سامان کے قبضہ کی کیفیت کے بیان میں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک کمرش اونٹ پر سوار تھا۔ نبی علیہ السلام نے مجھ سے وہ خریدی اور پھر فرمایا یہ اونٹ تمہارا ہے (یعنی تم کو ہبہ کر دیا)

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ كُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ فَاسْتَتَرَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ اللَّهِ

اس تعلق کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب البیوع میں موصولاً ذکر کیا ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ ہشتم

معنا ۹۔ یہاں اس تعلق کے ذکر سے مہربوب کے قبض کی کیفیت کا بتانا مقصود ہے اور مہربوب یہاں وہ اونٹ ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمر کے قبضہ میں تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خرید کر

انہیں مجبہ فرما دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ مہوب کا مہوب لہ کے ہاتھ میں ہونا بھی قبضہ ہی ہے۔ یعنی جو چیز ہیر کی ہے وہ پہلے ہی سے مہوب لہ کے قبضہ میں ہے تو ایجاب و قبول کرتے ہی مہوب لہ کی ملک ہو گئی جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہے (بحر در مختار) اسی طرح ایک چیز خریدی اور قبضہ کرنے سے پہلے کسی کو مجبہ کر دی اور مہوب لہ سے کہہ دیا کہ تم قبضہ کر لو۔ اس نے قبضہ کر لیا مجبہ تمام ہو گیا۔ رہن کا بھی یہی حکم ہے (عالمگیری)

حضرت مسور بن محرز رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند قبائیس تقسیم کیں اور محرمہ رضی اللہ عنہ کو اس میں سے ایک بھی نہیں دی۔ انہوں نے (مجھ سے) فرمایا! بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ میں ان کے ساتھ چلا۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ اندر جاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ میں آپ کا منتظر کھڑا ہوں۔ چنانچہ میں جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لایا۔ آپ اس وقت انہیں قبائیس میں سے ایک قبائیس اپنے ایک کندھے پر ڈالے ہوئے تھے۔ آپ نے

۲۲۷- عَنِ النَّسَوِيِّ بْنِ خُزَيْمَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبِيَةً وَكَمْ يُعْطِي مُحْرَمَةً مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ مُحْرَمَةٌ يَا بَنِي الْأَطْلَقِ بَنَاءُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ نَظَرْنَا مَعَهُ فَقَالَ ادْخُلْ فَإِذَا دُعِيَ لِي قَالَ فَدَعَوْتُهُ لَهُ فَخَرَجَ إِلَيْهِ وَعَلَيْهِ قَبَاءٌ مِنْهَا فَقَالَ خَبَأْنَا هَذَا لَكَ قَالَ فَتَنَظَّرَ إِلَيْهِ فَقَالَ رَضِيَ مُحْرَمَةٌ (بخاری)

فرمایا۔ ہم نے یہ قبائیس ہمارے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ محرمہ نے اس کو دیکھا فرمایا محرمہ خوش ہو گئے۔

۱- اس حدیث سے واضح ہوا کہ مجبہ ہمدی الیہ کی طرف منتقل کرنے سے مکمل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تابعین قلوب مستحب ہے۔ ۲- حضرت محرمہ بھی نوفل زہری نے ۵۴ھ ایک سو پندرہ برس کی عمر میں وفات پائی۔ آپ فتح مکہ کے موقع پر مشرف یہ اسلام ہوئے۔ ۳- اس حدیث کو امام بخاری نے لباس، ادب، شہادت میں، مسلم نے زکوٰۃ، ابو داؤد نے لباس، ترمذی نے استبذان اور نسائی نے زینت میں ذکر کیا ہے۔

بَابُ إِذَا وَهَبَ هِبَةً فَقَبَضَهَا الْأَجَرُ

باب جب کوئی چیز مجبہ کی اور مہوب لہ نے اس پر قبضہ کر لیا وَكَمْ يُعْطِي قَبِيْلَتُ | گزر زبان سے (قبول کیا) نہ کہا۔

۲۴۲۸- حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بھڑور بڑی حاضر کیا۔ عرض کی میں ہلاک ہو گیا۔ میں نے رمضان میں روزہ رکھ کر اپنی بری سے قوت کی۔ حضور نے فرمایا۔ غلام آزاد کر سکتا ہے۔ متواتر دو مہینے کے روزے رکھ سکتے ہیں؛ ساتھ مکینوں کو (کفارہ) میں کھانا کھلا سکتا ہے۔ اس نے عرض کی نہیں۔

اتنے میں ایک انصاری نے بھڑور بڑی کھجوروں سے بھری ہوئی زنبیل پاس کی نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ کھجوریں لے جا اور انہیں محتاجوں میں صدقہ کر دے۔ اس نے عرض کی مجھے اس کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان مرے اہل و عیال گراؤ کوئی محتاج نہیں اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاد اور اپنے اہل و عیال کو

فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِصَرَقٍ
وَأَنكَرَ فِي الْبَيْتِ فَنَجَّاهُ فَتَلَّ
أَذْهَبَ بِهِذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ قَالَ عَلَى
أَخْوَجَ مِنَّا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ
بِعَشْكَ يَا لِحَقِّ مَا بَيْنَ لَدَبَيْنِهَا
أَهْلُ بَيْتِ أَخْوَجَ مِنَّا قَالَ أَذْهَبَ
فَأَطْعَمَهُ أَهْلَكَ

یہ کھجوریں کھلا دو (کفارہ ادا ہو جائے گا) (بخاری)

یہ حدیث کتاب الصوم باب اذا جامع فی رمضان فیوض پارہ ہشتم ص ۲۶
فوائد ومسائل میں گزر چکی ہے۔

۱۔ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے اگر کسی نے کوئی چیز ہبہ کی اور موهوب لہ نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن زبان سے قبول کیا نہ کہا تو ہبہ تمام ہو گیا۔ امام بخاری حدیث زبیر عن ان سے استدلال فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اس شخص کو کھجوروں کا ٹوکرا عطا فرمایا اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا مگر زبان سے (قبلیت) نہ کہا۔ معلوم ہوا کہ ہبہ کے تمام ہونے کے لیے موهوب لہ کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ احناف کا موقف یہ ہے قبضہ کے ساتھ موهوب لہ کا (قبلیت) کرنا ضروری ہے۔ اگر موهوب لہ زبان سے قبول نہ کرے تو اس کے حق میں ہبہ تمام نہ ہوگا۔ نیز حدیث زبیر عن ان سے امام بخاری علیہ الرحمہ کا استدلال محل نظر ہے کیونکہ حدیث میں اس شخص کا زبان سے قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ دوم یہ ہے کہ زبیر عن ان حدیث میں کھجوروں کا ٹوکرا حضور نے جو عطا فرمایا وہ ہبہ نہیں بلکہ صدقہ تھا اور صدقہ کے تمام ہونے کے لیے زبان سے قبلیت کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز حدیث خالد بن عدی جسے امام احمد نے روایت کی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ تمہارا مسلمان بھائی

جب کوئی چیز ہبہ کرے تو قَبْلُ قَبْلُ وَلَا يَسْرُودُ تواسے قبول کر لو رو مت کرو، معلوم ہوا کہ ہبہ کے تمام ہونے کے لیے زبان سے قبول کرنا ضروری ہے۔ بہر حال احناف کا مذہب یہ ہے کہ واجب کا یہ کہنا کہ میں نے ہبہ کیا۔ یہ ایجاب صرف واجب سے متعلق ہے موصوب لہ کے حق میں یہ ہبہ اس وقت تمام ہوگا جب کہ وہ قبضہ کے ساتھ ساتھ زبان سے قبَلْتُ قبول کیا ہے کہے۔

واضح ہو کہ فقہاء احناف نے حدیث و آثار سے ہبہ کے لیے ایجاب و قبول اور قبضہ وغیرہ کی جو شرطیں لگائی ہیں وہ عقلاً بھی بہت ضروری اور فائدہ مند ہیں۔ مقصد ان کا یہ ہے کہ جھگڑا فساد اور مقدم بازی نہ ہو۔ نیز ہبہ ایک رضا کارانہ عمل ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بالکل واضح غیر مبہم ہو ایجاب و قبول سے ہبہ منعقد ہو جاتا ہے اور قبضہ سے اس کا اتمام ہوتا ہے۔ ایجاب و قبول کے بعد قبضہ نہ کیا تو ہبہ مکمل نہ ہوا غیر نافذ قرار پائے گا۔

بَابُ إِذَا وَهَبَ دَيْنًا عَلَى رَجُلٍ

باب اپنا قرض کسی کو ہبہ کر دینا ؟

شعبہ نے کہا اور ان سے حکم نے کہ یہ جائز ہے۔ حسن بن علی علیہما السلام نے ایک شخص کو اپنا قرض دہیہ میں دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کا دوسرے شخص پر کوئی حق ہے تو اسے ادا کر دینا چاہئے یا معاف کر لینا چاہئے جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے والد شہید ہوئے تو ان پر قرض تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرض خواہوں سے کہا کہ وہ میرے باغ کی کھجور اپنے قرض کے بدلے میں قبول کر لیں اور میرے والد کو معاف کر دیں۔

قَالَ شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ هُوَ جَائِزٌ
وَوَهَبَ الْحَسَنُ ابْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ
لِرَجُلٍ دَيْنَهُ وَقَالَ الْمُبَشِّئُ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ عَلَيْهِ حَقٌّ
فَلْيُعْطِهِ أَوْ لِيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ فَقَالَ
جَابِرٌ فَقُلْ آيَةُ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَسَالَ
الْمُبَشِّئُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَرَمَاءَهُ
أَنْ يَقْبَلُوا أَمْزَ حَاتِي طَيِّبًا وَيَجْلِسُوا
أَحْبَ

۱۔ اس مسئلہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی پر قرض ہے اور وہ اس کو ہبہ کر دے تو جائز ہے اور اس میں قبضہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ موصوب (یعنی قرض پہلے ہی) موصوب لہ کے قبضہ میں ہے۔ بات یہ ہے کہ مدیون کو اپنا قرض ہبہ کر دینا دراصل مدیون کو بری الذمہ کرنا اور اپنا حق ساقط کرنا ہے اور اہل (معاف کر دینے) میں قبول کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ اور اگر اپنا قرض مریضوں کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو ہبہ کرے تو امام شافعی و امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ ہبہ جائز نہیں ہے کیونکہ ہبہ میں یہ ضروری ہے کہ جس چیز کو ہبہ کیا جا رہا ہے وہ داہب کے قبضہ میں ہو۔

۲۲۲۹۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ اُحد کی لڑائی میں ان کے والد شہید ہو گئے تھے (اور قرض چھوڑ گئے تھے) رضواہوں نے تقاضے میں بڑی شدت اختیار کی تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس سلسلے میں گفتگو کی۔ حضور اکرم نے ان سے فرمایا کہ وہ میرے باغ کی کھجور لے لیں اور میرے والد کو معاف کر دیں لیکن انھوں نے انکار کیا۔ حضور اکرم صبح کے وقت میرے بازو، اشراف لائے اور کھجور کے دھنوں میں ٹھیکے رہے اور برکت کی دعا فرماتے رہے۔ پھر میں نے پھل توڑ کر رضواہوں کے سارے حقوق ادا کر دیے اور میرے پاس کھجور بچ بھی گئی۔ میں نے آپ کو واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم نے ان سے فرمایا۔ عمر کس رہے ہو۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ ہمیں تو پہلے ہی یقین ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، بخدا، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں آپ اللہ کے رسول ہیں (بخاری)

یہ حدیث میں مکمل ترجمہ کے کتاب الاستقراض میں گزر چکی ہے دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۳۷ ۲۔ اس حدیث کی عنوان سے مطابقت بہ تکلف یہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے حضرت جابر کے والد کے قرضواہوں کو یہ ترغیب دی کہ وہ ان کو بری الذمہ کر دیں۔ اگر وہ کر دیتے تو یہ قرض کا ہبہ قرار پاتا۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی پر قرض ہو اور قرضخواہ اس کو اپنا قرض ہبہ کر دے تو ہبہ جائز ہے

بَابُ هِبَةِ الْوَاحِدِ لِلْجَمَاعَةِ

باب کسی چیز کا متعدد اشخاص کو ہبہ کرنا

اسما۔ رضی اللہ عنہما نے قاسم بن محمد اور ابن ابی علقین سے فرمایا کہ میری ہس عائشہ رضی اللہ عنہا سے نعمت میں مجھے غایبہ (کی جائیداد) ملی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجھے اس کا ایک (درہم) دیتے تھے دیگر میں نے فروخت کر لیا۔ یہ جواب میں تم دونوں کو ہبہ کرتی ہوں (بخاری)

وَقَالَتْ أَسْمَاءُ لِقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَاتِلِ أَبِي عَتِيقٍ قَدْ شَرَّ عَنْ أَحْتَى عَائِشَةَ بِالْعَائِدَةِ وَقَدْ أَعْطَانِي بِهِ مُعَاوِيَةُ مِائَةَ أَلْفٍ فَهَوَ لَكُمْ

(بخاری)

لکھا۔ خطاب ہے قاسم بن محمد اور عبد اللہ ابن ابی علقین کو تو یہ صورت ایک شخص کا دو افراد کو ہبہ کرنا ہوا۔

۱۔ حضرت علامہ ابن بطال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس عنوان سے امام بخاری علیہ الرحمہ کا مقصود شائع کے ہبہ کو (مطلقاً) جائز قرار دینا ہے جو کہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی

موقوف ہے۔ اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے موقف کو رد کرنا ہے جو مشاع کے ہبہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ مطلقاً مشاع کے ہبہ کو ناجائز قرار نہیں دیتے بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر مشاع ایسی چیز کا ہے جو قابل تقسیم نہ ہو تو اس کا ہبہ جائز ہے اور اگر ایسی چیز ہے جو قابل تقسیم ہے تو مشاع قابل تقسیم کا ہبہ اس صورت میں فاسد ہے جب کہ بوقت عقد اور بوقت ہبہ اس چیز میں شیوع پایا جائے۔ اور اگر بوقت عقد شیوع ہو مگر قبضہ کے وقت شیوع نہ رہے یعنی اس چیز کو تقسیم کر کے موموب لئے کے قبضہ میں دیدیا جائے تو اس صورت میں ہبہ جائز قرار پائے گا۔ فالہبۃ للشیوع السامع وقت القبض لا وقت العقد

۲۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کا اثر حضرت اسماعیل بن ابی اسحاق سے اسناد لال کا خلاصہ یہ ہے کہ غابہ کی جو جائیداد حضرت اسماعیل نے ہبہ کی وہ مشاع تھی۔ معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے اور اس اثر سے اختلاف کے موقف کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں مشاع کا ہبہ جائز نہیں ہے۔ لیکن امام بخاری کے اس استدلال سے اختلاف کا موقف مضحک نہیں ہوتا۔ کیونکہ غابہ کے مال میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ وہ مال قابل تقسیم تھا دوم یہ کہ وہ مال قابل تقسیم نہیں تھا تو اگر وہ مال اس قبیل سے تھا جو قابل تقسیم نہ ہو تو ایسے مال کے ہبہ کے جواز میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ سب کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر غابہ کا مال اس قبیل سے تھا تو اختلاف کے نزدیک وہ شیوع مانع ہوتا ہے جو بوقت قبضہ ہی پایا جائے۔

۳۔ از دوتے لغت مشاع غیر مقسوم کو کہتے ہیں۔ صحاح میں ہے یُقَالُ سَفَهْمٌ شَائِعٌ اِیْ عَنِ مَقْسُومٍ اور عالمگیری میں ہے کہ فقہاء کے نزدیک مشاع اس چیز کو کہتے ہیں۔ جس کے ایک جز غیر متین کا یہ مالک ہو یعنی دوسرا شخص بھی اس میں شریک ہو اور دونوں حصوں میں امتیاز نہ ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں اول قابل قیمت جو تقسیم ہونے کے بعد قابل انتفاع باقی رہے جیسے زمین مکان وغیرہ۔ دوم غیر قابل قیمت جو تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہے جیسے چھوٹی سی کوٹھری، چکی، حمام وغیرہ جو تقسیم کر دینے کے بعد قابل انتفاع نہیں رہتی۔ ہر ایک کا حصہ بیکار سا ہو جاتا ہے۔ یعنی تقسیم کے بعد اس چیز سے ایسا نفع نہ اٹھایا جاسکے جیسا کہ تقسیم سے پہلے حاصل تھا۔ (مجمع الانہر ج ۲ ص ۳۵۶) سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ایسے مشاع کا ہبہ جائز ہے جو قابل تقسیم نہ ہو اور وہ مشاع جو قابل قیمت ہے اس کا ہبہ جائز نہیں۔

۴۔ ہر ایک میں ہے۔ لَا یَجُوزُ اِلْهَبَةُ شَيْءٍ مَّا اِقْسَمَ بِالْحُوْزَةِ مَقْسُومَةً وَ هَبَةَ الْمَشَاعِ فِیْہَا لَا یَقْسَمُ حَاشَا قَابِلِ تَقْسِیْمٍ شَیْءٍ کَا سٍ وَ قَدْ تَمَّ بِہِ جَائِزٌ نِّہَیْکَ

کو جزو محبوب کو تقسیم کر کے علیحدہ نہ کر لیا جائے اور غیر قابل تقسیم کا جبر جائز ہے اس کے جواز میں اتفاق و اجماع ہے۔

۵۔ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ ہر مشاع کو ناجائز اس لیے قرار دیتے ہیں کہ ہبہ میں شئی محبوب پر محبوب لڑ کا قبضہ ضروری ہے اور قبضہ کامل کے لیے جب کہ قبضہ سے پہلے محبوب شئی کا شیعہ ریح ختم ہو جائے ورنہ غیر محبوب کو محبوب کے ساتھ ملانا لازم آگے گا۔ مزید تفصیل کے لیے بدائع جزو سابع کتاب الہبۃ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۴۳۰۔ حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ بخضور نبوی ایک مشروب پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے نوش فرمایا۔ آپ کے دائیں طرف ایک بچہ تھا اور بائیں طرف بڑے لوگ بیٹھے تھے۔ آپ نے غلام سے فرمایا تو اجازت دیدے تو میں پیالہ میں بچا ہوا مشروب ان کو دیدوں۔ اس نے عرض کی میں آپ کے نوش کردہ پانی کا اپنا حصہ کسی اور کو دینا پسند نہیں کرتا۔ نبی علیہ السلام نے پیالہ اس کے ہاتھ میں دیا۔ یہ حدیث کتاب المساقات اور کتاب المغالیم میں مع تغیر و ترجمانی کے گزری چکی ہے **فوائد مسائل** دیکھئے حدیث نمبر ۲۱۹۸/۲۲۸۸ — ۲۔ امام بطلال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث سے استدلال فرمایا کہ اس مشروب میں سے اس لڑکے کا حصہ ممتاز و متعین نہ تھا معلوم ہوا کہ مشاع کا جبر جائز ہے لیکن یہ استدلال متحدہ وجہ سے مناسب نہیں ہے۔

اول اس لیے کہ وہ مشروب بخضور نبوی ہدیہ کیا گیا تھا تو اس کے مالک صرف حضور علیہ السلام تھے۔ حاضرین کا اس میں حصہ کہاں تھا؟ دوم یہ کہ متحدہ احادیث سے واضح ہے کہ نبی علیہ السلام کو جب کوئی چیز ہدیہ کی جاتی تو عادت کر بھر یہ تھی کہ حضور خود بھی تناول فرماتے اور حاضرین کو بھی عطا فرماتے تھے اور تقسیم کی ابتداء دہنی طرف سے کرتے تھے۔ تو اس حدیث کا تعلق ہبہ سے ہے ہی نہیں رہی یہ بات کہ آپ نے اس لڑکے سے اجازت کیوں مانگی تو اس کی وجہ یہ تھی تقسیم دہنی طرف سے کرنے کو حضور پسند فرماتے تھے۔ اس لیے علمائے اس مضمون کی احادیث سے یہ استدلال فرمایا ہے جو دہنی طرف سے اسے پہلے دینا (خواہ وہ بچہ ہی ہو) مستحب ہے۔ لڑکے سے اجازت لینے کی وجہ نہ تھی کہ اس مشروب میں اس کا حق تھا۔ کیونکہ وہ مشروب بخضور نبوی ہدیہ کیا گیا تھا حاضرین مجلس کو نہیں۔ چنانچہ اوپر حدیث گزری چکی ہے کہ ایک شخص نے رمضان میں روز رکھ کر توڑ دیا۔ نبی علیہ السلام نے اس کو کفارہ دینے کی ہدایت فرمائی۔ اس نے اپنی عزت کا غدر پیش کیا کہ اتنے میں کجوروں کا ایک ٹوکرا حضور کو ہدیہ آیا اور آپ نے صرف اس شخص کو وہ کجوروں کا ٹوکرا عطا فرمایا۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۸۸ — اس

حدیث سے واضح ہے کہ کھجور دل کے اس ٹوکرو میں جو بخضر نبوی ہدیہ کیا گیا تھا حاضرین مجلس اس میں شریک نہ تھے۔

بَابُ الْهَبَةِ الْمَقْبُوضَةِ

باب مقبوضہ و غیر مقبوضہ

وَعَنِ الْمَقْبُوضَةِ وَالْمَقْسُومَةِ | مقسومہ اور غیر مقسومہ چیز کے ہبہ
وَعَنِ الْمَقْسُومَةِ کے متعلق

مقبوضہ کا حکم پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس کے ضمن میں غیر مقبوضہ کا بیان بھی ہو گیا اور مقسومہ کا حکم واضح ہے تو ترجمہ سے مراد غیر مقسومہ ہے اور اسی کا بیان مقصود ہے۔

نبی علیہ السلام اور ان کے اصحاب نے قبیلہ ہوازن کو ان کی غنیمت واپس فرمادی تھی اور وہ تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں (مسجد میں) حاضر ہوا۔ آپ نے (میرے اونٹ کی قیمت) ادا کی اور کچھ زیادہ عطا کیا۔

وَقَدْ وَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ لِهَوازِنَ مَا عَنِتُوا مِنْهُمْ وَهُوَ عَنِ مَقْسُومٍ عَنْ جَابِرٍ آتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَضَانِي وَزَادَنِي

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں ایک اونٹ بیچا تھا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر آپ نے وزن کیا۔ شعبہ نے بیان کیا، میرا خیال ہے کہ (جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لیے وزن کیا (آپ کے حکم سے حضرت بلال نے) اور (اس پلڑے کو جس میں سکر تھا، جھکا دیا تاکہ مجھے زیادہ ملے) اس میں سے تھوڑا سا میرے پاس جب سے محفوظ تھا، لیکن شام والے (اموی لشکر) یوم

۲۴۳ھ۔ عَنْ مُحَارِبٍ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ بَعَثَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا فِي سَبْرٍ فَلَمَّا آتَيْنَا الْمَدِينَةَ قَالَ اسْرِئْ مَسْجِدَ فَصَلِّ رَكَعَتَيْنِ قُورَنَ قَالَ رَأَاهُ قُورَنٌ لِي فَأَبْجَحَ فَمَا زَالَ وَهَبَهَا شَيْءٌ حَتَّى أَصَابَهَا أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَقِ

زیادہ ملے) اس میں سے تھوڑا سا میرے پاس جب سے محفوظ تھا، لیکن شام والے (اموی لشکر) یوم حرہ کے موقع پر چھین لے گئے۔

فوائد و مسائل | (۱) امام بخاری علیہ الرحمہ نے وفد ہوازن کے واقعہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ آپ نے

قبیلہ ہوازن کی غنیمت کو واپس کر دیا تھا جو کہ غیر مقسوم تھا۔ معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے۔ لیکن یہ استدلال تام نہیں ہے کیونکہ جو کچھ اس میں مذکور ہے اس پر ہبہ کا اطلاق ہی نہیں ہوتا کیونکہ ہبہ میں قبضہ شرط ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا۔ لَا تَجْزُوا لِهَبِكُمْ حَتَّى يُقْبَضَ اور غیر مقسوم کو یہ لازم ہے کہ وہ غیر مقبوض ہو اور غیر مقبوض پر ہبہ شرعی کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ یہاں ہبہ یا ہبہ کی صورت ہی نہیں ہے۔ قبیلہ ہوازن کے جو لوگ قید ہوئے تھے۔ وہ اسلام کے قانون کے مطابق غلام بنالیے جاتے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کو آزاد فرمایا۔ اور کسی آزاد کر دینا ہبہ نہیں ہے۔

۲۔ اسی طرح حضرت جابر سے نبی علیہ السلام نے اونٹ خریدا اور مدینہ واپس آکر اس کی قیمت ادا فرمائی اور قیمت سے کچھ زیادہ عطا فرمایا۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اصل قیمت کے علاوہ جو زیادہ عطا فرمایا اسے اصل قیمت سے الگ کر کے نہیں دیا۔ جس کے حضرت جابر حقدار تھے) بلکہ زیادہ اصل قیمت کے ساتھ ملا کر عطا فرمایا اور یہ مشاع کی صورت ہے۔ معلوم ہوا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے۔ لیکن یہ استدلال بھی تام نہیں ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے اصل قیمت سے جو زیادہ عطا فرمایا وہ منفصل و متمیز تھا۔ یعنی زیادتی اصل قیمت سے بالکل الگ اور معین تھی۔ یہی وجہ ہے۔ اسی حدیث میں حضرت جابر فرماتے ہیں۔ قَالَ اللَّهُ لَا أَضَارُّكَ زِيَادَةً رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى قَفَدَهَا فِي أَيَّامِ الْحَضَرَةِ۔ دیکھئے حضرت جابر تصریح فرما رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اس قیمت سے جو زیادہ عطا فرمایا اس کو میں تبرکاً ہمیشہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضور نے جو زیادہ عطا فرمایا وہ اصل قیمت سے بالکل علیحدہ اور معین و ممتاز تھا۔

۲۲۳۲، ۲۲۳۳۔ اس عمران کے ماتحت امام نے دو حدیثیں اور لکھی ہیں۔ یہ حدیثیں کتاب المظالم، کتاب المساقات اور کتاب الاستقراض باب حسن القضاہ میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہیں۔ دیکھیے حدیث نمبر ۲۱۹، ۲۲۸، ۲۲۳۵۔ ایک روایت کا مضمون یہ ہے کہ مجھ پر نبوی مشروب پیش کیا گیا الخ دوسری حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضور نے ایک شخص سے اونٹ قرض لیا اور جس عمر کا اونٹ قرض لیا تھا اس سے زیادہ عمر کا اونٹ جو کہ اس سے زیادہ قیمتی تھا قرض خواہ کو عطا فرمایا۔ امام بخاری نے ان احادیث سے یہ استدلال فرمایا کہ مشاع کا ہبہ جائز ہے مگر ان کا استدلال تام نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان چکا۔

بَابُ إِذَا وَهَبَ جَمَاعَةً لِقَوْمٍ

باب جب متعدد اشخاص نے متعدد افراد کو کوئی چیز ہبہ کی

۲۲۳۴۔ اس عنوان کے ماتحت امام بخاری نے حدیث وفد ہوازن ذکر کی جو کتاب الوکالت میں مع تقیہ و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۱۹۰۔ اس حدیث سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ قبیلہ ہوازن کے قیدیوں کو واپس کر دینا جماعت کا جماعت کو با فرد و احد کا جماعت کو مجبہ کرنا ہے اور دونوں صورتوں میں شیوع ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے۔ قیدیوں کو واپس کرنا سرے سے مجبہ ہے ہی نہیں یہ تو اتفاق ہے لہذا امام کا استدلال نام نہیں ہے۔

بَابُ مَنْ أَهْدَىٰ لَهُ هَدِيَّةً وَعِنْدَهُ

باب کسی کو ہدیہ دیا گیا اور دوسرے لوگ بھی اس

جُلَسَاؤُهُ فَهُوَ أَحَقُّ
دَيُّدُكَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ جُلَسَاؤَهُ
شُرَكَاءَهُ وَلَمْ يَصِحَّ

سے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو اس کا مستحق وہی ہے
ابن عباس سے جو منقول ہے کہ اس کے پاس بیٹھے
والے بھی اس ہدیہ میں شریک ہوں گے صحیح نہیں ہے

قوائد و مسائل | واضح ہو کہ مشدہی۔ صحیح ہے۔ کسی شخص کو کسی نے کوئی چیز ہدیہ دی اور اہل مجلس اس کے
ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ امام ابو یوسف بھی یہی فرماتے ہیں (کرمانی) البتہ اگر وہ چیز کھانے پینے کے لیے اہل مجلس
میں سے کسی ایک کو دی جائے تو عرف و رواج اگر یہ ہو کہ وہ تمام اہل مجلس کے لیے ہے تو وہ اہمیت ہے ہدیہ یا ہر نہیں ہے۔
۲۲۳۵۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ نبی علیہ السلام نے قرض خواہ کو زیادہ قیمتی اونٹ عطا فرمایا تھا (بخاری)
یہ حدیث باب انقضایں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۳۵۔ امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال
فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے قرض خواہ کو اس کے قرض سے جو زائد عطا فرمایا اس میں کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔

بَابُ إِذَا وَهَبَ بَعِيرًا لِلرَّجُلِ

کسی نے دوسرے شخص کو اونٹ ہبہ کیا اور

وَهُوَ ذَاكِبُهُ فَهُوَ جَائِزٌ
موجب لذہ اس پر سوار تھا تو جائز ہے

۲۲۳۶۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور
میں ایک کمرش اونٹ پر سوار تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ اونٹ مجھے بیچ
دو۔ چنانچہ آپ نے اُسے خرید لیا اور پھر فرمایا، عبد اللہ اب یہ تمہارا ہے (بخاری)

قوائد و مسائل | اس حدیث سے واضح ہوا۔ اگر کوئی کسی کو اونٹ ہبہ کر دے اور موجب لذہ اس اونٹ
پر سوار ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ موجب لذہ اور اس اونٹ میں تخلیکہ کر دینا بمنزلة قبض ہے

بَابُ هَدِيَّةِ مَا يَكُونُ لِبَسِّهَا

باب ایسے کپڑے کو ہدیہ کرنا جن کا پہننا جائز نہ ہو

واضح ہو کہ کسی بھی ایسی چیز کو ہدیہ کرنا جو مال منقولہ ہو جائز ہے اور اس کا قبول کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً ریشمی کپڑا یا چاندی سونے کے زیورات مہر کیے جائز ہے اگرچہ مرد کو ریشم اور چاندی سونے کے زیورات کو پہننا ناجائز ہے۔ مگر مرد یہ کر سکتا ہے کہ ریشمی کپڑا اور چاندی سونے کے زیورات اپنی متورات کو پہننے کے لیے دیدے یا ان کو فروخت کر کے اپنے صرف میں لائے۔ حتیٰ کہ چاندی سونے کی موتیوں کو ہدیہ کرنا اور اس کو قبر اکبرنا اور بعینہ انہیں اپنے قبضہ میں رکھنا جائز ہے کیونکہ یہ مال منقولہ ہے۔ ان موتیوں کو توڑ پھوڑ کر زیور بنایا جاسکتا ہے یا فروخت کر کے اپنے صرف میں لایا جاسکتا ہے۔

۲۲۳۷- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر ایک ریشمی جلد (پاک رہا ہے) آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اچھا ہوتا اگر آپ اسے خرید لیتے اور جمعہ کے دن اور وفد کی پذیرائی کے مواقع پر اسے زیب تن فرماتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے وہی لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بہت سے (ریشمی) حلقے آئے اور آپ نے ایک حلقہ ان میں سے حضرت عمر کو بھی عنایت فرمایا۔ حضرت عمر نے اس پر عرض کیا کہ آپ یہ مجھے پہننے کے لیے عنایت فرما رہے ہیں حالانکہ آپ خود عطار کے حلوں کے بارے میں جو کچھ فرمانا تھا فرما چکے ہیں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ حلقہ میں نے تمہیں پہننے کے لیے نہیں دیا چنانچہ حضرت عمر نے وہ حلقہ مکہ میں تقسیم کر کے بھائی کو دیدیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک ریشمی حلقہ ہدیہ میں دے دیا تو میں نے اسے پہن لیا، لیکن جب غصے کے آثار روئے مبارک پر دیکھے تو اسے (اپنے گھر کی عورتوں میں بھاڑ کر تقسیم کر دیا۔

فَقَالَ إِنِّي لَمَّا أَلَسْتُهَا لَبَسْتُهَا
فَكَسَا عَمْرًا خَالَهٖ بِهَکْهٖ
مُشْرِکًا

۲۲۳۸- عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَهْدَانِي إِلَيْهِ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حُلَّةً سَيَرَاءَ فَلَبَسْتُهَا فَرَأَيْتُ
النَّصَبَ فِي وَجْهِهِ فَشَقَقْتُهَا بَيْنَ
نِسَائِي

۱- ان دونوں حدیثوں سے واضح ہو کہ ایسی چیز کو ہدیہ کرنا اور اس کا قبول کرنا جائز ہے

جس کا استعمال شرعاً ممنوع ہو۔ ۲- ریشم مرد کو پہننا حرام ہے متورات کو جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ریشمی قباہ حضرت عمر نے اپنے کا فر بھائی کو دیدیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے

گھر کی مستورات کو دیدیا کیونکہ ان کو رشیم پہننا جائز تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے جس بھائی کو دیا وہ آپ کا اخیانی بھائی تھا۔ بعض نے کہا رضاعی بھائی تھا۔ نام اس کا عثمان بن حکیم تھا۔ بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے۔

۳۔ حضور نبی کریمؐ کی حیات مبارکہ میں حضرت علیؓ کی ایک ہی زوجہ مطہرہ سیدہ فاطمہ تھیں اور نائی جمع کا صیغہ اس سے مراد حضرت علیؓ کی زوجہ حضرت فاطمہؓ، ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد ان کے بھائی عقیل کی زوجہ فاطمہ بنت شیبہ بن ربیعہ اور فاطمہ بنت حمزہ بن عبد المطلب ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

۲۲۳۹۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں حضور علیہ السلامؐ سیدہ فاطمہ کے مکان میں تشریف نہ لائے۔ حضرت علیؓ نے حضور سے تشریف نہ لانے کی وجہ دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا۔

قَالَ اِنَّ رَاَيْتَ عَلٰی بَا يَهَا مِسْرًا
مَوْشِيًا فَقَالَ مَا لِيْ وَلِلَّذِيْنَا كَانَا هَا
عَلٰی كَذَكَرَ ذَا لِكَ لَهَا فَقَالَتَ لَبِا
مُرْنِيْ فِيْهِ بِمَا مَسَاءَ قَالَ تَرِيْسُلُ
بِلَهٗ اِلٰى خُلَاوِنِ اَهْلِ بَيْتٍ يُّهْمُ حَاجَتُهُ

میں نے دروازہ پر دھاری دار ریشمی پردہ لٹکا ہوا دیکھا ہے۔ مجھے دنیا کی ایسی آرائش پسند نہیں حضرت علیؓ کے اس وجہ کو ذکر کرنے پر سیدہ فاطمہؓ نے فرمایا حضور جو حکم فرماتیں سرانگھوں پر۔ حضور نے فرمایا۔ فلاں گھر والوں کو یہ پردہ بھیج دو انہیں ضرورت ہے۔

واضح ہو کہ دروازہ وغیرہ پر پردہ لٹکانا منوع نہیں ہے مگر حضور علیہ السلامؐ کا فقر اختیار ہی تھا اور دنیا کی زیب و زینت آپ کو مرغوب نہ تھی۔ اس لیے مکان کے اندر تشریف نہ لائے اور یہی سادگی آپؐ نے اپنی مقدس صاحبزادی کے لیے بھی پسند فرمائی۔ بعض روایات میں مکان کے اندر تشریف نہ لانے کی وجہ یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ وہ پردہ نصیر دار تھا ۲۔ مَوْشِيًا کا معنی دھاری دار کے ہیں۔ علامہ کرمانی و صاحب النیر البخاری نے بھی یہی وجہ لکھی ہے کہ اس پردہ میں تصاویر اور نقوش بنے ہوئے تھے۔

بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

مشرکوں سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کو قائم کر کے یہ واضح کیا ہے کہ مشرکوں سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے نیز ممانعت کی حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ علامہ بدرجمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر گفتگو فرمائی ہے اور احادیث ممانعت پر بھی بحث کی ہے۔ دیکھئے عینی ج ۱۳ ص ۱۶۷۔

بہر حال یہ ایک واضح بات ہے کہ امام بخاری کا موقف درست ہے اور حضور نبی کریمؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکوں سے ہدیہ قبول فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے
راوی ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کے ساتھ
ہجرت کی تو ایک ایسے شہر میں پہنچے جہاں ایک بادشاہ
یا (یہ کہا کہ ظالم حکمران تھا۔ اس بادشاہ نے کہا
کہ انہیں سارا کو، آجر دے دو۔

وَقَالَ ابْنُ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ بِسَارَةَ فَدَخَلَ قَرْيَةً فِيهَا
مَلِكٌ أَوْجَبَارٌ فَقَالَ آعْطَوْهَا
أَجْرًا (بخاری)

اس تعلق کو امام نے کتاب البیوع اور احادیث الانبار میں موصولاً ذکر کیا ہے اور اس میں
حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ہجرت کا واقعہ مذکور ہے دیکھئے فیوض پارہ ہفتم ص ۲۳
عنوان کے مطابق اس تعلق میں آعْطَوْهَا أَجْرًا کے الفاظ ہیں جس سے واضح ہوا کہ عربی کافر کا اپنی ملک
میں بیع و شرا۔ وہبہ وغیرہ کے ذریعہ تصرف کرنا جائز ہے اور یہ کہ کافر سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت سارہ
نے اجر کو قبول فرمایا۔

قواعد مسائل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (خیبر کے پہاڑوں
کی طرف سے) ہدیہ کے طور پر بکری کا ایسا گوشت
پیش کیا گیا تھا جس میں زہر تھا۔ ابو حمید نے بیان
کیا کہ ایدہ کے حکمران نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں سفید فخر اور چادر ہدیہ کے طور پر بھیجی تھی
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے دیا کے
پانی میں اس کا سر مقرر فرمایا۔

وَأَهْدَيْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
شَاةً فِيهَا سُمٌّ وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ
أَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَقْلَةً بَيْضَاءَ وَكَسَاهُ
بُزْدًا وَكَتَبَ لَهُ بِبَخْرِهِمْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دبیر قسم کے ریشم کا ایک
جبہ ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ حضور اکرم اس کے
استعمال سے (مردوں کو) منع فرماتے تھے صحابہ کو
بڑی حیرت ہوئی کہ کتنا عمدہ ریشم ہے! حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا (تمہیں اس پر حیرت ہے) اس ذات
کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، جنت میں
سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے بھی زیادہ

۲۴۴۰ - حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ أَهْدَى
لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَّةُ سُتْبِ
وَقَالَ يَنْهَى عَنِ الْحَبِيرِ فَعَجِبَ النَّاسُ
مِنْهَا فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ
لَسَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ
مِنْ هَذَا وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ
أَنَسٍ إِنَّ أَمْكَبِدَ وَذَوْمَةَ أَهْدَاهُمَا إِلَى
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نوبھرت ہیں.... سعید نے بیان کیا، ان سے قتادہ نے اور ان سے انس رضی اللہ عنہ سے کہ دوسرا تہوک کے قریب.... ایک مقام کے اکیدر (نصرانی) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا (یعنی جس ہدیہ کا ذکر اس حدیث میں ہے)

قوائد مسائل | ان احادیث سے واضح ہوا کہ کفار و مشرکین سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے ۲۔ جو پیشی جبرنی علیہ السلام کو میر کیا گیا صحابہ کو اس کی عمدگی پر تعجب ہوا اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رومال اس جبر سے زیادہ قیمتی اور عمدہ ہوگا۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ مومنین کی جنت میں جو کمئیں عطا ہوں گی وہ انسانی تصور سے بھی زیادہ قیمتی اور عمدہ ہوں گی ۳۔ حضرت سعد کا ذکر خصوصی طور پر اس لیے فرمایا کہ وہ نفید اس کے سردار تھے۔ نبی علیہ السلام نے ان کو بیدالانصار کا لقب دیا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ تمہارا رومال جنت میں اس جبر سے بہتر ہوگا۔

حضور علیہ السلام تحفے، تحائف قبول فرماتے تھے | واضح ہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دوست و احباب کے تحفے اور دیا یا قبول فرماتے تھے اور آپ اس کو از دیا و محبت کا بہترین ذریعہ قرار دیا۔ اسی لیے صحابہ عموماً کچھ نہ کچھ ہر روز آپ کے گھر بھیجا کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے جس دن آپ حجرہ عائشہ میں قیام فرماتے تھے۔ ایک دفعہ راستہ میں ایک بھجور ہاتھ آگئی۔ فرمایا اگر صدقہ کا شہ نہ ہوتا تو میں اس کو تناول کرتا۔ ایک بار امام حسن علیہ السلام نے صدقہ کی بھجور میں سے ایک بھجور منہ میں ڈال لی تو فرمایا۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا۔ پھر منہ سے اگلا دیا (بخاری)۔ آپ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر ہدیہ کہتا قبول فرماتے اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ، تو آپ ہاتھ روک لیتے اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرما دیتے۔ نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر بھجور پاتا ہوں۔ جی میں آتا ہے کہ اٹھا کر منہ میں ڈال لوں، پھر خیال ہوتا ہے کہ میں صدقہ کی بھجور نہ ہو (بخاری)۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمت اقدس میں پیش کی، آپ نے لے لی، اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی، آپ نے ان کو عنایت فرمادی (بخاری کتاب الجنائز) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (جن لوگوں کے دیا یا اور تحفے قبول فرماتے تھے، ان کو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ کَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے۔

غیر مسلم ملوک و سلاطین کچھ ہدیہ حضور علیہ السلام نے قبول فرماتے ہیں | اس پاس کے ملوک و سلاطین بھی آپ کو تحفے

بھیجا کرتے تھے۔ حد و شام کے ایک رئیس نے ایک سفید فخر تحفہ دیا تھا۔ عزیز مصر نے ایک فخر مصر سے بھیجا تھا، ایک امیر نے آپ کو موزے بھیجے تھے۔ ایک دفعہ قصر روم نے آپ کی خدمت میں ایک پوشین بھیجی تھی جس میں دیبا کی بنوائے ہوئی تھی۔ مین کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت شاہ ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قیمتی علقہ بھیجا، جس کو اس نے ۳۳ اونٹوں کے بدلہ میں خرید لیا تھا۔ آپ نے قبول فرمایا۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس کو ایک علقہ دیتے بھیجا جو ۲۰ سے کچھ زیادہ اونٹوں کے عوض خریدا گیا تھا۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۱) جو مسلمان آپ کو بطور سات ہدیہ کرتے تھے نبی علیہ السلام انہیں استعمال بھی فرماتے تھے۔

واضح ہو کہ لباس کے معاملہ میں حرمت و کراہت

لباس کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ کے متعلق ایک اہم بحث

کا مدار اس لباس کی کفار و مشرکین کے ساتھ اختصاصیت و شماریت ہے کہ وہ لباس کفر و اسلام کے درمیان فرق پیدا کرے اور اس کے پہننے والے کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ مسلمان ہے، یہ مجوسی ہے، یہ عیسائی ہے۔ تو اگر کسی لباس میں اس حیثیت و کیفیت کی اختصاصیت و شماریت پیدا ہو جائے یا ہو یعنی اس لباس کے پہننے سے مسلم و غیر مسلم میں فرق و امتیاز پیدا ہو تو بے شک اس کا پہننا مسلمانوں کے لیے ممنوع قرار پائے گا لیکن حکم مخالفت اسی وقت تک رہے گا جب تک اس لباس میں شماریت و اختصاصیت باقی رہے، اگر نہ رہے تو پھر اس لباس کا پہننا جائز و مباح قرار پائے گا۔ کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے۔ ہر وضع قطع ڈیزائن کا لباس جب کہ وہ جائز چیز سے بنا ہوا اپنی اصل میں جائز و مباح ہے۔ حتیٰ کہ زنا، جینو، صلیب وغیرہ (جو شعار کفر ہیں) یا نقشہ (جو علامت کفر ہے) اپنی اصل میں جائز و مباح تھے۔ یعنی فی نفسہ یہ چیزیں حرام و ممنوع نہ تھیں۔ حرمت و لعنت کی وجہ ان کا شعار کفر ہونا ہے۔ اسی طرح لباس کا معاملہ ہے کہ کسی بھی وضع کے لباس میں جب شماریت و اختصاصیت با کفار پائی جائے گی تو شرعاً اس کا استعمال کرنا ممنوع قرار پائے گا۔ — چنانچہ فقہاء اسلام نے

قلنسوة المجوس، ذی الاخرنج، ذی اهل البشرك، من لباس العجم ایسے الفاظ کے ساتھ جن بطور سات کو ممنوع و حرام قرار دیا ہے (تو اس سے وہ لباس جو کفار و مشرک پہنیں یا مختلف ڈیزائن اور وضع کے وہ بطور سات جو غیر مسلم عام ملک میں عمومی طور پر استعمال ہوں اور پاکستان میں بھی غیر ملکی وضع کا لباس استعمال ہو رہا ہے) ہرگز ہرگز مراد انہیں ہے بلکہ مذکورہ بالا خط کشیدہ جملوں سے جن بطور سات کو فقہاء اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے اس سے صرف اور صرف وہ خاص لباس مراد ہے جو کفار و مشرکین کا مذہبی شعار اور علامت خاص ہو

۱۔ واضح ہو کہ جہاد میں کفار و مشرکین کا مختلف قسم کا سامان، لباس وغیرہ ہاتھ آتا۔ لیکن حدیث و

آثارِ صحابہ و تاریخ میں یہ نہیں ملتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے کفار و مشرکین کا غنیمت میں ملنے والا لباس استعمال کرنے سے منع فرمایا ہو بلکہ صحیح احادیث واضح ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام نے لباس کفار و مشرکین استعمال فرمایا۔ چنانچہ ایلہ کئی حکمران اور شاہ روم اور امیر کافر بائجیان کے کافر و مشرک حکمرانوں نے حضور علیہ السلام کو جو لباس بھیجا آپ نے اسے زیب تن فرمایا۔ (بخاری، ابوداؤد، طحاوی، نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضور کی عموماً عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ سادہ لباس چادر پیوندار موٹے کپڑے اور کبھی لاٹنی

دکابے لباس نفیس گراں بہا کہ ملوک عجم ارسال می نمودند بقصد استعمال خاطر ایشان می پوشید (مدارج النبوة)

اور کبھی بادشاہانِ عجم کے بطور تحفہ ارسال کردہ نفیس اور قیمتی لباس کو ان کی خاطر داری کے لیے زیب تن فرما لیتے تھے۔

ان النجاشی اهدی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم خفین اسودین سارجین فلبسها (ترمذی مشکوٰۃ)

نجمی بادشاہ حبشہ نے حضور کی خدمت میں دو موزے سیاہ و سادہ پیش کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو استعمال فرمایا۔

وعن المغيرة بن شعبة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبس جبّة رومیة حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جبّہ طرابلسیہ کسروانیہ دکھایا اور فرمایا۔

هذه جبّة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم | یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبّہ شریف

حضور کا جبّہ رومی و جبّہ طرابلسیہ کسروانیہ زیب تن فرماتا

وسلم نے جبّہ رومیہ زیب تن فرمایا۔ ————— لبس جبّہ رومیہ (بخاری) جبّہ من جباب الروم (ابوداؤد) اور سلم بخاری کی اکثر روایتوں میں جبّہ شامیہ ہے۔ علامہ علی قاری فرماتے ہیں۔ ولا منافاة بينهما لان الشام حنیئہ داخل تحت حکم قیصر ملک الروم ————— علامہ علی قاری علیہ الرحمہ کے تصریح فرمائی۔ جبّہ طرابلسیہ لباس عجم سے تھا۔ کسروانیہ ملک فارس کی طرف منسوب (مرقات)

جبّہ طرابلسیہ وہ جبّہ تھا جو حضور علیہ السلام جمع کے دن اور وفود سے ملاقات کے وقت بھی

زیب تن فرماتے تھے اور حضرت ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ سے ان کی ہمیشہ و بنیت سیدنا امیر المومنین ابو بکر الصديق سیدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ملتا تھا۔ اسی جبر شریف کے دھوون کو حضرت اسماء بیماروں کو پلاتی تھیں اور وہ شفا یاب ہوتے تھے۔ یہ برکت، یہ عظمت تو بہر حال اس جبرِ مقدس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیب تن فرمانے کی بنا پر آئی تھی، مگر تھا یہ جب بھی لباسِ عجم سے۔ جبہ رومیہ تنگ آستینوں کا تھا۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں و نسائی میں یہ تصریح ہے کہ جب حضور نے وضو کرنا چاہا تو آستین بوجہ تنگی کے اونچی نہ ہوئیں تو آپ نے وہ جبہ اتار کر یا جبہ کے اندر سے ہاتھ باہر نکال کر دھوئے۔

ان مذکورہ بالا آثار و تفصیحات شارحین سے واضح ہے کہ حضور علیہ السلام نے جبہ کسروانیہ، جبہ رومیہ تنگ آستینوں والا، جو بادشاہ فارس کی طرف منسوب تھا زیب تن فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام بعض اوقات وہ لباس جو شاہانِ عجم بطور تحفہ و ہدیہ پیش کرتے، زیب تن فرماتے تھے۔

۲۔ سوال یہ ہے کہ غنیمت میں اور بطور تحفہ ملنے والا کفار و مشرکین کا لباس وضع کفار و مشرکین نہ تھا؟ تو ظاہر ہے کہ یہ لباس کفار کے زیر قبضہ ممالک میں بنا تھا اور اس کی وضع قطع یا ڈیزائن بھی انہی غیر مسلم ممالک میں رہنے والے غیر مسلموں ہی کی تھی۔ یہ لباس بہر حال نہ تو لباسِ مسلمین تھا اور نہ اس کی وضع قطع عربی تھی مگر اس کے باوجود اس لباس کو خود نبی علیہ السلام نے اور صحابہ کرام نے استعمال فرمایا۔

۳۔ شارحین حدیث نے غنیمت میں ملنے والے یا بطور تحفہ ملنے والے لباس کفار کے متعلق یہ بحث کی ہی نہیں کہ یہ لباس وضع کفار ہے اس لیے ممنوع ہے بلکہ صرف یہ تصریح فرمائی کہ۔

اس حدیث کے فوائد سے یہ ہے کہ کافروں کے کپڑوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے (الا یہ کہ ان کی نجاست واضح ہو جائے تو پھر استعمال نہ کیے جائیں) (پاک کر کے استعمال کیے جائیں) کیونکہ حضور علیہ السلام نے جبہ رومیہ زیب تن فرمایا اور شام اس وقت دار الکفر تھا۔

ومن فوائد الحدیث الانتنفاع بثیاب الکفار حتی یتحقق نجاستھالانہ صلی اللہ علیہ وسلم لبس المجبۃ الرومیۃ وکانت الشام ذالک دار کفر

غرض کہ یہ امر واضح ہے کہ یہ لباس وضع عرب، وضع صحابہ، وضع مسلمانان مکہ و مدینہ نہ تھا اور یہ کہ یہ لباس تھا تو کفار و مشرکین کی وضع قطع کا مگر یہ لباس ان کا لباس عام تھا۔ اس کی وضع قطع ایسی نہ تھی

جو کفار و مشرکین کا مذہبی شعار ہو۔ معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کا وہ لباس جو وہ عام طور پر اپنے ملکوں میں استعمال کرتے ہیں مسلمانوں کو اس کا پہننا جائز ہے کیونکہ لباس خواہ کسی وضع قطع کا ہو پہننے اصل میں جائز و مباح ہے اور ممانعت کا مدار اس لباس کا کفار و مشرکین کا مذہبی شعار ہونا ہے۔

تشبیہ بالکفار کا ضابطہ

۴۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا۔ ”یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ہر معاملہ، ہر بات اندھ چوڑی بنی غیر مسلموں کی مخالفت کرنی چاہیے۔ اسی طرح حدیث من تشبه کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ جس چیز میں بھی غیر مسلموں سے مشابہت پائی جائے، وہ ممنوع ہے۔ لفظ تشبیہ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو کسی کے مشابہ بنانا، یعنی حقیقتہً یا حکماً قصد مشابہت کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص کوئی فعل خاص اس نیت سے کرے کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو یا وہ یہ نیت نہ کرے مگر وہ فعل کفار کا ہے مثلاً شعار اور ان کی علامت خاصہ ہو جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں تو اس کی ممانعت ہے اور اس پر حدیث من تشبه صادق ہوگی۔ غرضیکہ غیر مسلموں کے وہی رسم و رواج اسلام میں ممنوع قرار پائیں گے جو یا تو غیر مسلموں کی علامت خاصہ اور شعار مذہبی ہوں یا کتاب و سنت میں ان کی ممانعت آگئی ہو لیکن مطلقاً کسی بات میں اشتراک اور مشابہت کا ہونا ہرگز منع نہیں ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور معروف و معتبر کتاب در مختار و بحر الرائق میں ہے۔

اہل کتاب سے تشبیہ ہر چیز میں مکروہ نہیں ہے بلکہ بُری بات میں تشبیہ ممنوع ہے اور وہاں کہ ان سے مشابہت کا قصد کیا جائے۔

یعنی ہم کو یہ منع ہے کہ کفار اور اہل بدعت کے شعار میں تشبیہ کریں، نہ کہ ان کی ہر بدعت منع ہو۔ تو مدار کار شعار پر ہے۔

التَّشْبِيهُ بِهِمْ لَا يَكْرَهُهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ بَلْ فِي الْمَذْمُومِ وَفِيهَا يُقْصَدُ بِهِ التَّشْبِيهُ

أَمَّا مَمْنُوعُونَ مِنَ التَّشْبِيهِ بِالْكَفَرَةِ وَاهْلِ الْبِدْعَةِ فِي شَعَائِرِهِمْ لَا مَنَهِيُونَ عَنْ كُلِّ بِدْعَةٍ فَالْمَدَارُ عَلَى الشَّعَارِ (فقہ اکبر علی قاری)

یعنی اہل بدعت سے تشبیہ کا ممنوع ہونا مقرر ہے لیکن مطلقاً نہیں، بلکہ اس چیز میں جو فی نفسہ مذموم ہو، یا ان سے مشابہت کا قصد ہو۔

وَكِرَاهِيَةُ أَهْلِ الْبِدْعَةِ مَقْرَرَةٌ عَلَيْنَا أَيْضًا لَيْكُنْ لَا مَطْلَقًا بَلْ فِي الْمَذْمُومِ وَفِيهَا قَصْدُ بِهِ التَّشْبِيهِ (شامی)

معلوم ہوا کہ لباس کفار و مشرکین میں اسی وضع کا لباس مسلمانوں کے لیے ممنوع قرار پائے گا جو

کفار و مشرکین کا شمار و علامت ہو اور اس میں ایسا اختصاص پایا جائے جیسا مثلاً پولیس کی وردی میں پایا جاتا ہے کہ جو کوئی اسے پہننے پہچانا جاتا ہے کہ حکومت کا کارندہ ہے۔ تو جس لباس میں پولیس کی وردی جیسی اختصاصیت یا کفار پائی جائے گی وہ بیشک ممنوع قرار پائے گا ورنہ نہیں۔ لہذا محض کسی لباس پر امر کی چینی جاپانی کے لفظ کا استعمال ہو، اسی طرح وہ لباس جو یہودی، عیسائی، مجوسی کفار و مشرکین عمومی طور پر استعمال کریں یا محض ملکی لباس ہو لیکن وہ لباس ان کا شعار مذہبی نہ ہو یعنی ایسا لباس نہ ہو جس کی وضع مسلم اور کافریں فرق پیدا کرے تو یہ عمومی لباس (خواہ وہ کفار و مشرکین ہی کی تہذیبی تمدن کا حکماں ہو) مسلمانوں کو استعمال کرنا جائز ہے۔

جیسے ہمارے ملک پاکستان میں غیر مسلم ممالک سے پڑانے یا نئے ملبوسات آتے ہیں اور وہ پہن کر ونساری کی وضع قطع، ان کی تہذیب و تمدن اور مت سے فیشنوں کے عکاس ہوتے ہیں اور ان ملبوسات کو پاکستان کے غریب اور متوسط طبقہ کے کروڑوں مسلمان لٹبا بازار سے خرید کر اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ان ملبوسات کا استعمال جائز و مباح ہے کیونکہ ان کی وضع قطع شعاری نہیں ہے لہذا ان کا پہننا بلاشبہ جائز ہے۔ بعض علماء کرام ان ملبوسات کے استعمال کو تشبیہ و تمثیل پر مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جو شرعاً درست نہیں ہے کیونکہ ممانعت کا مدار اس لباس کی شہارت اور اختصاص بالکفار پر ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔

(۵) قلنسوة المجوس فقہ کی تقریباً تمام کتب معتبرہ میں لکھا ہے۔ وضع قلنسوة المجوس علی واسطہ قیل لا یکفر کہ پارسیوں کی ٹوپی پہننا کہا گیا ہے کہ کفر نہیں کیونکہ ایک مسلمان کو اسلام سے خارج اسی چیز کا انکار کرنا ہے جس کے اقرار سے وہ مسلمان قرار پایا ہے۔ وقیل یکفر لانہ علامۃ الکفر اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا کفر ہے۔ کیونکہ یہ ٹوپی علامت کفر ہے۔۔۔۔۔ یہاں یہ امر خاص طور پر قابل غور و فکر ہے کہ آخر مجوس کے لباس میں سے صرف ان کی ٹوپی میں ایسی کوئی بات ہے کہ تمام کتب فقہ حنفی میں واضح طور پر اس کو ذکر کر کے حکم کفر لگایا ہے تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ یہ خاص ٹوپی صرف اور صرف مجوس ہی کے ساتھ خاص، ادرن کا شعار دینی ہے ایسا کہ یہ خاص مجوسی وضع کی ٹوپی مسلم اور مجوسی میں امتیاز پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ امام کبیر علامہ کدوری حنفی لوج سلطان جو لکڑی یا چاندی کی بنی جوتی ہے۔ اس کا پہننا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں فرماتے ہیں۔

وعلق البایرة اعنى اللوح السلطانی | لوح سلطانی جو کٹری یا چاندی سے بنی ہوتی ہے یہ

ہتی ہوتی ہے یہ ملکی علامت ہے اس کا تعلق
دین سے نہیں ہے (اس لیے جائز) بخلاف
مجوسی وضع کی ٹوپی پہننا اور زنا باندھنا علامت
کفر ہے، جیسے فتنہ علامت اسلام ہے۔

واضح ہوا قلنسوة المجوس کی اختصاصیت و شعاریت با مجوس ایسی شدید و سخت ہے
کہ اس وضع کی ٹوپی پہننا مجوس کی ایسی خاص نشانی ہے جیسے فتنہ اسلام کی نشانی و علامت ہے۔
امام بکیر علامہ کمروری مزید فرماتے ہیں۔

کہ مجوس کی خاص وضع کی ٹوپی پہننا اور زنا
باندھنا کفر کی علامت خاص ہے، جیسے فتنہ
اسلام کی نشانی و علامت ہے اور فرنگیوں کی
وضع پہننی صحیح مذہب میں کفر ہے۔ آتش
پرسوں کی عید نوروز میں جانا اور وہ جو مذہبی رسوم
ادا کرتے ہیں اس میں ان کی موافقت کرنا کفر ہے
مجوس کی خاص ٹوپی پہننا کفر ہے۔

امارة ملكية لا تعلق لها بالدين
كان من خشب أو بخلاف وضع
قلنسوة المجوس وشد الزنار
امارة الكفر كالختان امارة الاسلام
واضح ہوا قلنسوة المجوس کی اختصاصیت و شعاریت با مجوس ایسی شدید و سخت ہے
کہ اس وضع کی ٹوپی پہننا مجوس کی ایسی خاص نشانی ہے جیسے فتنہ اسلام کی نشانی و علامت ہے۔
امام بکیر علامہ کمروری مزید فرماتے ہیں۔

• وضع قلنسوة المجوس وشد الزنار
امارة الكفر كالختان امارة الاسلام
(وجہین) • ولبس زى الاخرنج
كفر على الصيحة (مدیقہ ندید) • والمخرج
الحانیروز المجوس والموافقة معهم فيما
يفعلون في ذالك اليوم كفر (صفحہ ۲۲۳ وجہین)
• وضع قلنسوة المجوس على راسه كفر
ر بناز عالمگیری وغیرہ ص ۳۲۳

دیکھئے! زى الاخرنج و قلنسوة المجوس سے کفار و مشرکین کا وہ خاص لباس ہے جس
سے کفر و اسلام میں فرق و امتیاز پیدا ہوتا ہے اور جس کو اختیار کرنا، گویا اپنے کافر ہونے کا اظہار کرنا
ہے۔ اسی طرح قلنسوة المجوس سے عام ٹوپی مراد نہیں ہے جو مسلم و کافر میں مشترک ہو گئی ہو یا
عام لباس مراد نہیں۔ ایسا عام لباس جسے کافر و مسلم دونوں پہنیں بلکہ اس ٹوپی سے ان کی خاص ٹوپی
مراد ہے جس کے پہننے سے یہ پہچان ہوتی ہے کہ یہ مجوسی ہے تو جس لباس میں اس درجہ کی شعاریت
و اختصاصیت با کفار پائی جائے گی وہ لباس ہو یا کوئی اور چیز بلاشبہ ممنوع قرار پائے گا۔

ان حوالوں سے واضح ہوا کہ کفار و مشرکین کی ٹوپی جس کا پہننا حرام و کفر تک ہے اس سے ایسی
خاص وضع کی ٹوپی مراد ہے جو مسلم و کافر میں اس طرح وجہ امتیاز بنے جیسے فتنہ۔ اس کے علاوہ ٹوپی ہوا
کوئی لباس جو کفار کا مذہبی شعار نہ ہو بلکہ عمومی لباس ہو۔ اس کا پہننا مسلمانوں کو منع نہیں ہے۔
برنس لباس نصاریٰ | ۶۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برنس پہنی ہے (بخاری)

امام لغت جہری نے لکھا ہے۔ ۱۔ برانس جمع برنس۔ ہوکل ثوب راسہ ملتزق بہ و قال الجوهری هو قلنسوة طویلۃ کان النساك یلبسوها فی حداد الاسلام علامہ بدر محمد عینی شارح بخاری نے حدیث بخاری کے تحت لکھا کہ

وسئل مالک عن لبسها اتكسها فانہ یشبه لباس النصارى قال لا یاس بھا وقد كانوا یلبسونها هنا (یعنی) ص ۳۰۶ ج ۱۹

اور حضرت امام مالک سے پوچھا گیا کہ یہ برنس تو عیسائیوں کے لباس کے مشابہ ہے تو آپ نے فرمایا اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں، عیسائی یہ لباس وہاں پہنا کرتے تھے۔

نہ صرف یہ بلکہ برنس کی کیفیت یہ ہوگئی کہ عہد نبوی میں مسلمان اس کو بلا روک ٹوک پہننے لگے حتیٰ کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ بجا لیت احرام کیا پہنا جائے تو آپ نے فرمایا۔

لا تلبسوا القمیص والسر او یل و العمامۃ والبرانس (بخاری)

قیمص سر اویل، عمامہ اور برنس بجا لیت احرام مت پہنو

یہ برنس وہی ہے جو لباس نصاریٰ کے مشابہ ہے لیکن اس کے باوجود بغیر کسی اعتراض کے صحابہ کرام برنس پہننے لگے۔ حتیٰ کہ خود حضور علیہ السلام نے مذکورہ بالا حدیث میں برنس کا ذکر فرما کر اس کے جائز و مباح ہونے کا اظہار فرمایا۔ غور کیجئے برنس جو لباس عجم اور وضع نصاریٰ ہے بلکہ عیسائیوں کے لباس کے مشابہ بھی ہے مگر اس کے باوجود صحابہ کرام برنس کو پہن رہے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے برنس غیر مسلموں کا عمومی لباس تھا۔ اس لباس کی وضع قطع کا عیسائیوں کے مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا اس لیے مسلمانوں کو اس لباس کا پہننا مباح قرار پایا۔

۷۔ علامہ کردری الملم فقہ حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہشام نے

بال کے چمڑے کی جوتیاں | امام ابو یوسف (امام ثانی) کو لوہے کی کیلوں سے سلی ہوئی جوتیاں پہنے دیکھا تو عرض کی کیا آپ ان جوتیوں کے پہننے میں کوئی حرج نہیں دیکھتے یہ تو عیسائی راہبوں کے

لہ قال ہشام رايت علی الامام الشافعی۔ فعلمین محققین۔ بما میرا الحدید فقلت انتی یاسا فانہا من لباس الرهبان وكان الثوری ابن یزید یکرهہ فقال کان علیہ السلام یلبس لنعال التی۔ لها شعر۔ اشارہ الی ان المشابہۃ بالرهبان فی فعل فیہ صلاح العباد لا یضران الا راضی ما لا یمکن قطعها بمثل ہذہ النعال کالجبال والارضی الصلبة

(وحید کردری ج ۳ ص ۳۳)

لباس سے ہے اور امام ثوری ابن یزید علیہ الرحمۃ ان مجتہدوں کے پہننے کو مکروہ جانتے تھے۔ امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بال کے چمڑے کی جوتیاں استعمال فرمائی ہیں۔ علامہ کوروی فرماتے ہیں کہ امام یوسف نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اگر کسی فعل میں عیسائی راہبوں سے مشابہت ہو مگر اس کام میں لوگوں کا فائدہ ہو تو ایسے فعل کو اختیار کرنے میں عرج نہیں کیونکہ پتھریل زمین اور پہاڑوں پر کیلوں والی جوتیاں ہی کام دیتی ہیں۔

غور فرمائیے کہ بالوں والی جوتی اور لوہے کے کیلوں والی جوتی عیسائی راہبوں کے لباس سے بھتی لیکن اس کے باوجود خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائی حتیٰ کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے بہار شریعت میں تحریر فرمایا۔ بال کے چمڑے کی جوتیاں جائز ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ اس قسم کی نعلین استعمال فرمائی ہیں۔ لوہے کی کیلوں سے سٹے جوئے جوتے جاتے ہیں، بلکہ اس زمانے میں ایسے بہت سے جوتے ہیں جن کی سلائی کیلوں سے ہوتی ہے (عالمگیری) بہار شریعت حصہ شانزدہم ص ۵۹

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص فرماتے ہیں۔

<p>حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھاتے دیکھا تو فرمایا یہ تو کافروں کے لباس ہے اسے مت پہنو۔</p>	<p>رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ ثوبین معصفرین فقال ان ہذہ من ثیاب الکفار۔ فلا تلبسہما (مسلم)</p>
--	---

ثوب معصفر کو حضور علیہ السلام نے لباس کفار قرار دیا ہے کوئی مسلمان جو یہ کہے کہ یہ لباس کفار نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود جمہور علماء صحابہ و تابعین امام شافعی و امام اعظم سراج امت سیدنا امام ابو حنیفہ و امام مالک فرماتے ہیں کہ ثوب معصفر کا پہننا صرف مکروہ تنزیہیہ ہے کہ نہ پہننا بہتر ہے، پہننا تو گناہ نہیں ہے۔ اس موقع پر ایک بات عرض کروں گا کہ معصفر سے رنگے ہوئے کپڑے کے پہننے میں اختلاف ہے اور شیخ محقق نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ مختار مذہب حنفی کراہت تحریمی است تو شیخ محقق کا ارشاد مختار مذہب حنفی کراہت تحریمی ہے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ من ثیاب الکفار لہ واختلف العلماء فی ثیاب المعصفرۃ وہی المصبوغة بعصفر فاباحہا الجمهور العلماء من الصحابۃ و التابعین۔ ومن بعدہم وہ قال الشافعی و ابو حنیفہ و مالک و لکنہ قال غیرہا افضل۔ منها۔ وقال جماعۃ من العلماء و هو مکروہ کراہۃ تنزیہیہ و حملوا النہی علی ہذا (نوی)

تھا بلکہ وجہ ممانعت مصبورج بصغر ہونا ہے۔ بلکہ مرقات میں ابن الملک نے فرمایا حضور نے ثوبِ معصفر سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ کپڑا رنگ کی وجہ سے عورتوں کے طبوسات کے مشابہ ہے۔ علامہ علی قاری نے فرمایا کہ کافر محلال و حرام میں تمیز نہیں کرتے اور عورت مرد کے کپڑوں میں باعتبار رنگ و ڈیزائن کے فرق نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے حضور نے اس لباس کو من جنس ثیاب الکفار قرار دیا تو اس سے واضح ہوا کہ کسی لباس کا شخص من ثیاب الکفار ہونا ممانعت کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ وضع میں اختصا صیت شعا ریت باکفار ہونا لباس کے ممنوع قرار دینے کے لیے شرعاً ضروری و لازمی ہے۔ جیسے ان ہذا من ثیاب الکفار میں شعا ریت و اختصا صیت باکفار و مشرکین نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس ثوبِ معصفر کا مستورات کو پہننا بلا خلاف جائز ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کی دوسری حدیث میں ہے۔ جب عبداللہ بن عمر بن العاص نے محسوس کیا کہ حضور نے ثوبِ معصفر کو ناپسند فرمایا ہے تو انھوں نے اس کو جلادیا۔ جب حضور کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ افلکسوة بعض اہلک فنانہ لا لباس بلہ النساء (ابوداؤد) تم نے اپنی بی بی کو کیوں نہیں پہنا دیا کہ مستورات کے لیے معصفر کپڑا پہننا جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ لباس شعا ریت سے ہوتا تو عورتوں کو بھی اس کا پہننا ناجائز ہوتا کیونکہ جس لباس کی وضع قطع شعا ریت کفار ہو تو جیسے مردوں کو اس کا پہننا ممنوع ہے ایسے ہی عورتوں کو بھی اس کا پہننا ناجائز ہے۔ حدیث ابوداؤد سے واضح ہوا کہ مذکورہ بالا کپڑا وضع کفار ہی تھا مگر اس کی وضع میں اختصا صیت شعا ریت باکفار و مشرکین نہ تھی۔ وہ عام لباس کی حیثیت و کیفیت میں تھا۔ اس لیے اس کا پہننا جائز قرار پایا

فقہاء اسلام نے شعاری لباس میں بھی قصد نیت کا لحاظ کیا ہے (۹) علامہ کدوری اور علی قاری نے وجہ زور

مرقات میں لکھا ہے۔ اگر کسی مسلمان نے محسوس سے گائے خریدی اور وہ بغیر محسوس ٹوپی پہنے دودھ نہیں دیتی کہ وہ اس کے ہاتھ پر ہل چکی تھی تو ایسی صورت میں دودھ حاصل کرنے کے لیے قلنسۃ المجوس کا پہننا کفر نہیں۔

وفي المسئلة القلنسوة ان وضعه على راسه لان البقرة لا تعطيه اللبن الابله لا يكفر

لہ وقال ابن الملک وانما نهى الرجال عن ذلك لما فيه من التشبه بالنساء - فقال ان هذ - اشارة الى - جلوس الثياب المعصفرة من ثياب الکفار ای الذین لا یبیزون بین الحرام والحلال ولا یفرقون بین النساء والرجال (مرقات ج ۴ ص ۴۲)

معلوم ہوا کہ شریعت نے خاص شعار کفر میں بھی ضرورت و قصد کا لحاظ کیا ہے۔

وفي الفتاوى الصغرى من قلنس بقلنسوة المجوس اى لبسها وتشبههم فيها او خاط خرقه صفراء على العاتق اى وهو من شعارهم او شدة في الوسط خيطا - كقرا اذا كان مشابها يخيطنهم او سماه زنازا او ا فلا يكفر وفي الخلدصة من وضع قلنسوة المجوس على راسه قال بعضهم يكفر وقال بعض المناشرين ان كان لضرورة البر او لان البقرة لا تعطيه اللبن حتى يلبسها لا يكفر ولا كفرا (وجيز)

لوح سلطانی (جو کہ کڑی یا پانڈی کی بنی ہوئی ہے) اس کو لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں ہے۔ (دبازیر) اسی طرح مغول کی ٹوپی پہننے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق بھی دین سے نہیں ہے۔

(۱۰) وتعلق البایزة اعنى اللوح السلطاني اشارة ملكيه لا تعلق لها بالدين كان من خشب او فضة وكذا اللبس قلنسوة المغول لانه علامة ملكيه لا تعلق له بالدين (وجيز ص ۳۱۳)

غور کیجئے! لوح سلطانی زمار سے مشابہت رکھتی ہے۔ قلنسوة المغول مغلوں کی ٹوپی کا من ذی الاعاجم ہونا بالکل واضح ہے۔ لیکن اس کے باوجود دونوں کا استعمال مسلمانوں کو جائز۔ اس وجہ حضرت علامہ کٹوری علیہ الرحمۃ نے یہ بتائی کہ ان دونوں چیزوں کا دین سے تعلق نہیں ہے اور یہ کہ قلنسوة المغول میں صرف ملکی نسبت ہے۔ شعاری نہیں، جس سے یہ واضح ہوا کہ جو لباس یا فعل من زى الاعاجم، یا، من ضیغ الاعاجم ہو تو محض یہ نسبت اس کے ممنوع ہونے کے لیے شرعاً کافی نہیں بلکہ ممنوع اسی صورت میں ہے جب کہ وہ فعل یا لباس شعار کفار ہو۔

(۱۱) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز احکام شریعت میں لکھتے ہیں اور دوسرے ملک

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی لباس ایک ملک میں شعار کفار ہو اور وہی لباس دوسرے ملک میں شعار کفار نہ ہو

میں کسی اسلامی قوم کی وضع ہونا کافی نہیں جب کہ اس ملک میں کفار و فاسق کی وضع ہو۔ معلوم ہوا کہ لباس میں شعاریت و اختصاصیت کا لحاظ اسی ملک میں دیکھا جائیگا۔ جس ملک میں اس لباس کے متعلق حکم شرعی معلوم کرنا ہے۔ مثلاً اگر ایک لباس پاکستان میں شعار کفار نہ ہو، لیکن یہی لباس

ترکی میں کفار کا شمار ہو تو فقہاء کرام بیک وقت اس لباس کو ترکی میں ممنوع اور پاکستان میں جائز قرار دیں گے۔

جو لباس شعار کفار ہو، اسمیں تبدیلی کر دی جائے تو پھر وہ شعار نہیں رہتا | اعلیٰ حضرت سے ہندوؤں کی دعوت

کے ساتھ نماز پڑھنے کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے حسب ذیل الفاظ میں جواب دیا۔

”اور دعوتی باندھ کر بھی کردہ ہے کہ اگر لباس ہندو وغیرہ نہ ہو تو کپڑے کا پیچھے گھرنا ہی نماز کو مکروہ کرنے کے لیے بس ہے۔ لہذا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن کف ثوب او شعر۔ ہاں پیچھے نہ گھرے تو وہ دعوتی نہیں تہمند ہے کہ اس میں کچھ کراہت نہیں بلکہ سنت ہے۔ (احکام شریعت حصہ اول ص ۳)

نور کیجئے! دعوتی ہندوؤں (کفار و مشرکین) کا شعار ہے لیکن کب جب اسے پیچھے سے گھرنا جائے لیکن اس وضع میں تبدیلی کر دی جائے اور بجائے پیچھے سے گھرنے کے آگے سے گھر سی جائے ثواب وہ دعوتی وضع کفار و مشرکین نہ رہے گی اور اگر اسی دعوتی کو پیچھے سے نہ گھرنا جائے اور تہمند کی طرح باندھا جائے ثواب میں تبدیلی سے وہ تہمند ہو گئی اور نماز پڑھنا اس میں مستحب و کارِ ثواب ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ جو لباس شعار کفار ہے اگر اس کی وضع قطع ڈیزائن اور پہننے کا انداز تبدیل کر دیا جائے تو پھر وہ لباس شعار کفار و مشرکین نہ رہے گا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ شعار کفار اور اس سے متعلقہ چند مسائل کے متعلق ہم نے مجل و مختصر گفتگو محض نفس مسئلہ کے اظہار کے لیے کر دی

ضروری وضاحت

ہے۔ یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ مسلمان اپنے ملکی و قومی لباس پر مغربی ممالک کی وضع قطع کے ملبوسات کو ترجیح دیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ پاکستان میں غیر مسلم ممالک سے پُرانے اور نئے ملبوسات بہر حال آرہے ہیں اور پُرانے ملبوسات کی کیفیت تو یہ ہے کہ متوسط طبقے کے مسلمانوں کے لیے ان کا استعمال ناگزیر ہو گیا ہے۔ توقع ہے کہ ہماری یہ تحریر اس معاملہ میں آپ کی رہنمائی کرے گی۔

کہ ایک یہودی عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کا زہر آلود گوشت پیش کیا تو آپ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ پھر اسے لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کو قتل کر دیں۔ راوی کا بیان

۲۲۲۱ - عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ فَأَكَلَ مِنْهَا فَجِئَتْ بِهَا قِطِيلٌ أَلَا نَقْتُلَهَا قَالَ

لَا تَنَازَلَتْ أَعْرَفُهَا فِي كَلِمَاتٍ | ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | تاویں ہمیشہ اس کا اثر دیکھتا رہا۔ (بخاری)

قوائد ومسائل (۱) اس حدیث کو مسلم نے طب میں اور ابو داؤد نے دیات میں ذکر کیا ہے ۲۔ عنوان
سے مناسبت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہودیہ کے مہرب کو قبول فرمایا سو۔ اس یہودی عورت کا نام زینب تھا
اس کے اسلام لانے میں اختلاف ہے ۴۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اہل کتاب کا فیہر حلال ہے ۵۔ اس
امر پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور مرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو یا زہر کا اثر صرف آپ کے ظاہری جسم اقدس
تک محدود رہتا ہے، جیسے بخار آجانا یا سر میں درد ہو جانا، تلوار کا زخم لگ جانا وغیرہ۔ مگر جادو یا زہر آپ کے
حواس عقل و فہم اور قلب اقدس اور اعتقاد پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ — نبی علیہ السلام کو معلوم تھا کہ
گوشت زہر آلود ہے مگر آپ نے کھایا اس لیے کہ اس یہودی نے حضور کی نبوت کی صداقت کا یہ معیار قائم
کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو زہر آپ پر اثر نہیں کرے گا۔ بہر حال حضور کا زہر آلود گوشت تناول فرمایا اور
اس کا اثر نہ کرنا آپ کا معجزہ بھی ہے اور صداقت و حقانیت کی دلیل بھی۔

۲۴۲۲۔ ابو عثمان کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم ایک ستویں
افراد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں کسی کے پاس کھانا
ہے؟ ایک آدمی کے پاس صاع کے لگ بھگ آٹھ تھوہ گوندھا گیا۔ پھر ایک مشرک، بکھرے بالوں والا،
دراز قد دیوڑ کوٹ بختا ہوا آگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بکری بیچنے یا علیلہ دینے کے لیے پوچھا یا
فرمایا کہ مہیہ۔ اس نے کہا نہیں بلکہ بیچتا ہوں تو اس سے ایک بکری خرید لی۔ پھر اسے بنایا گیا اور نبی کریم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلبی بھوننے کا حکم دیا۔

فَأَمَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِسَوَادِ الْبَطْنِ أَوْ يُشَوِّحُ وَآيُهُ
اللَّهُ مَا فِي الثَّلَاثِينَ وَالْمِائَةِ إِلَّا
فَدَحْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَهُ حُزْرَةٌ مِنْ سَوَادِ بَطْنِهَا إِنَّ كَانَ
شَاهِدًا أَعْطَاهَا إِيَّاهُ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا
حَبَالَهُ فَجَعَلَ مِنْهَا تَقَضَّتَيْنِ فَآكَلُوا

خدا کی قسم ایک ستویں افراد میں سے ایک بھی نہ بچا
جس کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلبی میں سے
حصہ دیا ہو۔ اگر کوئی حاضر تھا تو اسے حصہ دے دیا گیا
اور جو موجود نہ تھا اس کے لیے حصہ رکھ دیا پھر اسے
دو برتنوں میں ڈال لیا۔ پس تمام لوگوں نے شکم سیر
ہو کر کھا لیا اور دو برتنوں میں گوشت بچ رہا جو ہم نے
اونٹ پر لا دیا یا جو کچھ فرمایا۔

أَجْمَعُونَ فَنَبِغًا فَفَضَلَتِ الْقَضَوَاتِ فَحَمَلْنَا عَلَى الْبَعِيرِ وَأَكْمَأْأَلًا (بخاری)

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ ایک کلیجی سے ایک سو تیس آدمیوں نے حُربِ بیہرہ کو کھایا۔ ایک صاع آٹا اور بکری کے گوشت میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھایا۔ حاضرین کو کھلایا۔ جو غائب تھے ان کا حصہ رکھ لیا گیا اس پر بھی گوشت بچ گیا اور اسے اُٹوٹ پر لا دیا گیا۔ اس نزع کے معجزات حضور سے متعدد بار ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ہماری تصنیف طبع الصفا جو مکتبہ رضوان لاہور سے مل سکتی ہے۔

بَابُ الْهَدِيَّةِ لِلْمُشْرِكِينَ

ادبیہ دینا

مشرکوں کو

اور شاد رہانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے منع نہیں کرنا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور ہمیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَفَرُوا فِي الدِّينِ وَلَكُمْ فِيهِمْ حُكْمٌ مِنْ دِينِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا هُمْ وَتَقْسِطُوا إِلَيْهِمْ

یہ سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر ۶ ہے جسے ذکر کر کے امام بخاری علیہ الرحمہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کون سے مشرکین کو ہدیہ دینا جائز ہے اور کون سے مشرکین کو ہدیہ دینا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ یہ آیت خزانہ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی علیہ السلام سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے مخالفوں کو مدد دیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے کفار و مشرکین سے سلوک کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ یہ آیت ان کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں نازل ہوئی۔ جب کہ ان کی کافر والدہ جن کو حضرت ابوبکر نے ظہور اسلام سے قبل طلاق دیدی تھی۔ اپنی بیٹی حضرت اسماء کے لیے دین شریف میں تحفے تحائف لے کر آئیں تو حضرت اسماء نے ان کے ہلایا قبول نہ کیے اور انہیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت نہ دی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرک والدین اور عزیز و اقارب سے تحفے تحائف قبول کرنا اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا جائز ہے۔ یعنی مجرد معاملات اور دنیا داری اور خون کے رشتہ کے میل طبعی کی بنا پر سلوک کرنا جائز ہے۔ ۲۴۴ھ۔ امام بخاری نے یہاں حدیث ابن عمر دوبارہ کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو رشتہی محلہ بطور ہدیہ عطا فرمایا۔ حضرت عمر نے وہ رشتہی محلہ اپنے رضاعی کاخر بھائی کو بھجوا دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اپنے کاخر و مشرک بھائی بہن ماں باپ کو ہدیہ دینا جائز ہے۔ یہ حدیث کتاب الحج

اور باب ہدیۃ مایکرہ لیسہا میں گزر چکی ہے۔ وہاں ہم نے اس حدیث کے مسائل بیان کر دیئے ہیں۔ ضرور دیکھئے حدیث نمبر ۲۴۳

مجرّد معاملات ہر کافر سے جائز ہے واضح ہو کہ مجرد معاملات ہر کافر سے جائز ہے یعنی اگر کسی کلم کا دینی و دنیوی نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ بہر حال نبیاداری کے طور پر کافر و مشرک کو تحفہ وغیرہ دینا جائز ہے

- چنانچہ سیدنا امام محمد علیہ الرحمہ کتاب الذنائب میں لکھتے ہیں -

مشرک مقابل کو ہدیہ بھیجنے میں حرج نہیں جب تک جھنجھار یا زہر نہ ہو (یعنی ایسی کوئی چیز نہ ہو جس سے مسلمانوں کو دینی یا دنیوی نقصان ہو)۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے کیونکہ یہ مجرد معاملات ہے (موالات نہیں ہے) اور مجرد معاملات ہر کافر و مشرک سے جائز ہے جب کہ اس میں اعانت کفر و معصیت نہ ہو اور نہ نقصان اسلام و شریعت -

کافر والدین سے بہر حال نیک سلوک کرنا واجب ہے قرآن مجید میں ارشاد باری ہے -

اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔

وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِإِ
مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا
وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقن)

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر والدین کفر و شرک کا حکم کریں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے کیونکہ خالق کی نافرمانی کرنے میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے البتہ کافر و مشرک والدین کے ساتھ حسن اخلاق حسن سلوک احسان و تحمل کے ساتھ پیش آنا لازم ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جائز بات میں کافر و مشرک والدین کی اطاعت بھی واجب ہے۔

واضح ہو ماں باپ اولاد بھائی بہن سے طبعی اور قدرتی لگاؤ ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ کافر و مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ چونکہ یہ انسان کے اختیار کی بات نہیں ہے۔ اس لیے اس پر مواخذہ نہیں ہوگا اور اس میل طبعی کی بنا پر انہیں حربہ وغیرہ دینا اور نیک سلوک کرنا جائز ہے۔

غزوہ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباس بھی (جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے) قیدیوں میں شامل تھے۔ حضرت عباس کی کراہ سن کر رات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آرام نہ فرما سکے۔ صحابہ نے جب حضور کی یہ کیفیت دیکھی تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی گرہ کھول دی تب جا کر نبی علیہ السلام کو سکون ہوا۔
محبت آمیز رویہ غور کے رشتہ کا تقاضا تھا۔

واضح ہو مولات محبت و دوستی ہر کافر و مشرک سے
حرام ہے اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو۔ حتیٰ کہ اپنا باپ بیٹا

مولات کفر سے حرام ہے

ہو ہی بہن یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ ارشاد باری ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَ
رَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَ
هُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ (مجادلہ)

مطلب آیت یہ ہے کہ مومنین کی یہ شان ہی نہیں ہے۔ ان سے جو ہی نہیں سکتا کہ خدا و رسول
کے دشمنوں، اللہ و رسول کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے والوں سے مودت و محبت اور دوستی
رکھیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا کردار اور ان کی سیرت اس آیہ مبارکہ کی سچی تصویر تھی۔ چنانچہ
حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے جنگ اُحُد میں اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور حضرت ابوجبر صدیق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے روزِ بدر اپنے بیٹے عبدالرحمن کو مبارزت کے لیے طلب کیا لیکن رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے انہیں اس جنگ کی اجازت نہ دی اور مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا
اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو روزِ بدر قتل کیا اور
حضرت علی بن ابی طالب و حمزہ و ابو عبیدہ نے ربیعہ کے بیٹوں علیہ اور شیبہ کو اور ولید بن عتبہ کو بدر میں قتل
کیا جہاں مکے رشتہ دار تھے۔

عروہ کا بیان ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر
رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں میری والدہ میرے پاس
آئی جب کہ وہ مشرک تھی۔ پس میں نے رسول اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا اور عرض کر دیا کہ
وہ اسلام کی طرف رابع ہیں تو کیا میں اپنی والدہ

۲۴۴۴۔ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ
قَدِمْتُ عَلَى أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي
عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قُلْتُ وَهِيَ رَاغِبَةٌ أَنَا صِلُ
أُمِّي قَالَ لَعَنَ صِلَةَ أُمِّكَ (بخاری)

سے صلہ رحمی کروں؟ فرمایا کہ ہاں اپنی والدہ سے صلہ رحمی کرو۔

قوائد و مسائل

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے جزیہ، ادب میں اور امام مسلم و ابوداؤد نے زکوٰۃ میں ذکر کیا ہے ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ کافر ماں باپ سے صلہ رحمی کرنا جائز ہے بلکہ بعض علمائے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ والدین اگر کافر ہوں اور محتاج ہوں تو ان کا نان نفقہ مسلمان کا فرماں باپ سے صلہ رحمی کرنا جائز ہے اور محتاج ہوں تو ان کا نان نفقہ مسلمان بیٹے پر واجب ہے۔ (یعنی جلد ۱۳ ص ۱۶۷)

بَابُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَرْجِعَ فِي

بَابُ هَبْهَ كَيْ تَكُنْ شَيْءٌ كَوَافٍ لَهَا

هَبْتِهِ وَصَدَقْتَهُ | حلال نہیں ہے

واضح ہو کہ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے ماتحت جو تین عدد حدیثیں درج کی ہیں۔ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مہر کی گئی چیز کو واپس لینا حلال نہیں ہے۔ اول اس لیے کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ باپ نے اگر بیٹے کو کوئی چیز مہر کی ہے تو اسے واپس لینا جائز ہے۔ لہذا امام بخاری کا مطلقاً مہر کی گئی چیز کو واپس لینے کے متعلق لایکل فرمانا کیونکہ درست قرار پائے گا؟ کیونکہ عنوان میں عموم ہے اس لیے بھی کہ نکرہ جب سیاق نفی میں ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ دوم اگر یہ کہا جائے کہ لَا يَحِلُّ زِيرَ عُنْوَانِ حَدِيثِ كَيْ تَكُنْ شَيْءٌ كَوَافٍ لَهَا درست نہیں کیونکہ زير عنوان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ مہر کر کے واپس لینا مردّت کے خلاف ہے شرعاً ممنوع نہیں ہے جیسا کہ ابن ماجہ، دارقطنی، ابن ابی شیبہ، طبرانی کی حدیثوں سے واضح ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ الرَّجُلُ أَحَقُّ بِمَهْرِهِ مِمَّا كَانَتْ يَتْبُهَا اور ابن عباس سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں مَنْ وَهَبَ هَبْتَهُ فَلَمْ يَأْتِ أَحَقُّ بِمَهْرِهِ مِمَّا كَانَتْ يَتْبُهَا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیثیں فوت میں امام بخاری کی روایت کردہ حدیثوں کے مساوی نہیں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حاکم نے مستدرک میں حضرت عمر سے جو روایت کی ہے وہ صحیح مرفوع حدیث ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور حاکم نے فرمایا ہے کہ هذا حديث صحيح على بشرط الشيخين ولم يخرجاه۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے احکام میں یہی فرمایا ہے حتیٰ کہ ابن حزم نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ بہر حال یہ واضح ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کا مطلقاً مہر میں رجوع کرنے کو لَا يَحِلُّ کہنا درست دکھائی نہیں دیتا۔ مزید تفصیل کے لیے فیوض پارہ دہم صفحہ ۱۱۰ سے ۱۱۴ تک ضرور مطالعہ فرمائیے۔

۲۴۴۵۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ | حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت

روایت کی ہے کہ بنی صہیب مولیٰ ابن جدعان نے دو گھروں اور ایک حجرے کا دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ صہیب کو عطا فرمایا تھے پس مروان نے کہا کہ تمہارے اس دعویٰ کی گواہی کون دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ پس انہیں بلایا گیا تو انہوں نے شہادت دی کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صہیب کو دو مکان اور ایک حجرہ عطا فرمایا تھا۔ پس مروان نے ان کی شہادت پر ان لوگوں کے حق میں فیصلہ دیدیا۔

أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ بَنِي صَهَيْبٍ مَوْلَى بْنِ جَدْعَانَ ادَّعَوْا ابْنَيْنِ وَحُجْرَةً أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى ذَلِكَ صَهَيْبًا فَقَالَ مَرْوَانُ مَنْ يَشْهَدُ لَكُمْ عَلَى ذَلِكَ قَالُوا ابْنُ عُمَرَ فَدَعَاهُ فَشَهِدَ لَا عَطَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَهَيْبًا ابْنَيْنِ وَحُجْرَةً فَقَضَى مَرْوَانُ بِشَهَادَتِهِ لَهُمْ

۱۔ امام بخاری نے کتاب البہر میں اس حدیث کو درج کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر مہر کے متعلق کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو اس کا تصفیہ دیگر دعویٰ کی طرح ہوگا۔ یعنی جیسے دیگر دعویٰ کے تصفیہ کے لیے حاکم شہادت۔ قسم وغیرہ کا ہونا ضروری ہے۔ ایسے ہی مہر کے معاملات کو طے کیا جائیگا یعنی مدعی گواہ پیش کرے یا مدعی علیہ قسم کھائے ۲۔ مروان نے صرف عبداللہ بن عمر کی تنہا گواہی پر فیصلہ کر دیا۔ قسم کا حدیث میں ذکر نہیں ہے۔ بہر حال کچھ لوگ یہ رائے رکھتے ہیں۔ دو گواہ یا صرف ایک گواہ اور اس کی قسم پر فیصلہ کر سکتے ہیں لیکن احناف اس استدلال کے متعدد جواب دیتے ہیں جن میں ایک گواہ اور اس کی قسم (پر فیصلہ کر دینے) والی حدیث منسوخ ہے۔ نیز نص قطعی کے خلاف ہونے کے علاوہ مشہور حدیث کے بھی خلاف ہے مسئلہ کی مکمل بحث آئندہ اوراق میں ہوگی انشاء اللہ۔

بَاب مَا قِيلَ فِي الْعُمَرَى وَالرُقْبَى

باب عمری اور رقبی کے بارے میں اقوال

میں نے تم کو مکان عمر بھر کے لیے دیا۔ یہ عمری ہے کہ میں نے اسے اس کے لیے کر دیا اور اِسْتَعْمَرْتُ کُمُ قَيْنًا یعنی تمہیں زمین میں آباد کیا۔

ابو سلمہ کا بیان ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمری کے

أَعْمَرْتُهُ أَلَا أَرْقُبُهَا عُمَرَى جَعَلْتُهَا لَكَ وَاسْتَعْمَرْتُكُمْ فِيهَا جَعَلْتُكُمْ عُمَرَا

۲۴۴۹ - عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِالْعُمَرَىٰ أَنَّهُمَا لَمْ يُوْثِقْتَا لَهٗ

(بخاری)

۲۴۵۰ - عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهْيَةٍ عَنْ
أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمَرَىٰ جَاثِرَةٌ وَقَالَ
عَطَاءٌ حَدَّثَنِي جَابِرٌ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ (بخاری)

بارے میں فیصلہ فرمایا کہ یہ اسی کا ہے جس کو ہمبہ
کیا گیا ہے۔

بشیر بن نہیک نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ
عنه سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ عمری جاثرہ عطا نے کہا۔ حضرت جابر
رضی اللہ تعالیٰ عنه نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کی ہے۔

فوائد مسائل

۱۔ عمری جاثرہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مثلاً مکان عمر بھر کے لیے کسی کو دے دیا۔ ہا یہ
میں ہے کہ جس کو عمر بھر کے لیے مکان دیدیا اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو اب یہ
مکان عمر بھر کے لیے (معمولہ) ہکا ہو گیا۔ جب تک وہ زندہ ہے وہ مکان اس کا ہے۔ اس کے بیٹی عمر
کے مرجانے کے بعد اس کے وراثت لینے۔ دینے والا واپس لے سکتا ہے۔ اور نہ اس کے وراثہ۔
امیر المؤمنین سینا علی کرم اللہ وجہہ الکریم جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر اور قاضی
شترج مجاہد، طاووس، ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب ہے اور ربیعہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ
و محمد مالک کے نزدیک باطل ہے اور امام ابو یوسف اور امام شافعی و امام احمد ربیعہ کو جائز قرار
دیتے ہیں۔ ربیعہ کی صورت یہ ہے کہ کسی کو مکان اس شرط پر دے کہ اگر میں تجھ سے پہلے مرجاؤں تو تو اس
کا مالک ہے اور اگر تو مجھ سے پہلے مرجائے یہ میرا ہوگا۔ اس کو ربیعہ اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں
سے ہر ایک دوسرے کی موت کا خواہاں رہتا ہے۔

باب مَنِ اسْتَعَارَ مِنَ النَّاسِ الْقَرَسَ

باب جس نے لوگوں سے گھوڑا مستعار لیا

قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انس کو
فرماتے ہوئے سنا کہ مدینہ منورہ میں حملہ کا خطرہ
محسوس ہوا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے حضرت ابو طلحہ سے گھوڑا مستعار لیا جس کو سندوب
کہتے تھے اور سوار ہو گئے جب آپ واپس لوٹے تو
فرمایا کہ ہم نے تو ذرا بھی خوف کی بات نہیں پائی

۲۴۵۱ - عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا
يَقُولُ كَانَ فِرْعَ بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَسًا
مِنْ أَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ سِنْدُوبٌ فَرَكِبَ
فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَأَيْتُمَا مِنْ شَيْءٍ
وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا (بخاری)

اور نہ پایا ہم نے اس گھوڑے کو مگر دریا۔

۱۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ اب عاریت کے مسائل و احکام بیان فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے چند احادیث ذکر کی ہیں جن سے عاریت کا مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے ۲۔ منہ وب حضرت ابو طلحہ کے گھوڑے کا نام ہے ۳۔ مدینہ منورہ میں ایک یاریہ افواہ پھیل گئی کہ دشمن حملہ کرنا چاہتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ سے ان کا گھوڑا عاریت لے لیا، سوار ہوئے مدینہ کے ارد گرد گھوم کر واپس آئے اور فرمایا کوئی خطرہ کی بات دکھائی نہیں دی اور گھوڑے کو تو ہم نے دریا پایا ۴۔ علامہ خطابی نے فرمایا ان وجدناہ لبحراً میں ان نافیہ ہے لبحراً میں لام بمعنی إلا ہے۔

ای ما وجدناہ إلا لبحراً

حضور کے گھوڑوں کے نام | علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ نبی علیہ السلام کے چودہ گھوڑے اور دس تلواریں تھیں البتہ سات عدد پر سب کا اتفاق ہے اسکب یہ گھوڑا نبی علیہ السلام نے بنی فزارہ کے ایک اعرابی سے خریدا تھا۔ یہ کیت تھا۔ یہ سب سے پہلا گھوڑا ہے جو حضور کی ملک میں آیا اور حضور نے سب سے پہلے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کیا ۲۔ **مرحج** یہ آپ نے بنی مرہ کے اعرابی سے خریدا تھا یہ سفید رنگ کا تھا ۳۔ **لزاز** بادشاہ مقوقس نے آپ کو بطور ہدیہ دیا تھا ۴۔ **لحیف** ربیع بن ابی البراء نے ہدیہ دیا تھا ۵۔ **خطب** قیصر روم کی طرف سے بلقار کے گورنر فروہ بن عمرو نے آپ کو ہدیہ کیا ۶۔ **ورد** تیم داری نے آپ کو بطور ہدیہ دیا۔ حضور علیہ السلام نے یہ گھوڑا حضرت فاروق اعظم کو عطا فرما دیا تھا۔ انہوں نے اس پر سوار ہو کر جہاد کیا اور حضرت عمر نے اس گھوڑے کو فروخت کرنا چاہا تو آپ نے نیچنے سے منع فرمایا۔

۷۔ **سجۃ** کسی شاعر نے اس شعر میں ان گھوڑوں کو جمع کیا ہے۔

والخیل سکب، لحیف، سجۃ، ظرب

لزاز، مرحج، ورد، نہا اسرار

مزید تفصیل کے لیے حضرت امام نیشاپوری کی تصنیف شرف المصطفیٰ کا مطالعہ کیجیے۔

عاریت کی تعریف اور اس کے احکام | ۱۔ دوسرے شخص کی چیز کی منفعت کا بغیر عوض مالک کو دینا عاریت ہے جس کی چیز ہے اُسے معبر کہتے ہیں اور جس کو دی گئی ہے مستعیر ہے اور چیز کو مستعار کہتے ہیں ۲۔ عاریت کے بلے ایجاب و قبول ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی فعل ایسا کیا جس سے قبول معلوم ہوتا ہو تو یہ فعل ہی قبول ہے مثلاً کسی سے

کوئی چیز مانگی اس نے لاکر دیدی اور کچھ نہ کہا۔ عاریت ہو گئی اور اگر وہ شخص خاموش رہا کچھ نہیں بولا تو عاریت نہیں (بحر الرائق) ۳۔ عاریت کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ میں نے یہ چیز عاریت دی۔ میں نے یہ زمین تمہیں کھانے کو دی۔ یہ کپڑا پہننے کو دیا۔ یہ جانور سواری کو دیا۔ یہ مکان تمہیں رہنے کو دیا۔ یا عمر بھر کے لیے یہ جانور تمہیں دیتا ہوں اس سے کام لینا اور کھانے کو دینا۔ ۴۔ عاریت کا حکم یہ ہے کہ چیز مستعیر کے پاس امانت ہوتی ہے۔ اگر مستعیر نے تعدی نہیں کی ہے اور چیز ہلاک ہو گئی تو ضمان واجب نہیں ہے اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ شے مستعار ارتفاع کے قابل ہو اور عوض لینے کی اس میں شرط نہ ہو اگر معاوضہ شرط ہو تو اجارہ ہو جائیگا۔ ۵۔ عاریت ہلاک ہو گئی۔ اگر مستعیر نے تعدی نہیں کی ہے یعنی اس سے اسی طرح کا کام لیا ہے جو کام کا طریقہ ہے اور چیز کی حفاظت کی اور اس پر جو کچھ خرچ کرنا مناسب تھا خرچ کیا تو ہلاک ہونے پر تادان نہیں ۶۔ اگر عاریت دیتے وقت یہ شرط کر لی ہو کہ ہلاک ہونے کی صورت میں تادان دینا ہوگا تو ایسی شرط لگانا باطل ہے۔ لہذا اگر بغیر تعدی کے شے مستعار ہلاک ہو گئی تو تادان کی شرط لگانے کے باوجود تادان واجب نہ ہوگا۔ خلاصۃ الفقہ اعلیٰ میں منقول سے منقول ہے۔ فان ضائع فاسانہ ضامن لایضمن ۷۔ واضح ہو کہ اگر شے مستعار۔ بغیر تعدی کے مستعیر کے پاس ہلاک ہو گئی تو اس پر کوئی تادان نہیں ہے۔ بغیر تعدی کا مطلب یہ ہے وہ شے جس نوعیت و کیفیت کی ہے مثلاً کپڑا، سائیکل ۸۔ موٹر گھوڑا لگاتے بھینس بکری وغیرہ کی مستعیر نے اسی طرح خطا اور دیکھ بھال کی جسے اپنی ذاتی چیز کی کرتا ہے تو اگر اس کے باوجود پھر بھی شے مستعار ہلاک ہو گئی تو اب تادان نہیں دینا ہوگا ۹۔ اسخاف کا موقف یہ ہے کہ عاریت امانت کی طرح ہے تو اگر امانت بغیر تعدی کے ضائع ہو جائے تو ضمان نہیں اسی طرح عاریت میں بھی ضمان نہیں ہے۔

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیس علی المستودع غیر المغفل ولا علی المستعیر غیر المغفل ضمان (دارقطنی)۔ یعنی نیز حضور نے فرمایا۔ من اودع ودیلة فلا ضمان علیہ (ابن ماجہ) اگر یہ کہا جائے کہ امام دارقطنی نے عمرو بن الجبار وعبیدہ کو ضعیف کہا ہے اور کہ انہوں نے قاضی شریح کا قول نقل کیا ہے لہذا یہ حدیث مرفوع نہیں ہے موقوف ہے جواب یہ ہے کہ تہرج مجرد مبہم کا اس وقت تک اعتبار نہیں کیا جاتا جب تک سبب جرح نہ بیان کر دی جائے جنہوں نے جرح کی ہے انہوں نے جرح کے اسباب بیان نہیں کئے اور روایت موقوف روایت مرفوع کے معارض نہیں ہوتی اور عبیدہ راوی سے امام بخاری نے تاریخ میں حدیث روایت کی ہے مگر امام بخاری جیسی عظیم شخصیت نے ان پر کوئی جرح نہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا - العاریۃ بمنزلۃ الودیۃ - لاضمان فیہا الا ان یتعدی رواہ
 امام عبد الرزاق فی مصنفہ اور حضرت علیؓ نے فرمایا - العاریۃ لیست بیعاً ولا مضبوطہ
 انتہا ہو معروف الا ان یمخلف فیضمن اخراج ابن ابی شیبہ - بہر حال اخلاف کا موقف
 یہ ہے کہ عاریت میں بغیر تعدی کے ضمان نہیں - سیدنا علیؓ، ابن مسعودؓ، حسنؓ، ثوبیؓ، عمر بن عبد العزیزؓ
 قاضی شریح ادزاعی - ابن شہرمر اور ابراہیمؓ کا بھی یہی موقف ہے اور قاضی شریح نے کوفہ میں تقریباً اسی سال
 اپنی عدالت میں یہ فیصلہ کیا کہ اگر شے مستعار بغیر تعدی کے ضائع ہو جائے تو مستعیر پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔
 البتہ مستعیر پر واجب ہے کہ حسب قرار داد شے مستعار نہ لے کام نکال کر مالک کو واپس کر دے - ۹ - سیدنا
 امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مستعیر خواہ تعدی کرے یا نہ کرے جب شے مستعار مستعیر کے
 پاس ہلاک ہو جائے تو مستعیر کو تاوان دینا ہوگا -

سیدنا امام شافعی حدیث ابی امامہ سے استدلال فرماتے ہیں جسے ابو داؤد نے روایت کیا - ترمذی نے
 حسن اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے - الفاظ حدیث یہ ہیں - العاریۃ مودۃ والزعمیم
 غارم - مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تضمین پر کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید
 میں امانت کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے - ان تؤدوا الامانات فاذا تلفت الامانة لم یلزم
 ملہ و دھا اور حدیث صفوان بن امیہ بہم وجہ سند اور متن کے اعتبار سے مضطرب ہے - اسی لیے
 امام ابو شکور سلمیٰ علیہ الرحمہ نے تنبیہ میں فرمایا - الاضطراب فیہ کثیر - لہذا اس مضطرب
 حدیث سے عاریت کی تضمین ثابت نہیں ہوتی -

باب الاستعارة للعروس عند البناء

باب دہن کے لیے زفاف کے موقع پر کوئی چیز ستار لینا

عبد الواحد ابن امین نے اپنے والد ماجد سے
 روایت کی ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے جب
 کہ انہوں نے قطر کا کرتہ پہنا ہوا تھا جس کی
 قیمت پانچ درہم تھی انہوں نے فرمایا کہ میری اس
 نوپڑی کو دیکھو کہ یہ مجھے گھر میں ایسا کرتہ پہننے سے
 منع کرتی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدُ بْنُ أَبِيْمَنْ قَالَ
 حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ
 وَ عَلَيْهَا دِرْعٌ قَطْرِيَّةٌ مِنْ حُمْسَةٍ
 دَرَاهِمٍ فَقَالَتْ ارْفَعْ بَصْرَكَ الْخِ
 جَارِيَتِي أَنْ تَطْرُقَ إِلَيْهَا فَاسْتَأْذَنَتْهُ
 أَنْ تَلْبَسَ فِي الْبَيْتِ وَقَدْ كَانَ لِحْ
 مِنْهُنَّ دِرْعٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ

علیہ وسلم کے ۴۰ مبارک میں میرے پاس ان میں سے کرتا ہوتا تھا۔ جب مدینہ منورہ میں کسی عورت کو دامن بنانا ہوتا تو مجھ سے وہ قمیص عاریتہ حاصل کر لیتے۔

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَتْ امْرَأَةٌ تُقَعِّنُ بِالْمَدِينَةِ إِلَّا أَدَاكَتْ إِلَى تَسْتَعِيرُهُ

(بخاری)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ قمیص یا اور کوئی چیز ضرورت کے وقت بطور عاریت لینا دینا جائز ہے اور یہ کہ شے ستارے فائدہ اٹھا کر اس کے مالک کو واپس کر دینا واجب ہے۔

باب فَضْلِ الْمَنِيحَةِ

باب دودھ دینے والے جانور کی فضیلت

اعرج نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یا کیسا اچھا عطیہ ہے دودھ دینے والی صاف اونٹنی اور دودھ دینے والی صاف بکری جو صبح کو برتن بھر دیں اور شام کو بھی برتن بھر دیں عبد اللہ بن یوسف اور اسماعیل نے مالک سے روایت کیا۔

۲۲۵۳۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنِعْمَ الْمَنِيحَةُ الْمَلَقَةُ الصَّافِيَّةُ مِنْحَةً وَالشَّاةُ الصَّافِيَّةُ تَغْدُو بِإِنَاءٍ وَتَمُرُّ بِإِنَاءٍ ۲۲۵۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوْسُفَ وَاسْمَاعِيلُ عَنْ مَالِكٍ قَالَ فِضَمَ الصَّدَقَةُ

۱۔ مَنِيحَةُ، عظیمہ کے وزن پر اس اونٹنی یا بکری کو کہتے ہیں جس کا دودھ عاریتاً دیا جائے۔ پھر جانور مالک کو واپس کر دیا جائے۔ علامہ ابن اثیر نے فرمایا۔ منیجہ یہ ہے کہ اونٹنی یا بکری کسی کو عاریتاً دیدی جائے۔

۲۔ عنوان منیجہ کی فضیلت کے بیان میں ہے مگر حضور علیہ السلام نے منیجہ کی فضیلت نہیں بیان فرمائی۔ صرف عمل کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ لَقَحَةٌ بمعنی مَلَقُوحٌ۔ یعنی دودھ والی اونٹنی۔ الصَّافِيَّةُ یہ دوسری صفت ہے یعنی زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی الشَّاةُ الصَّافِيَّةُ صفت موصوف اس کا ماقبل پر عطف ہے۔ واضح ہو کہ مَلَقُوحٌ، صَدَقَةٌ، هَبَّةٌ، هَدِيَّةٌ میں یہ اعتبار لغت کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ عطیہ کے سنی سب میں موجود ہیں لیکن ان میں استعمال کے وقت فرق ہوگا۔ اگر غنی کو صدقہ دیا جائے تو ہبہ ہے اور اگر فقیر کو دیا جائے تو صدقہ ہے۔ علامہ

ابن بطل علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ منیحة کسی چیز کو کسی چیز کے منافع کا مالک بنا دینا ہے نہ کہ اصل چیز کا۔ لہذا عاریتاً لی گئی چیز سے فائدہ اٹھانے کے بعد اس کے مالک کو واپس کر دینا واجب ہے جیسے نبی علیہ السلام نے حضرت انس کی والدہ کو اور مہاجرین نے انصار کو واپس کر دیتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ میں آئے تو ان سے پاس کوئی چیز نہ تھی اور انصار صحابہ زمین و جائیداد تھے تو انصار نے مہاجرین کو زمین اس شرط پر دیدی کہ وہ ہر سال ان کے پھل اور پیداوار دیا کریں گے اور مہاجرین محنت کیا کریں گے حضرت انس کی والدہ ام سلیم جو عبداللہ بن ابوطالب کی والدہ بھی ہیں اور حضرت انس کی والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجور کے

کے چند درخت پیش کر رکھے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ درخت اپنی آزاد کردہ لونڈی حضرت اسامہ بن زید کی والدہ ام ایمن کو عطا فرما دیئے تھے۔ ابن شہاب نے کہا کہ مجھے حضرت انس بن مالک نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچے تو مہاجرین نے انصار کو ان کی جائیدادیں واپس کر دیں جو انہیں کاشتکاری کے لیے انہوں نے دی تھیں چنانچہ حضرت انس کی والدہ کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درخت واپس کر دیئے اور ام ایمن کو اپنے پاس سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے باغ سے چند درخت عطا فرما دیئے

۲۲۵۵۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا قَدِيمَ الْمُهَاجِرِينَ الْمَدِينَةِ مِنْ مَكَّةَ وَكُنَّا بِأَيْدِيهِمْ لَيْعَنَ شَيْئًا وَكَانَتْ الْأَنْصَارُ أَهْلَ الْأَرْضِ وَالْعَقَارِ فَقَاسَسَهُمُ الْأَنْصَارُ عَلَى أَنْ يُعْطُوا هُمْ شِمَارَ أَمْوَالِهِمْ كُلِّ عَامٍ وَيَكْفُرُوا هُمْ الْعَمَلُ وَالْمَوْتَةُ وَكَانَتْ أُمُّ أُمِّ الْأَنْسِ أُمُّ سَلِيمٍ كَانَتْ أُمُّ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ فَكَانَتْ تُعْطِي أُمُّ الْأَنْسِ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَذَاقًا فَأَعْطَاهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ أَيْمَنَ مَوْلَانَتْهُ أُمُّ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّا فَرَعًا مِنْ قَتَلِ أَهْلِي خَيْبَرَ فَأَنْصَرَفَ إِلَى الْمَدِينَةِ رَدَّ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى الْأَنْصَارِ مِمَّا رَحِمَهُمُ النَّبِيُّ كَانُوا أَمْنَحُوا هُمْ مِنْ رِشَادِهِمْ فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أُمِّهِ عَذَاقَهَا وَأَعْطَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ أَيْمَنَ مَكَانَهُمْ مِنْ حَاطِطِهِ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَيْبٍ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ

يُؤْتِس بِهَذَا وَقَالَ مَكَانَهُمْ مِنْ
خَالِصِهِ

(بخاری)

تا کہ وہ اس کا دودھ استعمال کرے یا اس کی اُون
وغیرہ کو ایک عرصہ تک کام میں لائے۔ پھر مالک
کو واپس کر دے۔

فوائد و مسائل

علامہ عینی فرماتے ہیں زیرِ بحث اُن حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث
کے مفار معلوم ہوتی ہے جو کتاب المزارعت میں گزر چکی ہے۔ جواب یہ ہے
کہ مفار ت نہیں ہے کیونکہ حدیث ابو ہریرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انصار کی گزارش یہ تھی کہ کھجور کے
درخت جا جریں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ حضور نے درختوں کی تقسیم سے انکار فرمادیا اور اس حدیث
میں پھلوں کی تقسیم مراد ہے یعنی مہاجر کھجوروں کے درختوں کی دیکھ بھال کریں اور جو پھل پیدا ہو وہ انصار
و مہاجرین تقسیم کر لیں۔ دیکھیے حدیث نمبر ۲۱۷۵

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا عبد نامی حبشی غلام کی
حبشی تزا دی ہوئی تھیں۔ ان سے امین پیدا ہوئے اس
لیے ان کو ام ایمن کہا جاتا ہے انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں حصہ لیا ہے۔ نبی
علیہ السلام نے انہیں آزاد کر کے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا اور
ان سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے۔ (اس لحاظ سے اسامہ اور امین انجانی بھائی جوئے۔ حضرت امین
نے غزوہ حنین میں شہادت پائی) حضرت اسامہ کالے رنگ کے تھے مگر حضور ان پر بہت کرم
فرماتے تھے۔ حضرت اسامہ نے ۵۸ھ میں حضرت امیر معاویہ کے عہد میں وفات پائی۔ حضرت
ام ایمن نے نبی علیہ السلام کے وصال سے پانچ ماہ بعد انتقال فرمایا رضی اللہ عنہم

۲۴۵۶- عَنْ أَبِي كَبْشَةَ السَّلُولِيِّ
سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِوٍ يَقُولُ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَرْبَعُونَ خَصْلَةً أَعْلَاهُنَّ مَنِيحَةٌ
الْعَزِيمَاتُ مِنْ عَامِلٍ يَعْمَلُ بِخَصْلَةٍ
مِنْهَا وَجَاءَ ثَوَابُهَا وَتَصْلُفُ مَوْ
عُودِهَا إِلَّا أَذْخَلَ اللَّهُ فِيهَا الْمَجْنَنَةَ
قَالَ حَسَّانُ فَعَدَدْنَا مَا دُونَ مَنِيحَةٍ

ابو کبشہ سلولی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ
عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ چالیس اچھی عادتوں میں سب سے اعلیٰ عادت
کسی کو دودھ کی بکری دینا ہے اور جو ان عادتوں کے
مطابق عمل کرے، ثواب کی نیت سے اور وعدے
کرنے والے کو سچا سمجھتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ اس
کو جنت میں داخل کرے گا۔ حضرت حسان کا بیان
ہے کہ ہم دودھ زالی بکری کو دینے کے علاوہ جن

عادوں کو شمار کر سکے وہ یہ ہیں۔ سلام اور چھینکے والے کو جواب دینا۔ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا وغیرہ اور ہم پندرہ سے زائد خصائل کو شمار نہیں کر سکے۔

الْعَنْزِ مِنْ رَدِّ السَّلَامِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ
وَالْمَاطَةِ الْإِدَايَ عَنِ الطَّرِيقِ وَمَحْوِهِ
فَمَا اسْتَطَعْنَا أَنْ تَبْلُغَ خَمْسَ عَشْرَةَ
خَصْلَةً

قوائد و مسائل

واضح ہو کہ خصائل حمیدہ یعنی جو عادتیں اور خصلتیں اچھی ہیں وہ بہر حال اچھی ہیں اور کار ثواب ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں خصائل حمیدہ کا ذکر فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس حدیث میں جس تعداد میں ان کا ذکر ہے بس وہی اچھی خصلتیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بھی اچھی خصلتیں ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی ہیں جیسے زیر عنوان حدیث میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پندرہ سے زیادہ خصلتیں شمار نہیں کر سکے تو ان کے اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے علاوہ اور لوگ بھی شمار نہیں کر سکے۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ خصائل حمیدہ کا دائرہ بہت وسیع ہے اور نبی علیہ السلام نے احادیث میں ان کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ بعض علما نے فرمایا کہ ہم نے احادیث کا مطالعہ کیا تو چالیس سے زیادہ خصائل حمیدہ کو پایا۔

۲۴۵۷۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔ ہمارے بعض احباب کے پاس فالقو زمین ہوتی تو لوگوں نے کہا ہم ان کو تہائی چوتھائی اور نصف پیداوار پر دیں گے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جس کے پاس زمین ہو تو وہ اس کو خود کاشت کرے یا اپنے مسلمان بھائی کو مستعار دیے اور اگر یہ نہ کرے تو زمین کو روک رکھے۔ محمد بن یوسف نے کہا میں اوزاعی نے زہری، عطاء بن یزید

اور ابوسعید کے واسطے سے بیان کیا

قَالَ جَاءَ أَغْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ الْهَجْرَةِ فَقَالَ
وَيَحْكُ أَنَّ الْهَجْرَةَ سَأَلَهَا شَدِيدٌ فَهَلْ
لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتَقَطُّعِي
صَدَقْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَنْتَجِ مِنْهَا
شَيْئًا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتَحْلِيهَا يَوْمَ وَرَدِهَا
قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاعْمَلِي مِنْ وَرْدِهَا أَبْحَارَ
فَإِنَّ اللَّهَ لَنْ تَنْزِلَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا

کہ ایک اعرابی بحضور نبوی حاضر ہوا اور اس نے ہجرت کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا تیری غرابی ہو۔ ہجرت کا معاملہ بہت سخت ہے۔ فرمایا تیرے پاس اونٹ ہیں۔ عرض کی جی ہاں۔ فرمایا ان میں سے کچھ عطیہ بھی دیتے ہو۔ عرض کی جی ہاں۔ حضور نے فرمایا۔ دربا کے اس پار کام کرو۔ اللہ تعالیٰ تیرے عمل میں کچھ نقصان نہیں کرے گا۔

(بخاری)

حدیث کا پہلا حصہ جس کا ہم نے صرف ترجمہ پیش کیا ہے کتاب المزارعہ میں گزر چکا ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۱۸۹ عنوان کے مناسب اس حدیث میں **فَهَلْ تَمْنَعُ مِنْهَا شَيْئًا** کے الفاظ ہیں۔ اور اولیٰ منہا احاہ کے الفاظ ہیں۔

۲۲۵۸۔ طائوس کہتے ہیں مجھے صحابہ میں سب سے بڑے عالم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی علیہ السلام ایک زمین کے پاس سے گزرے جس میں فصلیں اہلما رہی تھیں آپ نے پوچھا یہ زمین کس کی ہے لوگوں نے عرض کی فلاں نے کرایہ پر لی ہے۔

فَقَالَ اَمَّا اَنْتَ كَوْنَتْهَا اَيَّاهُ كَانَ اس پر آپ نے فرمایا اگر مالک زمین اسے بطور **خَبِيرٍ لِلَّهِ مِنْ اَنْ يَّاْخُذَ عَلَيْهَا اَجْرًا** عطیہ دے دینا تو کرایہ لینے سے زیادہ بہتر تھا۔ **تَمْلُوكًا** (بخاری)

یہ حدیث بھی کتاب المزارعہ میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث ۲۱۹۰، ۲۱۹۱۔ اس حدیث میں عطیہ دینے کی ترغیب ہے اور فضیلت۔ لیکن زمین کو کرایہ پر دینے کی اس حدیث سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ ہم کتاب المزارعہ میں بیان کر چکے ہیں۔

باب اِذْ قَالَ اَخَذَ مِنْكَ هَذِهِ الْجَارِيَةَ

باب اگر کوئی کہے کہ میں نے دستور کے مطابق

عَلَى مَا يَتَعَارَفُ النَّاسُ فَهُوَ جَائِزٌ خدمت کے لیے تجھے یہ لونڈی دی تو جائز ہے۔ **وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ هَذِهِ عَارِيَةٌ فَإِنْ** بعض نے یہ کہا یہ عادت ہے اور اگر یہ کہا کہ **قَالَ لَسْتُ بِكَ هَذَا الشُّؤْبَ فَهُوَ هَبَةٌ** میں نے تجھے یہ کپڑا پہنایا تو یہ ہبہ کرنا ہے

قَوْلُهُ وَمَسَائِلُ

۱۔ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ لونڈی لوگوں کے عرف کے مطابق تجھے خدمت کے لیے دی تو اس کا فیصلہ لوگوں کے عرف و دستور کے مطابق کیا جائیگا۔ اگر خط کشیدہ جملوں کا مطلب عرف میں ہبہ ہے تو ہبہ اور اگر عاریت ہے تو پھر لونڈی عاریتاً قرار پائے گی۔ ۲۔ علامہ ابن بطال علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ علما کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب کہ یہ کہا یہ لونڈی یا غلام میں نے تجھے خدمت کے لیے دیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی یا غلام بطور عاریت خدمت کے لیے دی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ لونڈی یا غلام کو اس کی ملک کر دیا کیونکہ عربوں کے لیے کسی چیز کو خدمت کے لیے دینا تملیک کی مقتضی نہیں جیسا کہ اگر کسی کو مکان پہننے کے لیے دیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس مکان سے نفع اٹھائے اس میں قیام کرے۔ یہ نہیں ہے

کہ وہ مکان کا مالک ہو گیا کیونکہ عربوں کے ہاں اخدام دار تمیک دار کو مقتضی نہیں ہوتا۔ لہذا بعض الناس (احناف) کا موقف درست ہے۔ غرض امام بخاری علیہ الرحمہ کے نزدیک اخدام و کسوہ دونوں الفاظ مہبہ کے لیے ہیں اور احناف یہ کہتے ہیں۔ اخدام عاریہ کے لیے اور کسوہ کا لفظ مہبہ کے لیے ہے۔

۲۲۵۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ کے سارہ کے ساتھ ہجرت کی تو فرعون مصر نے انہیں باج دی۔ پھر سارہ جب حضرت ابراہیم کے پاس آئیں تو انھوں نے کہا۔ آپ کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافر کو ذلیل کیا اور خدمت کے لیے لوٹدی دی۔ حضرت ابن سیرین، حضرت ابو ہریرہ سے راوی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا (فرعون مصر نے) حضرت سارہ کو ہاجر خدمت کے لیے دی۔

فوائد ومسائل

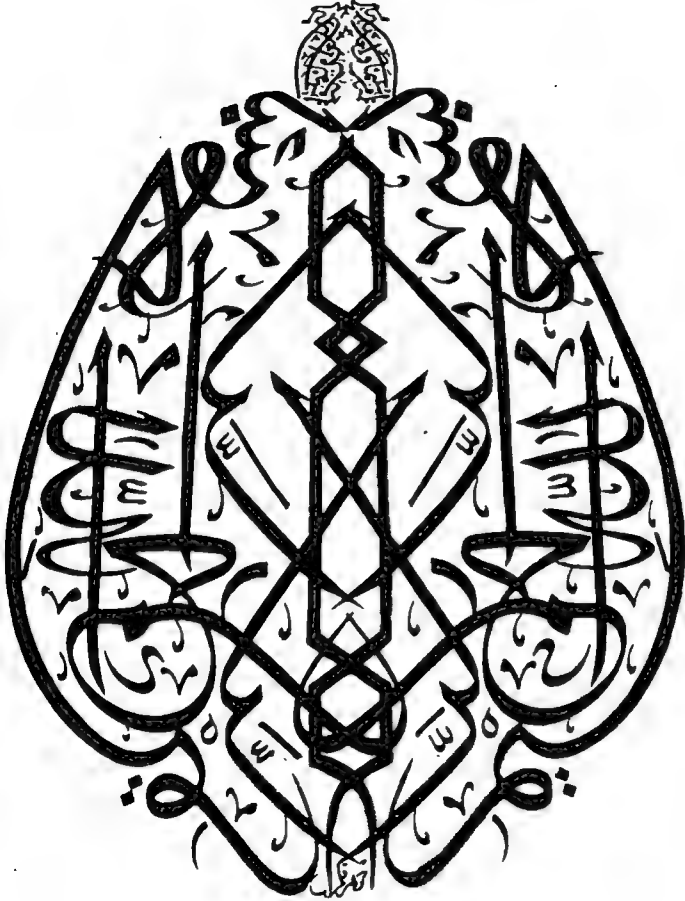
۱۔ یہ حدیث کتاب البیوع میں مکمل اور باب قبول الہدیہ من المشرکین میں اس کا ایک حصہ ذکر ہوا ہے دیکھئے فیوض پارہ دہم ص ۲۔ علامہ ابن بطلان علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کا حدیث کے الفاظ فَلَخَذَ مَهَا جَرَهُ سے مہبہ کا استدلال فرمانا درست نہیں ہے کیونکہ اخدام سے تمیک وقبر مراد نہیں ہوتا (جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے) البتہ اسی قصہ میں فاعطى ہا ہا ججر کے الفاظ سے مہبہ مراد لینا درست ہے۔ پس احناف کا یہ موقف درست ہے۔ اگر یہ کہا کہ یہ لوٹدی میں نے تجھے خدمت کے لیے دیدی تو یہ عاریت ہے مہبہ نہیں۔ ۳۔ اگر یہ کہا میں نے یہ کپڑا تجھے پہنایا (اور اس میں مدت کی کوئی قید نہیں ہے تو یہ مہبہ ہے کیونکہ کسوہ مہبہ کی مقتضی ہے چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت سے یہ مسدود واضح ہے۔ فَكَفَّارَةٌ اَطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ اَوْ كِسْوَتُهُمْ۔ علامہ ابن بطلان نے فرمایا۔ اطعام اور کسوہ سے سب کے نزدیک متفقہ طور پر تمیک مراد ہے۔ یعنی کفار میں مساکین کو جو کھانا اور کپڑے دیتے تو یہ مہبہ کی صورت ہے۔ مساکین اس کھانے اور کپڑے کے مالک ہو گئے۔ اگر کسی کو سواری کے لیے گھوڑا دیا تو وہ عمر کا صدقہ کی طرح ہے بعض لوگ (احناف) کہتے ہیں اس میں رجوع کرنے کا اختیار ہے۔

اِذَا حَمَلَ رَجُلٌ عَلَى فَرَسٍ فَهُوَ كَالْعُمُرَى
كَالصَّدَقَةِ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ كَدَى
اَنْ يَنْجَحَ فِيْهَا

۲۲۶۰۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راہ خدا میں کسی کو سواری کے لیے گھوڑا دیا۔ پس میں نے دیکھا کہ وہ فروخت ہو رہا ہے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا کہ اسے نہ خریدو اور اپنے دیلے جوئے کو واپس نہ لو۔ (بخاری)

اس عنوان کے قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصد احناف کے موقف کو رد کرنا ہے وہ کہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی کو سواری کے لیے گھوڑا دیدے تو وہ عمریٰ اور صدقہ کی طرح ہے اور عمریٰ اور صدقہ میں رجوع جائز نہیں ہے۔ احناف کہتے ہیں۔ سواری کے لیے گھوڑا دینے کا مطلب تمذیک نہیں ہے بلکہ یہ عاریزہ ہے اور عاریزہ میں رجوع کرنا امام بخاری کے نزدیک بھی جائز ہے۔ مزید گفتگو حدیث نمبر ۲۴۵۹ میں ہو چکی ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کتابُ الشَّهَادَاتِ

۱۔ شہادات جمع ہے شہادۃ کی مصدیقی شہد لیشہد سے امام لغت جوہری کہتے ہیں۔ شہادۃ یقینی خبر کو کہتے ہیں مشاہدہ یعنی معاینہ۔ یہ شہود سے ماخوذ ہے جس کے معنی حضور کے ہیں کیونکہ شاہد اس چیز کو دیکھتا ہے جو غیر کی آنکھ سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ ہمارے علمائے نے فرمایا۔ شہادۃ کے معنی حضور کے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **الْغَيْبُ مِمَّا لَمْ يَلْمِزْ شَهِدُ الْوَاقِعَةِ** غیبت کا حقدار وہ ہے جو جماد میں شریک (حاضر) ہو۔ شاہد بھی مجلس قاضی میں اور موقع واردات پر حاضر ہوتا ہے اور جو دیکھتا ہے اس کی شہادت دیتا ہے۔

شہادت کی تعریف اور اسکے بعض اہم مسائل | ۱۔ اصطلاح فقہار میں، کسی حق کے ثابت کرنے کے لیے مجلس قاضی

میں فریقین کی موجودگی میں لفظ شہادۃ کے ساتھ سچی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں (رد المحتار ج ۴ ص ۳۱۱) ۲۔ لفظ شہادت کے ساتھ گواہی دینا ضروری ہے کیونکہ نصوص قرآنیہ میں شہادۃ، اشہاد، استشہاد کے الفاظ آئے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِذَا عَلِمْتَ مِثْلَ الشَّمْسِ فَاشْهَدْ (بیہقی و حاکم) | جب تو کسی معاملہ کو آفتاب کی طرح صاف و صریح طور پر جانتا ہے تو شہادت دے ورنہ نہیں

۳۔ واضح ہو کہ اگر گواہ نے لفظ شہادت کی جگہ یقین یا علم کا لفظ استعمال کیا۔ مثلاً یوں کہا۔ میرے علم و یقین کے مطابق یہ معاملہ یوں ہے۔ یا یوں کہا کہ میں اپنے علم و یقین کے مطابق یہ خبر دیتا ہوں یا لفظ شہادت کے ساتھ خبر دینے کے بعد آخر میں یوں کہا۔ جیسا کہ مجھے علم ہے تو ان تمام صورتوں میں اس کا بیان شرعاً شہادت منصور نہ ہوگا۔ اور ان لفظوں سے جو شہادت دی جائے گی وہ باطل قرار پائے گی ۴۔ خبر دینے والے (گواہ) کو "شاہد"۔ جس کے حق میں خبر دی جائے اس کو "مشہود"۔ جس کے خلاف خبر دی جائے اس کو "مشہود علیہ" اور جس کے حق کے اثبات کے لیے خبر دی جائے اس کو "مشہود بہ" کہتے ہیں۔

۱۔ الشَّهَادَةُ هِيَ الْإِخْبَارُ بِلَفْظِ الشَّهَادَةِ يَعْنِي يَقُولُ أَشْهَدُ بِأُثْبَاتِ حَقِّ أَحَدٍ فِي ذِمَّةِ الْآخَرِ فِي حُضُورِ الْحَاكِمِ وَمَوَاجَهَةِ الْخُضَمَيْنِ

فَيَقَالُ لِلْمُخْبِرِ شَاهِدٌ وَلِلْمُخْبِرِ لَهُ مَشْهُودٌ لَهُ وَلِلْمُخْبِرِ عَلَيْهِ مَشْهُودٌ عَلَيْهِ وَ
لِلْحَقِّ مَشْهُودٌ بِهِ (المجلد ۱۰، المادة ۱۶۸۴)

۲۔ وَالشَّهَادَةُ لُحْنٌ إِنْ خَبَرَ قَاطِعٌ وَفِي عُرْفِ أَهْلِ الشَّرْعِ إِنْ خَبَرَ صَدَقَ لِإِثْبَاتِ
حَقِّ بَلْفُظِ الشَّهَادَةِ فِي مَجْلِسِ الْقَضَاءِ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳)

۳۔ فَإِنْ لَمْ يَدَّ كُرِّ الشَّاهِدُ لِنُظْمَةِ الشَّهَادَةِ وَقَالَ أَعْلَمُ أَوْ أَتَيْقَنُ لَمْ يُقْبَلْ
شَهَادَتُهُ (ہدایہ ج ۳ ص ۱۲۲)

۴۔ (قَوْلُهُ بِقَوْلِ أَشْهَدُ) أَحَى لَا يَنْبِئُهُمْ كَأَعْلَمُ وَأَتَيْقَنُ قَالَ فِي الدُّرِّ لَيَضْمُنُهُ
مَعْنَى مُشَاهَدَةٍ وَقَسَمٍ وَإِخْبَارٍ لِلْحَالِ فَكَانَتْ يَقُولُ أُنْسِمُ بِاللَّهِ لَقَدْ أَطْلَمْتُ عَلَى
ذَلِكَ وَأَنَا أَخْبِرُ بِهِ وَهَذِهِ الْمَعْنَى مَفْقُودَةٌ فِي غَيْرِ هَذِهِ اللَّفْظِ فَتَعَيَّنَ - حَتَّى
كُوْنَا دَفِينَمَا أَعْلَمُ بَطَلٌ لِلشَّكِّ (شرح مجلہ محمد خالد ج ۵ ص ۲)

بعض صورتوں میں گواہی دینا واجب ہے

۵۔ اگر گواہ کو اندیشہ ہو گا وہی نہ دے گا تو کسی کا حق تلف
ہو جائیگا تو ایسی صورت میں بغیر طلب کے گواہی دینا لازم
۶۔ مدعی کے طلب کرنے پر گواہی دینا واجب ہے ۷۔ اگر گواہ نفعیل نہ کرے تو نفاضی
گواہی دینے پر گواہ کو پابند کر سکتا ہے (رد المحتار ج ۴ ص ۱۱۱) ۸۔ حقوق اللہ میں گواہی دینا بغیر طلب مدعی بھی
واجب ہے۔ مثلاً اگر کسی نے اپنی بیوی کو بائن طلاق دیدی ہے تو اس کی گواہی دینا واجب ہے بلکہ بلا عدلہ شرعی تاخیر کرنا
تو ناسخ قرار پائے گا۔ (بحر و رد المحتار) قرآن مجید میں فرمایا۔

وَلَا يَأْتِ الشَّهَدَةُ إِذَا مَا دُعُوا
وَلَا تَكْفُمُ الشَّهَادَةُ مَنْ يَكْتُمُهَا
فَإِنَّهُ إِشْرَاقٌ قَلْبُهُ (بقروہ - ۲۴۳)

مطلب آیت یہ ہے کہ گواہ کو جب شہادت کی اقامت واداکے لیے طلب کیا جائے تو وہ حق کو نہ چھپائے
کیونکہ گواہی نہ دینے کی صورت میں حقدار کا حق مارا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کبیرہ
گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے اور جھوٹی گواہی دینا اور گواہی کو چھپانا ہے ۹۔ اسی طرح
ہلال رمضان و عید الفطر و عید اضحیٰ کے چاند کی گواہی دینا بھی واجب ہے۔ (رد مختار)

حدود کی گواہی کے دو پہلو ہیں | حدود کی گواہی میں دونوں پہلو ہیں ایک ازارہ منکر و رفع فساد اور
دوسرا مسلم کی پردہ پوشی کرنا گواہ کو اختیار ہے کہ پہلی صورت اختیار

کرے اور گواہی دے یا دوسری صورت اختیار کرے اور گواہی دینے سے اجتناب کرے اور یہ دوسری صورت
زیادہ بہتر ہے مگر جب کہ وہ شخص بیباک ہو حد و شرعیہ کی محافظت نہ کرتا ہو۔ اسی طرح چوری کی شہادت

میں بہتر یہ کہنا ہے کہ اس نے اس شخص کا مال لے لیا۔ یہ نہ کہے کہ چوری کی کہ اس طرح کہنے میں اجیار علی بھی ہو جاتا ہے اور پردہ پرستی بھی (ہدایہ)۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے جہاں تک ہو سکے حدود کو مسلمانوں سے دُور رکھو۔ پھر نہیں کسی مسلمان کے لیے حد سے پہنچنے کی گنجائش مل سکے تو اسے چھوڑ دو، بلاشبہ حاکم کا درگزر کرنے میں خطا کرنا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

ادْعُوا الْحَدَّ وَدَعُوا الْمُسْلِمِينَ
مَا اسْتَطَعْتُمْ اِدْعُوا الْحَدَّ وَدَعُوا
بِالشُّبُهَاتِ (ابوداؤد، ترمذی، ابن شیبہ، حاکم، بیہقی،

جہاں تک ممکن ہو حدود کو مسلمانوں سے ساقط
کردو۔ شبہات کے ذریعہ حدود کو

دُور رکھو (داقطنی، جامع صغیر للسیوطی ج ۱ ص ۱۳۳)

اثبات مجرم زنا مستوجب حد کے لیے چار
مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ اگر مردوں

مقدمہ زمانہ میں چار مردوں کی گواہی ضروری ہے

کی تعداد چار سے کم ہو یا صرف عورتیں ہوں خواہ دو مرد اور دو عورتیں ہوں یا تین مرد اور ایک عورت ہو یا تین عورتیں اور ایک مرد گواہ ہوں تو مجرم زنا مستوجب حد، ثابت نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ
ان میں خاص اپنے میں کے چار مردوں کی گواہی ہو۔
(نساء ۱۵)

پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں (سورہ نور ۴)،
اور احادیث سے بھی ثبوت زنا کے لیے چار مرد گواہوں کا ہونا واضح ہے۔ بحضر نبوی زنا کے الزام میں ایک عورت اور مرد کو لایا گیا۔ فَجَاءُوا اَبَا بَكْرٍ فَشَهِدُوا ۱۔ اور چار گواہ بھی لائے گئے جنہوں نے وضاحت کے ساتھ سلائی اور سر مردانی کی مثال دے کر ان کے فعل زنا کی چشم دید گواہی دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنگسار کرنے کا حکم دیا (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵) اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا زنا کے الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ قَالَ لَكُمْ اَبْنُ قُرَيْبٍ اَوْ اَبْنُ سَلَامَةَ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶)

نیز امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

وَلَا يَبْدَأُ اَنْ يَكُوْنَ ذَكَوْرًا يَقُوْلُ تَعَالٰى
بَيْنَكُمْ وَلَا خِلَافَ فِيْهِ بَيْنَ الْاَمَةِ وَ
اَنْ يَكُوْنَ عَدُوًّا

یعنی ضروری ہے کہ زنا کے گواہ مرد ہوں اور عادل ہوں
اس میں امت کے اندر اختلاف نہیں ہے۔
(تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۸۴)

واضح ہو کہ اثبات زنا موجب حد کے لیے چار مردوں کا ہونا ضروری ہے اور اگر اثبات زنا سے اجراء حد کی بجائے کوئی اور مقصد ہو تو ایسی صورت میں صرف دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ مثلاً زبید نے اپنی بیوی کی طلاق کو زنا سے متعلق یا مشروط کیا مثلاً یوں کہا۔ اگر میں زنا کروں تو تجھ کو طلاق اور بیوی نے

نے یہ دعویٰ کیا کہ میرے شوہر نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اور شوہر انکاری ہے مگر میری شہادت اور عورتوں کی شہادت کے لیے ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ پیش کر دیں تو اس صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت زنا کے ثبوت کے لیے کافی ہے اور چونکہ میری نے خاندان کا زانی ہونا ثابت کر دیا ہے تو شرط کے پاسکے جانے کی وجہ سے میری پر طلاق واقع ہو جائے گی لیکن شوہر پر زنا کی حد نہیں لگے گی۔ کیونکہ شہادت زنا مستوجب حد کے لیے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ زید کو قاضی رحم کی بجائے جس قدر سخت سے سخت سزا ملتا ہے کبھی بطور تخریر دے سکتا ہے۔

۱۔ وَالشَّهَادَةُ عَلَى مَرَاتِبٍ مِنْهَا الشَّهَادَةُ فِي الزَّانَا يُعْتَبَرُ فِيهَا أَزْبَعُهُ
مِنَ الرِّجَالِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْعَاجِزَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاَسْتَشْهِدُوا
عَلَيْهِنَّ أَزْبَعَهُنَّ مِنْكُمْ وَلِقَوْلِهِ تَعَالَى ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ (البقرہ مع فتح اللہ)
مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۶ (البحر الرائق طبع مصر ج ۷، الدر المختار مع شامی ص ۳۷۴ ج ۴) وَلَا يُقْبَلُ
عَلَى الزَّانَا إِلَّا شَهَادَةُ أَزْبَعَةٍ مِنَ الرِّجَالِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ
فَاجْلِدُوهُمْ وَقُولِهِمْ فَاَسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَزْبَعَهُنَّ مِنْكُمْ - وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ لِلَّذِي قَذَفَ زَوْجَتَهُ، اسْتَعْنِ بِأَرْبَعَةٍ يَشْهَدُونَ وَإِلَّا فَضْرَبْ فِي
ظَهْرِكَ (الانتیاریتیل المختار ص ۱۳۰ ج ۲ مطبوعہ مصر) وَهَذَا إِذَا أُدْبِتَ اثْبَاتُ الزَّانَا
لِاجْلِ إِقَامَةِ الْحَدِّ أَمَّا إِذَا أُدْبِتَ اثْبَاتُهُ لِاجْلِ آخَرٍ يَتَرْتَّبُ عَلَى ثُبُوتِهِ فَادَّ
يُسْتَرْطَفُ فِيهِ هَذَا لَعَدُّهُ بِلَيْثَةٍ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ أَوْ بِالتَّكْوِيلِ
كَمَا إِذَا عَلَنَ الزَّوْجُ حُلَاقَ زَوْجَتِهِ عَلَى الزَّانَا وَالْعَيْنِ الزَّوْجَةِ حُصُولُهُ وَأَنْكَرَ
الرَّفْجُ فَاسْتَشْهِدْهُ بِالْبَيْتَةِ أَوْ طَلَبَتْ تَحْوِيلَهُ فَانْكَرَ يَشْبِتُ وَلِتَطْلُقَ الْمَرْأَةُ وَلَكِنْ
لَا يُجْعَلُ الزَّوْجُ (صفحہ ۱۵۳ ایضاً)

حدود و قصاص میں و مردوں کی گواہی ضروری ہے |

۱۔ حدود و شراب، قذف، چوری اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی معتبر

ہوگی ۲۔ قصاص میں قصاص نفس و امارت یعنی اعضاء بھی شامل ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا۔
وَاسْتَشْهِدُوا شَهِدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ | تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لو (سورہ بقرہ آیت ۳۸)
یہ آیت اگرچہ دین کے متعلق نازل ہوئی۔ مگر حکم اس کا عام ہے۔ واضح ہو کہ حدود و قصاص میں عورتوں
کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

چنانچہ مصنف امام ابن ابی شیبہ میں امام زہری سے مروی ہے کہ

مَصْنُوعُ السَّنَةِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْخَلِيفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ
أَنَّ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ فِي الْحُدُودِ (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں
خلفاء حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمرؓ سے
لے کر یہی سنت چلی آرہی ہے کہ حدود میں عورتوں
کی شہادت جائز نہیں ہے۔

نیز امام ابن شیبہ زہری کے علاوہ امام شعبی و امام نخعی و امام ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت
کرتے ہیں کہ

لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ فِي الْحُدُودِ
(نصب الراية جلد ۲ صفحہ ۷۹)

حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے

علاوہ ازیں امام عبدالرزاق جو امام بخاری و مسلم وغیرہما ایسے جلیل القدر محدثین کے استاد ہیں اپنی تصنیف
میں امام زہری سے روایت کرتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔ نیز امام موصوف اسی
کتاب میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بہ سند خود روایت کرتے ہیں

لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ فِي الْحُدُودِ
وَالْمِائَةِ (مصنف امام عبدالرزاق جلد ۸ صفحہ ۳۲۹ تا ۳۳۱)

حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز
نہیں

وَبَاقِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ قَالَ تَعَالَى فَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ وَقَالَ تَعَالَى وَادْعُوا عَدْلًا مِنْكُمْ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
شَهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ (اختیار ص ۱۴۰ ج ۲ البدایہ وفتح القدير ص ۶ ج ۶ البحر الرائق ج ۷ ص ۶۰
در مختار مع شامی ص ۳۷۱ ج ۴)

وَلَا تُسْبَلُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ فِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ (فتح القدير ج ۶ ص ۶ البحر الرائق ج ۷ ص ۶۰
تکلمہ شامی ج ۱ ص ۲۸)

(۲) شَمَلَ الْفُؤَادَ فِي النَّفْسِ وَالْعُضْوِ (تکلمہ شامی ص ۴۱ ج ۱)
قَالَ السَّامِيُّ أَوْ أَطْلَقَهُ فَشَمَلَ الْقِصَاصَ فِي النَّفْسِ وَالْعُضْوِ (منحة الخائف حاشیہ بحر الرائق
لابن عابدین الشامی علی بحر الرائق ص ۶ ج ۷)

۲۔ واضح ہو کہ زنا کے سوا نام حدود و قصاص میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے جیسا کہ ہم نے اوپر
بیان کیا ہے لیکن اسی صورت میں اگر اثبات حدود و قصاص کی بجائے کسی دوسرے حق کا اثبات مقصود ہو

تو ایسی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہے۔ مثلاً زید نے اپنے غلام کی آزادی کو شراب خمر کے ساتھ معنی کیا۔ مثلاً یوں کہا کہ اگر میں شراب پیوں تو میرا غلام آزاد۔ تو اس صورت میں اثبات جرم شراب کے لیے ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہوگی اور اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا۔ مگر زید پر حد شراب جاری نہ ہوگی کیونکہ صد و قصاص میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ یعنی اثبات شراب خمر مستوجب حد کے لیے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ البتہ اس صورت میں قاضی زید کو اپنی رائے کے مطابق تعزیر کر سکتا ہے۔

وَصُورَتُهُ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الْوَلَوِ الْجَيَّةِ رَجُلٌ قَالَ إِنَّ شَرِبْتُ الْخَمْرَ فَمَلُونِي حُرًّا فَشَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ أَنَّهُ شَرِبَ الْخَمْرَ عَتَقَ الْعَبْدُ وَلَا يَحَدُّ لِأَنَّ هَذِهِ شَهَادَةٌ لَا مَجَالَ لَهَا فِي الْحُدُودِ (تكملة شامی ص ۱۵۴)

وَفِي الْوَلَوِ الْجَيَّةِ رَجُلٌ قَالَ إِنَّ شَرِبْتُ الْخَمْرَ فَمَلُونِي حُرًّا فَشَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ أَنَّهُ شَرِبَ الْخَمْرَ عَتَقَ الْعَبْدُ وَلَا يَحَدُّ لِأَنَّ هَذِهِ شَهَادَةٌ لَا مَجَالَ لَهَا فِي الْحُدُودِ وَلَوْ قَالَ إِنَّ سَرَقْتُ مِنْ فُلَانٍ شَيْئًا فَعَلَى قِيَاسِ مَا ذَكَرْنَا يَسْتَبْعِي أَنْ يُضْمَنَ الْمَالَ وَيُعْتَقَ الْعَبْدُ وَلَا يَقْطَعُ (بجرائق ج ۷ ص ۱۱)

حد و قصاص کے علاوہ تمام حقوق مالی و غیر مالی میں مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری

۱۔ حقوق غلام مال ہوں جیسے فرض بیع و شراہ وغیرہ یا غیر مالی ہوں جیسے نکاح، طلاق، عدت، حوالہ، وقف، صلح، وصیت، ہبہ، اقرار وغیرہ ۲۔ البتہ قتل خطا اور وہ قتل جس میں قصاص لازم نہ ہو کے اثبات کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت بھی کافی ہے کیونکہ اس شہادت کا مقصد لزوم مال ہے قصص میں

۱۔ وَمَا سِوَاهُمَا مِنَ الْحَقُوقِ تُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ قَالَ تَعَالَى فَإِنْ لَمْ يَكُنْ رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ (الاختیار شرح المختار ص ۱۱)
وَمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْحَقُوقِ تُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ سِوَاكَ كَانَ الْحَقُّ مَالًا أَوْ عَيْنًا مَالٍ مِثْلَ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْعِدَّةِ وَالْحَوَالَةِ وَالْوَفَى وَالصُّلْحِ وَالْوَكَالَةِ وَالْوَصِيَّةِ وَالْهَبَةِ وَالْإِضْرَارَ وَالْإِبْرَاءَ وَالْوَلَدَ وَالْوَلَاءَ وَالنِّسْبَ وَمِنْهُ ذَلِكَ (فتح القدیر ص ۶۶ در مختار تكملة شامی ص ۱۵۴ ج ۱ بجرائق ج ۷ ص ۱۱)
قَالَ الرَّمْلِيُّ شَمَلَ الشَّهَادَةُ عَلَى قَتْلِ الْخَطَاءِ وَيَقْبَلُ لَا يَوْجِبُ الْقَصَاصَ مِنْ قَبْلِ الشَّهَادَةِ عَلَى الْمَالِ قَالَ فِي الْحَاثِيَةِ وَلَوْ شَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ يَقْبَلُ

الْخَطَاءِ أَوْ يَقْبَلُ لَا يُوجِبُ الْقِصَاصَ تَقْبَلُ دَعْوَةُ شَامِي ص ۶۲ ج ۷
البحر الرائق ص ۶۲ ج ۷

۱- ولادت، بکارت اور نسوانی عیوب جنہیں عام طور پر مرد کے متعلق مرد کی گواہی اس بنیاد پر ہے کہ صورت ایسی پیدا ہو گئی ہو کہ ان امور کی انجام دہی مرد و ان کے سوا عورت نہ کر سکے یا مرد کی اپنا تک نظر پڑ گئی ہو یا تحمل شہادت کے لیے مرد نے نظر ڈالی ہو۔ چنانچہ در مختار و رد المحتار میں ہے کہ عورتوں کے وہ عیوب جن پر مردوں کو اطلاع نہیں ہوئی اور ولادت کے متعلق اگر ایک مرد نے شہادت دی۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر کہتا ہے میں نے بالقصد دھڑ نظر کی تھی تو گواہی مقبول نہیں کہ مرد کو نظر کرنا جائز نہیں اور اگر کہتا ہے کہ اپنا تک میری اس طرف نظر چلی گئی تو گواہی مقبول ہے (در مختار رد المحتار)

۱- وَ تَقْبَلُ فِي الْوِلَادَةِ وَالْبَكَارَةِ وَالْعُيُوبِ بِالنِّسَاءِ فِي مَوْضِعٍ لَا يَطْلَعُ عَلَيْهِ الرِّجَالُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ مُسْلِمَةٍ حُرَّةٍ عَدْلَةٍ

۲- قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيمَا لَا يَنْتَبِطِعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ إِلَيْهِ

۳- وَ تَقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ لِمَا دَوِيَ أَنَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَبِلَ شَهَادَةَ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فِي الْوِلَادَةِ (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۹ در مختار مع نمک شامی ج ۱ ص ۵۷، الاعتبار شرح المختار ج ۲ ص ۱۱۱ بدائع ج ۶ ص ۲۷۷)

۴- وَ كَوْنُ شَهِدٍ رَجُلٍ وَاحِدٍ بِالْوِلَادَةِ يُقْبَلُ لِأَنَّهُ لَمَّا قَبِلَ شَهَادَةَ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فَشَهَادَةُ رَجُلٍ وَاحِدٍ أَدْلَى (بدائع الصنائع ص ۲۷۷ ج ۶، بحر الرائق عن المبسوط ص ۶۲ ج ۷، در مختار مع نمک شامی ص ۵۷ ج ۱)

وَأَمَّا شَهَادَةُ رَجُلٍ وَاحِدٍ عَلَى الْوِلَادَةِ أَوْ الْعَيْبِ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ فَقَدْ اخْتَلَفَ الْمَشَائِخُ فِيهِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا تَقْبَلُ وَ يُحْتَمَلُ عَلَى أَنَّهُ وَقَعَ بَصَرُهُ عَلَى فَزِجِهَا مِنْ عَيْبٍ فَصَدَّقَ فَصَدَّقَ تَحْتَمِلُ الشَّهَادَةُ فَلَا يَصْرُ كَمَا فِي الشَّهَادَةِ عَلَى الذَّنَا الخ (فتاویٰ القروی ص ۳۸ ج ۱)

شرائط تحمل و شرائط اداء | ۱- شہادت کے لیے دو قسم کی شرطیں ہیں شرائط تحمل و شرائط اداء۔

فعل یعنی معاملہ کے گواہ بننے کے لیے تین شرطیں ہیں بوقت تحمل عاقل ہونا، انکھیا را ہونا۔ جس چیز کا گواہ بننے اس کا شہادہ کرنا۔ لہذا مجنون یا لایعقل بچہ یا اندھے کی گواہی درست نہیں۔ یونہی جس چیز کا مشاہدہ کیا ہو محض سنی سنائی بات کی گواہی دینا جائز نہیں۔ ہاں بعض امور کی شہادت بغیر دیکھے محض سنانے کے ساتھ ہو سکتی ہے جس کا ذکر آئے گا۔ تحمل کے لیے بطن، حریت، اسلام، عدالت شرط نہیں۔ یعنی اگر وقت تحمل بچہ یا غلام یا کافر یا فاسق تھا مگر ادا کے وقت بالغ ہو گیا ہے غلام آزاد ہو چکا ہے۔ کافر مسلمان ہو چکا ہے فاسق تائب ہو چکا ہے تو گواہی مقبول ہے (عالمگیری ج ۳ ص ۴۵)

۲۔ شرائط ادا یہ ہیں گواہ کا عاقل، بالغ، آزاد، انکھیا را ہونا، ناطق ہونا، محمد و آل القذف نہ ہونا یعنی اسے تہمت کی حد نہ ماری گئی ہو۔ گواہی دینے میں گواہ کا نفع یا دفع ضرر مقصود نہ ہونا۔ جس چیز کی شہادت دیتا ہو اس کو جانتا ہو اس وقت بھی اُسے یاد ہو۔ گواہ کا فریق مقدم نہ ہونا۔ جس کے خلاف شہادت دیتا ہے وہ مسلمان ہو تو گواہ کا مسلمان ہونا، حدود و قصاص میں گواہ کا مرد ہونا۔ حقوق العباد میں جس چیز کی گواہی دیتا ہے اس کا پہلے سے دعویٰ ہونا۔ شہادت کا دعویٰ کے موافق ہونا (رد المحتار ج ۴ ص ۴۱۱ عالمگیری ج ۳ ص ۴۵) و بحر الرائق ج ۷ ص ۵۶)

واضح ہو کہ ہر چیز دیکھنے کی ہے اسے آنکھ سے دیکھا اور جو چیز سنانے کی ہے اسے اپنے کان سے سنا اور جس سے سنا اس کو آنکھ سے دیکھا ہو تو گواہی دینا جائز ہے۔ البتہ جو بات مشہور و معروف ہو جیسے موت، نکاح، نسب اس میں صرف سنانے کی گواہی دینا جائز ہے۔ جب کہ ایسے شخص سے سنا ہو جو معتبر ہو۔ اَوَّلًا يَجُوزُ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَشْهَدَ بِشَيْءٍ لَمْ يَرَهُ إِلَّا النَّسَبَ وَالنِّسْبَ وَالْمَوْتَ وَالنِّكَاحَ وَالذَّخْلَ وَكَلَايَةَ الْقَاضِي وَالدَّيْنِ قِسْعَةً أَنْ يَشْهَدَ بِهَذِهِ الدَّشْيَاءِ إِذَا أَحْبَرَهُ بِهَا مَنْ يَثْبُتُ بِهِ (ہایہ ج ۳ ص ۱۲۶)

۳۔ اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو جو جس کی وجہ سے دعویٰ اپنے حق کا دعویٰ نہ کر سکے تو اس کی مدت متاخرین فقہار نے چھ سال مقرر کی ہے کہ باوجود رت و اختیار کے انسان عدہ حاضر رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ دعویٰ حق پر نہیں ہے اور اگر دعویٰ ملک سے باہر ہے یا بچہ ہے یا مجنون ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں یا دعویٰ علیہ حاکم وقت ہے تبھی سال گزرنے کے بعد بھی اس کا دعویٰ مسوع ہوگا اور اگر یہ عذر نہ ہوں تو پھر دعویٰ مسوع نہ ہوگا (۲)

۴۔ وعدہ معاف کی کوئی حقیقت نہیں ہے وعدہ معاف کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن و سنت کی رو سے اس کی گواہی

۱۰۔ دہے۔ وعدہ محاث گواہ تو خود افزاری مجرم ہے۔ اس کے باوجود اسے بری کر دینا عدل انصاف کے خلاف ہے۔

شہادت کا حکم اور اس کا رکن ۵۱۔ شہادت کا حکم یہ ہے کہ گواہوں کا جب تزکیہ ہو جائے اس کے موافق حکم کرنا واجب ہے اور جب تمام شرائط پائے گئے اور

قاضی نے گواہی کے مطابق فیصلہ نہ کیا گناہگار ہوا اور مستحق عرل ہے (عالمگیری ج ۳ ص ۵۵۴ ورد المختار

ج ۴ ص ۱۴۱)۔ شہادت کا رکن یہ ہے کہ بوقت ادا گواہ یہ لفظ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں

اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس بات پر مطلع ہوا اور اب اس کی خبر

دیتا ہوں (عالمگیری ورد المختار ج ۳ ص ۵۵۴ و جلد ۴ ص ۱۴۱)

۲۔ وَفِي جَامِعِ الْفَتَاوَى عَنْ قُتَابٍ وَابْنِ الْقَتَّابِ قَالَ أَلْمَتَاجِرُونَ مِنْ أَهْلِ الْفُتُوَى لَا

تُسْنَعُ الْمَدْعَى بَعْدَ سِتِّ سَنَةٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمَدْعَى غَائِبًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ يَجْنُونَ

وَلَيْسَ لَهُمَا وَلِيٌّ (رد المختار ج ۴ ص ۳۸۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَيِّنَةِ

باب گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے

اس عنوان کے تحت امام بخاری علیہ الرحمہ نے سورہ بقرہ اور سورہ نساء کی دو آیتوں پر اکتفا کیلئے البتہ باب الدین میں حدیث ابن عباس

گزر چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعا علیہ پر قسم لازم کی ہے۔ قَضَى أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدْعَى

عَلَيْهِ اَوْ حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ فَيَدْعِيهِ عَلَيْهِ فَيَقْسِمُ عَلَيْهِ

سورہ بقرہ سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اگر مدعی کا قول بیدار کے بغیر معتبر ہوتا تو پھر کتابت، اطلاع اور اٹھنا

کی حاجت نہ رہتی۔ معلوم ہوا کہ بیدار مدعی کے ذمہ ہیں اور سورہ نساء سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اس

آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنی ذات پر کسی کا حق آتا ہے تو اس کا اقرار کرنا چاہیے تو مدعی کے

اقرار کی صورت میں مدعی علیہ کا قول مانا جائے گا اور اگر مدعی مدعا علیہ کی تکذیب کرے تو پھر مدعی پر بیعت واجب ہے۔

اَللّٰهُ تَعَالٰی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا دَعَا بَيْنَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتَبُوهُ وَلْيَكُنْ بِكُمُ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ

اللہ تعالیٰ اے ایمان والو! جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا

ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اُسے اللہ نے سکھایا ہے تو اُسے لکھ دینا

وَلَيْسَ لِلَّهِ رَبَّةٌ وَلَا يَبْخَسُ مِنْهُ شَيْئًا
فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ
ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمِلْ
رَبُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدْ وَاشْهَدْ
مِنْ دِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
وَأَمْرَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ
أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا
الْأُخْرَى وَلَا يَبْشُرُ الشَّهَادَةَ إِذَا مَا دُعُوا
وَلَا تَسْمَعُوا أَنْ تُكْتَبَ لَهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا
إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكَمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَ
أَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ
تَكُونُوا تِجَارَةً حَاصِرَةٌ تُدِيرُهَا بَيْنَكُمْ
فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتَبُوهَا وَاشْهَدُوا
إِذَا بَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا
شَهِيدٌ وَإِنْ تَقَلُّوا فَإِنَّهُ فَسَوْفَ يَكُمُ
وَالْفَتْوَىٰ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيمٌ (بقرہ ۲۸۲)

فیق ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ بخاری

مُعاملات اور ضابطہ شہادت کے اہم اصول | سورہ بقرہ کی ان آیات میں اُدھار معاملہ کے متعلق چند بنیادی اُمور بیان کئے گئے

ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

إِذَا تَدَانَسْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ
مَّسَىٰ فَكَانَتْ بُوَّةٌ

جب تم اُدھار کا لین دین کرو۔ ایک مقرر مدت کے لیے تو اسے کچھ لو

۱۔ یہ کہ ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کی میعاد غیر مبہم طریقہ سے ضرور مقرر کی جائے۔ غیر معین مدت کے لیے ادھار دینا لینا جائز نہیں ہے (۲) یہ کہ ادھار کے معاملہ کی دستاویز لکھی جائے خواہ وہ دین

مبیع ہو یا ثمن یہ دستاویز لکھنا مستحب ہے فائدہ اس کا یہ ہے کہ محمول چوک اور دیون کے انکار کا اندیشہ نہیں رہتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے بیع سلم مراد ہے۔ بیع سلم یہ ہے کہ کسی چیز کو پیشگی قیمت لے کر فروخت کیا جائے اور مبیع مشتری کو پُر و کرنے کے لیے ایک مدت مقرر کر لی جائے۔ اس بیع کے جواز کے لیے جنس، نوع، صفت، مقدار، مدت اور مکان ادا اور مقدار راس المال ان چیزوں کا شرط ہے۔ ۳۔ آج سے چودہ سو برس پہلے لکھنے لکھانے کا رواج نہ تھا۔ سارا کاروبار زبانی ہوتا تھا۔ ہمدرد تاریخ کا تعین بھی مبہم ہوتا تھا اور آج بھی دنیا کی بیشتر آبادی لکھنا پڑھنا نہیں جانتی اس لیے یہ ممکن تھا اور اس وقت بھی اور آج بھی ایسا ہوتا ہے کہ دستاویز لکھنے والا خیانت سے کام لے اس لیے فرمایا۔

وَلْيَكْتَبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ | یہ لازم ہے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے۔

یعنی عدل و انصاف اور پوری دیانت داری اور امانت داری کے ساتھ جو طے ہوا وہی لکھے اس میں اپنی طرف سے نہ کوئی کمی بیشی کرے اور نہ فریقین میں سے کسی کی رورعایت کرے بلکہ دیانت اور خدا نوحی کے ساتھ انصاف کے ساتھ لکھے۔

۴۔ کاتب کو یہ ہدایت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وثیقہ نویسی کا ہنر عطا فرمایا ہے تو اس کا شکر ادا کرے۔ یہ ہے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ فرمایا

وَلَا يَأْتِ كَاتِبٌ | اور لکھنے والا (وثیقہ نویس) لکھنے سے انکار نہ کرے۔

حاصل معنی یہ ہیں کہ کوئی کاتب کو لکھنے سے منع نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وثیقہ نویسی کا علم دیا ہے بے تغیر و تبدل و امانت و امانت کے ساتھ لکھے۔ وثیقہ نویس کے لیے دستاویز لکھنے کی ذمہ داری کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ دستاویز لکھنا فرض کفایہ ہے اور جس صورت میں کہ اس کے سوا اور کوئی نہ ہو اور اس کے پاس وقت بھی ہو تو فرض عین ہے۔ اور ایک قول پر مستحب کیونکہ اس میں مسلمان کی حاجت برآری اور نعت علم کا شکر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے یہ کتابت فرض تھی۔ پھر لایضار کاتب سے منسوخ ہوئی۔ فی زمانہ وثیقہ نویسی ایک پلیہ ہے اور روزگار کا ذریعہ۔ لہذا وثیقہ نویس کتابت کی اُہمیت لے سکتا ہے البتہ یہ بات پھر بھی فرض ہے کہ کتابت میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ جو معاملہ فی الواقع طے ہوا ہے ایسا مداری کے ساتھ وہی لکھ دے وَلَا يَضَارَّ كَاتِبٌ کا یہ مطلب ہے کہ وثیقہ نویس کا حق کتابت ادا کیا جائے اور اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔

۵۔ اب رہا یہ سوال کہ دستاویز لکھوانے کی ذمہ داری کس پر ہے؟ تو اس کے متعلق فرمایا۔

وَلَيْسَ لِلْأُتُوِّ عَلَيْهِ الْحَقُّ | جس پر حق آتا ہے وہ کھانا کھاتے

یعنی وثیقہ نویس کی اُجرت اور اس کا کھانا، اس شخص پر ہے جس کے ذمہ حق ہے مثلاً کوئی چیز خریدی اور قیمت اُدھار کی تو دستاویز لکھوانا اور وثیقہ نویس کی اُجرت ادا کرنا اس شخص کے ذمہ ہے جس پر اُدھا رہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس پر حق آتا ہے یعنی مدیون مجنون و ناقص العقل یا بچہ یا شیخ خانی ہو یا گونگا ہو نے یا زبان نہ جانتے کی وجہ سے اپنے مدعا کا بیان نہ کر سکتا ہو اور دستاویز نہ لکھوا سکے تو اس کے متعلق یہ ہدایت دی گئی کہ
فَلْيَسْلِلْ وَلْيَبْدُ بِالْعَدْلِ ط | ایسے شخص کا ولی انصاف کے ساتھ دستاویز لکھوائے
قرآن میں اس جگہ ولی کا لفظ دونوں معنوں کو شامل ہے۔ یعنی ولی لکھوادے۔ ولی نہ ہو تو اس کا وکیل یا کرم سرانجام دے۔

ضابطہ شہادت کے چند اہم امور | ۷۔ دستاویز لکھنے لکھانے کے متعلق ہدایت دینے کے بعد یہ اصول بیان فرمایا گیا کہ شہرت کے لیے صرف تحریر پر کافی نہیں ہے۔ اس لیے اس پر گواہ بھی بنا لیے جائیں تاکہ بوقت نزاع عدالت میں گواہوں کی گواہی سے فیصلہ ہو سکے۔ فقہاء اسلام فرماتے ہیں کہ محض تحریر محبت شرعی نہیں ہے۔ جب تک اس پر شہادت نہ ہو۔ خالی تحریر پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ آج کی عدالتوں کا یہی دستور ہے کہ تحریر پر زبانی تصدیق و شہادت کے بغیر فیصلہ نہیں کرتی ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ | اور گواہ کر لو اپنے مردوں میں پھر اگر دومرد نہ ہوں
لَنْ نَكْفِيَكَ كُفُوًا ط

اس آیت میں ضابطہ شہادت کے چند اصول کا بیان ہے مگر گواہ دومرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک مرد یا صرف دو عورتوں کی گواہی عام حالات میں کافی نہیں ۹۔ گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے یعنی کفار کی گواہی کفار پر مقبول ہے۔ مسلمانوں پر نہیں۔ مِنْ رِجَالِكُمْ میں اسی امر کا بیان ہے
مَنْ شَرَّ حَظًّا ط الخ کے جملہ سے واضح ہوا کہ گواہوں کا ثلثہ اور عادل ہونا ضروری ہے۔ جن کے قول پر اعتماد کیا جاسکے۔ تفسیر مدارک و احمدي میں زیر آیت مذکورہ لکھا ہے کہ تنہا عورتوں کی شہادت جائز نہیں خواہ وہ چار کیوں نہ ہوں مگر جن امور پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے جیسے کہ بچہ جنا، یا کرہ ہونا اور نسائی عیوب، ان میں ایک عورت کی شہادت بھی مقبول ہے۔ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت بالکل معتبر نہیں۔ ۱۰۔ مردوں کی شہادت ضروری ہے۔ اس کے سوا اور معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت بھی مقبول ہے۔
گواہی دینے سے بلا عذر شرعی انکار جائز نہیں | ارشاد باری ہے۔

وَلَا يَأْتِ الشَّهَادَةَ إِذَا مَا دُعِيَ لَهَا

اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اداۓ شہادت فرض ہے۔ جب مدعی گواہوں کو طلب کرے تو انہیں گواہی کو چھپانا جائز نہیں۔ یہ حکم حدود کے سوا اور امور میں ہے لیکن حدود میں گواہ کو اظہار و اخفا کا اختیار ہے بلکہ اخفا افضل ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ستاری کرے گا لیکن چوری میں مال لینے کی شہادت دینا واجب ہے، جس کا مال چوری ہو گیا ہے اس کا حق تلف نہ ہو۔ گواہ اتنی احتیاط کر سکتا ہے کہ چوری کا لفظ نہ کہے۔ گواہی میں یہ کہنے پر اکتفا کرے کہ یہ مال فلاں شخص نے لیا۔ غرض کہ جب اداۓ شہادت کے لیے بلایا جائے تو انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ شہادت حق دار کا حق دلانے اور جھگڑا ختم کرنے کا ذریعہ ہے ۱۲۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ

اسلامی نظام عدل میں جیسے گواہی دینا فرض ہے ایسے ہی گواہوں کو نقصان پہنچانا سچی گواہی دینے سے روکنا، دھمکیاں دینا،

شہادت دینا فرض ہے مگر گواہ کو نقصان پہنچانا اور اس کی عزت نفس سے کھینچنا بھی حرام و گناہ کبیرہ ہے

انہیں مختلف قسم کی الجھنوں میں مبتلا کرنا بھی حرام و ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح اس امر کا اہتمام بھی ضروری ہے کہ گواہ کی عزت نفس جبر نہ ہو اور اگر گواہ اپنی آمد و رفت کا ضروری خرچ طلب کرے تو اس کا حق ادا کیا جائے تاکہ لوگ گواہی نہ دینے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

وَلَا يَضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ

اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو (یہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ)

لَا يَضَارُّ کے یہ معنی ہیں کہ اہل معاملہ کاتبوں اور گواہوں کو ضرر نہ پہنچائیں۔ اس طرح کہ وہ اگر اپنی ضرورتوں میں مشغول ہوں تو انہیں مجبور کریں اور ان کے کام پھیرائیں یا حق کتابت نہ دیں یا گواہ کو سفر خرچ نہ دیں یا معنی میں کتابت و شاہد اہل معاملہ کو ضرر پہنچائیں۔ اس طرح کہ باوجود فرصت و فراغت کے نہ آئیں یا کتابت میں تخریف و تبذیل زیادتی و کمی کریں۔ اس دو طرفہ احتیاط کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر معاملہ میں بے غرض سچے گواہ مل جائے تھے اور فیصلے بھی جلد اور حق کے مطابق ہو جاتے تھے۔

ہمارے دو ہیں ان قرآنی اصولوں اور ضابطوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے نظام عدالت خراب ہو گیا ہے۔ گواہوں کو سچی شہادت دینے کے لیے تحفظ حاصل نہیں ہے۔ ان کی عزت و آبرو خطر میں پڑ جاتی ہے حتیٰ کہ قتل تک کر دیا جاتا ہے۔ معاملہ پولیس کے پاس ہے تو وقت بے وقت تھانوں کے

چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ جب مقدمہ عدالت میں آجاتا ہے تو پیشیوں کی تاریخیں پڑتی ہیں۔ گواہ اپنا کاروبار، مزدور اپنی مزدوری اور ضروریات چھوڑ کر آتا ہے تو حاکم چھٹی پر ہونا ہے یا مقدمہ کسی دوسری عدالت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کوئی شریف آدمی کسی معاملہ کا گواہ بننا اپنے لیے عذاب سمجھنے اور مقدمہ بھراس سے بچنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ البتہ پیشہ ور گواہ ضرور مل جاتے ہیں جن کے ہاں جھوٹ اور سچ کا کوئی امتیاز نہیں ہے، قزاق نے مذکورہ بالا ضابطوں کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کر کے ان مفاسد کا انسداد فرمایا ہے۔ مگر ہم نے ان ذریعہ ضابطوں سے صرف نظر کر کے حصول انصاف کی راہ میں کائنات بچھا دیتے ہیں (إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ”اے ایمان والو انصاف پر غور قائم ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہی دیتے۔ چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا جس پر گواہی دودہ غنی ہو یا فقیر ہو بہر حال اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو غواہش کے بغیر نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو اور اگر تم ہیر پھیر کرو اسے پھیر تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔“

وَقَوْلُهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَكُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوَّلُ الدِّينِ وَالْآخِرِينَ إِنَّ يَكُنْ عَنِيَّ آفٌ فَخَيْرٌ فَإِنَّ اللَّهَ أَذَلُّ بِرِسْمًا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَحْدِلُوا وَإِنْ تَلَوُّوا أَوْ نَسُوا فَمَا فِي اللَّهِ شَيْءٌ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (النساء، ۱۳۵)

قِسْط کے معنی عدل و انصاف کے ہیں۔ مطلب آیت یہ ہے کہ بہر حال و بہر صورت ہر صاحب حق کا حق پورا پورا ادا کیا جائے۔ عدل و انصاف کی راہ سے ہٹا کر ظلم و جور میں مبتلا کرنے والی عموماً دو ہی چیزیں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک محبت خواہ اس کی نوعیت و کیفیت کچھ ہی ہو اور دوسری عداوت، اس آیت میں قیام بالقسط اور شہادت بشیر دونوں چیزیں ماحور رہ ہیں۔ مفصل آیت یہ ہے کہ کسی کی محبت، قرابت یا دوستی یا عداوت و دشمنی انصاف کی راہ میں ہرگز ہرگز رکھ نہ لینی چاہیے۔ سچ ہو یا گواہ دونوں کو فیصلہ کرنے اور شہادت دینے میں محبت و عداوت کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ جو حق ہے اسی کی سچی گواہی دینی اور فیصلہ کرنا چاہیے خواہ وہ اپنے ماں باپ، قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی ہو۔

بَابُ إِذَا عَدَلَ رَجُلٌ أَحَدًا فَقَالَ

بَابُ ایک شخص دوسرے کے متعلق یہ کہے میں تو اسے

لَا تَسْلَمُ إِلَّا خَيْرًا وَقَالَ مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا۔ بخاری

نیک سمجھتا ہوں یا نیک ہی جانتا ہوں

گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے اور گواہ کے ترکیب کے مسائل | ادا واضح ہو کہ مقدمہ میں گواہ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ شریعت

اسلام میں گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے۔ یعنی اس کا ظاہری چال چلن اچھا ہو۔ گواہوں کے حالات معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ عدالت میں قابل اعتماد گواہ کو جاننے والا اس کی عدالت اور نیک چلنی کو بیان کرے۔ دوسرا طریقہ خفیہ طور پر حاکم گواہ کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے پہلے طریقے کو اختیار کرتے ہوئے عنوان قائم فرمایا ہے کہ کسی گواہ کی عدالت بیان کرتے ہوئے یہ کہے میں تو اس کو نیک ہی سمجھتا ہوں تو صرف اتنا کہنے سے گواہ کو عادل قرار دیدیا جائیگا۔ بیہنا امام یوسف اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

۲۔ علامہ بدر محو دینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یہ کہنا۔ میں اس کو اچھا جانتا ہوں یا اس میں اچھائی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ جس کے متعلق یہ چیلے کہے جائیں اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ امام طحاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ امام ابو یوسف کا بھی یہی ارشاد ہے البتہ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ترکیب کے لیے مُعَدِّل کا یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ شخص عادل بھی ہے اور اس کی شہادت جائز ہے مگر ظاہر ہے کہ اتنی سخت قبول اس دور کے لیے نہیں جس میں دیانت و امانت مسلمانوں کی طبیعت نہایت تھی۔ ہمارے دور میں جب مُعَدِّل یہ کہے کہ میں اس کو نیک آدمی سمجھتا ہوں۔ تو یہ چیلے ترکیب کے لیے کافی ہونے چاہئیں اور دلیل اس کی حدیث انک ہے جس میں لَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا کے چیلے ہیں جو ترکیب کے لیے کافی ہیں۔

۳۔ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ گواہ کی ظاہری عدالت کافی ہے۔ وَالشَّرْطُ هُوَ الْعَدَالَةُ الظَّاهِرِيَّةُ عِنْدَ آخِ حَنِيفَةٍ (ہایہ) — امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایسا فاسق جو صاحب مروت ہو اور معاشرہ میں مقام رکھتا ہو اس کی شہادت قبول کی جائے گی (ہایہ) نیز حاکم کو بھی مسلمان گواہ کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرنا چاہیے۔ البتہ گواہ کا ترکیب اس صورت میں کیا جائیگا جب مدعا علیہ اس کا مطالبہ کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اَلْمُسْلِمُونَ عُدُولٌ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ اَلَا تَخَذُوْنَ فِيْ قَدْفٍ (ابن ابی شیبہ) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ کو یہی ہدایت فرمائی تھی۔ (دارقطنی)

۴۔ قاضی کو گواہوں کا عادل ہونا معلوم ہو تو ترکیب کی ضرورت نہیں ہے البتہ حدود و قصاص کے مقدمہ میں بہر حال گواہوں کا ترکیب ضروری ہے خواہ مدعا علیہ درخواست کرے یا نہ کرے۔ ہایہ میں ہے۔ اَلَا فِيْ الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ فَاِنَّهٗ يَسْأَلُ عَنِ الشُّهُودِ (ہایہ ج ۳ ص ۱۲۴)

۲۴۶۱

وَعَبِيدُ اللَّهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ وَ
بَعْضُ حَدِيثِهِمْ يُصَدِّقُ بَعْضًا حِينَ
قَالَ لَهَا أَهْلُ الْأَنْثِ فَذَكَرَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَاسْمَهُ
حِينَ اسْتَلَمْتُ الْوُحْيَ يَنْتَامِرُ هُمَا
فِي فِرَاقٍ أَهْلِهِ فَأَمَّا اسْمُهُ فَقَالَ
أَهْلُكَ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا حَنِيرًا وَقَالَتْ
بَرِيْرَةُ إِنْ رَأَيْتُ عَلَيْهَا آمَدًا أَعْنِصُدْ
أَكْثَرَ مِنْ أَنْهَا جَارِيَةً
حَدِيثُ السِّنِّ سَنَامٌ عَنْ عَجَبِينَ
أَهْلُهَا فَتَأَقَّى الدَّاجِنُ فَتَأَ كُلُّهُ
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ يَمُذِرْنَا مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِي إِذَا
فِي أَهْلِ بَيْتِي فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ
مِنْ أَهْلِي إِلَّا حَنِيرًا وَلَقَدْ ذَكَرُوا
رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا حَنِيرًا
(بخاری)

عبید اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خبر دی
اور ان کی باہم ایک کی حدیث دوسرے کی حدیث
کی تصدیق کرتی ہے کہ جب ان پر تہمت لگانے والوں
نے تہمت لگائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
علی اور اسمہ رضی اللہ عنہما کو اپنی بیوی (عائشہ رضی
اللہ عنہا) کو اپنے سے جدا رکھنے کے لیے مشورہ کر پھرنے
کے لیے بلایا کیونکہ وہی اب تک آپ پر نہیں آئی
تھی۔ اسمہ رضی اللہ عنہ نے تو یہ فرمایا کہ آپ کی زوجہ
مطہرہ (عائشہ رضی اللہ عنہا) میں ہم سوا کے خیر کے
کچھ نہیں جانتے اور بربرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ
میں کوئی ایسی چیز نہیں جانتی جس سے ان پر عیب لگایا
جاسکے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ نو عمر لڑکی ہیں۔ انا
گوندھتی ہیں اور پھر جا کے سو رہتی ہیں اور بکری
اکے اسے کھا لیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ایسے شخص کی طرف سے کون عذر خواہی
کرے گا جو میری بیوی کے بارے میں مجھے اذیت
پہنچاتا ہے، بخدا اپنے اہل (یعنی زوجہ) میں میں نے

خیر کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ اور (وہ بھی اس تہمت میں) لوگ ایک ایسے شخص کا نام لیتے ہیں جن کے
متعلق بھی مجھے خیر کے سوا اور کچھ معلوم نہیں۔

قوائد و مسائل | عنوان کے مناسب اس حدیث میں لَا نَعْلَمُ إِلَّا حَنِيرًا کے مجملے ہیں حضرت
اسمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے
متعلق بضرر نبوی عرض کی کہ ہم تو ان میں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں پاتے وہ پاکدامن اور عفیضہ ہیں۔

واقعہ انک اور منکرین شان نبوت | اُم المؤمنین سیدہ عقیقہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی
ذات اقدس پر منافقین نے جو تہمت لگائی اس کا
مقصود وحید حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دین اسلام کی حقانیت میں تشکیک پیدا کر کے

اسلام کی بنیاد کو منہدم کرنا تھا۔ منافقین یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ جس نبی کے گھر کا یہ حال ہے اس کی نبوت و رسالت کی صداقت و حقانیت کو کیسے تسلیم کر لیا جائے مگر حیرت و افسوس ہوتا ہے ان نام کے مسلمانوں پر جو منافقین کے اس ذلیل و رکیک الزام کے واقعوں سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و فضل کے انکار کی راہیں نکالنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔

۲۔ ان سفاکوں کا کہنا یہ ہے کہ اگر حضور علیہ السلام کو اپنی اہلیہ محترمہ کی پاکدامنی کا نزول وحی سے پہلے علم ہوتا تو آپ اضطراب و پریشانی میں کیوں مبتلا رہتے؟ سینتیس روز تک آپ اپنی اہل سے کیوں جدا رہتے۔ جب قرآن مجید نے جناب عائشہ کو پاکدامن اور منافقوں کو جھوٹا قرار دیدیا۔ تب جا کر اصل حقیقت آپ پر منکشف ہوئی (نصیحۃ المسلمین مولوی خرم علی دیوبندی)

۳۔ لیکن ان تمام امور کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی کی دلیل بنانا شرعاً و عقلاً ہر طرح باطل ہے امام فخر رازی علیہ الرحمہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خَانَ قِيلَ كَيْفَ جَازَ أَنْ تَكُونَ امْرَأَةً النَّبِيِّ كَافِرَةً كَامْرَأَةٍ نَوُجٍ وَ نَوُجٍ
وَلَمْ يَجُزْ أَنْ تَكُونَ فَاجِرَةً وَ أَيْضًا فَلَوْ لَمْ يَجُزْ ذَلِكَ لِمَا صَاقَ قَلْبُهُ
وَلَمَّا سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفِيَّةَ الْوَاقِعَةِ قُلْنَا (الْجَوَابُ) عَنْ الْأَوَّلِ أَنَّ الْكُفْرَ
لَيْسَ مِنَ الْمُنْكَرَاتِ مَا كُونَهَا فَاجِرَةً فِيمَنْ الْمُنْكَرَاتِ (وَالْجَوَابُ) عَنْ الثَّانِي
أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَثِيرًا مَا كَانَ يَصِيقُ قَلْبُهُ مِنْ أَقْوَالِ الْكُفَرَاءِ مَعَ عَلَيْهِ يَفْسَادُ
تِلْكَ الْأَقْوَالِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَصِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ
فَكَانَ هَذَا مِنْ هَذَا السَّبَابِ

(وَتَابِعُهَا) أَيْ الْمَعْرُوفَ مِنْ حَالِ عَائِشَةَ قَبْلَ تِلْكَ الْوَاقِعَةِ إِنَّمَا
هُوَ الصَّوْنُ وَ الْبُعْدُ عَنْ مَقَدَّمَاتِ الْفُجُورِ وَ مَنْ كَانَ كَذَلِكَ كَانَ
اللَّائِقُ إِحْسَانَ الظَّنِّ بِهِ (وَتَابِعُهَا) أَنَّ الْقِتَادَ فَيْنِ كَانُوا مِنْ
الْمُنَافِقِينَ وَ أَتْبَاعِهِمْ وَ قَدْ عُرِفَ أَنَّ الْكَلَامَ الْعُدُوَّ وَ الْبُعْثَ شَرِّ
مِنَ الْهَذْيَانِ فَلَمَّا جُمِعَ هَذِهِ الْقِرَائِنُ كَانَ ذَلِكَ الْقَوْلُ مَعْلُومُ الْفَسَادِ
قَبْلَ سُذُولِ التَّوْحِي (تفسیر کبیر ج ۶ صفحہ ۳۵)

امام فخر رازی فرماتے ہیں کہ انبیاء کی ازواج مطہرات کافروں تو ہو سکتی ہیں (جیسے حضرت لوط اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیویاں) مگر انبیاء کرام کی ازواج فاجروں (بدکار) نہیں ہو سکتیں کیونکہ کفر نفرت و

وال چیز نہیں ہے مگر بیرونی کا فاجرہ (بدکار) ہونا باعث نفرت اور سخت بدنامی کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ایسی اخلاقی خرابی ہے جسے کوئی بھی غیرت مند برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے انبیاء کے کرام کی ازواج فاجرہ نہیں ہو سکتیں (تفسیر کبیر جلد ۶) اس ضابطہ کو بیان کر کے بعد امام فخر رازی کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید نے تصریح کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی نامعقول باتوں کو سن کر تنگدل اور مقوم ہو جایا کرتے تھے حالانکہ نبی علیہ السلام کو معلوم تھا کہ کفار کے اقوال باطل محض ہیں۔ ارشاد باری ہے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ (سورۃ الحجہ، ۹۷)

اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تم دل تنگ ہوتے ہو۔

یعنی آپ و عورت اسلام کے مقابل کفار کے لغو اور بیکار اعتراضات پر رنجیدہ ہوتے تھے حالانکہ حضور کو معلوم ہے کہ کفار جو کچھ کہتے ہیں وہ غلط اور باطل ہے۔ ————— و واقعہ انک کی بھی یہی کیفیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بالیقین معلوم تھا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاکدامن ہیں اور منافقین کی تمہمت غلط اور واقع کے خلاف ہے مگر اس کے باوجود حضور کا تنگدل اور رنجیدہ ہونا محض کفار کی بیہودہ گوئی اور جھوٹی تمہمت کی وجہ سے تھا۔ حضور کے رنجیدہ ہونے کی یہ وجہ نہ تھی کہ آپ کو جناب عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی پر شک یا بدگمانی تھی۔

۴۔ نیز جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس واقعہ سے پیشتر کے حالات اور سیرت کو دار سے بھی ظاہر تھا کہ آپ فسق و فجور سے پاک و صاف ہیں تو جس کی یہ کیفیت ہو اس کے ساتھ بدگمانی کی کیا گنجائش ہے۔

۵۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ تمہمت لگانے والے منافق تھے۔ ظاہر ہے کہ مغتری دشمن کی بات ہذا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی یعنی منافقین کا آپ کی پاکدامنی پر حرف زنی کرنا ہی ان کے مغتری و کذاب ہونے کی دلیل تھا۔ اس لیے ان قرآن واضح کی موجودگی میں نزول وحی سے قبل بھی منافقین کے الزام کا غلط اور بہتان ہونا واضح تھا۔

۶۔ امام فخر رازی علیہ الرحمہ کی اس تقریر سے واضح ہوا کہ منافقین نے جو تمہمت لگائی تھی حضور نبی کریم علیہ السلام کو نزول وحی سے قبل بھی اس کے باطل و بہتان ہونے کا علم ولیقین تھا۔ کسی بھی شخص پر جھوٹی تمہمت لگانی جائے خصوصاً اس کی بیوی پر تو اس کے غلط اور بہتان ہونے کے علم کے باوجود ایک غیر متعصب انسان کو رنج و غم ہونا بالکل فطری بات ہے۔ نہ صرف اس کو بلکہ اس کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کو بھی پریشانی ہوتی ہے۔

۷۔ نبی کریم علیہ السلام کے منعم اور پریشان ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کو حقیقت کا علم نہ تھا بلکہ پریشانی کی وجہ محض منافقین کا ایک ایسی ہستی کو متہم کرنا تھا جس کی سیرت و کردار کی طہارت و پاکیزگی پہلے ہی سے معلوم تھی۔

۸۔ علاوہ انہیں انبیاء کرام کی ازواج کا فاجرہ نہ ہونا بھی حضور کے علم میں تھا اور یہ بھی واضح ہے کہ کوئی اپنے ذاتی قضیہ کا فیصلہ خود نہیں کرتا۔ اگر حضور علیہ السلام خود ہی منافقین کے اتہام کے غلط ہونے کا عدالتی فیصلہ فرما دیتے تو پھر منافقین کو یہ کہنے کی گنجائش ہو جاتی کہ گھر کا معاملہ تھا اسلئے رفع دفع کر دیا۔

۹۔ احادیث سے واضح ہے اور حضرت عائشہ نے خود بھی بطور تحدیث نعمت اپنی اس فضیلت کو بیان فرمایا ہے کہ دوسری عورتوں کا نکاح زمین پر ہوا اور میرا نکاح حضور کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر فرمایا اور بخاری شریف کی حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب میں مجھے حضرت عائشہ کو ریشی لباس میں پیش کیا گیا اور کہا گیا کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ اور انبیاء کرام کے خواب کا وحی ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے خواب کی بنیاد پر ہی اپنے مندرجہ بیٹے کی قربانی دی تھی اور بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ تو جس مندرجہ خاتون کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے نکاح میں دیا ہو اس کے متعلق حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم محض منافقین کی جھوٹی تہمت کی بنا پر بدظن ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں لہذا واقعہ انک کو حضور کے عدم علم کی دلیل بنانا باطل محض ہے۔

۱۰۔ افسوس منکرین شان رسالت نے واقعہ انک کو حضور کے عدم علم کی دلیل بنا کر نہ صرف حضور کی ذات اقدس پر دو غلط الزام لگا دیے۔ ایک عدم علم اور دوسرا یہ کہ حضور کا حضرت عائشہ سے بدگمان ہونا (حالانکہ شرعاً کسی مسلمان پر بدگمانی حرام ہے) بلکہ ان سہارے اس ذلیل استدلال سے اللہ رب العزت جل مجدہ کی شان ارفع والعلیٰ کو بھی مجروح کر دینے کی ناپاک کوشش کی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ معاذ اللہ اس

صَاحِبِ السَّيِّئَاتِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا أَرَيْتُكَ فِي الْكَلَامِ مَرَّتَيْنِ أَرَىٰ إِيَّاكَ فِي سَرَخَةٍ مِنْ حَرِيرٍ يَقُولُ هَذِهِ أَمْرَاتُكَ فَالْكَشَفُ عَنْهَا فَإِذَا هِيَ أَنْتَ — وَفِي رِوَايَةٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ — ایک روایت میں ہے کہ تین مرتبہ خواب میں حضور کو یہ واقعہ پیش آیا۔ قسطلانی (بخاری ج ۱ ص ۵۵) ص ۲۰۱ رُوِيَ الْأَنْبِيَاءُ وَحِيٍّ (بخاری) — قرآن مجید میں ہے۔
إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْكُرُكَ الخ (سورة التَّحْفُتِ) ۱۰۲-۵۳

اس عالم الغیب والہ شہادۃ نے ایک ایسی ویسی خاتون کو اپنے مقدس رسول کے عقد میں دے دیا۔

۱۱۔ رہا یہ سوال کہ وحی کا انتظار کیوں فرمایا؟ تو اس میں جو حکمتیں تھیں ان کے اظہار و بیان کے لیے دفتر درکار ہے۔ وحی کے انتظار فرمانے اور خود عدالتی فیصلہ نہ فرمانے میں ایک تو یہی حکمت تھی کہ اپنے ذاتی معاملہ کا غرض فیصلہ نہیں کیا جاتا ورنہ منافقین کو مزید شبہات پیدا کرنے کی گنجائش نکل آتی جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا۔
۱۲۔ ایک حکمت یہ تھی کہ بذریعہ وحی فیصلہ ہونا قطعی الثبوت و قطعی الدلالت قرار پائے اور قرآن مجید کے منافعوں کو جھوٹا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عقیقہ پارسا پاکدامن قرار دینے سے اس مسئلہ کی حیثیت ایسی ہو گئی۔ اب جو معاذ اللہ ذرا بھی جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق دل میں شبہ رکھے اور ان کی پاکدامنی پر شک کرے اور منافقین کے جھوٹا ہونے پر ایمان نہ لائے وہ قرآن کا منکر اور اسلام کے دائرہ سے خارج ہو کر کافر قرار پاتا ہے۔ (بخاری)

۱۳۔ نیز اس واقعہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صبر و شکر کا امتحان بھی تھا کہ تمت کے جھوٹے ہونے کے باوجود آپ نے معاملہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ یہ اور اس نوع کی متعدد حکمتیں تھیں۔ جن کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جہنم کر عدالتی فیصلہ نہ فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ فرمانے کا انتظار فرمایا۔

۱۴۔ ورنہ جہاں تک حقیقت حال کا تعلق ہے تو وہ تو آفتاب کی طرح حضور پر واضح تھی۔ اور آپ کو تمت کے جھوٹا ہونے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے طیبہ طاہرہ عقیقہ پارسا ہونے کا ایسا یقین تھا کہ آپ نے نزول وحی سے قبل اللہ تعالیٰ کے نام اقدس کی قسم کھا کر فرمایا۔

مَنْ يَعْدُ رُفِيٍّ مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِي إِذَا هُوَ فِي أَهْلِي فَوَاللَّهِ مَا عَدَلْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا

کون ہے جو ایسے شخص کے متعلق میری طرف سے عُذر خواہی کرے جس نے میری زوجہ کے متعلق مجھے رنج اور اذیت پہنچائی ہے۔ خدا کی قسم میں اپنی زوجہ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا

(بخاری)

اہل ایمان اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ نزول وحی سے قبل حضور علیہ السلام قسم کھا کر تمت کے جھوٹے ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں اور واضح لفظوں میں فرما رہے ہیں کہ خدا کی قسم مجھے اپنی زوجہ میں خیر کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے قطعی حتمی طور پر واضح ہو گیا کہ نہ تو آپ کو حضرت عائشہ پر بدگمانی تھی اور نہ ہی آپ اصل حقیقت سے بے خبر تھے۔ ایک مومن مسلمان کے لیے تو صرف حضور کا ارشاد ہی کافی ہے۔ اب اگر کوئی حضور کے قسم کھا کر ارشاد پر اعتبار نہ کرے اور یہی رٹ لگاتا رہے

کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلم نہ تھا تو ایسے متعصب مُنکر کے لیے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ انشاء اللہ میلان
حشر میں اس کو بیباکی و گستاخی کی ضرور سزا ملے گی۔

ذکر رو کے فضل کاٹے نقص کا جو بیاں ہے پھر کے مرد کہ ہوں امت رسول اللہ کی

بَابُ شَهَادَةِ الْمُخْتَبَىٰ

چُھپے ہوئے آدمی کی شہادت

مطلب عنوان یہ ہے کہ کوئی شخص چُھپ کر کسی کی بات مئے اور پھر جو سنا ہے اس کی گواہی دے
تو اس کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

وَأَجَازُهُ عِنْدُ بَنِي حَرْبٍ فَتَالَ وَ
كَذَلِكَ يُفْعَلُ بِالْكَافِرِ الْفَاجِرِ
(بخاری)

اور عمرو بن حرب نے اس کو جائز قرار دیا ہے
نیز انہوں نے کہا جھوٹے اور فریب کار سے ایسا
کرنا جائز ہے۔

حضرت عمرو بن حرب مخزومی صحابہ کرام میں سب سے چھپونی عمر کے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر بارہ برس تھی۔ یہ پہلے قریشی ہیں جنہوں نے کوفہ میں مکان بنایا اور
وہیں ۸۵ھ میں وفات پائی۔ ان کے والد بھی صحابی تھے۔ بخاری شریف میں صرف اسی مقام پر امام بخاری
نے ان کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ اس تعلیق کو امام بیہقی نے وصل کیا ہے کہ عمرو بن حرب مکتبی کی شہادت کو جائز قرار دیتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ خائن و فاجر کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ زید بکر کا قرضدار ہے مگر
کسی کے سامنے اقرار نہیں کرتا۔ اب بکر کچھ لوگوں کو ایک مقام پر چُھپا دیتا ہے اور زید کو اس مقام پر لا کر
اپنے قرض کے متعلق بات کرنا ہے اور زید اکیلے میں اقرار کر لیتا ہے اور چُھپے ہوئے لوگ زید کے اقرار کو سُن
لیتے ہیں مگر زید کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ عمرو بن حرب کہتے ہیں۔ چُھپے ہوئے لوگوں کی گواہی جائز
ہے۔ سیدنا امام شافعی کا جہد قول ہے اور ابن ابی لیلیٰ و سیدنا امام مالک و احمد و اسحق رضی اللہ تعالیٰ عنہم
کا یہی مسلک ہے۔ لیکن امام نخی شعبی اور قاضی شریح مکتبی کی شہادت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں
کہ جب شاہد مشہور علیہ سے چُھپ گیا تو وہ عادل و زراہ کیونکہ چُھپ کر سُننا (یعنی چُھپ کر گواہ بننا) ایک قسم کا دھوکہ
ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کا قدیم قول بھی یہی ہے اور امام عظیم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ بھی مکتبی کی شہادت کو جائز
قرار نہیں دیتے۔ (عینی ج ۱۳ ص ۱۹۵)

چُھپ کر گواہ بننے والے (مکتبی) کی شہادت جائز نہیں ہے | ۳۔ شہادت مکتبی یہ ہے

کہ کوئی شخص اپنی ذات کو مشہود علیہ سے پرستیدہ رکھے تاکہ اس کے اقرار کو سُن لے۔ لیکن اقرار کرنے والے کو نہ دیکھے تو ایسے شخص کی شہادت جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ مشہود علیہ کو دیکھنے کی وجہ سے شاہد کو علم یقینی حاصل نہ ہوگا چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شہادت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ کیا تو سورج کو دیکھتا ہے۔

اس نے عرض کی ہاں۔ فرمایا سورج کی طرح دیکھے تو شہادت دے ورنہ نہیں (مستدرک)

هَلْ تَرَى الشَّمْسَ فَقَالَ نَعَمْ
قَالَ عَلَى مِثْلِهَا فَنَاشَهِدْ أَوْ دَعْ

توصوف کسی کے اقرار کو سُننے اور اقرار کرنے والے یا بیع و ثمر کرانے والے وغیرہ کو نہ دیکھنے سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ آواز آواز کے مشابہہ ہوتی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ جس کی بات اس نے سنی وہ پردے میں ہے آواز سُنتا ہے مگر اسے دیکھتا نہیں ہے۔ اس کے متعلق اس کی گواہی درست نہیں اگرچہ آواز سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ فلاں کی آواز ہے۔ ہاں اگر اسے واضح طور پر یہ معلوم ہے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے بول کہ یہ خود پہلے مکان میں گیا تھا اور دیکھ آیا تھا کہ مکان میں اس کے سوا کوئی نہیں ہے اور یہ دروازے پر بیٹھا رہا۔ کوئی دوسرا مکان کے اندر گیا نہیں اور مکان میں جانے کا کوئی دوسرا راستہ بھی ہے۔ ایسی حالت میں جو کچھ اندر سے آواز آئی اور اس نے سنی اس کی شہادت دے سکتا ہے (فتح القدیر ج ۶ ص ۶۳ و ۶۴ و بحر الرائق ج ۷ ص ۷)

فتح القدیر کے اس حوالہ سے واضح ہوا کہ احناف کے ہاں شہادت مختبی کو ناجائز قرار دینے کی بنیاد یہ ہے کہ شرط شہادت یہ ہے کہ خصم سے سُنے اور خصم کا خصم ہونا اسی صورت میں ہوگا جب کہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھے نہ کہ محض اس کے کلام کو سُنے۔ کیونکہ محض اس کے کلام کو سُننے سے علم یقینی حاصل نہ ہوگا۔ لہذا مختبی اندھ کی طرح ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احناف مختبی کی شہادت کو مطلقاً ناجائز نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اگر چُھپے ہوئے شخص نے اقرار کرنے والے کو نہیں دیکھا صرف اس کی آواز کو سُنا تو اس صورت میں اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔ اگر چُھپے ہوئے شخص (یعنی مختبی) نے آواز بھی سنی اور جس کی آواز ہے اس کو بھی دیکھا اگرچہ پردہ میں رہ کر دیکھا تو ایسی صورت میں مختبی کی شہادت درست ہے۔ چنانچہ عالمگیری ج ۳ میں ہے۔

ایک شخص کے ذکر کسی کا مطالبہ ہے وہ تنہائی میں اقرار کر لیتا ہے۔ مگر جب لوگوں کے سامنے دریا کر تا ہے تو انکار کر دیتا ہے۔ صاحب حق نے یہ جلیل کیا کہ جو کچھ لوگوں کو مکان کے اندر چھپا دیا اور اس کو بلایا اور دریا فت کیا۔ اس نے یہ سمجھ کر کہ یہاں کوئی نہیں ہے اقرار کر لیا۔ جس کو ان لوگوں نے سُنا اگر

اُن لوگوں نے دروازہ کی جھری یا سوراخ سے اس شخص کو دیکھ لیا تو گواہی دینا درست ہے۔

إِنَّمَا يَجُوزُ إِذَا كَانَ الشَّهَادَةُ يَرَوْنَهَا وَجْهَهُ وَإِنْ كَانَ الْوَلَا يَرَوْنَ
وَجْهَهُ وَلَكِنْ يَسْمَعُونَ كَلَامَهُ لَا يَحِلُّ لَهُمْ أَنْ يَشْهَدُوا

(عالمگیری ج ۳ ص ۴۵۳ کتاب الشہادۃ)

فائدہ۔ عالمگیری کے اس حوالہ پر یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ قرآن و سنت میں تجسس عیوب کی ممانعت آئی ہے اور چھپ کر کسی کے اقرار کو سنا اسی زمرہ میں آتا ہے۔ جواب یہ ہے یہ تجسس وہ نہیں ہے جس کی ممانعت ہے۔ یہ تو ظالم اور خائن سے مظلوم کا حق دلوانا ہے یعنی مظلوم کا حق دلانے کے لیے ظالم و خائن کا تجسس ممنوع نہیں ہے۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ وَابْنُ سِيرِينَ وَعَطَاءٌ
وَقَتَادَةُ السَّمْعُ شَهَادَةٌ (بخاری)

۱۔ اس تعلق کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ الفاظ اثر یہ ہیں۔ يَجُوزُ شَهَادَةُ السَّمْعِ
إِذَا قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ وَإِنْ لَمْ يَشْهَدْ - (فتح الباری)

وَقَالَ الْحَسَنُ يَقُولُ لَمْ يَشْهَدْ وَفِي
عَلَى شَيْءٍ وَإِنْ سَمِعْتُ كَذَا
(بخاری)

۲۔ حضرت حسن بصری علیہ کی تعلق کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کی بات سُننے سے تو قاضی کی عدالت میں یہ کہے کہ مجھے انہوں نے گواہ تو نہیں بنایا مگر میں نے اس سے یہ سنا ہے۔ تعلق کے الفاظ یہ ہیں۔ كَوْنَتْ دَجَلًا سَمِعَ مِنْ قَوْمٍ شَيْئًا فَيَاثَةً يَأْتِي الْعَاصِي فَيَقُولُ لَمْ يَشْهَدْ وَفِي وَلَكِنْ سَمِعْتُ كَذَا وَكَذَا (فتح الباری ج ۵ ص ۱۵۲)
ان دونوں تعلیقوں کے ذکر سے مقصود یہ بتانا ہے کہ محنتی کی شہادت جائز ہے لیکن یہ اسے لالہ درست نہیں ہے کیونکہ دونوں تعلیقوں کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کے اقرار کو بغیر قصد کے سُن لیا تو اگرچہ اسے گواہ نہ بنایا گیا ہو پھر بھی اس کی گواہی دینا جائز ہے۔

مثلاً دو شخصوں کے مابین بیع ہوئی اس نے دونوں کو دیکھا اور دونوں کے الفاظ سُننے پر بیع کا گواہ ہے یا مجلس نکاح میں یہ حاضر ہے۔ الفاظ ایجاب و قبول اپنے کان سے سُننے اور دونوں کو بوقت سُننے کے دیکھ رہا ہے یہ نکاح کا گواہ ہے۔ یونہی اس کے سُننے مقرر نے اقرار کیا یہ اقرار کا گواہ ہے تو

اگرچہ رسمی طور پر اس کو گواہی کے لیے نامزد نہ کیا ہو۔ پھر بھی اس کو گواہی دینا جائز ہے اور اس کی گواہی معتبر ہے کیونکہ شاہد کو علم یقین حاصل ہو گیا ہے۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۴۱۵)

جس شخص کو رسمی طور پر گواہ نہ بنایا ہو اس کو گواہی دینا جائز ہے اور اس کی گواہی معتبر ہے۔

ہے۔ یعنی وہ ایسے امور ہیں کہ جن کا حکم بنفسہ ثابت ہو جاتا ہے مثلاً بیع کا حکم یہ ہے کہ مشتری اس چیز کا مالک ہو جائے اور بائع ثمن کا۔ تو یہ حکم نفس عقد سے ثابت ہے۔ خواہ کسی کو گواہ نہ بھی بنایا جائے تو بیع و شراہ، قتل، غصب، اقرار، حکم قاضی یہ امور ایسے ہیں کہ ان کا حکم بنفسہ ثابت ہو جاتا ہے۔ جب گواہ نے بائع و مشتری سے بیع کے الفاظ سنے یا مشتری سے اقرار سنایا غصب و قتل ہوئے دیکھا تو گواہی دینا درست ہے۔ اس کو گواہ بنایا ہو یا نہ بنایا ہو۔ اگر گواہ نہیں بنایا ہے تو یہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ یہ نہیں کہے گا کہ مجھے گواہ بنایا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ بغیر گواہ بنانے ہوئے گواہی دینا درست نہیں۔ (یعنی شہادۃ علی الشہادۃ) جیسے کسی کو گواہی دینے ہوئے دیکھا تو یہ گواہی نہیں دے سکتا یعنی یوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے یہ گواہی دی ہاں اگر اس نے اس کو گواہ بنایا تو گواہی دے سکتا ہے۔ یا قاضی نے اس کے سامنے فیصلہ سنایا تو یہ گواہی دے سکتا ہے کہ فلاں قاضی نے اس معاملہ میں یہ فیصلہ کیا ہے (جہا یہ فتح القدیر ج ۶ ص ۴۶۳)

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ نے مختصر میں فرمایا۔

یعنی جو شخص موقع پر موجود ہو تو اس کو جائز ہے کہ جو اس نے دیکھا ہے یا سنا ہے اس کی گواہی دے اگرچہ اس کو گواہ نہ بنایا گیا ہو۔

يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَشْهَدَ بِمَا سَمِعَ إِذَا كَانَ مُعَايِنًا لِمَنْ سَمِعَهُ فَإِنْ لَمْ يَشْهَدْ عَلَى ذَلِكَ

(یعنی ج ۱۳ ص ۱۹۵)

نیز اس کی دلیل امت کا تعامل ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین و ائمہ دین سے یہ امر ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے گواہ سے گواہی دیتے وقت یہ پوچھا ہو کہ تجھے گواہ بنایا گیا ہے۔ نہ نایا اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ شاہد کی گواہی اسی صورت میں جائز ہوگی۔ جب کہ اس کو شہود لہ نے گواہی کے لیے نامزد کر دیا ہو تو پھر تو شہادۃ کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ قاتل قتل کرتے وقت، چور چوری کرتے وقت، غاصب غصب کرتے وقت یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ میں قتل، غصب اور

ما کر رہا ہوں۔ تم میرے اس فعل کے گواہ بن جاؤ۔

۱۔ چند امور ایسے ہیں کہ محض شہرت اور سُنے کی بنا پر شہادت دینا درست ہے اگرچہ شاہد نے خود مشاہدہ نہ کیا ہو۔ جب کہ ایسے لوگوں سے

بعض امور ایسے ہیں جن کی محض شہرت اور سُنے کی بنا پر شہادت دینا درست ہے

نا ہو جن پر اعتماد ہو۔ نکاح، نسب، موت، قضا، دخول مثلاً ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک عورت کے پاس جاتا ہے اور لوگوں سے سُنا کہ یہ اس کی بی بی ہے یہ نکاح کی گواہی دے سکتا ہے یا لوگوں سے سُنا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے شہادت دے سکتا ہے یا ایک شخص کو دیکھا کہ لوگوں کے معاملات فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں سے سُنا کہ یہ یہاں کا قاضی ہے۔ گواہی دے سکتا ہے کہ یہ قاضی ہے اگرچہ بادشاہ نے جب قاضی بنایا اس نے مشاہدہ نہیں کیا یا ایک شخص کی نسبت لوگوں سے سُنا کہ مر گیا۔ اس کی موت کی شہادت دے سکتا ہے گمان صورتوں میں گواہ کو چاہیے کہ یہ ظاہر نہ کرے کہ میں نے ایسا سُنا ہے۔ اگر سُنا بیان کر دے گا تو گواہی رد ہو جائے گی۔ (ہدایہ عالمگیری) ۲۔ مرد اور عورت کو ایک گھر میں رہتے دیکھا اور یہ کہ وہ اس طرح رہتے ہیں جیسے میاں بی بی اس صورت میں نکاح کی گواہی دے سکتا ہے (ہدایہ) ۳۔ اگر کسی کے دفن میں یہ خود حاضر تھا یا اس کے جنازہ کی نماز پڑھی تو یہ معاینہ ہی کے حکم میں ہے اگرچہ نہ مرتے وقت حاضر تھا نہ میت کا چہرہ دیکھا۔ اگر اس امر کو قاضی کے سامنے بھی ظاہر کر دے گا جب بھی گواہی مقبول ہے ۴۔ کسی کے مرنے کی خبر آئی اور گھر والوں نے وہ چیزیں کہیں جو اموات کے لیے کرتے ہیں۔ مثلاً سوم و ایصال ثواب وغیرہ محض اتنی بات معلوم ہونے پر موت کی شہادت دینا درست نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی میراث تقسیم کرنے کی غرض سے یہ ڈھونگ رچایا ہو) ہاں اگر معتبر آدمی نے خبر دی کہ وہ مر گیا ہے اور اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو ایسے معتبر آدمی سے سُن کر اس شخص کی موت کی گواہی دینا جائز ہے ۵۔ اسی طرح کسی عمارت وغیرہ کے دھنک کی شہادت (شہرت) کی بنا پر دینا جائز ہے لیکن شرائط و دفع کے متعلق سُن کر گواہی دینا درست نہیں ہے کیونکہ عام طور پر وقف ہی کی شہرت ہوا کرتی ہے شرائط کا علم تو خاص لوگوں کو ہوتا ہے (ہدایہ عالمگیری معین الحکام امام علاؤ الدین ص ۱۳۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی بن معجب رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کھجور کے اس باغ کی طرف تشریف لے گئے جس میں ابن صیاد تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ

قَالَ سَالِمٌ مَجْعُتٌ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو
يَقُولُ اَطْلَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْنُ كَعْبٍ الْأَنْصَارِيُّ
بُيُوتَانِ التَّخْلِ اَلَّتِي فِيهَا ابْنُ صَيَّادٍ حَتَّى

إِذَا دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
طَفِقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَتَّقِي بَحْدُوعَ النَّخْلِ وَهُوَ يَخْتَلِمُ أَنْ
يَسْمَعَ مِنْ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ
يَسْتَأْذِنَ ابْنَ صَيَّادٍ مُصْطَلِحًا عَلَى
فِرَاشِهِ فِي فَطِيئَةٍ لَهُ فِيهَا دَمْرٌ مَدْمُومٌ
أَوْ مَزْمَةٌ فَكَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَّقِي بَحْدُوعَ
النَّخْلِ فَقَالَتْ يَا ابْنَ صَيَّادٍ أَتَى صَافٍ
هَذَا الْمُحْتَدُّ فَتَأْهَى ابْنُ صَيَّادٍ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ
شَرَكْتُهِ بَيْنَ

علیہ وسلم ابی بنی کعب رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر کھجور کے
اس باغ کی طرف تشریف لے گئے جس میں ابن صیاد
تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں داخل
ہوئے تو آپ درختوں کی آڑ میں چُھپ کر چلنے لگے۔
آپ چاہتے تھے کہ ابن صیاد آپ کو دیکھنے نہ پائے اور
آپ اس کی باتیں سن سکیں۔ ابن صیاد ایک روئین دار
چادر میں زمین پر لیٹا ہوا تھا اور کچھ گنگنا رہا تھا ابن
صیاد کی ماں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا
کہ آپ درخت کی آڑ میں چلے آ رہے ہیں تو اس کی
ماں نے کہا۔ صاف! یہ محمد آ رہے ہیں۔ ابن صیاد
متنبہ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
اگر اس کی ماں اس کو متنبہ نہ کرتی تو (صحابہ پر) بات

واضح ہو جاتی۔

(بخاری)

فوائد و مسائل

- ۱۔ یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے کتاب المجناز میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ پنجم
- ۲۔ ابن صیاد ایک یہودی نژاد لڑکا تھا۔ وہ ایسی باتیں کرتا تھا جیسے کاہن کرتے
ہیں۔ نبی علیہ السلام نے خفیہ طریقہ سے اس کی باتیں صرف اس لیے سُنا چاہیں تاکہ صحابہ کرام پر اس کا جھوٹا
اور فریبی ہونا واضح ہو جائے۔ شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا احمد علی صاحب
سہارنپوری نے اس حدیث کے تحت لکھا۔ حَتَّى يَظْهَرَ لِلصَّحَابَةِ حَالُهُ فِي أَنَّهُ كَاهِنٌ (بخاری
ج ۲ ص ۵۹۰) يَظْهَرُ أَمْرُهُ الْبَاطِلُ لِلصَّحَابَةِ وَ أَنَّهُ كَاهِنٌ سَاحِرٌ يَأْتِيهِ
الشَّيْطَانُ قِيلَ لِي عَلَى لِسَانِهِ مَا يَلِدُهُ الشَّيَاطِينُ لِكَهْنَةٍ (یعنی جلد ۴ ص ۱۹۳)۔
- ۳۔ امام بخاری علیہ الرحمہ حدیث کے الفاظ وَهُوَ يَخْتَلِمُ أَنْ يَسْمَعَ مِنْ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا سے
یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ چُھپ کر گواہ بننے والے کی شہادت جائز ہے۔ اگرچہ شاہد مشہور علیہ کو نہ دیکھے مگر
یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث کے خط کشیدہ جملوں کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ابن
صیاد کی گفتگو اس طرح سُنا چاہتے تھے کہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکے نہ یہ کہ حضور علیہ السلام اس کو نہ دیکھ سکیں۔
لہذا حدیث کے ان جملوں کا شہادت معتبی سے کوئی علاقہ نہیں ہے کیونکہ شہادۃ معتبی یہ ہے کہ شاہد

مشہور علیہ کو نہ دیکھے۔ ثانیاً ان جملوں سے شہادۂ محققہ کے جواز کا یہ استدلال اس لیے بھی درست نہیں کہ حضور علیہ السلام کا تحقیق حال فرمانا و یا نہ تھا اور یہ بات موضوع سے خارج ہے۔

۲۴۶۳۔ عَنْ عَائِشَةَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ رِفَاعَةَ ابْنِ قُرَظٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي فَأَبَتْ طَلَاقِي فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ ابْنَ الذَّبِيرِ اسْمًا مَعَهُ مِثْلُ هَذِهِ الشُّوبِ فَقَالَ اسْتُرِيدِينِ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ لَا حَتَّى تَذُرِي عَسِيلَتَهُ وَيَذُوقَ عَسِيلَتَكَ وَأَبُو بَكْرٍ جَالِسٌ عِنْدَهُ وَخَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ ابْنُ الْعَاصِ بِالسَّابِ يَنْتَظِرُ أَنْ يُوْذَنَ لَهُ فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَا تَسْمَعُ إِلَى هَذَا مَا تَجْهَدُ بِهِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ قرضی کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ میں رفاعہ کی زوجیت میں تھی، پھر مجھے انہوں نے طلاق دیدی اور طلاق قطعی کے ساتھ دی (زین طلاق) پھر میں نے عبد الرحمن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا لیکن ان کے پاس تو اس کپڑے کے پھندے کی طرح ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، کیا تم رفاعہ کے پاس دوبارہ جانا چاہتی ہو؟ لیکن تم اس وقت تک ان سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی جب تک تم عبد الرحمن بن زبیر کا مزہ نہ چکھ لو اور وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لیں۔ اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں موجود تھے اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ دروازے پر اپنے لیے (اندازے کی) اجازت کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا، ابو بکر! کیا تم اس

عورت کی بات نہیں سنتے؟ یہ نبی علیہ السلام کے حضور کس قدر بلند آواز سے گفتگو کر رہی ہے۔

(بخاری)

۱۔ اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی ابن ماجہ نے نکاح میں اور نسائی نے نکاح و طلاق میں ذکر کیا ہے ۲۔ اس حدیث کے آخری جملوں سے امام بخاری نے شہادۂ محققہ کے جواز کا استدلال کیا ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ رفاعہ کی بیوی بحضور نبوی بلند آواز سے گفتگو کر رہی تھی۔ ان کی گفتگو کو سن کر حضرت خالد نے حضرت ابو بکر کو توجہ دلائی کہ دیکھو یہ کیسے بلند آواز سے گفتگو کر رہی ہے حالانکہ حضرت خالد اس کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ صرف اس کی آواز پر اعتماد کر کے حضرت خالد سمجھ گئے کہ بولنے والی خاتون رفاعہ کی بیوی ہے اور اس کے بلند آواز سے بولنے پر آپ نے حضرت ابو بکر کو توجہ دلائی اور حضور علیہ السلام نے حضرت خالد کے عمل پر اعتراض نہیں کیا۔ لہذا خالد محققہ کی طرح ہو گئے لیکن یہ استدلال بھی درست نہیں

ہے کیونکہ حضرت خالد کا رفاعہ کی بیوی کے بلند آواز سے بولنے پر توجہ دلانا باب شہادت سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ہے۔ وَلَا تَزَاحُ فِي حَوَازِمَ بِالسَّمَاعِ وَإِنْ كَانَ السَّمَاعُ مُحْتَاجًا - فَاَقْمُ - ثانیاً یہ بھی ممکن ہے کہ جب رفاعہ کی بیوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں داخل ہوئیں تو انہوں نے ان کو دیکھا ہوا در پہچان لیا ہو۔ پھر دروازہ پر بیٹھے بیٹھے انہوں نے رفاعہ کی بیوی کی آواز کو سنا ہو۔ اس امکان کی بناء پر اس واقعہ کا شہادۃ معتبری سے تعلق ہی نہ رہا۔

۳۔ رفاعہ قرظی کی بیوی کا نام تیسریت وہب تھا (موطا امام مالک)

فَإَبَتْ طَلَا فِي آخَى قَطْعٍ قَطْعًا كَلَيْتًا يَتَحَمَّلُ الْبَيْتُونَ الْكُبْرَى (بخاری شریف کی

ایک روایت میں ہے (أَنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَتْهُ أَحَدَ ثَلَاثٍ تَطْلِيقَاتٍ) حَتَّى تَذُو فِي عُسَيْلَتَهُ سے لذتِ جماع مراد ہے۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اَنْفَسَيْلَةً الْجَمَاعِ (واقظنی وعینی ج ۱۳ ص ۱۹ احمد و نسائی نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۱ جامع صغیر ج ۲ ص ۶۵)

مُطْلَقَةً ثَلَاثَةَ حَلَالَةٍ كَيْفَ بَعْدَ شَوْهَرٍ أَوَّلٍ سَهْوٍ كَرِهِي | ۴۔ بخاری شریف کی اس حدیث سے واضح

ہوا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہیں تو وہ واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے بالکل خارج ہو کر اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اور تین طلاق دینے کی صورت میں نہ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے اور نہ زوج۔ البتہ حلالہ کے بعد شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے اور حلالہ یہ ہے مطلقہ ثلاثہ مدت پوری کرنے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح صحیح کرے اور یہ شخص اس سے صحبت کرے۔ پھر اگر شوہر ثانی طلاق دیدے تو شوہر ثانی کی عدت پوری کرنے کے بعد وہ عورت شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے۔

حَلَالَةٍ فِي شَوْهَرٍ ثَانِيٍّ كَيْفَ بَعْدَ شَوْهَرٍ أَوَّلٍ سَهْوٍ كَرِهِي | ۵۔ بخاری شریف کی اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ حلالہ میں صرف نکاح کافی نہیں

ہے بلکہ نکاح کے بعد جماع کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر صرف نکاح کر لیا اور جماع نہ کیا اور شوہر ثانی نے طلاق دیدی تو ایسی صورت میں عورت شوہر اول سے نکاح نہیں کر سکتی جیسا کہ حدیث زیر بحث کے الفاظ لَا حَتَّى تَذُو فِي عُسَيْلَتِهِ وَيَذُو فِي عُسَيْلَتِهِ سے واضح و ثابت ہے۔ ابن المنذر فرماتے ہیں۔ حدیث کے ان جملوں سے مراد جماع ہے بلکہ حدیث میں بھی نکاح کے بعد جماع کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا | جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو وہ اس

لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَشْكِكَ زَوْجًا غَيْرَهُ وَ
يَذُوْقُ كُلًّا مِنْهُمَا عَسِيلَةً صَاحِبِهِ
(روى الاکثر قریبی ج ۱ ص ۹۵۷)

کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ کسی شخص سے
نکاح نہ کرے اور دونوں جماع کی لذت کو نہ پالیں

نیز حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ عروہ بن حزم نے اپنی بیوی عبیدہ کو زینین (طلاق دے
دیں تو اس عورت نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا اور اس نے جماع کرنے سے پہلے طلاق دیدی۔
تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ
کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ شوہر اول
کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک
دونوں ایک دوسرے کی لذت نہ پالیں
(نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۸۵)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو زینین
طلاق دیدی تو اس نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا۔ اس نے دروازہ بند کیا۔ پردہ گرا دیا۔ پھر اس کو دخول
ثُمَّ يُطْلِقُهَا قَبْلَ أَنْ يَذُوْقَ
بِهَا لَا تَحِلُّ حَتَّى يُحَامِعَهَا الْآخَرُ
(نسائی)

اگر خاوند نے تین طلاقیں دی ہیں تو پھر اس وقت
تک پہلے خاوند سے نکاح جائز نہ ہوگا۔ جب تک
وہ شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوگی۔

۶۔ نیز قرآن مجید میں فرمایا۔

فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَشْكِكَ
زَوْجًا غَيْرَهُ
(بقرہ ۲۳۰)

اگر خاوند نے تین طلاقیں دی ہیں تو پھر اس وقت
تک پہلے خاوند سے نکاح جائز نہ ہوگا۔ جب تک
وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ آیت میں نکاح سے جماع مراد ہے۔ ۷۔ مفسر کبیر علامہ قریبی اس
آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نکاح ثانی کا مسئلہ مجمع علیہ ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔
لے رہا یہ سوال کہ مجرد نکاح سے شوہر اول کے لیے حلال ہو جائے گی؟ تو جنہو علما اور تمام فقہاء یہ فرماتے
ہیں کہ ہمبستری ضروری ہے۔ یعنی ایسا جماع جو حد کو اور غسل کو لازم کرتا ہے۔ روزہ اور حج کو فاسد کر دیتا

لَهُ هَذَا مَجْمَعٌ عَلَيْهِ لَا خِلَافَ فِيهِ

اور زوجین کو محض قرار دیتا ہے اور کامل مہر واجب کر دیتا ہے لے اور آیت میں نکاح سے مراد جماع ہے اور میرے علم میں تو یہ ہے کہ محض نکاح سے حلال ہونے کا قول غرار کے سوا کسی نہیں کیا لے اور نحاس نے کتاب معانی القرآن میں لکھا ہے کہ اہل علم کہتے ہیں کہ آیت میں نکاح سے جماع مراد ہے پس اگر حلال میں شوہر ثانی نے نکاح کے بعد جماع نہ کیا اور طلاق دیدی اور عورت نے شوہر اول سے نکاح کر لیا تو قاضی اس نکاح کو فسخ کر دے گا لے

۸۔ نیز شارح بخاری علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ نے فرمایا -

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى أَنَّ الدَّخُولَ سَرَطُ الْحِلِّ لِذَلِكَ وَكَوَيْجَالَتْ فِي ذَلِكَ إِلَّا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَالْخَوَارِجَ وَالشَّيْعَةَ وَدَاوُدَ الظَّاهِرِيَّ وَالْبَشْرَ الْمَلِيسِيَّ وَذَلِكَ لِاخْتِلَافٍ لَمْ يَخْلَفَ لِعَدَمِ اسْتِنَادِهِمْ إِلَى دَلِيلٍ وَلَوْ قَضَى بِهِ الْقَاضِي لَا يَنْفَعُ يَعْنِي حَلَالٌ فِي جَمَاعٍ شَرْطٌ هُوَ وَأَسْ مَسْئَلٌ فِي امْتِ كَاجَمَاعٍ هُوَ وَبَنُوهُ لَمْ يَجُزْ نِكَاحٌ كَاقُولِ كَيْسٍ هُوَ وَدَلِيلٌ هُوَ وَاقْضَى حَلَالٌ فِي جَمَاعٍ نَهْ هُونِ كِي صَوْرَتٍ فِي شَوْهِرٍ اَوَّلٍ سَهْ نِكَاحٍ كَهْ جَوَازٍ كَالْمَكْمُودِ سَهْ تَرَأْسٍ كَالْمَكْمُودِ بَاطِلٌ قَرَارِيْ كَهْ -

طلاق رجعی طلاق بائن اور طلاق ثلاثہ کے مختصر احکام | ۱۔ قرآن مجید میں ارشاد

أَبْطَلْتُ مَدَّيْنِ فَمَا مَسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ | یہ طلاق دوبار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا کوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے لے

أَوْ تَسْرِيحٌ ۲ بِإِحْسَانٍ ط (البقرة ۲۲۹)

لَهُ وَذَهَبَ الْجَهْمُورُ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالْكَافَّةِ الْفُقَهَاءِ إِلَى أَنَّ الْوُطْئَ كَافٍ فِي ذَلِكَ وَهُوَ التَّقَاؤُ الْخَتَانَيْنِ الَّذِي يُوجِبُ الْحَدَّ وَالْعُسْلَ وَيُفْسِدُ الصَّوْمَ وَالْعَهْجَ وَيُحْصِنُ الزَّوْجَيْنِ وَيُوجِبُ كَمَالَ الصَّدَاقِ لَهْ وَهَذَا قَوْلٌ لَا تَقْلَمُ أَحَدًا وَاقْفَهُ عَلَيْهِ إِلَّا طَائِفَةٌ مِنَ الْخَوَارِجِ لَهْ فَلِلْقَاضِي أَنْ يَفْسَحَهُ وَلَا يَتَّعِبُ فِيهِ خِلَافَهُ لِذَلِكَ خَارِجٌ عَنْ إجماعِ الْعُلَمَاءِ وَيَقْبَلُهُمْ مِنْ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى يَدْرُوكَ كُلُّ مَنَّهُمَا عَسِيلَةً صَاحِبَهُ اسْتِئْوَءُ هُمَا فِي إِذَلِكَ لَذَّةُ الْإِجْمَاعِ (قریبی ج ۱ ص ۹۵)

لہ اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ ایک عورت نے بخضر نبوت حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے شوہر

مطلب آیت یہ ہے کہ وہ طلاق جس کے بعد رجعت ہو سکے صرف دو بار تک ہے یعنی اگر ایک یا دو طلاق دی ہیں تو عدت کے اندر رجوع کرنے میں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ شوہر جب عدت کے اندر رجوع کرے گا تو وہ شرعاً اسی کی بیوی قرار پائے گی اور اگر عدت گزر گئی ہے تو بیوی بائند ہو جائے گی اور اب شوہر کو رجعت کا حق نہیں رہے گا۔ البتہ اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں ۲۔ واضح رہے کہ طلاق بھی میں عدت گزر جانے کے بعد اگر عورت رضامند نہ ہو تو اس کو پہلے شوہر سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا بلکہ اسے اپنی مرضی سے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا بھی اختیار ہے ۳۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حدیث دارقطنی و ابو داؤد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اَوْ تَسْرِیْحٍ بِإِحْسَانٍ) سے مراد تیسری طلاق ہے۔ دونوں حدیثوں کا متن یہ ہے۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ الْكَيْسَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) فَلَمْ يَصِدْ سَلَامًا؛ قَالَ أَمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِیْحٍ بِإِحْسَانٍ (دارقطنی ج ۲ ص ۴۲) عَنْ أَبِي رَزِينٍ الْأَسَدِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَكَ أَنْ آيَتُ فَقَالَ اللَّهُ (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ) فَمَا مَسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِیْحٍ بِإِحْسَانٍ فَأَيُّ الشَّالِثَةِ؟ قَالَ تَسْرِیْحٍ بِإِحْسَانٍ الشَّالِثَةُ (رواه ابو داؤد فی المراسل ص ۱)

۴۔ اور اگر خاوند نے تیسری طلاق دیدی تو اب نہ رجوع ہو سکتا ہے اور نہ ہی **تین طلاق کا حکم** دونوں نکاح کر سکتے ہیں۔ البتہ حلالہ کے بعد عورت عدت پوری کر کے اگر چاہے تو شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهَا أَنْ يَنْتَاحَ (بقرہ ۲۲۰)

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت ایسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔ پھر اگر وہ دوسرا (خاوند) اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں۔

نے کہا ہے کہ وہ اس کو طلاق دینا اور رجعت کرتا رہے گا۔ ہر دفعہ جب طلاق کی عدت گزرنے کے قریب ہوگی رجعت کرے گا پھر طلاق دے دیگا۔ اسی طرح عمر بھر اس کو قید رکھے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتایا گیا کہ طلاق (یعنی دوبارہ) دینے تک رجعت کا حق ہے اس کے بعد پھر طلاق دیدی (یعنی تیسری طلاق) تو اب رجعت کا حق نہیں رہتا۔

یعنی تین طلاق دینے کے بعد عورت شوہر پر بجر مست مغلفہ حرام ہو جاتی ہے۔ اب نہ اس سے رجوع ہو سکتا ہے اور نہ دوبارہ نکاح جب تک کہ حلالہ نہ ہو یعنی بعد عدت عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح صحیح کرے اور وہ صحبت کے بعد طلاق دیدے تو پھر دوسرے شوہر کی عدت پوری کرنے کے بعد شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے۔ واضح ہو کہ تین طلاق خواہ یکدم دی جائیں یا علیحدہ علیحدہ (مثلاً خاوند بیوی سے کہے تجھے تین طلاق، تجھے تین طلاقیں، تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق)۔ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں (اب) ان سب صورتوں میں طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی اور بیوی خاوند پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

چنانچہ حضرت امیر المؤمنین عمر و بن عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن مغفل، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے جلیل القدر صحابہ کا فتویٰ یہی ہے (بیہقی و مصنف ابن ابی شیبہ)

۵۔ جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ اربعہ سراج اُمت امام اعظم ابو حنیفہ سیدنا امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور جمہور سلف و خلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع و اتفاق ہے کہ جب تین طلاق دی جائیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور یہی احادیث و آثار سے واضح ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے

ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا -
 كَوَانِي طَلَقْتُهَا ثَلَاثًا اَكَانَ يَحِلُّ
 لِي اَنْ اُدْجِعَهَا ؟ قَالَ لَا اَكَاثَتْ
 ثَلَاثًا مِنْكَ وَ تَكُونُ مَعْصِيَةً
 (دارقطنی ج ۳)

اگر میں اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دوں تو کیا وہ میرے لیے حلال ہوگی۔ اگر میں اس سے رجوع کر دوں؟ فرمایا نہیں! وہ تجھ سے الگ ہو جائے گی اور ایسا کرنا گناہ ہے۔

حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ نے

اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی کلمہ میں تین طلاق دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو اس کے شوہر سے جدا کر دیا اور ہمیں یہ بات نہیں پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی عیب لگایا ہو۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مانعہ کی طلاق کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کو یہی بتایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

اگر تو نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق یک دم دی ہیں تو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے رجعت کا حکم فرمایا اور اگر تو نے ایک دم تین طلاقیں دی ہیں تو بے شک تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی جب تک وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔

(دارقطنی ص ۲۹، مسلم شریف ۴۶، بخاری شریف ۶۹۲)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔

کہ بے شک میں نے اپنی بیوی کو ایک دم ہزار طلاق دی ہے آپ نے فرمایا تین طلاق نے تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیا اور باقی تجھ پر بوجھ ہیں۔ تو نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا ہے۔

أَمَّا أَنْتَ فَطَلَقْتَ امْرَأَتَكَ وَاحِدَةً
أَوْ اثْنَتَيْنِ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَرَ بِهَذَا وَ
أَمَّا أَنْتَ فَطَلَقْتَ ثَلَاثًا فَقَدْ
حَرَمْتَ عَلَيْكَ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا
غَيْرَكَ

إِنِّي طَلَقْتُ امْرَأَتِي أَلْعَا، قَالَ أَمَا
ثَلَاثٌ فَتَحْرِمُ عَلَيْكَ امْرَأَتَكَ وَ
بَقِيَّتَهُنَّ وَذَكَرَ أَخَذَتْ آيَاتِ اللَّهِ
هَؤُلَاءِ (دارقطنی ص ۱۳ بیہقی ص ۲۳)
حضرت نافع فرماتے ہیں۔

کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دے گا تو بے شک اس کی بیوی اس سے الگ ہو جائے گی اور ایک دم تین طلاق لینے والے نے اپنے رب کی نافرمانی اور سنت کی مخالفت کی

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ
ثَلَاثًا فَقَدْ بَايَنَتْ مِنْهُ امْرَأَتُهُ وَ
عَصَى رَبَّهُ تَعَالَى وَخَالَفَ السُّنَّةَ
(دارقطنی ص ۳۳)

سیدنا حضرت امام حسن بن علی ابی طالب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے ہر طہر میں ایک ایک کر کے یا ہر ماہ کے شروع میں ایک ایک کر کے یا اکٹھے تین طلاق دیدے اس کی بیوی حلال نہیں ہوگی جب تک کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقُولُ أَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَةً
عِنْدَ كُلِّ شَهْرٍ نَظِيْقَةً أَوْ طَلَّقَهَا
ثَلَاثًا جَمِيعًا لَمْ يَحِلَّ حَتَّى تَنْكِحَ
زَوْجًا غَيْرَهُ (دارقطنی ص ۳۳)

نیز یکدم تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ یہ مسئلہ مندرجہ ذیل کتب حدیث سے بھی واضح و ثابت ہے۔ کنز العمال ج ۵ ص ۱۶۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۲ ابن ماجہ کتاب الطلاق) — موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۶

دارقطنی ج ۴ ص ۱۲، بیہقی ج ۴ ص ۳۳۲، بیہقی ج ۴ ص ۳۳۳، موطا امام مالک ج ۲ ص ۲۶، دارقطنی ج ۴ ص ۴۵، بیہقی ج ۴ ص ۳۵، تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۰۲، دارقطنی ج ۴ ص ۱۳، دارقطنی ج ۴ ص ۳۲، بیہقی ج ۴ ص ۳۳، ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۳، تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۳، دارقطنی ج ۴ ص ۲۱، کنز العمال ج ۵ ص ۱۶۱، تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۳، دارقطنی ج ۴ ص ۲۱، موطا امام مالک ج ۲ ص ۲۱، الغرض تین طلاق یکدم دی جائیں یا علیحدہ علیحدہ بہر صورت واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی نکاح سے نکل کر ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جائے گی الایہ کہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔ پھر وہ صحبت کرنے کے بعد طلاق دیدے یا مر جائے تو عورت طلاق یا وفات کی عدت پوری کرنے کے بعد شوہر اول سے نکاح کر سکتی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی احادیث کی شرح میں امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں۔

اور اختلاف کیا ہے علماء نے اس شخص کے بلے میں جو اپنی بیوی سے کہے تجھے تین طلاق ہیں تو امام شافعی و امام مالک و امام احمد و امام ابو حنیفہ اور امام احمد اور جہور علماء سلف و خلف فرمانے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی اور طوائف اور بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔
(نووی ج ۱ ص ۴۷۷)

وَقَدْ اُخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي مَنْ قَالَ لِامْرَأَةٍ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَقَالَ السَّافِيُّ وَمَالُكَ وَابْنُ حَبِيْبَةَ وَاحْمَدُ وَجَمَاهِيْرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ يَفْعَلُ الثَّلَاثَ وَقَالَ طَائِفٌ مِّنْهُمْ وَبَعْضُ اَهْلِ الظَّاهِرِ لَا يَقَعُ بِذَلِكَ اِلَّا وَاحِدَةً

علامہ بدر محمد عینی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ

اور جہور علماء تابعین اور ان کے بعد جو ہوئے ان میں امام اوزاعی، امام نخعی، امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام مالک اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور ان کے اصحاب، امام احمد اور ان کے اصحاب، امام سلق و ابو ثور و ابو عبیدہ اور دوسرے کثیر علماء کا یہی مذہب ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے، تینوں ہی واقع ہوتی ہیں لیکن وہ گنہگار ہوگا۔ اور جو اس کی مخالفت کرتے ہیں وہ بہت تھوڑے لوگ جو

وَقَالُوا مَنْ خَالَفَ فِيْهِ فَهُوَ شَاذٌ

مُخَالَفَ لِأَهْلِ السُّنَّةِ - یعنی ج ۲۰ ص ۲۳۳ | اہل سنت کے مخالف ہیں۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
 لَكِنَّهُمْ أَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ مَنْ
 قَالَ إِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا
 يَفْعَلُ ثَلَاثًا بِأَوْجَعِ
 حضرت امام ربانی عبد الوہاب شعرائی رضی اللہ عنہ مسئلہ طلاق میں بحث فرماتے ہوئے آفریں بطور
 نتیجہ فرماتے ہیں۔

وَهَذَا كُلُّهُ يَدُلُّ عَلَى إِجْمَاعِهِمْ
 عَلَى صِحَّةِ وَقُوعِ الثَّلَاثِ بِالْكَلِمَةِ
 الْوَاحِدَةِ (كشف الغمہ ص ۱۲)
 اور یہ ساری بحث دلالت کرتی ہے اس پر کہ ایک
 ہی کلمہ سے تین طلاق کے وقوع کی صحت پر علماء
 (صحابہ کرام) کا اجماع ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب شامی میں ہے کہ جمہور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد آئمہ مسلمین کا مسلک یہ ہے
 کہ یکدم تین طلاق دینے کی صورت میں تین طلاق ہی واقع ہوں گی۔ اس بناء پر ہم نے کہا کہ اگر بالفرض محاکم
 تین کو ایک طلاق قرار دے تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا۔

وَذَهَبَ جَمْعُ الْمُصْحَفِ وَالْمُتَابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ أَيْمَنَةِ الْمُسْلِمِينَ
 الْحُجَّةُ أَنَّ ثَلَاثَ يَفْعَلُ الثَّلَاثَ وَقَدْ ثَبَتَ التَّفْصِيلُ عَنْ أَكْثَرِهِمْ صَرِيحًا بِإِفْعَالِ
 الثَّلَاثِ وَلَمْ يَظْهَرْ لَهُمْ مُخَالَفٌ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ وَمِنْ هَذَا
 قُلْنَا لَوْ حَكَمَ حَاكِمٌ بِأَنَّهَا وَاحِدَةٌ لَمْ يَنْفُذْ حُكْمُهُ (الخ (ص ۵۴ ج ۲)

علامہ احمد بن محمد الصادق رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر صاوی شریف زیر آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا
 فَلَا تَحِلُّ لَهُ الْبَايَعَةُ فرماتے ہیں۔

اور معنی آیت کا یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں ثابت ہو
 جائیں خواہ ایک دم ہوں یا الگ الگ تو عورت
 حلال نہ رہے گی جیسا کہ جب کسی نے اپنی عورت سے
 کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہوں گی۔
 یہ وہ مسلک ہے جس پر سب کا اجماع ہے اور یہ قول کہ
 ایک دم دی ہوئی تین طلاق سے ایک ہی واقع ہوتی ہے

وَالْمَعْنَى فَإِنْ ثَبَتَ طَلَّقُهَا ثَلَاثًا فِي
 مَرَّةٍ أَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ لَهُ الْبَايَعَةُ
 كَمَا إِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا
 أَوِ الْبَسْنَةُ وَهَذَا هُوَ الْمَجْمَعُ عَلَيْهِ وَ
 أَمَّا الْقَوْلُ بِأَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ فِي
 مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ لَا يَفْعَلُ إِلَّا طَلَقَةً فَلَمْ

یہ سوائے ابن تیمیہ حنبلی کے اور کسی سے معروف نہیں ہے اور بیشک ابن تیمیہ کی اس بات کا خود اس کے مذہب کے اماموں نے رو کیا ہے۔ یہاں تک کہ علمائے کرام نے فرمایا کہ ابن تیمیہ محدثی گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام شہب مالکی کی طرف کرنا باطل ہے۔

يُكَفِّرُ إِلَّا لِدُنِّ تَيْمِيَّةٍ مِنَ الْخَبَائِلَةِ
وَقَدْ رَدَّ عَلَيْهِ أَثْبَتُهُ مَذْهَبُهُ
حَتَّى قَالَ الْعُلَمَاءُ أَنَّهُ الضَّالُّ
الْمُضِلُّ وَنَسَبَتْهَا لِلْوَمَامِ أَشْهَبُ
مِنْ أَشْبَةِ الْمَالِكِيَّةِ بِاطْلَاقِهِ
(صادی علی الجلالین ص ۱)

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تین طلاق یکدم دینا گناہ وظلم ہے جیسا کہ احادیث میں بیان ہوا اور قرآن مجید نے

بھی تین طلاق یکدم دینے والے کو ظالم قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

جو اللہ کی حدیں توڑے یعنی ایک دم تین طلاق دیکے
تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ
نَفْسَهُ ط (طلاق ط)

کیونکہ اس نے طلاق دینے کے سنتِ طریقیہ کی خلاف ورزی کی۔ مگر طلاقیں بہر حال واقع ہو جائیں گی کیونکہ آیت میں یکدم تین طلاقیں دینے والے کو ظالم قرار دیا گیا مگر وقوعِ طلاق کی نفی نہیں کی گئی یعنی اگر تین طلاق یکدم دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو وہ ظالم کیسے قرار پاتا چنانچہ حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو اسٹھی تین طلاقیں دیں تو آپ غضبناک حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ کی کتاب سے مذاق کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔

کیونکہ اس نے طلاق دینے کے سنتِ طریقیہ کی خلاف ورزی کی۔ مگر طلاقیں بہر حال واقع ہو جائیں گی کیونکہ آیت میں یکدم تین طلاقیں دینے والے کو ظالم قرار دیا گیا مگر وقوعِ طلاق کی نفی نہیں کی گئی یعنی اگر تین طلاق یکدم دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو وہ ظالم کیسے قرار پاتا چنانچہ حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو اسٹھی تین طلاقیں دیں تو آپ غضبناک حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ کی کتاب سے مذاق کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔

علامہ سندھی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔

اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ یکدم تین طلاق دی جائیں تو تین واقع ہو جائیں گی۔ اگر واقع نہ ہوں تو پھر

وَالْجَاهِدُ عَلَى آتِهِ إِذَا جَمَعَ بَيْنَ
الثَّلَاثِ يَقْضَى الثَّلَاثُ

اس حدیث سے واضح ہوا کہ یکدم تین طلاق دی جائیں تو واقع ہو جائیں گی۔ اگر واقع نہ ہوں تو پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہ ہوتے اور یہ نہ فرماتے کہ میرے ہوتے قرآن کے حکم کے برخلاف ہیں ایک طلاق دی جائے کی مخالفت کیوں کی گئی؟ بلکہ یہ فرماتے کہ تم نے تین طلاق دیدی ہیں تو کوئی حرج نہیں یکدم تین طلاق تو ایک ہی قرار پاتی ہے۔ جاؤ رجوع کرو لیکن نبی کریم علیہ السلام نے تین کو ایک نہیں

قرار دیا۔ الغرض تین طلاق یکدم دی جائیں یا متفرق دی جائیں۔ جمہور امت کا مسلک یہ ہے کہ تین ہی واقع ہوں گی۔

کلمہ واحد سے تین طلاق دینا حرام ہے مگر واقع ہو جاتی ہیں | ۴۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بلا وجہ انقض یعنی انتہائی ناپسندیدہ اور مکروہ ہے اور علامہ ابن قیم کو بھی اعتراف ہے کہ باوجود مکروہ ہونے کے واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح (خلع) نفاق اور جنت سے محرومی کا سبب ہونے کے باوجود ہو جاتا ہے اور نہ ہر منکر اور زور یعنی ناپسندیدہ اور گناہ کی بات ہونے کے باوجود عمل میں آ جاتا ہے اور کفارہ ادا کیے بغیر ہجری کو ہاتھ لگانا حرام ہو جاتا ہے۔ جس سے علامہ ابن القیم اور ان کے متبعین کو بھی انکار نہیں، تو کیا وجہ ہے کہ طلاق کی وہ اقسام جن کو فقہی اصطلاح میں بدعت یا حرام کہہ دیا گیا ہے علامہ ابن القیم اور ان کے متبعین کے نزدیک وہ کیوں واقع نہیں ہوتیں؟ جب بلا وجہ کی طلاق، خلع اور نہار جن کی برائی نص قرآن و حدیث میں وارد ہے واقع ہو جاتے ہیں تو طلاق کی وہ اقسام جن کو کسی نص میں بدعت یا حرام نہیں کہا گیا بلکہ عند اللہ وعند الرسول اُن کی بُرائی کو ظاہر کرنے کے لیے علمائے بطور خود بدعت اور حرام وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں کیوں واقع نہیں ہوں گی۔

۸۔ کچھ لوگ یہ مغالطہ دیتے ہیں یکدم تین طلاق دینا یا غیر سنون طریقہ سے طلاق دینے کو ائمہ کرام نے مکروہ حرام بدعت اور اس طرح طلاق دینے والے کو ظالم اور گنہگار قرار دیا ہے لہذا جب یہ فعل حرام و ناجائز ہے تو طلاق کیسے واقع ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں مذکورہ بالا غیر سنون طریقہ سے طلاق دینے کو بدعت و حرام نہیں قرار دیا۔ قرآن نے ایسے شخص کو صرف ظالم قرار دیا ہے۔ لیکن ائمہ کرام اس امر پر متفق ہیں کہ مذکورہ بالا طریقہ سے طلاق دینا حرام و بدعت ہے مگر اس کے ساتھ وقوع طلاق پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ

وَطَلَقُ الْبِدْعَةِ أَنْ يُطْلَقَهَا شَلَاً بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ أَوْ شَلَاً فِي طَهْرٍ وَاحِدٍ فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَكَانَ عَاصِيًا۔
”ہدایہ“ کی شرح ”عنایہ“ میں ہے۔

وَطَلَقُ الْبِدْعَةِ أَنْ يُطْلَقَهَا شَلَاً بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ أَوْ شَلَاً فِي طَهْرٍ وَاحِدٍ وَهُوَ حَرَامٌ عِنْدَنَا لِأَنَّكَ إِذَا فَعَلَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَبَانَ مِنْهُ وَحُوتَ حُزْمَةٌ غَلِيظَةٌ وَكَانَ عَاصِيًا

علامہ ابوبکر العری الماکلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

قَالَ عَلَمَاءُ نَا الطَّلَاقُ فِي الْخِيَضِ وَإِنْ كَانَ حَرَامًا فَإِنَّهُ يَلْزَمُ إِذَا وَقَعَ وَإِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلَاثًا وَقَعَ وَكَمْ يُؤْمَرُ بِالرَّجْعَةِ وَيَكُونُ إِشْمَاعًا عِنْدَ اللَّهِ (عارضۃ الاسودى ج ۵/ ص ۱۲۷)

علامہ ابوالولید الباجی الماکلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

”لَا يَجُزُّ أَنْ يُوقَعَ أَكْثَرُ مِنْ طَلْقَةٍ وَاحِدَةٍ فَمَنْ أَوْقَعَ طَلْقَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا فَقَدْ طَلَّقَ بِغَيْرِ الشُّنَّةِ“ ————— ”فَمَنْ أَوْقَعَ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ بِفَطْطَةٍ وَاحِدَةٍ لَزِمَهُ مَا أَوْقَعَهُ مِنَ الثَّلَاثِ“ (المنقلى لباجى ج ۲، ص ۳)

علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

”أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى تَحْرِيمِ طَلَاقِ الْحَائِضِ الْحَائِلِ بِغَيْرِ رِضَاهَا فَلَوْ طَلَّقَهَا أَشْرَمُ وَقَعَ طَلَاقُهَا“ (شرح مسلم ج ۱، ص ۴۷۵)

علامہ ابن الجوزی انجلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

”وَالطَّلَاقُ الْبِدْعِيُّ أَنْ يَقَعَ فِي حَالِ الْخِيَضِ أَوْ فِي طَهْرٍ قَدْ جَامَعَهَا فِيهِ فَهُوَ وَقِيعٌ وَصَاحِبُهُ أَشْرَمُ وَإِنْ جَمَعَ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ فِي طَهْرٍ وَاحِدٍ فَلَمْ يَنْصُرُوا مِنْ مَذْهَبِنَا أَنَّكَ بِذُنُوبٍ“ (زاد المير ج ۸، ص ۲۲۸)

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ سے طلاق حرام کا حکم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”قَالَ الْأِمَامُ أَحْمَدُ فِي رِوَايَةِ أَبِي الْحَارِثِ وَسَمِعَ عَنْ قَالَ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ الْمَحْرَمُ لِأَنَّهُ يُخَالَفُ مَا أَمَرَ بِهِ فَقَالَ هَذَا قَوْلُ سُوءٍ رَدِجِي (جامع العلوم والحكم ج ۱، ص ۱۰۰) حنفی، مالکی، شافعی حنبلی آئمہ کے ان حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق بدعی مع اپنی تمام اقسام کے خلاف سنت، حرام اور بدعی ہونے کے باوجود واقع ہو جاتی ہے۔ البتہ اس قسم کی طلاق دینے والا کفر گارہوتا ہے۔ بلکہ علامہ نووی نے تو طلاق بدعی کے وقوع پر اجماع کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہی بات حق ہے اسی لیے علامہ خطابی رحمہ اللہ اور علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس کی مخالفت کو غار جیوں اور رافضیوں اور اہل بدعت و ضلال کا قول قرار دیا، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

”وَحَكَاهُ الْخَطَّابِيُّ عَنِ الْخَوَارِجِ وَالرَّوَافِضِ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ لَا يُخَالَفُ فِي ذَلِكَ إِلَّا أَهْلُ الْبِدْعِ وَالضَّلَالِ (فتح الباری ج ۹، ص ۳۰۷)

واضح ہوا کہ کرام نے طلاق دینے کے جس طریقہ کو حرام و بدعت قرار دیا ہے وہ بھی اس امر پر متفق ہیں کہ اس طریقہ سے دی گئی طلاق واقع ہو جائے گی۔ فافہم

یکدم ایک مجلس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے والوں کے استدلال کا مختصر جواب

ابن تیمیہ اور ابن عزم اور ان کے متبع اور ہمارے زمانہ کے غیر مقلد و تابعی حضرات یکدم دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں اور اثر رکازہ و اثر طاؤس عن ابن عباس سے دلیل لاتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عہد نبوی اور عہد ابوبکر اور دو سال زمانہ خلافت عمر تک تین طلاق ایک قرار دی جاتی تھی۔ (مسلم کتاب الطلاق ج ۱ ص ۴۸) لیکن اس کے متعدد معقول جواب ہیں۔ اول یہ کہ یہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے۔ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (یعنی قولی حدیث) نہیں ہے۔ دوم یہ کہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء راشدین اور جلیل القدر صحابہ (جن میں حضرت ابن عباس بھی شامل ہیں) سے صحیح روایات میں یکدم دی گئی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا گیا ہے۔ سوم یہ کہ جب راوی حدیث کا عمل خود اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اس راوی کے علم میں وہ حدیث منسوخ ہے۔ ورنہ اس کے خلاف کیسے عمل کرتا۔ چنانچہ حضرت علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری و امام حمادی نے تصریح فرمائی۔ قد زوی احادیث عن ابن عباس کشہد یا نقسناج (یعنی ج ۲۰ ص ۲۳۳) یعنی حضرت ابن عباس سے جو روایتیں مروی ہیں (جن میں یکدم تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا ہے) وہ اس روایت کے منسوخ ہونے کی شہادت دیتی ہیں۔

نیز جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ واضح کر دیا اور فیصلہ ویدیا کہ یکدم دی گئی تین طلاقیں تین ہی قرار پائیں گی اور ان کی اس وضاحت پر کسی ایک صحابی کا انکار نہ کرنا اور تمام صحابہ کا اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ وہ حدیث (جس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیا گیا ہے منسوخ ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض اپنی ذاتی رائے سے حدیث رسول کو منسوخ نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض والحال وہ ایسا کرتے تو صحابہ کرام ان کے عمل پر یقیناً اعتراض کرتے اور ضرور بالضرور آواز اٹھاتے۔ لیکن جب حضرت عمر نے اس مسئلہ کو پیش کیا تو کسی صحابی کے انکار نہ کرنے سے (یہ مسئلہ کہ یکدم تین طلاقیں دیدینے سے تین ہی واقع ہوئیں) صحابہ کرام کا اجماعی مسئلہ ہو گیا (شارح مسلم) امام نووی و علامہ عینی نے بھی بڑی تفصیل کے ساتھ

یہی بیان کیا ہے۔ دیکھئے عینی ج ۲ ص ۲۳۳، نووی علی سلم ج ۱ ص ۴۷۷۔

غیر مدخولہ کو اگر تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ کر کے دی جائیں تو ایک ہی واقع ہوگی

چہارم یہ کہ علماء کی ایک جماعت نے روایت ابن عباس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر اس کو نہ فرخ نہ مانا جائے تو اس روایت کا تعلق غیر مدخولہ سے ہے۔ چنانچہ اس کی تائید و توثیق حدیث ابو داؤد سے ہوتی ہے حضرت ابوالصباؓ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اس کے پاس جانے سے پہلے تین طلاق دیتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کے شروع زمانہ میں ان تین طلاق کو ایک ہی طلاق قرار دیتے تھے؟

حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ ہاں! جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اس کے پاس جانے سے پہلے تین طلاق دے دیتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے شروع زمانہ میں ان تین طلاق کو ایک ہی طلاق قرار دیتے تھے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلَى كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبْنَى بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ (ابو داؤد شریف ص ۲۲۲)

حدیث ابو داؤد سے واضح ہوا کہ جب غیر مدخولہ بیوی کو اگر اس طرح تین طلاق دی جائیں۔ تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق ہے۔ تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق اول کا جملہ ادا کرتے ہی عورت نکاح سے نکل گئی اور دوسری و تیسری طلاق لغو ہو گئیں کیونکہ مکمل ہی باقی نہ رہا۔ چنانچہ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

علماء کی ایک جماعت نے حدیث ابن عباس جو بیان ہو چکی ہے کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ غیر مدخولہ عورت کے بارے میں ہے۔

فَأَجَابَ قَوْمٌ عَنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمُنْتَقَدِمِ أَنَّهُ فِي غَيْرِ الْمَدْخُولِ بِهَا (عمدة القاری شرح بخاری ص ۲۳۳)

اور اس صورت میں بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے کیونکہ پہلی طلاق بائن طلاق ہے۔

اگر غیر مدخولہ کو کلمہ واحد کے ساتھ تین طلاق دی جائیں تو تین طلاقیں واقع ہوں گی

ابنہ اگر غیر مدخولہ کو یوں طلاق دی جائے کہ تجھے تین طلاق تو تین ہی واقع ہوں گی کیونکہ تینوں کے لیے

محل (نکاح) موجود ہے لہذا تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس صدمت میں غیر مدخلہ سے بغیر حلالہ کے نکاح نہیں ہو سکتا۔

۲۔ دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں تو نبی علیہ السلام نے اسے ایک طلاق قرار دی (ابوداؤد و بیہقی) اس روایت سے واضح ہوا کہ یکدم دی گئی تین طلاقیں ایک قرار پائے گی۔ لیکن اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اثر رکانہ مضطرب ہے کسی میں ثلاثاً اور کسی میں طَلَّقَهَا اَلْبَتَّةَ کے الفاظ مروی ہیں۔ شارح مسلم امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس روایت میں تین طلاق مروی ہے وہ ضعیف ہے، جھول لوگوں سے مروی ہے۔ اور صحیح روایت وہ ہے جس میں بِتَرَكَا لَفْظٌ مَرْوِيٌّ ہے۔ یعنی رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی اور بتہ کا لفظ محمل ہے ایک کے لیے بھی ہے اور تین کے لیے بھی۔ طلاق دینے والا بتہ کے لفظ سے جو نیت کرے گا وہی واقع ہوگی امام نووی علیہ الرحمہ کے الفاظ یہ ہیں۔

فَرَوَا يَتْنُ ضَعِيفَةً عَنْ قَوْمٍ مَّجْهُولِيْنَ وَ اِنَّمَا الصَّحِيْحُ مَا قَدَّمْنَا اَنَّهٗ طَلَّقَهَا اَلْبَتَّةَ وَ لَفْظُ اَلْبَتَّةِ مُحْتَمَلٌ لِلْوَاحِدِ وَلِلْمُثَلَّثِ (نووی علی مسلم ج ۱ ص ۴۶) نیز امام ابو داؤد فرماتے ہیں۔

اور حدیث نافع بن عیجر اور عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ جراحہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لٹا دیا۔ سب سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ طلاق دینے والے شخص کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے (توان کی یہ روایت ہے کہ) سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ بلاشبہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اَبُو دَاوُدَ وَ حَدِيْثُ نَافِعِ ابْنِ عِيْجَرَ وَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ فَرَدَّهَا اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْحَبُ لَانَ وَ لَدَ الرَّجُلِ وَ اَهْلَكَ اَعْلَمُ بِهِ اَنَّ رُكَانَةَ اِنَّمَا طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ اَلْبَتَّةَ فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً۔

(ابوداؤد شریف ص ۳۴۳)

نے اس کو ایک طلاق قرار دیا (اور واپس لوٹا دیا)

دیکھئے امام ابو داؤد نے اس روایت کو ترجیح دی جس میں یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ لہذا امر جراحہ روایت سے استدلال درست نہیں ہے۔ نیز امام ترمذی و ابن ماجہ واری

نے بتہ کے متعلق حزان قائم کیا ہے کہ بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ۔ باب اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو طلاق بتہ دے اور یہی حدیث روایت کی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَّانَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ آتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي طَلَقْتُ امْرَأَتِي الْبَتَّةَ فَقَالَ مَا أَرَدْتُ بِهَا قُلْتُ وَاحِدَةً قَالَ وَاللَّهِ قُلْتُ وَاللَّهِ قَالَ فَهُوَ مَا أَرَدْتُ (ترمذی)

عبد اللہ بن یزید بن رکانہ اپنے باپ، اپنے دادا کی روایت فرماتے ہیں انہوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا، تو نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا؟ میں نے عرض کی ایک طلاق! فرمایا خدا کی قسم! میں نے عرض کی خدا کی قسم! آپ نے فرمایا۔ پس وہی ہے جو تو نے ارادہ کیا۔

ان صحیح روایتوں سے واضح ہو گیا کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی اور نبی علیہ السلام نے ان سے حلف لیا تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ لفظ بتہ سے ان کی مراد ایک طلاق تھی۔ اسی بنا پر نبی علیہ السلام نے فرمایا تو نے جو ارادہ کیا وہی واقع ہوگی یعنی ایک طلاق۔ چنانچہ شارح مسلم امام نووی علیہ الرحمہ طلاق بتہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

فَهَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ كَوْنًا أَدَّ الشَّلَاةَ لَوْ قَعْنُ وَإِلَّا فَلَمْ يَكُنْ لِحَلْفِهِ مَعْنَى (نووی علی مسلم ج ۱ ص ۴۶)

پس یہ دلیل ہے اس پر کہ اگر رکانہ نے تین طلاق کا ارادہ و نیت کی ہوتی تو تین ہی واقع ہوتیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور کا اس سے اس کی مراد پر حلف لینے کا کوئی معنی نہیں رہتا۔

الفرض اس توضیح سے مسد واضح ہو گیا کہ وہ روایت جس میں یہ ہے کہ رکانہ نے تین طلاق دی تھیں ضعیف اور مجہول لوگوں سے مروی ہے اور صحیح روایت وہ ہے جس میں یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی اور طلاق بتہ میں ایک اور تین دونوں کا احتمال ہے۔ نبی علیہ السلام نے حلف دے کر رکانہ سے اس امر کی وضاحت کروالی کہ اس نے بتہ سے ایک طلاق کی نیت کی تھی یا تین کی تو رکانہ نے حلیفہ بیان دیا کہ اس نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اس بنا پر نبی علیہ السلام نے رکانہ کی حلیفہ وضاحت کو تسلیم کر کے ایک طلاق قرار دیدی۔

واضح ہو کہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک لفظ بتہ سے اگر ایک یا دو طلاق کی نیت کی جائے تو

طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور اس صورت میں دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے اور اگر تین طلاق کی نیت کرے گا تو تین ہی واقع ہوں گی اور اس صورت میں بغیر حلالہ کے شوہر اول سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

بَابُ إِذَا شَهِدَ شَاهِدٌ أَوْ

بَابُ جَبَّ ابْنُ يَكْتَىٰ گواہ کسی معاملے

میں گواہی دیں۔ گواہ کہیں ہمیں معلوم نہیں تو فیصلہ ان کے قول پر کیا جائیگا جنہوں نے گواہی دی ہے

شَهِدُوا بِشَيْءٍ فَضَالَ أَحَدُؤْنَ مَا عَلَيْنَا ذَلِكَ لِيُحْكَمَ بِقَوْلِ مَنْ شَهِدَ

(بخاری)

یعنی گواہوں نے کسی معاملہ کی گواہی دی اور اس کے مقابل دوسرے گواہ یہ کہیں کہ ہمیں معلوم نہیں یعنی جن گواہوں نے جس بات کا اثبات کیا ہے۔ دوسرے گواہ اس کی نفی کریں تو شہادت دینے والوں کے قول پر فیصلہ کیا جائیگا کیونکہ اثبات کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے اور مثبت ثانی سے اولیٰ واقعہ ہوتا ہے امام کفٰی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اثبات اولیٰ ہے نفی سے کیونکہ مثبت اپنی خبر میں حقیقت پر اعتماد کرتا ہے تو یہ زیادہ قریب ہے صدق سے یہ نسبت ثانی کے جس کی بنیاد ظاہر پر ہوتی ہے۔ اسی لیے لگایا ہے کہ شہادت کسی امر کے اثبات کے لیے ہوتی ہے نفی کے لیے نہیں۔ اور اس لیے بھی کہ مثبت (یعنی کسی امر کے ہونے کی خبر دینا) ایک ایسے امر کو ثابت کرنا ہے جو پہلے نہیں تھا تو مثبت تائیس کا فائدہ دینگا اور ثانی ابراؤں کو باقی رکھنا ہے تو یہ تاکید کا فائدہ دے گا اور تائیس کو تاکید پر ترجیح ہوتی ہے اور حضرت عیسیٰ بن ابان علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ مثبت و ثانی دونوں باہم متعارض ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے پر کسی دلیل سے ترجیح دی جائے گی۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس اختلاف کی بنا پر اگر اختلاف نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ جس کی بنا پر ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاسکے اور وہ یہ ہے کہ نفی دلیل سے معلوم ہوگی یعنی نفی دلیل پر مبنی ہوگی ۲۔ یا نفی دلیل سے معلوم نہ ہوگی بلکہ دلیل کی بجائے استصحاب پر مبنی ہوگی۔ ۳۔ یا نفی میں دونوں کا احتمال ہوگا۔

صورت اول (یعنی نفی دلیل پر مبنی ہو) تو یہ قوت میں اثبات کے مساوی ہو جائے گی اور نفی اثبات میں قوت کی برابری کی بنا پر متعارض واقع ہوگا لہٰذا کسی ایک کے لیے ترجیح کی وجہ تلاش کی جائے گی اور راجح پر عمل کیا جائیگا۔

صورت ثانی یعنی نفی دلیل پر مبنی نہ ہو اور اثبات دلیل پر مبنی ہو تو اس صورت میں نفی اور اثبات میں متعارض نہیں واقع ہوگا لہٰذا اثبات پر عمل کیا جائیگا۔

صورت ثلث یعنی نفی میں دونوں کا احتمال ہو دلیل کا بھی اور استصحاب کا بھی۔ تو اگر نفی دلیل پر مبنی ہو تو پھر اثبات اور نفی میں تعارض کی بنا پر کسی ایک کے لیے ترجیح کی ذریعہ معلوم کر کے راجح پر عمل کیا جائیگا اور اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو بلکہ استصحاب پر مبنی ہو تو اب اثبات اور نفی میں تعارض نہ ہوگا لہذا اثبات کو ترجیح دی جائے گی۔

حمیدی نے فرمایا کہ یہ ایسا ہے جیسے بلال رضی اللہ عنہ نے خبر دی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی ہے۔

اور فضل رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ آپ نے نماز (کعبہ کے اندر) نہیں پڑھی ہے تو تمام لوگوں نے بلال رضی اللہ عنہ کی گواہی کو تسلیم کر لیا۔

قَالَ الْحَمِيدِيُّ هَذَا كَمَا أَخْبَرَ بِلَالٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي الْكَعْبَةِ
وَقَالَ الْفَضْلُ لَمْ يَصَلِّ فَآخَذَ النَّاسُ بِشَهَادَةِ بِلَالٍ
(بخاری)

۱۔ اس مسئلہ کا تعلق صورت ثانی سے ہے یعنی نفی دلیل پر مبنی نہیں ہے بلکہ ظاہر حال (استصحاب) پر مبنی ہے۔ اثبات اور نفی میں تعارض نہیں ہے اس لیے اثبات پر عمل ہوگا۔ اس لیے روایت بلال کو فضل بن عباس کی روایت پر ترجیح دی گئی۔

۲۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر یہ سوال ہو کہ عنوان اور روایت حمیدی مطابقت کی صورت کیا ہوگی کیونکہ عنوان تو یہ ہے کہ دوسرے گواہ یہ کہیں کہ ہمیں معلوم نہیں اور روایت حمیدی میں تو نفی ہے یعنی فضل بن عباس کا بیان یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے کعبہ میں نماز نہیں پڑھی تو یہ توانائی کی صورت ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فضل کے بیان کا معنی یہ ہے کہ انہیں حضور علیہ السلام کے نماز پڑھنے کا علم نہیں ہوا۔ وہ دُعا وغیرہ میں مشغول رہے ہوں اور حضور کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکے تو انہوں نے اپنے گمان کی بنا پر نفی کر دی۔

اسی طرح اگر دو گواہوں نے اس کی گواہی دی کہ فلاں شخص کے فلاں پر ایک ہزار درہم ہیں اور دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ ڈیڑھ ہزار درہم ہیں تو فیصلہ زیادہ کی گواہی دینے والوں کے قول کے مطابق ہوگا

كَذَلِكَ إِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ أَنَّ لِفُلَانٍ عَلَى فُلَانٍ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَشَهِدَ آخَرَانِ بِأَلْفٍ وَخَمْسِينَ يُفْضَلُ بِالزَّيَادَةِ
(بخاری)

یعنی فیصلہ پندرہ سو پر کیا جائے گا۔ کیونکہ دو گواہ زیادتی کو ثابت کر رہے ہیں۔ دوسرے دو گواہوں کو اس کا علم نہ ہونا اس کے معارض نہیں ہو سکتا۔ تمام گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں۔ تو جو زیادتی کو بیان کر رہے ہیں ان کی خبر پر فیصلہ کیا جائیگا کیونکہ نصاب شہادت موجود ہے (عینی ۷/۱۳۹ ص ۱۹۹)

۲۴۶۴۔ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ابوالباب بن عمرؓ کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ پھر اچانک ایک خاتون آئیں۔ کہنے لگیں کہ عقبہ کو بھی میں نے دودھ پلایا ہے اور اسے بھی جس سے اس نے شادی کی ہے۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے دودھ پلایا ہے اور آپ نے مجھے پہلے اس سلسلے میں کچھ بتایا بھی نہیں تھا۔ پھر انہوں نے آل ابوالباب کے یہاں آدمی بھیجا کہ ان سے اس کے متعلق پوچھے رکھا واقعی نہ کورہ خاتون نے ان کی بیوی کو دودھ پلایا ہے؟ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ انہوں نے دودھ پلایا ہے۔ عقبہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مسئلہ پوچھا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ کہا گیا ہے کہ اس خاتون نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اس لئے تم دونوں رضاعی بھائی بہن ہو چنانچہ آپ نے دونوں میں جدائی کرادی اور ان کا

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ فَقَارَقَهَا وَفَكَحَتْ
زَوْجًا عَيْنَةً

(بخاری)

نکاح دوسرے شخص سے کر دیا۔

فوائد مسائل | اس حدیث میں نہ حکم کا ذکر ہے نہ شہادت کا۔ اس لیے عنوان سے اس حدیث کی مطابقت ظاہر نہیں ہے۔ علامہ کرمانی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام کا کيف وقد قيل فرما کر دونوں میں ورع و تقویٰ کے طور پر جدائی کر دینا مثل حکم کے ہے اور اس عورت (مذمومہ) کا دودھ پلانے کی خبر دینا شہادت کی مثل ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ عنوان سے مطابقت کی وجہ یہ بیان کی جائے کہ عقبہ نے دودھ پلانے سے اپنی لاعلمی ظاہر کی تو زیادہ اقرب ہے۔ لَکَانَ اقْرَبَ وَ اَوْ جَدَّ لِاَنَّ فِيْهِ لَفْظُ الْعِلْمِ وَ هُوَ يُطَابِقُ الْمَثْبُوحَةَ

ثبوت رضاعت کیلئے ضرورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے | واضح ہو کہ ثبوت رضاعت کے لیے عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔ اس کے ثبوت کے لیے (نصاب شہادت) دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ ۱۔ کیونکہ اصل باب شہادت میں یہی ہے کہ دو مرد گواہ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا اور قرآن کے بیان کردہ نصاب کا ترک جائز نہیں ہے اور ثبوت رضاعت کے لیے ایک عورت کی شہادت کو قبول کرنے کے لیے کوئی نص قطعی نہیں ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق، سیدنا علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے ۲۔ حاکم علیہ الرحمہ نے فتح الباری میں فرمایا کہ جمہور کا یہی

مذہب ہے کہ ثبوت رضاعت کے لیے مرضعہ کا بیان کافی نہیں ہے۔ **رَدَّهَا شَهَادَةً عَلَى فَعِيلٍ** **نَفْسُهَا**۔ اور حضرت علی اور ابن عباس صرف مرضعہ کے بیان پر جُدائی کا حکم نہیں دیتے تھے اور حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر مرضعہ کے بیان پر جُدائی کا حکم دیدیا جائے تو پھر تو اس اٹھ جائیگا اور جو عورت بھی چاہے گی دودھ پلانے کی شہادت دے کر میاں بہری میں جُدائی کرادے گی (خلاصہ فتح الباری ج ۵ ص ۱۹)۔

۳۔ نیز حدیث عقبہ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ثبوت رضاعت کے لیے ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے بیان پر دونوں میں جو تفریق فرمائی وہ ورع تقویٰ اور احتیاط پر مبنی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کے ارشاد کا اندازہ کہ آپ نے فرمایا **كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ** اس امر کی واضح دلیل ہے۔ علامہ کرمانی علیہ الرحمہ نے حدیث ہذا کی شرح میں فرمایا۔ **أَمَّا رَدُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ (كَيْفَ) اتَّوَضَعًا وَتَكْتُمُهَا (کرمانی ج ۱۱ ص ۱۶۳)** علامہ طیبی علیہ الرحمہ نے بھی یہی فرمایا کہ اکثر علماء کے نزدیک نبی علیہ السلام کا ایک عورت کے بیان کی بُنیاد پر دونوں میں جُدائی فرما دینا بطور احتیاط و تقویٰ کے تھا یعنی جب یہ عورت کہہ رہی ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو احتیاط و تقویٰ یہی ہے کہ تم دونوں بطور میاں بیوی نہ رہو اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت ابن عباس وزہری اور حسن سے منقول ہے حضرت عقبہ نے ام بکیلہ بنت اباب سے نکاح کر لیا تو ایک کال عورت آئی اور اس نے بیان کیا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ عقبہ کہتے ہیں۔ میں نے نبی علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا۔ **خَالَعُصْنٍ عَسَىٰ** تو نبی علیہ السلام نے اعراض فرمایا۔

تو اگر صرف قولِ مرضعہ سے رضاعت ثابت ہو جاتی، حضور اعراض نہ فرماتے — پھر جب حضرت عقبہ نے دوبارہ اس معاملہ کا ذکر کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا **كَيْفَ وَقَدْ رُكِمَتْ** اور وار قطنی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ **لَا خَيْرَ لَكَ بِهِ** انداز جواب اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضور نے جُدائی کا حکم بطور احتیاط دیا تھا۔ کذا فی فتح الباری ج ۵ ص ۱۹۔ علامہ زبیلی علیہ الرحمہ نے تبیین الحقائق کتاب الرضاع میں فرمایا کہ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عقبہ نے دوبارہ حضور سے اس مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے دوبارہ اعراض فرمایا تو اگر صرف قولِ مرضعہ سے رضاعت ثابت ہو جاتی تو آپ دوبارہ اعراض نہ فرماتے۔ بحکام سوال سے حضور نے محسوس کیا عقبہ اس عورت کے بیان سے متاثر نظر آتے ہیں تو آپ نے احتیاطاً جُدائی کا حکم دیدیا لہذا حدیث عقبہ احناف کے موقف کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے۔ کیونکہ احناف بھی یہی کہتے ہیں کہ اگرچہ ایک عورت کی شہادت سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی لیکن اگر کسی شخص کے دل میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ جو عورت دودھ پلانے کا دعویٰ کر رہی ہے شاید سچ ہی کہتی ہو تو ایسی صورت

میں بطور احتیاط جدا ہو جانا اولیٰ ہے۔ نیز ایک روایت کا مضمون یہ ہے کہ اس کالی عورت نے ہم سے کھانا مانگا۔ ہم نے انکار کر دیا تو وہ آئی اور اس نے یہ بیان دیا کہ میں تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس عورت کی گواہی ازراہ بغض و کینہ کے بھٹی — تو جو گواہی عداوت اور کینہ پر مبنی ہو بالاتفاق مقبول نہیں ہے اور یہ بھی اس امر کا قرینہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے جبرائیل کا حکم ازراہ تقویٰ و احتیاط دیا تھا۔

بَابُ الشَّهَادَةِ الْعَادِلِ

باب عادل گواہوں کے بیان میں

- ۱- وَقَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى وَاشْهَدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِّنْكُمْ
 - ۲- وَمِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ
- اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ بنا لو — اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ایسے گواہ جن کو پسند کرو (بخاری)
- یہ دو آیتیں ہیں۔ پہلی سورہ طلاق کی آیت نمبر ۲ ہے اور دوسری سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۸۲ ہے۔

فوائد ومسائل

ضابطہ شہادت

پہلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اپنے مسلمانوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنا لو یعنی گواہوں کا عادل وثقہ و معتبر ہونا ضروری ہے۔ ورنہ غیر عادل گواہوں کی گواہی پر قاضی فیصلہ نہیں کرے گا۔ دوسری آیت جو سورہ بقرہ کی ہے اس میں ضابطہ شہادت کے چند اصولوں کا بیان ہے۔ اول یہ کہ معاملات میں دومر دیا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہے صرف ایک مرد یا صرف عورتوں کی گواہی کافی نہیں ہے۔ اگر کسی معاملہ میں تنہا چار عورتیں گواہی دیں جن کے ساتھ مرد کوئی نہ ہو تو یہ گواہی نامعتبر ہے (در مختار) اور جس حلی کے لیے گواہی دی ہو خواہ وہ مال ہو یا غیر مال (جیسے نکاح طلاق و کالہ وغیرہ کہ یہ مال نہیں ہے)

دوم یہ کہ گواہ مسلمان ہوں۔ آیت میں لفظ من رجالکم میں اسی کا بیان ہے۔ سوم یہ کہ گواہ ثقہ اور عادل ہوں جن کا عادل ہونا تم کو معلوم ہو اور جن کے صالح ہونے پر تم اعتماد رکھتے ہو۔

قبول شہادت کیلئے عدالت شرط ہے۔ صحت قضا کے لیے نہیں واضح ہو کہ شہادت کے واجب القبول

ہونے کے لیے عدالت شرط ہے مگر صحت قضا کے لیے عدالت شرط نہیں مگر غیر عادل کی شہادت قاضی نے قبول کر لی اور فیصلہ دے دیا تو یہ فیصلہ نافذ ہے اگرچہ قاضی گنہگار ہو۔ نیز قاضی کو اگر گواہوں کا عادل ہونا معلوم ہو تو ان کے حالات کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے اور معلوم نہ ہو تو عدالت قصاص میں تحقیقات

کرنا ضروری ہے۔ مدعی علیہ اس کی درخواست کرے یا نہ کرے اور ان کے غیر میں اگر مدعا علیہ ان پر طعن کرتا ہو تو تحقیقات ضروری ہے ورنہ قاضی کو اختیار ہے کہ تحقیقات کراے یا نہ کراے۔ ہمارے فقہاء راجح فرماتے ہیں کہ اس دور میں مخفی طور پر گواہوں کے حالات دریافت کیے جائیں کیونکہ اعلانیہ دریافت کرنے میں بڑے فتنے پیدا ہوں گے (ہدایہ)

حضرت عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کا وحی کے ذریعے مواخذہ ہو جاتا تھا لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور ہم صرف انہیں امور میں مواخذہ کر سکتے ہیں جو تمہارے عمل سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں۔ اس لیے جو کوئی ہمارے سامنے خیر کا مظاہر ہو کرے گا۔ ہم اسے امن دیں گے اور اپنے قریب رکھیں گے۔ اس کے باطن سے ہمیں کوئی سوکار نہ ہوگا کہ اس کا محاسب اللہ تعالیٰ کرے گا اور جو کوئی ہمارے سامنے حیرانی کا مظاہر ہو کرے گا تو ہم بھی اسے امن نہیں دیں گے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے۔ خواہ وہ یہی کہتا رہے کہ اس کا باطن اچھا ہے

۲۴۶۵- اَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ اِنَّ اِنْسَانَ كَانُوا يُوقِخُوْنَ بِاَلْوَحْيِ فِي مَعْلَمٍ رَّسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَالْوَحْيُ قَدْ انْقَطَعَ وَارْتَمَا نَاخِدُكُمْ الْاَن يَهَامُظْهَرَكُنَا مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ اَظْهَرَ كُنَا خَيْرًا اَمَّنَا وَوَقَرْنَاهُ وَلَيْسَ اِلَيْنَا مِنْ سِرِّ بَرٍّ وَوَمَنْ اَظْهَرَ كُنَا سُوءًا لَمْ نَصِدْ لَهُ وَاِنْ قَالَ اِنَّ سِرِّ بَرٍّ حَسَنَةً (بخاری)

یعنی عبد بنو میں بعض اوقات لوگوں کے (بواطن) پوشیدہ حالات کی خبر بذریعہ وحی ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن اب یہ صورت نہیں رہی۔ اس لیے شاہد کے ظاہر کو دیکھا جائیگا مگر جس مسلمان کا ظاہری چال چلن اچھا ہو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

بَابُ تَعْدِيلِ كُمْ يَجُوزُ

باب تعدیل کے لیے کتنے افراد کی گواہی جائز ہوگی

عنوان سوالیہ ہے کیونکہ اس معاملہ میں اختلاف ہے۔ سیدنا امام مالک وشافعی فرماتے ہیں کہ گواہ کی تعدیل اور جرح کے لیے دو آدمیوں سے کم کی شہادت قبول نہ ہوگی اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ و ابو یوسف کا مذہب یہ ہے۔ جرح اور تعدیل کے لیے ایک آدمی کی شہادت کافی ہے۔

۲۴۶۶- حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے

اس میت کی تعریف کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی بڑائی کی یا اس کے سوا اور الفاظ (اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے) کہے (راوی کو شبہ ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے اس جنازہ کے متعلق فرمایا کہ واجب ہوگئی اور پہلے جنازے پر بھی یہی فرمایا۔

قَالَ شَهِادَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَيُتِ
شَهِدَ اللَّهُ فِي آلَةِ ذِي نُوَيْسٍ (بخاری)

۱۔ یہ حدیث کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے۔ یہ حدیث سینا امام اعظم علیہ الرحمۃ کے مرقف کی تائید کرتی ہے کہ تعدیل کے لیے ایک مسلمان کا بیان کافی ہے۔ المؤمنون جمع محلّی بالالف واللام ہے جب الف لام جمع پر وارد ہو تو جمعیت کو مائل کر دیتا ہے اور جنسیت باقی رہ جاتی ہے اور جس کا ادنیٰ فرد ایک ہوتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان کی تعدیل کافی ہے۔

حضرت ابو الاسود نے بیان کیا کہ میں مدینہ آیا تو یہاں وبا پھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ بڑی تیزی کے ساتھ مر رہے تھے۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تھا کہ جنازہ گزرا، لوگوں نے اس میت کی تعریف کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ پھر دوسرا گزرا، لوگوں نے اس کی بھی تعریف کی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ پھر تیسرا گزرا تو لوگوں نے اس کی بڑائی کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے بھی فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ میں نے پوچھا۔ امیر المؤمنین! کیا چیز واجب ہوگئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اسی طرح کہا ہے۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس مسلمان کے لیے چار آدمی اچھا کی شہادت دیدیں اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرتا ہے۔ ہم نے اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا کہ تین پر بھی۔ ہم نے پوچھا اور اگر دو آدمی

۲۴۶۷۔ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ آتَيْتُ الْمَدِينَةَ وَقَدْ وَقَعَ بِهَا مَرَضٌ وَهُمْ يَمُوتُونَ مَوْتًا ذَرِيًّا جَلَسْتُ إِلَى عُمَرَ فَمَرَّتْ جَنَازَةٌ فَأَشْفَى خَيْرًا فَقَالَ عُمَرُ وَجِبَتْ شَعْرًا بِأَحْلَى فَأَشْفَى خَيْرًا فَقَالَ وَجِبَتْ شَعْرًا بِالشَّائِئَةِ فَأَشْفَى شَرًّا فَقَالَ وَجِبَتْ فَقُلْتُ مَا وَجِبَتْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ قُلْتُ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا مُسْلِمٌ شَهِدْ لَهُ أَوْ بَعْدَ بَخِيرٍ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ قُلْنَا وَثَلَاثَةٌ قُلْتُ وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ شَوْلَعُ نَسَأَلَهُ عَنِ الْوَاحِدِ (بخاری)

دیں؟ فرمایا دو پر بھی۔ ہم نے ایک نے متعلق آپ سے نہیں پوچھا تھا۔

فوائد مسائل امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں۔ جس مسلمان میت کے لیے مسلمان یہ گواہی دیں کہ وہ نیک آدمی تھا وہ جنتی ہو گیا۔ اس مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ اول یہ کہ گواہی دینے والے اہل فضل یعنی نیک اور متقی مسلمان ہوں اور ان کی ثناء حقیقت پر مبنی ہو۔ یعنی میت کے اعمال کے مطابق ہو تو وہ اہل جنت ہو گا ورنہ نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث عموم پر محمول ہے

جس مسلمان میت کے متعلق لوگ یہ گواہی دیں کہ وہ نیک تھا تو کیا وہ جنتی ہو گیا؟ | یعنی جس مسلمان میت

کی مسلمان ثنائیں وہ جنتی ہو جائیگا۔ ورنہ ثناء کا فائدہ کیا ہوا؟۔ یعنی جو مسلمان انتقال کر گیا۔ اور مسلمان اس کی ثنائیں کریں تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اہل جنت سے ہے خواہ اس کے اعمال ثناء کے مطابق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ سزا دینا اللہ کی مشیت پر مبنی ہے۔ تو جب مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ الہام کر دیا کہ وہ اس کی ثنائیں کریں تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ شاء التَّغْفِرَ لَكَ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت چاہی ہے بھی تو لوگوں کے دلوں میں یہ الہام فرمادیا کہ وہ اس کی تعریف کریں۔ امام نووی فرماتے ہیں دوسرا قول مختار ہے۔ علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ نے بھی تصریح کی ہے کہ میرے شیخ حضرت زین العابدین علیہ الرحمہ نے بھی دوسرے قول کو اصح قرار دیا ہے کیونکہ دوسرے قول کے اصح ہونے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے ابن عدی نے کامل میں ذکر کیا ہے کہ جب کسی بندہ کی لوگ تعریف کرتے ہیں تو حَفَظَہُ یعنی کَرَامَہُ کا تبیین (فرشتے) بحضور الہی عرض کرتے ہیں کہ اس میت کی جو اچھائیاں یہ لوگ بیان کر رہے ہیں تو جانتا ہے اور لاعلمی کی وجہ سے اس کی جو برائیاں یہ نہیں بیان کر رہے وہ بھی تو جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب میں حفظ سے فرماتا ہے کہ تم گواہ ہو جاؤ۔ میں نے اس میت مسلم کے وہ گناہ معاف کر دیے جو تعریف کرنے والے نہیں جانتے اور میں نے میت کے حق میں ان کی گواہی کو قبول فرمایا (عمدة القاری ج ۴ ص ۲۲ کرمانی ج ۷ ص ۱۴۴) بہر حال اس عاجز کی عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر و قدیر ہے۔ اس کے لطف و کرم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ رحمت حق بہانہ می جو تد۔ چنانچہ لوگوں کا مسلمان میت کی تعریف کرنا اور اس کا اہل جنت سے ہو جانا، یہ بھی اس پاک بے نیاز رحمن و رحیم رب کے فضل و کرم فرمائے کا ایک انما زہ ہے وہ جیسے چاہے۔ جس طریقے سے چاہے اپنے بندوں کی مغفرت فرمادے۔

۲۔ چنانچہ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جس کے جنازے کی تین صفیں ہوں وہ مغفور ہے۔ ابو داؤد

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ جس مسلمان میت کے جنازہ میں ایک سو مسلمان شامل ہوں اور اس کے لیے مغفرت کی دُعا کریں تو اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے اور اس حدیث کو مسلم و نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کے جنازہ میں سو مسلمان شریک ہوں وہ مغفور ہے اور نسائی کی روایت میں ہے جس مسلمان کے جنازہ میں چالیس مسلمان شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی دُعا قبول فرمائے گا اور مسلم ابو داؤد ابن ماجہ کی روایت کا حامل مفہوم یہ ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ میں نے نبی علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مسلمان کے جنازہ میں ایسے چالیس افراد شریک ہوں جنہوں نے شرک نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان کی دُعا قبول فرماتا ہے (عمدة القاری ج ۴ ص ۱۲۹) بہر حال یہ سب احادیث اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی آئینہ دار ہیں۔ مزید توضیح کے لیے فتوح الباری ج ۳ ص ۱۵۷ ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں حدیث ہذا میں جنازہ سے مسلمان میت کا جنازہ مراد ہے یعنی جس کی از روئے شرع مغفرت و شفاعت ہو سکے۔ کافر منافق یا ایسا یہ مذہب مراد نہیں ہے جس کے عقائد حد کفر تک پہنچ گئے ہوں۔ بالضرر ایسے افراد کی تعریف و توصیف و چار نہیں بلکہ سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں مسلمان بھی کریں تو اس تعریف و توصیف سے وہ شخص ہرگز جنتی نہیں ہو سکتا۔ اور آج کل تو یہ فیشن بن گیا ہے کہ نام کا وہ مسلمان جس کے عقائد و افکار کفریہ ہوں مرنے کے بعد اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں اور اس کی مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں گناہ گار نہیں ہے۔ بہر حال حدیث زیر بحث میں جنازہ سے صحیح العقیدہ مسلمان کا جنازہ مراد ہے۔

۴۔ وجبت۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ اس لیے یہاں وجوب سے مراد ثبوت ہے یا وجوب حسب وعدہ شارع مراد ہے۔ میرے والد محترم امام المحدثین حضرت علامہ ابو البرکات بیداء صاحب قدس سرہ العزیز وجوب کے مفہوم کو ان الفاظ سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے زمر کرم پر ہے۔

۵۔ اس موقع پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے واضح طور پر مسلمان میت کی بڑائی بیان کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں مسلمان میت کی بڑائی بیان کرنے کا ذکر ہے۔ جواب یہ ہے کہ مما لعن کا تعلق کافر، منافق، فاسق، ملعون اور بدعتی سے نہیں ہے یعنی ان کی بڑائیاں بیان

کرنا جائز ہے تاکہ لوگ ان کے شر سے محفوظ رہیں جیسے مزاراتیوں اور دیگر بدعقیدہ جماعتوں اور افراد کا رد کرنا۔ جائز ہے بلکہ بعض اوقات بد مذہبوں کا رد کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ تاکہ عوام گمراہ نہ ہوں۔

نوٹ۔ ان دونوں حدیثوں کی عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ تعدیل کے لیے ایک مسلمان کافی ہے یا ام بخاری علیہ الرحمہ نے بھی تعدیل کے لیے مدد کی شرط بیان نہیں کی کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ سیدنا امام شافعی و مالک کا مذہب ہے کہ جرح و تعدیل کے لیے کم از کم دو مسلمان مرد ضروری ہیں اور سیدنا امام عظیم ابوحنیفہ و ابو یوسف کا مذہب یہ ہے کہ جرح و تعدیل کے معاملہ میں ایک مسلمان مرد کافی ہے۔ البتہ امام محمد علیہ الرحمۃ امام شافعی کے ساتھ ہیں۔

بَابُ الشَّهَادَةِ عَلَى الْأَنْسَابِ وَالرِّضَاعِ الْمُتَفَيِّضِ وَالْمَوْتِ الْقَدِيمِ

باب نسب، مشہور رضاعت اور پُرانی موت کی شہادت کے مقبول ہونے سے متعلق

فوائد و مسائل رضاع مستفیض کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کو دودھ پلانا کی خبر شائع و ذائع ہو کہ فلاں عورت نے اس بچہ کو دودھ پلایا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی مشہور و معروف ہو کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔ موت قدیم کا لفظی ترجمہ پُرانی موت کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے مرنے پر ایک عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر فقہ کے بعض علماء نے اس کی حد پچاس یا چالیس سال مقرر کی ہے۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ اگر نسب رضاعت اور موت کی خبر ایسی مشہور و معروف ہو کہ جس میں بالکل شک و شبہ نہ ہو تو ان امور کو ثابت کرنے کے لیے نہ تو شہادت کی ضرورت ہے نہ نصاب شہادت کی بلکہ خبر مستفیض سے یہ امور ثابت ہو جائیں گے۔ چنانچہ زیر عنوان احادیث میں رضاعت جو زمانہ جاہلیت میں مشہور تھی کہ فلاں نے فلاں کا دودھ پیا ہے استفاضہ کی بنا پر تسلیم کیا گیا۔ اسی طرح موت قدیم اور نسب مشہور کو بھی استفاضہ کی بنا پر مان لیا جائے گا۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَرْضَعْتَنِي وَأَبَا سَكَمَةَ ثَوَيْبَةُ
وَالثَّيْتَةُ فِيهِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اور ابولہ رضی اللہ عنہ کو ثویبہ (ابولہب کی باندی) نے دودھ پلایا تھا اور اس پر اغما کرنا۔

فوائد و مسائل ۱۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے پہلی مرتبہ حضرت حمزہ کو، دوسری بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تیسری بار ابولہب کو دودھ پلایا تھا۔ امام ذہبی کہتے ہیں ثویبہ بھی اسلام لے آئی تھیں (یعنی ج ۱۳ ص ۲۲)۔

۲۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن اپنی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا۔ پھر قریش کے دستور کے مطابق سب سے پہلے حضرت ثویبہ کو پھر حضرت حلیمہ سعدیہ کو دودھ پلانے کا شرف

حاصل ہوا۔ حضرت حلیمہ نے جب آپ کو اپنی تحویل میں لے لیا تو خیر و برکت نے ان کے قدم چومنے شروع کر دیے۔ ان کے مویشیوں میں برکت ہوئی۔ خود حلیمہ کی چھاتیوں میں دودھ کم تھا، زیادہ ہو گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کی دائیں چھاتی سے دودھ نوش فرماتے اور بائیں چھاتی ان کے لڑکے کے دودھ پیتے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ یہ حضور کا جبلی عدل تھا۔

دودھ کے رشتہ کا احترام ۳۔ چونکہ دودھ سے بچے کے جسم کی نشوونما ہوتی ہے اس لیے رضاعی ماں کا احترام بھی ضروری تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوہ حنین کے موقع پر جب حضرت حلیمہ آئیں تو آپ نے ان کے لیے قیام فرمایا اور ان کے بیٹھنے کے لیے چادر بچھائی مٹی نیز شریعت اسلامیہ میں دودھ پلانے والی خاتون کو حقیقی ماں کا درجہ دیا گیا ہے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد) افعیٰ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے (گھر میں آنے کی اجازت چاہی) تو میں نے انہیں اجازت نہیں دی۔ انہوں نے کہا کہ آپ مجھ سے پردہ کرتی ہیں۔ حالانکہ میں آپ کا رضاعی چچا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ کیسے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میرے بھائی (وآئل) کی بیوی نے

۲۲۶۸۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اسْتَأْذَنَ عَلِيٌّ اَفْلَحَ فَلَمْ اَذْنُ لَهُ فَقَالَ اَتَحْجِبَانِ صِبْغِي وَاَنَا عَمَلُكَ فَقُلْتُ وَكَيْفَ ذَلِكَ قَالَ اَوْصَعْتُكِ امْرَاةً اَخِي بَلَسْنِ اَخِي فَقَالَتْ سَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَ اَفْلَحُ اسْتَذِنِي لَمْ

آپ کو میرے بھائی کا دودھ پلایا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ افعیٰ نے سچ کہا ہے، انہیں (اندر آنے کی) اجازت دے دو (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے متعلق فرمایا کہ یہ میرے لیے حلال نہیں (کیونکہ) جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتی ہیں۔ یہ میرے رضاعی بھائی کی صاحبزادی ہیں (بخاری)

۲۲۶۹۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بِنْتِ حَمْزَةَ لَا تَحُلْ لِي بِحَدُّمِ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحُدُّمُ مِنَ النَّسَبِ هِيَ بِنْتُ اَخِي مِنَ الرِّضَاعَةِ (بخاری)

فوائد و مسائل

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے حقیقی چچا ہیں۔ حضرت حمزہ اور حضور علیہ السلام کے دودھ پلینے کا ایک ہی زمانہ ہے اور دونوں حضرات کی عمر میں بھی کوئی خاص فرق نہ تھا اور حضور علیہ السلام اور حضرت حمزہ کو ابوالبک کی لونڈی ثویبر نے دودھ پلایا تھا۔ اس لیے حضور اور حضرت حمزہ رضاعی بھائی ہوئے اس لیے حضرت حمزہ کی صاحبزادی جن کا نام امام ربیعہ عمارہ تھا حضور علیہ السلام کی بھتیجی قرار پائیں۔ اس سے واضح ہوا جو نسب کی وجہ سے حرام ہوں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف فرما تھے عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک صحابی کی آواز سنی جو ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنے کی اجازت چاہتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کہا، یا رسول اللہ! میرا خیال ہے، یہ حفصہ کے رضاعی چچا ہیں، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ صحابی آپ کے گھر میں (جس میں حفصہ رہتی ہیں) آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضور اکرم نے فرمایا کہ میرا خیال ہے یہ فلاں صاحب حفصہ کے رضاعی چچا ہیں۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے ایک رضاعی چچا کے متعلق پوچھا کہ اگر فلاں نہ ہونے تو کیا میرے پاس آسکتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، رضاعت سے بھی وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو ولادت کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں۔

۲۲۴۰۔ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا وَ أَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَاهُ فَلَدْنَا لَعَمْرُ حَفْصَةَ مِنَ الرِّضَاعَةِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَاهُ فَلَدْنَا لَعَمْرُ حَفْصَةَ مِنَ الرِّضَاعَةِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لَوْ كَانَ فَلَانٌ حَتَّى لَعَنَتْهَا مِنَ الرِّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَمْرُ إِنَّ الرِّضَاعَةَ يُعَدُّ مِنَ الْوِلَادَةِ

(بخاری)

رضاعت کے معنی اور مدت رضاعت

رضاع اور رضاع کے لغوی معنی عورت کے پستان کو چوسنے کے ہیں اور اصطلاح فقہ میں اس کے معنی عورت کے دودھ کا مدت رضاعت میں بچہ کے پیٹ میں پہنچنے کے ہیں۔ خواہ بچہ

اپنے منہ سے عورت کے پستان سے دودھ پیتے یا عورت کا دودھ بچہ کے حلق یا ناک کے راستہ پیٹ
 ہیں پہنچا یا جاتے۔ ان سب طریقوں سے رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اگر کسی اور سوراخ سے دودھ
 ڈالا گیا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی (ہدایہ و جوہرہ) خلاصہ یہ کہ ایک قطرہ دودھ پینے سے بھی رضاعت
 ثابت ہو جائے گی۔

رضاعت کے احکام | ۱۔ جس بچے نے عورت کا دودھ پیا وہ اس بچہ کی ماں ہو جائے گی اور
 اس کا شوہر (جس کا یہ دودھ ہے) یعنی اُس کی وطنی سے بچہ پیدا
 ہوا جس سے عورت کو دودھ اُترا، اس دودھ پینے والے بچہ کا باپ ہو جائے گا اور اس عورت کی
 تمام اولادیں اس کے بھائی بہن خواہ اسی شوہر سے ہوں یا دوسرے شوہر سے اس کے دودھ پینے
 سے پہلے کی ہیں یا بعد کی یا ساتھ کی اور عورت کے ماموں بھائی اور بہن خالہ یونہی اس شوہر کی اولادیں
 اس کے بھائی بہن اور اُس کے بھائی اس کے چچا اور اس کی بہنیں، اس کی چھو بھیاں خواہ شوہر کی
 یہ اولادیں اسی کی ہوں یا دوسری سے یونہی ہر ایک کے باپ ماں اس کے دادا دادی نانا نانی (عالمگیری)
 ۲۔ واضح ہو کہ کنواری یا بڑھیا کا دودھ پیا بلکہ مردہ

احکام رضاعت کے چند اہم مسائل | عورت کا دودھ پیا جب بھی رضاعت ثابت ہے
 (در مختار) مگر نو برس سے چھوٹی لڑکی کا دودھ پیا تو رضاع نہیں (جوہرہ) نیز اس امر پر امت کا اجماع
 ہے کہ دودھ پینے والا دودھ پلانے والی کا محرم ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا نکاح دائمی طور پر
 حرام دونوں میں پردہ نہیں ہوگا خلوت بھی جائز ہے اور سفر بھی اور اس پر اجماع ہے کہ دودھ پینے
 والے اور دودھ پلانے والے کی اولاد بھی ایک دوسرے پر حرام ہو جائے گی ۳۔ لیکن نسب کے تمام
 احکام رضاعت میں جاری نہیں ہوتے۔ یعنی ان کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی اور زنان میں سے
 کسی کا دوسرے پر نفقہ واجب ہوگا۔ ۴۔ دو بچوں نے دودھ پیا اور ان میں ایک لڑکا ایک لڑکی ہے تو
 یہ بھائی بہن ہیں اور نکاح حرام اگرچہ دونوں نے ایک وقت میں نہ پیا ہو بلکہ دونوں میں برسوں کا فاصلہ
 ہو اگرچہ ایک کے وقت میں ایک شوہر کا دودھ پیتا اور دوسرے کے وقت میں دوسرے کا (در مختار)
 مگر شرط یہ ہے کہ دونوں بچوں نے مدت رضاعت میں دودھ پیا ہو۔ ۵۔ دودھ پینے والی لڑکی کا
 نکاح پلانے والی کے بیٹوں پوتوں سے نہیں ہو سکتا کہ یہ اُن کی بہن یا چھو بھئی ہے۔ ۶۔ جو نسب میں حرام ہے
 رضاع میں بھی حرام مگر بھائی یا بہن کی ماں کہ یہ نسب میں حرام ہے کہ وہ اس کی ماں جوگی یا باپ کی مہلوہ
 اور دونوں حرام اور رضاع میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔ لہذا حرام نہیں اور اس کی تین صورتیں ہیں۔ رضاعی

بھائی کی رضاعی ماں یا رضاعی بھائی کی حقیقی ماں یا حقیقی بھائی کی رضاعی ماں۔ یونہی بیٹے یا بیٹی کی بہن یا دادی کہ نسب میں پہلی صورت میں بیٹی ہوگی یا ربیبہ اور دوسری صورت میں ماں ہوگی یا باپ کی مولودہ یونہی چچا یا پھوپھی کی ماں یا ناموں یا خالہ کی ماں کہ نسب میں دادی نانی ہوگی اور رضاع میں حرام تھیں اور ان میں بھی دہی نہیں صورتیں ہیں (علیگیری در مختار) ۷۔ حقیقی بھائی کی رضاعی بہن یا رضاعی بھائی کی حقیقی بہن یا رضاعی بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح جائز ہے اور بھائی کی بہن سے نسب میں بھی ایک صورت ہمارا کی ہے یعنی سوتیلے بھائی کی بہن جو دوسرے باپ سے ہو (در مختار) ۸۔ رضاع کے ثبوت کے لیے دودھ یا ایک مر اور دو عورتیں عادل گواہ ہوں اگرچہ وہ عورت خود دودھ چلائے والی ہو فقط عورتوں کی شہادت سے ثبوت نہ ہوگا۔ البتہ احتیاط یہ ہے کہ صرف عورتوں کے کہنے سے بھی حرمت نکاح کا حکم دیا جائے (حجری) ۹۔ عورتوں کو چاہئے کہ بلا ضرورت ہر بچہ کو دودھ نہ پلا دیا کریں اور پلا تیں خود دودھ بھی یاد رکھیں اور لوگوں سے یہ بات کہہ بھی دیں ۱۰۔ عورت کو بغیر اجازت شوہر کی بچہ کو دودھ پلانا مکروہ ہے البتہ اگر ضرورت ایسی ہو کہ دودھ نہ پلانے کی وجہ سے بچہ کے ہلاک ہو بیکار خطرہ ہو نوکراہت نہیں (رد المحتار) ۱۰۔ اگر مرد نے اپنی بیوی کی چھاتی چوس کر نکاح میں کوئی نقصان نہ آیا اگرچہ دودھ مونہ میں آگیا بلکہ حلق سے اُتر گیا (در مختار) پھر اگر اتفاقاً دودھ حلق سے اُتر گیا تو گناہ بھی نہ ہوگا — اور اپنی بیوی کی محض چھاتی کو گوند میں لینا یا چوسنا جائز ہے لیکن دودھ پینا حرام ہے۔

مطلقاً دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو جائیگی ۱۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک رضاع یعنی دودھ کا رشتہ عورت کا دودھ پینے سے ثابت ہوتا ہے۔ خواہ مخوڑا پیا ہو یا زیادہ یعنی دودھ خواہ کسی مقدار میں ہو بچہ کے پیٹ میں اتر جائے یا نہ اترے۔ امیر المومنین حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ حسنؓ حسینؓ سعید بن مسیبؓ، طاؤسؓ، عطاءؓ، مکحولؓ، زہریؓ، قتادہؓ اور سیدنا امام مالکؓ اور ان کے اصحاب اور ثوریؓ لیثؓ اور اوزاعیؓ، طبریؓ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت لیثؓ کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع بھی ہے کہ دودھ خواہ مخوڑا پیا ہو یا زیادہ سبب حرمت ہے یعنی جمہور صحابہ و تابعین فقہاء اہل امت و ائمہ دین کا مسلک یہ ہے کہ بچہ خواہ ایک قطرہ دودھ بھی چوسے رضاعت ثابت ہو جائے گی ۲۔ اور سیدنا امام شافعیؒ علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ جب تک پانچ چُشکی دودھ نہ پئے حرمت ثابت نہ ہوگی یعنی امام شافعیؒ کے ہاں ثبوت رضاعت کے لیے بچہ کا پانچ چُشکی دودھ پینا شرط ہے اگر پانچ چُشکی سے کم دودھ پیا (ایک دو، تین چار چُشکی، تو رضاعت ثابت نہ ہوگی (نوی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۶۵) امام شافعیؒ کی دلیل حدیث عائشہ صدیقہ ہے۔ نبی علیہ السلام نے

لَا تُخْرِمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصْتَانِ الخ یعنی ایک چُشکی یا دو چُشکی دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی (مسلم حدیث نمبر ۳۸۵) ۳۔ اسی طرح امام شافعی مسلم کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن میں عَشْرُ وَضْعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ نازل ہوا تھا یعنی دس چُشکی پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ پھر یہ منسوخ ہو گیا اور پانچ چُشکیوں سے حرمت کا حکم ہوا (مسلم حدیث نمبر ۳۲۹۲) لیکن امام شافعی کے استدلال کے متعدد جواب ہیں۔ اول یہ حدیثیں خبر واحدہ ہیں۔ جو قرآن کے مزاحم و معارض نہیں ہو سکتیں ۴۔ اور قرآن مجید میں فرمایا

وَأُمِّهِنَّ أَكْثَرُ أَوْ ضَعُفَتْكُمْ (نساء ۲۳) | اور تمہاری مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے

قرآن نے مطلقاً دودھ پلانے کو سبب حرمت قرار دیا ہے۔ ایک یا دو دفعہ چُشکی لینے کی قید نہیں لگائی۔ یعنی آیت میں عدد یا مقدار کا ذکر نہیں ہے اور بغیر کسی مقدار و عدد کے دودھ پلانے والی عورتوں کو مائیں قرار دیا ہے یعنی دودھ خواہ ایک چُشکی پلایا ہو یا اس سے زائد۔ ہر حال اس عمل کو دودھ پلانا ہی کہا جائیگا اور قرآن نے مطلقاً دودھ پلانے ہی کو سبب حرمت قرار دیا ہے۔ لہذا خبر واحدہ سے نہ تو قرآن کے عموم و اطلاق کو مقید کیا جاسکتا ہے اور نہ قرآن پر زیادتی کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ زیادتی نسخ ہے۔ اور خبر واحدہ سے نص قطعی کا نسخ جائز نہیں ۵۔ اسی طرح سورہ نساء میں فرمایا گیا ہے۔

وَأَخْوَأْتُكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ (نساء ۲۳) | اور تمہاری رضاعی بنیں (محرم) ہیں

آیت کے اس حصہ میں بھی رضاعت کے لیے کوئی قید نہیں ہے۔ مطلقاً ایک عورت کا دودھ پینے والیوں کو رضاعی بنیں قرار دیا گیا ہے۔ لہذا خبر واحدہ سے قرآن کے عموم و اطلاق کو مقید نہیں کر سکتے دوم یہ کہ مَصَّةٌ وَ مَصْتَانِ والی حدیث منسوخ ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تصریح کی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک بار (یعنی ایک چُشکی) دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ آپ نے جواباً فرمایا۔ كَانَ ذَٰلِكَ شَعْرُ نِسْجٍ پہلے ایسے تھا پھر منسوخ ہو گیا (فتح القدیر کتاب الرضاع) سوم۔ یہ کہ جن احادیث سے حضرت امام شافعی استدلال کرتے ہیں۔ وہ مضطرب ہیں کیونکہ اس مسئلہ کی احادیث میں پانچ اور سات چُشکیوں تک کا ذکر ہے۔ چہارم مطلقاً دودھ پلانا سبب حرمت ہے اس کی تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس میں یہ ہے کہ عقبہ بن حارث نے کہا میں نے ایک عورت سے شادی کی تو ایک حبشی عورت نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ نبی علیہ السلام نے مجھے اپنی بہری کو چھوڑنے کے متعلق فرمایا۔ اس حدیث سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پلانے والی عورت کے متعلق یہ نہیں پوچھا کہ اس نے کتنی چُشکیاں پلائی ہیں۔ اگر پانچ سے

کم پلائی ہیں تو کوئی حرج نہیں حرمت نہ ہوگی۔ بلکہ حضور نے مطلقاً رضاعت کا سن کر حضرت عقبہ سے فرمایا کہ اب تم اپنی جوی کو چھوڑ دو۔ معلوم ہوا کہ رضاعت کے لیے پانچ چٹکیوں کی قید نہیں ہے بلکہ مطلقاً دودھ پینے سے رضاعت کے احکام ثابت ہو جائیں گے یعنی حرمت نکاح۔ پنجم۔ متعدد احادیث و آثار سے بھی واضح ہے کہ مطلقاً دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا۔

أَنَّ قَلِيلَهُ وَكَثِيرَهُ
يُحَدِّمُ

تھوڑا پیئے یا زیادہ بہر حال رضاعت ثابت ہو جاتی
گی (فتح القدیر و عقود الجواہر کتاب الرضاع)
نسائی ج ۲ ص ۸۷ و موطا امام محمد ص ۲۸۷

اور حضرت علی سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

يُحَدِّمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحَدِّمُ مِنَ
النَّسَبِ قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ (مسند امام غزالی)

رضاع سے وہ چیز حرام ہو جاتی ہے جو نسب سے
حرام ہوتی ہے۔ دودھ خواہ کم یا زیادہ
غرض کہ حضرت علی ابن مسعود، سعید ابن مسیب، ابن عمر، ابن عباس، حضرت طاؤس رضی اللہ
تعالیٰ عنہم کی روایتوں میں یہ تصریح ہے کہ مطلقاً دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہو جائے گی خواہ کم پلا یا
زیادہ۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ تیزان روایتوں میں یہ بھی تصریح ہے کہ پانچ چٹکیوں کی قید پہلے تھی۔ بعد
میں منسوخ ہو گئی اور اب ایک چٹکی دودھ پلانے سے بھی حرمت نکاح ثابت ہو جائے گی۔ دیکھئے نسائی
ج ۲ ص ۶۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۷ مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۶۶۔ اسی طرح حدیث مسلم
جس میں یہ ہے کہ حضور کے وصال تک خمس معلومات قرآن میں پڑھا جاتا تھا۔ تو یہ بھی خبر واحد ہے اور
خبر واحد سے ان جملوں کا قرآن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن تواتر سے ثابت ہے۔ لہذا مذکورہ بالا
الفاظ نہ تو قرآن کا جز ہیں، نہ تھے اور نہ ان کو قرآن سے نکالا گیا اور نہ ان کی تلاوت کی گئی۔ ان تمام امور پر
امت کا اجماع ہے۔

مدت رضاعت

مدت رضاعت یعنی بچہ کو کتنی مدت تک دودھ پلایا جائے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ۱۔ صحابہ کرام میں حضرت عمر علی ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، ابو ہریرہ، حضرت عائشہ صدیقہ اور باقی ازواج مطہرات کا مذہب یہ ہے کہ مدت رضاعت دو سال، مجتہدین میں حضرت امام شافعی، اوزاعی، اسحاق، شعبی، اوزاعی، ابن شبرم، ابو ثور اور امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک بھی مدت رضاعت دو سال ہے۔ امام ابو یوسف و محمد سورۃ لقمن اور سورہ بقرہ کی آیاتوں سے استدلال

فرماتے ہیں۔ سورہ لقمن میں فرمایا۔ وَفِصْلُهُ فِي عَامَيْنِ (۱۴) اس کا دودھ چھوٹنا دو برس ہے۔ اور دودھ چھڑنے کے بعد دودھ نہیں پلایا جاتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بچہ کو دو سال کے اندر دودھ کفایت کرتا ہے اور دو سال کے بعد دودھ پر اس کا انحصار نہیں رہتا۔ اس لیے مدت رضاعت دو سال قرار پاتی ہے اور سورہ بقرہ میں فرمایا۔

وَالْوَالِدَتُ يُرْضَعْنَ أَوْلَادَهُنَّ
مَوْلَيْنِ كَمَا مَلَيْنَ لِمَنْ آدَا أَنْ
يُخْتَمَرُ الرِّضَاعَةُ ط

اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو
برس اس کے لیے جو دودھ کی مدت پوری کرنی
چاہے۔ (بقرہ ۲۳۳)

وجہ استدلال یہ ہے کہ جو ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی مدت مکمل کرنا چاہے وہ دو سال کا مل دودھ پلائے اور تکمیل کے بعد اضافہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ دو سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں۔

مدت رضاعت سے متعلق امام اعظم سے منقول روایت | امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سے ایک روایت یہ ہے کہ

مدت رضاعت تیس ماہ یعنی ڈھائی سال ہے اور اس سلسلہ میں سورہ احکاف کی اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے۔

وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ
شَهْرًا

اور اسے اٹھائے پھڑنا اور اس کا دودھ چھڑانا
تیس مہینہ ہے۔

استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حمل اور دودھ چھڑانے دونوں میں سے ہر ایک کی مدت تیس ماہ ہے لیکن دلیل سے ثابت ہے کہ حمل کی مدت دو سال سے زیادہ نہیں ہوتی حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

أَوْلَادُ لَا يَبْقَى فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَكْثَرَ
مِنْ سِتِّينَ

بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں
رہتا (دارقطنی و بیہقی)

لہذا دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ (ڈھائی سال) قرار دینی چاہیے۔ نیز سورہ بقرہ کی آیت حوالین کا ملین کے بعد فرمایا۔

فَإِنْ آدَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ
مِنْهُمَا

یعنی اگر میاں بیوی باہمی رضا مندی سے مشورہ سے
دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔

تفسیر مدارک و کشاف میں فلاح جناح علیہما کی تفسیر میں ہے زَادَ عَلَى الْحَوْلَيْنِ آفَ نَقَصًا وَ هَذِهِ تَوْسِيعَةٌ بَعْدَ التَّحْدِيدِ - یعنی والدین دو برس پر زیادہ کریں یا کم کر دیں۔ یہ وسعت ہے تعین کے بعد — معلوم ہوا کہ والدین باہمی رضا و مشورہ سے دو برس سے زیادہ کر دیں یا دو برس سے کم کر دیں تو گنہگار نہ ہوں گے۔ واضح ہوا کہ آیت مدت رضاعت میں قطعی نہیں ہے یعنی دو سال کے بعد بھی دودھ پلایا جاسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ دودھ یکدم نہیں پھیرا یا جاتا بلکہ تدریجاً پھرتے ہیں تاکہ بچہ دودھ کو بھول جائے اور دوسری غذا کھائے لگے تو دو سال پر کچھ مدت کا اضافہ ضروری ہوا۔ اس لیے ادنیٰ مدت محل (جو کہ چھ ماہ ہے) کا اضافہ کیا گیا اور اس طرح مدت رضاعت ڈھائی سال قرار پائی۔

مدت رضاعت میں اختلاف کے متعلق ایک اہم وضاحت

جوئے کے متعلق سورۃ لقمن، سورۃ بقرہ اور سورۃ احقاف کی مذکورہ بالا آیات قطعی الدلالت نہیں ہیں۔ ۲۔ یہی وجہ ہے کہ مدت رضاعت میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ سے منقول ڈھائی سال کی روایت بھی آیت قرآنی سے ماخوذ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ لہذا غیر متعلقہ لوگوں کا امام اعظم کے متعلق یہ الزام لگانا کہ ان کا موقف قرآن و حدیث کے خلاف ہے، قطعی غلط اور خلاف واقع ہے۔ چنانچہ امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک مدت رضاعت تین سال اور سیدنا امام مالک کے نزدیک دو سال ایک ماہ یا دو ماہ ہے۔ بلکہ امام مالک علیہ الرحمہ سے ایک روایت میں کسی مدت کا تعین نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ جب تک بچہ کو دودھ کی ضرورت ہو پلایا جائے۔ ۳۔ آیت کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدہ مطلقہ کو دو برس دودھ پلانا چاہئے اور والد پر دودھ پلانے کی اجرت دینا لازم ہے۔ یعنی یہ احتمال ہے کہ آیت اور حدیث لَا رِضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ (دو برس کے بعد رضاعت نہیں) استحقاقِ اجرت میں خاص ہو۔ یعنی اگر والدہ دو برس دودھ پلاتی ہے تو اجرت کی مستحق ہے اور اگر دو برس سے زیادہ عرصہ پلاتی ہے تو زائد عرصہ کی مستحق نہ ہوگی تو آیت حولین کا ملین کا تعلق مدت رضاعت سے نہیں بلکہ استحقاقِ اجرت سے ہے ۴۔ نیز جامعین نے آیت یرضعن اولادَ ھُنَّ حولین الخ — فصالی فی عامین سے مدت رضاعت دو سال ہونے کا استدلال کیا ہے لیکن فی نظر کیونکہ حقیقی والدہ کے دودھ پلانے سے حرمت نکاح کے کیا معنی؟ حرمت نکاح تو غیر عورت کے دودھ پلانے سے ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ آیت میں فصال سے وہ فصال مراد نہیں ہے جس سے حرمت نکاح ثابت ہوتی ہے۔

۵۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت حولین کا ملین عام نہیں بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی یہ آیت حضرت صدیق اکبر اور ان کے والدین کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ حضرت صدیق اکبر اقل مدت حمل چھ ماہ میں پیدا ہوئے اور عادت عامہ یہ ہے کہ جو بچہ چھ ماہ میں پیدا ہو جائے تو اسے پورے دو سال دودھ پلانے کی ضرورت ہوتی ہے (تفسیر منطری) لہذا دو سال دودھ پلانا حضرت صدیق اکبر کے ساتھ خاص ہوا۔ چنانچہ اس امر پر سیاق آیت اور خاتمہ آیت حتیٰ بَلَغَ اَشَدَّه دال ہے (معالم التنزیل و تفسیر احمدی) ۶۔ آیت حَمَلُهُ وَفَصَالَهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا الخ سے امام ابو یوسف و امام محمد استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت سے اقل مدت حمل چھ ماہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ حولین کا ملین تو حمل کے چھ ماہ باقی رہے۔ لیکن اس کے برعکس یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت میں کم سے کم مدت حمل اور کم سے کم مدت فصال کا ذکر ہے یعنی آیت میں انتہاء فصال کا بیان نہیں ہے۔ ۷۔ تفسیر احمدی میں صاحبین کے استدلال کے جواب کی تقریر یہ ہے کہ ان آیتوں میں اس امر کا بیان ہے کہ والدہ کو اپنے بچہ کو دو سال کا کل دودھ پلانا واجب ہے یعنی عذر کی صورت میں صرف دو سال دودھ پلانا ضروری ہے یا حولین کا ملین کی قید اس امر کے لیے ہے کہ والد پر دو سال دودھ پلانے کی اجرت دینا واجب ہے اور قرینہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد و علی المولود لہ ذقھن الخ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دو سال سے زائد دودھ پلانا منع ہے یعنی یہ آیتیں صرف اس بارے میں ہیں کہ ماں کو دو برس دودھ پلانا اور والد کو دو برس دودھ پلانے کی اجرت دینا واجب ہے۔ لیکن وہ رضاع جس سے دو برس کے اندر دودھ پینے سے حرمت نکاح ثابت ہوتی ہے یہ بات ان آیتوں سے واضح نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ رضاع جس سے حرمت نکاح ثابت ہوتی ہے وہ سورہ نسا کی آیت ۲۳ ہے۔ جس میں مطلقاً دودھ پلانے کو مبہم حرمت نکاح قرار دیا گیا ہے۔ ائمہ حدیث نے ابام طفلی کو خاص کر دیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنَّهَا الرَّضَاعَةُ مِنْ الْمَجَاعَةِ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے (رد المحتار کتاب الرضاع) ۸۔ فقہاء احناف نے مدت رضاعت دو سال اور ڈھائی سال دونوں پر فتویٰ دیا ہے اور بعض اصحاب تزجیح نے صاحبین کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ حضرت امام طحاوی کا مختار بھی مذہب صاحبین ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔ اَنَّ صَحَّ قَوْلُهُمَا وَهُوَ مُحْتَارٌ الطَّحَاوِيُّ اور علامہ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَوَايَةُ اُحْلَى لِقَوْلِ ابْنِ قُسَيْفٍ وَحُكْمُهُ (زاد المعاد ج ۲ ص ۳۳) اور علامہ شامی علیہ الرحمہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحب ہایہ نے آیت سے جو دھائی

سال مدت رضاع کا استدلال کیا ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا درالمختار ج ۲ ص ۴۳ باب الرضاع) نیز صاحب تفسیر منظری نے وحملہ و فصالہ الخ آیت سے ڈھائی سال مدت رضاعت ثابت کرنے کو درست نہیں قرار دیا۔

بچہ کو دودھ پلانے یا پلانے کی ذمہ داری کس پر ہے | سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۳ وَالْوَالِدَتُ
مِنْ ضَعْفَنِ اَوْ لَا ذَهَبَ
حَوْلَيْنِ الخ کے ماتحت مفسرین کرام نے حسب ذیل مسائل بیان کئے ہیں۔

۱۔ ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے حقیقی بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اجرت پر دودھ پلانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو یا کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہ کرے۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں منتخب ہے (تفسیر احمدی و مجمل وغیرہ) ۲۔ دو سال کامل دودھ پلانا لازم نہیں ہے۔ اگر بچہ کی ضرورت نہ رہے اور دودھ چھڑائے ہیں اس کے لیے خطرہ نہ ہو تو اس سے کم مدت میں بھی چھڑانا جائز ہے (تفسیر احمدی خازن وغیرہ) ۳۔ آیت کے قلم علی المولود سے واضح ہوا کہ بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہوگا ماں سے نہیں مثلاً باپ سید ہے اور ماں سیدہ نہیں ہے تو بچہ سید قرار پائے گا اور اگر باپ سید نہیں ہے اور ماں سیدہ ہے تو بچہ سید نہ ہوگا اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نسب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چلا اس لیے حضرت فاطمہ کے صاحبزادوں امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی

اولاد سید قرار پائے گی ————— ۴۔ بچہ کی پرورش کے تمام اخراجات اور دودھ پلانا باپ کے ذمہ واجب ہے اس کے لیے وہ دودھ پلانے والی مقرر کرے لیکن اگر ماں اپنی رغبت سے بچہ کو دودھ پلائے تو مستحب ہے۔ ۵۔ شوہر اپنی زوجہ پر بچہ کو دودھ پلانے کے لیے جبر نہیں کر سکتا۔ اگر ماں دودھ نہ بھی پلائے تو بھی شوہر پر اپنی بیوی کا نان نفقہ واجب ہے۔ ۶۔ اسی طرح حت تک ماں بچہ کے باپ کے نکاح یا عدت میں ہے دودھ پلانے کی اجرت و معاوضہ بچہ کے باپ سے نہیں لے سکتی کیونکہ باپ کے ذمہ جو نان و نفقہ واجب ہے وہی کافی ہے زیادہ کا مطالبہ باپ کو ضرر پہنچانا ہے ————— ۷۔ اگر بچہ کی ماں مطلقہ ہے اور عدت گزر چکی ہے اور بچہ کو دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کرتی ہے تو باپ کو دینا واجب ہے کیونکہ اب بچہ کے باپ پر نان و نفقہ کی ذمہ داری ختم ہو چکی ہے۔ ۸۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مطلقہ عورت دودھ پلانے کا معاوضہ اتنا ہی طلب کرے جتنا کوئی دوسری عورت طلب کرتی ہے زائد کہ مطالبہ کرے گی تو باپ کو یہ حق ہوگا کہ کسی اتنا سے دودھ پلاوے ۱۱۔ اگر باپ نے کسی عورت کو اپنے بچہ کو دودھ پلانے پر اجرت مقرر کی اور اس کی ماں اسی اجرت یا بے معاوضہ دودھ پلانے پر راضی ہوئی تو ماں ہی دودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہے باپ

کو مجبور کیا جائے گا کہ بچہ کی ماں ہی سے دودھ پلاوے (احمدی و مدارک وغیرہ) ۱۱۔ شوہر پر اپنی بیوی کا نان نفقہ تو بہر حال واجب ہے یعنی اپنی مالی حیثیت کے مطابق بیوی کے اخراجات پر اکرے لیکن جب ماں بچہ کو دودھ پلا رہی ہے تو ان دنوں خصوصی طور پر شوہر کے لیے اپنی بیوی کو کھانے پینے میں ایسی اشیاء دینی بھی ضروری ہیں جس سے ماں کے دودھ میں کمی نہ ہو اور بچہ پیٹ بھر دودھ پی سکے۔

۲۴۷۱۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِي رَجُلٌ قَالَ يَا عَائِشَةُ مَنْ هَذَا قُلْتُ أَخٌ مِّنَ الرِّضَاعَةِ قَالَ يَا عَائِشَةُ الْفُلَانُ مَنِ اخْوَانُكُنَّ فَيَا ثَمَّ الرِّضَاعَةِ مِنَ الْهَجَاةِ

(بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (گھر میں) تشریف لائے تو میرے یہاں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا! عائشہ! یہ کون صاحب ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ یہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ عائشہ! اپنے بھائیوں کے متعلق سوچ لیا کرو، کیونکہ رضاعت وہی معتبر ہے جو بھوک کے ساتھ ہو۔

مدت رضاعت میں دودھ پینے سے ہی حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں | ۱۔ اس حدیث سے واضح

ہوا کہ مدت رضاعت (دو سال یا ڈھائی سال) کے اندر دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ یعنی ڈھائی برس گزر جانے کے بعد دودھ پلایا گیا تو حرمت نکاح ثابت نہ ہوگی۔ جمہور صحابہ و تابعین اور مجتہدین (امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک و احمد بن حنبل) کا یہی مذہب ہے۔ البتہ غیر مقلد و تابعین کے امام ابن حزم و ابن تیمیہ کا مذہب یہ ہے کہ بالغ کو دودھ پلانے سے بھی حرمت ثابت ہو جائیگی یعنی عورت اگر بالغ مرد کو دودھ پلا دے تو وہ اس کا رضاعی بیٹا ہو جائے گا۔ دیکھئے نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۳۶ اور فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۴۶۔ ۲۔ غیر مقلد اس مسئلہ میں مسلم کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا حکم عام نہیں ہے بلکہ حضرت سہلہ اور حضرت سالم کے ساتھ خاص ہے۔ ۳۔ حدیث نمبر ۲۴۷۱ کو امام بخاری نے کتاب النکاح میں ذکر کیا ہے۔ مسلم، نسائی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو کتاب النکاح میں ذکر کیا ہے۔

جب مدت رضاعت میں اختلاف ہے تو پھر کیا کیا جائے؟ | الغرض مذکورہ بالا توضیح سے

یہ امر واضح ہے کہ قرآنی آیات سے مدت رضاعت دو سال یا ڈھائی سال کا استدلال قطعی الدلالت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ۱۔ لڑکا ہو یا لڑکی اسے صرف دو سال دودھ پلایا جائے اور اگر دو سال یا اس سے کم دودھ پلایا ہے تو حرمت نکاح یقیناً ثابت ہو جائیگی کیونکہ قرآن نے مطلقاً رضاع کو سبب حرمت قرار دیا ہے ۲۔ اور دو سال کے بعد احتیاطاً بہر حال دودھ پلانے کی کوشش نہ کی جائے اور اگر دو سال کے بعد دودھ پلایا ہے یعنی ڈھائی سال کی مدت کے اندر دودھ پلایا ہے تو بھی حرمت نکاح ثابت ہو جائے گی کیونکہ حدیث سے یہ بھی واضح ہے کہ حضور علیہ السلام نے محض شبہ کی بنا پر احتیاطاً میاں بیوی میں جُدائی کرادی تھی (بخاری) اور یہ صورت تو شبہ کی نہیں ہے بلکہ واقعی دودھ پلایا ہے۔

اگر ڈھائی سال کے بعد دودھ پلایا تو بالاتفاق حرمت ثابت نہ ہوگی | واضح ہو کہ ڈھائی سال کے بعد دودھ پلانا تمام ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔ اگر بچہ کو ڈھائی سال کی عمر میں دودھ پلایا گیا تو اس سے حرمت نکاح بھی بالاتفاق ثابت نہ ہوگی۔

بَابُ شَهَادَةِ الْقَاذِفِ وَالسَّارِقِ وَالزَّانِي

نفس پر زنا کی تہمت لگانے والے یا چور یا زانی کی گواہی (کی قبولیت متعلق)

واضح ہو کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ محدود فی القذف جب توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔ اپنے مذہب کی تائید میں امام بخاری نے سورہ نور کی آیت سے استدلال کیا ہے اور گیارہ افراد کے اقوال پیش کیے ہیں۔ وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اور جو بار ساعورتوں کو عیب لگائیں۔ پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں مگر جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور سزا جائیں تو بیشک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(سورہ نور)

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَخِلَةٌ لَهُمْ وَلَهُمْ شُرَكَاؤُا فِيهَا وَلَا يَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةٌ أَبَدًا وَ أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۚ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَ أَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

زنا کی تہمت لگانے اور عِدِّ قَذْف کے بعض ضروری احکام و مسائل | ۱۔ چونکہ آیت

پر علماء اس امر پر متفق ہیں۔ سیدھوں سے مراد صرف زنا کی تہمت لگانا ہے اور یہ کہ اسی کوڑے حد صرف زنا کی تہمت لگانے والے کے لیے ہے۔ کسی اور فسوق کی تہمت لگانے والے پر حد نہیں ہے۔

محضنت کے معنی ۲۔ اصطلاح شرع میں احصان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا حد زنا میں اعتبار کیا گیا ہے۔ یعنی محضن وہ آزاد مسلمان ہے جو عاقل بالغ ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ اپنی بیوی سے صحبت کر چکا ہو۔ ایسے شخص کا زنا کرنا شرعاً ثابت ہو جائے تو اس کی سزا رجم ہے۔ ۳۔ اور اگر ان میں سے ایک بات بھی کم ہو مثلاً آزاد نہ ہو یا مسلمان نہ ہو یا عاقل بالغ نہ ہو یا اس نے نکاح کے بعد کبھی اپنی بیوی سے صحبت نہ کی ہو یا جس عورت سے صحبت کی ہو اس کے ساتھ اس کا نکاح فاسد ہو تو یہ سب غیر محضن ہیں اور غیر محضن کا زنا کرنا ثابت ہو جائے تو اس کی سزا سو کوڑے مارنا ہے جیسا کہ سورہ نور میں بیان ہوا۔

محضن کی دوسری قسم جس کا حد قذف میں اعتبار ہے ۴۔ دوسری قسم محضن کی وہ ہے جس کا یہ ہے کہ جس شخص پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور عقیف ہو یعنی زنا سے پاک ہو۔ سورہ نور کی اس آیت میں محضنت کے یہی معنی مراد ہیں (احکام القرآن جصاص) ۵۔ آیت میں محضنت کا لفظ نشان نزول یا معروف عادت کے سبب وارد ہوا ہے کہ عموماً مرد عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔ ورنہ اشتراکِ علت کی بنا پر آیت کا حکم عام ہے یعنی مرد عورت پر یا عورت مرد پر یا مرد مرد پر یا عورت عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور ثبوت شرعی پیش نہ کر سکیں تو یہ سب سزائے شرعی (یعنی اسی کوڑوں) کے مستحق ہوں گے (احکام القرآن جصاص و ہدایہ)

ثبوت زنا ۶۔ زنا کا ثبوت چار مردوں کی گواہی سے ہوتا ہے یعنی چار مرد بالکل واضح اور غیر مبہم الفاظ میں عینی شہادت دیں نیز زنا کا ثبوت زنا کرنے والے کے چار مرتبہ حاکم کی عدالت میں اقرار کر لینے سے بھی ہوتا ہے۔ اس پر بھی حاکم یا بار سوال کرے گا اور دریافت کرے گا کہ زنا سے کیا مراد ہے کہاں کیا کس سے کیا کب کیا۔ اگر ان سب کو بیان کر دیا تو زنا ثابت ہو گا ورنہ نہیں۔ ۷۔ چونکہ اسلام میں زنا کی سزا تمام جرائم کی سزائوں سے زیادہ سخت ہے لہذا زنا کے ثبوت کی شرائط بھی بہت سخت ہیں جن میں ذرا بھی کمی ہو جائے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہتے ہیں ساقط ہو جاتی ہے البتہ حاکم جرم کی نوعیت و کیفیت کے لحاظ سے تعزیری سزا دے سکتا ہے جو تین سے ۴۹ کوڑے تک ہو

سکتی ہے۔ پھر زنا کی شہادت میں ایک احتیاط اور شدت یہ ہے کہ اگر کوئی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے شہادت رو کی گئی تو پھر الزام لگانے والوں پر حد قذف (اسی کوڑے) لگاتے جاتے ہیں۔

۸۔ جو شخص کسی پارسا عورت زنا کی جھوٹی تہمت لگاتے والے کی سزا اسی کوڑے ہے | یا مرد کو زنا کی تہمت لگاتے

اور اس پر چار معائنہ کے گواہ پیش نہ کر سکے تو اس پر حد واجب ہے اور ایسے لوگ جو زنا کی تہمت میں سزا یاب ہوں اور ان پر حد جاری ہو چکی ہو مردود الشہادۃ ہو جاتے ہیں۔ کبھی ان کی گواہی مقبول نہیں ہوتی یعنی تہمت لگاتے کے جرم میں جس کو حد لگائی گئی وہ اگر توبہ کر کے پارسانی کو اختیار کرے تو بھی کسی معاملہ میں ان کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا یہی مذہب ہے۔

۹۔ حد قذف مطالبہ پر مشروط ہے۔ جس پر تہمت لگائی گئی ہے اگر وہ مطالبہ نہ کرے تو قاضی پر حد قائم کرنا لازم نہیں اور مطالبہ کا حق اسی کو ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے۔ اگر وہ زندہ ہو اور اگر وہ مر گیا ہو تو اس کے بیٹے پر تہمت لگائی گئی ہے۔

۱۰۔ قذف کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ صاحبہ کسی کو یا زانی کہے یا یہ کہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے یا اس کے باپ کا نام لے کر کہے کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں یا اس

کو زانیہ کا بیٹا کہہ کر پکارے مگر اس کی ماں پارسا ہو تو ایسا شخص قاذف ہو جائیگا اور اس پر تہمت کی حد آئے گی ۱۱۔ حد قذف محض پر زنا کی تہمت لگانے پر لگائی جائے گی۔ محض وہ آزاد مسلمان ہے جو عاقل بالغ اور عیض ہو یعنی زنا سے پاک ہو ۱۲۔ اگر غیر محض کو زنا کی تہمت لگائی مثلاً کسی غلام کو یا کافر کو یا ایسے شخص کو جس کا کبھی زنا کرنا ثابت ہو تو اس پر حد قذف قائم نہ ہوگی بلکہ اس پر تعزیر واجب ہے یہ تعزیر تین سے انتالیس تک حسبِ نجومیز حاکم شرع کوڑے لگانا ہے۔

زنا کے علاوہ کسی اور عیب کی تہمت لگائی تو حد نہیں تعزیر ہے | اگر کسی شخص نے زنا

تہمت لگائی اور پارسا مسلمان کو اے فاسق! اے کافر! عیث! اے چور! اے بدکار! اے بددیانت! اے لوطی! زانیہ! اے دیوث! اے شرابی! اے سداوار! اے بدکار عورت کے بچے، اے حرام زادے۔ اس قسم کے الفاظ کہے تو اس پر تعزیر واجب ہوگی حد نہیں۔

حد و فی القذف کی گواہی کے مقبول ہونے اور مقبول نہ ہونے میں اختلاف ہے | واضح ہو کہ جس شخص پر

زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو جائے اور اس پر حد قذف جاری کر دی جائے اور وہ توبہ بھی نہ کرے تو اس کی شہادت کسی معاملہ میں باجماع امت کبھی مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ سورہ نور کی مذکورہ آیت میں زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کی سزا اسی کوڑے اور اس کی گواہی کا کسی معاملہ میں بھی نہ قبول بیان ہوئی ہے گویا جھوٹی تہمت لگانے والے کی حد ایک تو اسی کوڑے ہیں اور دوسرے اس کی گواہی کا کبھی قبول نہ کرنا ہے جو حد کا تتمہ اور اس کا جز ہے۔ ۲۔ اب اگر جس شخص پر تہمت زنا کی حد شرعی جاری کی گئی ہے توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی یا مقبول نہ ہوگی۔ احناف کا موقف یہ ہے۔ اس کی گواہی توبہ کرنے کے باوجود کبھی کسی معاملہ میں مقبول نہ ہوگی۔ احناف بھی سورہ نور کی آیت سے ہی استدلال کرتے ہوئے یہ رائے قائم کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اَلَّذِيْنَ تَبَايَعَا كَاِثْمًا اَيْت نمبر ۴ کے آخری جملہ وَ اُوْلٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کی طرف راجع ہے تو اس استثناء کا مطلب یہ ہے کہ جس پر حد قذف جاری ہوئی ہے وہ فاسق ہے۔ اب اگر وہ صدق دل سے توبہ کر کے اپنی حالت کی اصلاح کر لیتا ہے تو اب فاسق نہ رہیگا اور آخرت کی سزا اس سے معاف ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سورہ نور کی آیت نمبر ۴ کی رو سے دنیا میں اس پر جن دوسراؤں کا ذکر ہے (یعنی اسی کوڑے مارنا اور ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت قرار دیدینا) یہ سزائیں توبہ کے بعد بھی باقی رہیں گی۔ ان میں اسی کوڑے لگانا یہ تو جاری ہو چکی اور دوسری سزا یعنی مردود الشہادہ اسی حد شرعی کا جز ہے جو توبہ سے معاف نہ ہوگی کیونکہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ توبہ سے آخرت کا عذاب معاف ہو جاتا ہے۔ حد شرعی معاف نہیں ہوتی اس لیے توبہ کرنے کے بعد بھی محدود فی القذف کی شہادت کبھی اور کسی معاملہ میں قبول نہ کی جائیگی ۳۔ سیدنا امام بخاری اور امام شافعی اور دیگر آئمہ بھی سورہ نور کی آیت سے ہی استدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ استثناء مذکورہ آیت نمبر ۴ کے سب جملوں کی طرف راجع ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ توبہ کرنے سے جب وہ فاسق درہم تو مردود الشہادت بھی نہیں رہے گا۔ لہذا محدود فی القذف اگر توبہ کرے تو اس کی شہادت مقبول ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ شبل بن معبد اور اناض کو مغیرہ رضی اللہ عنہ پر تہمت لگانے کی وجہ سے کوڑے لگوائے تھے اور پھر ان کی توبہ قبول کر لی تھی اور فرمایا تھا کہ جو شخص توبہ کرے گا میں اس کی گواہی قبول کروں گا۔

وَجَلَدَ عُمَرُ اَبَا بَكْرَةَ وَ شَبْلَ بْنَ مَعْبُدٍ وَ تَاَفِعًا بِقَذْفِ الْمَغِيْرَةِ
شُعْمًا مِّنْ تَبَايَعًا بَهْوً وَ قَاتَلَ مَنْ تَابَ
قَبِلْتُ شَهَادَتَهُ (بخاری)

حضرت میغرہ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ابو بکر اور شبل وغیرہ نے ان پر زنا کی تہمت لگائی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا اور میغرہ کو عدالت میں حاضر کیا تو مذکورہ بالا افراد میں سے تین (یعنی ابو بکر، شبل، نافع) نے بالکل واضح طور پر زنا کرنے کی گواہی دی مگر زیادہ انی سفیان نے صرف یہ کہا کہ میں نے ایک بُرا منظر دیکھا۔ میغرہ اور اس عورت کو ایک لحاف میں دیکھا مگر زنا کرتے نہیں دیکھا۔ چونکہ نصاب شہادت مکمل نہ تھا اس لیے حضرت عمرؓ نے ابو بکر، شبل اور نافع پر حد قذف قائم کر دی۔ امام بخاری نے اس واقع سے یہ استدلال فرمایا کہ محدود فی القذف اگر توبہ کر لے تو اس کی گواہی مقبول ہے کیونکہ سلیمان بن کثیر نے زہری اور سعید بن مسیب سے روایت کی کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو بکر، شبل اور نافع سے فرمایا کہ تم میں سے جو توبہ کرے میں اس کی گواہی قبول کر لوں گا۔ امام طحاوی علیہ الرحمہ نے امام بخاری کے استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ سعید بن مسیب کا حضرت فاروق اعظم سے سماع ثابت نہیں۔ نیز ابو داؤد و طیالسی کی روایت میں ہے کہ جب کوئی ابوبکرہ کو کسی معاملہ میں گواہ بنانے کے لیے آتا تو وہ جواباً یہ کہتے کہ کسی اور کو گواہ بنا لو کیونکہ مجھے مسلمانوں نے فاسق قرار دیا ہے۔ اور حضرت سعید بن مسیب کے نزدیک مذکورہ بالا حدیث قوی نہیں ہے اس لیے امام بخاری علیہ الرحمہ کا استدلال ضعیف ہے (یعنی ج ۱۳ ص ۲۰)۔

عبد اللہ بن عبیدہ، عمر بن عبد العزیز، سعید بن جبیر، طاؤس، مجاہد، شعبی، عکرمہ، زہری، محارب بن دثار، شریح اور معاویہ بن قزو نے بھی محدود فی القذف کی شہادت کو مقبول قرار دیا ہے (بخاری)

ابو الزناد نے فرمایا کہ ہمارے ہاں مدینہ میں یونہی ہوتا ہے کہ جب کسی پر تہمت لگانے والا شخص اپنے کہے ہوئے سے توبہ کر لے اور اس پر اللہ رب العزت سے مغفرت طلب کرے تو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

وَأَجَازَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْبَةَ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَطَاوُسٌ وَمُجَاهِدٌ وَالشَّعْبِيُّ وَعُكْرَمَةُ وَالزُّهْرِيُّ وَمُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ وَشَرِيحٌ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ قُزَّةٍ

وَقَالَ أَبُو الزِّنَادِ أَلَمْ يَرْضَ عَنْهَا بِأَلَمْ يَرْضَ إِذَا رَجَعَ الْقَافِلُ عَنْ قَوْلِهِ فَاسْتَعْفَرَ رَبَّهُ قَبِلَتْ شَهَادَتَهُ

قواعد و مسائل

حضرت امام بخاری نے اپنے موقف کی تائید میں مذکورہ بالا گیارہ حضرات کے اقوال درج کئے ہیں کہ یہ سب حضرات محدودنی القذف جب توبہ کر لے تو اس کی گواہی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن جو علماء محدودنی القذف کی گواہی کو جائز قرار نہیں دیتے وہ امام بخاری کے استدلال کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ابن حزم نے ہاسنادِ جید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے

قَالَ شَهَادَةُ الْقَافِظِ لَا يَجُوزُ | آپ نے فرمایا قاذف کی شہادت جائز نہیں
وَإِنْ تَابَ ہے اگرچہ وہ توبہ کر لے۔

اور حضرت ابن عباس کا ارشاد مذکورہ بالا گیارہ حضرات کے اقوال کے مقابل افضل و برتر اور قوی ہے۔ نیز علامہ ابن حزم نے یہ تصریح بھی کی ہے حضرت شریح، سفیان بن سعید شعبی، حسن بصری، مجاہد و عکرمہ کا۔ دوسرا قول عدم جواز کا ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ نے اپنے معنی میں ابو داؤد طیالسی۔ عن حماد بن سلمہ۔ عن قتادہ سے روایت کی کہ حضرت حسن و سعید بن المسیب نے فرمایا۔ لا شہادۃ لہ و توبتہ ببینہ و بین اللہ۔ اس روایت کی سند سلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ یہی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تجوز شہادۃ خائن ولا محل۔ و د فی الاسلہ۔ یہ مرفوع حدیث ہے جسے ابو داؤد ابن ماجہ و ترمذی نے روایت کیا اور ابو داؤد نے اس حدیث کو ذکر کر کے سکوت کیا جو اس امر کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا تَجُوزُ | لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ جھوٹی ہمت
شَهَادَةُ الْقَافِظِ وَإِنْ تَابَ (بخاری) لگانے والے کی گواہی درست نہیں ہے خواہ اس نے توبہ کیوں نہ کر لی ہو۔

کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بعض الناس سے یہی تاہم اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کو مراد لیا ہے تو اتنی بات تو درست ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمہ کا موقف یہی ہے کہ محدودنی القذف اگر توبہ کر لے تو بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اس مسئلہ میں منفرد ہیں یا سب سے پہلے انھوں نے عدم صحت کا قول کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ حضرت ابن عباس اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے اور مرفوع حدیث سے بھی یہی واضح ہے کہ محدودنی القذف کی گواہی جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ تاہم امام بخاری علیہ الرحمہ احناف

کے مذہب میں تناقض ثابت کرنے کے لیے فرماتے ہیں۔

شَرَّ قَالٍ لَا يَجُوزُ نِكَاحُ بَعِيٍّ
شَاهِدَيْنِ فَإِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ
مَحْدُودَيْنِ جَازٌ

(بخاری)

اگر احناف محدود فی القذف کی گواہی کو جائز قرار نہیں دیتے، اور وہ کہتے ہیں کہ دو گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ محدود فی القذف کی گواہی پر کسی نے نکاح کیا تو یہ نکاح جائز ہے۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ احناف کے موقف میں تناقض و تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ احناف کا موقف یہ ہے کہ اگر محدود فی القذف کی موجودگی میں نکاح کیا گیا تو وہ درست ہے۔ کیونکہ محدود فی القذف تحمل شہادت کا اہل ہے اور تحمل شہادت کے لیے عدالت شرط نہیں ہے یعنی فاسق کسی معاملہ میں گواہ تو بن سکتا ہے لیکن اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ قبولیت شہادت کے لیے عادل ہونا شرط ہے۔

الغرض احناف کے موقف میں تضاد نہیں ہے کیونکہ ثبوت نکاح اور انعقاد نکاح میں فرق ہے۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ محدود فی القذف کی موجودگی میں جو نکاح جو وہ منعقد ہو جائیگا کیونکہ محدود فی القذف کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اس لیے وہ گواہ بننے کا اہل ہے۔ لہذا محدود فی القذف کی موجودگی میں نکاح ہو جائیگا لیکن ان کی گواہی کسی معاملہ میں قبول نہیں کی جائے گی اور ان کی گواہی سے کوئی دعوائے ثابت نہیں ہوگا۔ یعنی محدود فی القذف کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح تو منعقد ہو جائے گا لیکن قاضی اس کی گواہی کو قبول نہیں کرے گا۔

وَإِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ عَبْدَيْنِ
كَعَرِيٍّ جَزْءٌ

(بخاری)

اور احناف یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر دو غلاموں کی موجودگی میں نکاح کیا تو جائز نہیں ہے۔

امام بخاری نے دوسرا اعتراض یہ کیا کہ حنفی محدود فی القذف کی موجودگی میں نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن دو غلاموں کی موجودگی میں جو نکاح ہو اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ محدود فی القذف کی موجودگی میں جو نکاح ہو وہ اس لیے جائز ہے کہ محدود فی القذف گواہ بننے کا اہل ہے اور نکاح کے صحیح ہونے کے لیے دو گواہوں کا ہونا نص سے ثابت ہے۔ نیز دو گواہوں کی موجودگی کا مقصد شہرت نکاح ہے یعنی محلہ والوں یا بستی والوں میں یہ مشہور ہو جائے کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں اور یہ بات گواہ عادل ہوں یا غیر عادل دونوں سے حاصل ہو جاتی ہے۔ برخلاف غلام کے وہ ولایت

اہل ہی نہیں ہے یعنی اس کو تو اپنی ذات پر بھی ولایت حاصل نہیں ہے تو دوسروں پر کیسے حاصل ہوگی؟ اور ضابطہ یہ ہے کہ جس کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے تو اس کے حضور میں عقد نکاح منعقد ہوگا۔ گناہ اور جس کو اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں اس کے حضور میں نکاح منعقد نہ ہوگا۔ چنانچہ دو غلاموں دو نابالغ بچوں یا دو مجنونوں کی موجودگی میں نکاح کیا تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔ فاین المتناقض؟

وَأَجَابَ بِشَهَادَةِ الْمَحْدُودِ وَالْعَبْدِ
وَالْأَمَةِ لِرُبْعِيَّةٍ هَلَالٍ وَمَصْنَانِ

امام بخاری فرماتے ہیں کہ احناف محدوفی القذف غلام اور لونڈی کی گواہی کو حنفی قبول کر لیتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ مطلع صاف نہ ہوئے کی صورت میں صرف ایک شخص کی خبر کافی ہے۔ اشد کہنا بھی ضروری نہیں ہے۔ لہذا مذکورہ بالا افراد خبر دے سکتے ہیں۔ احناف خبر کو قبول کرتے ہیں اور خبر شہادت نہیں ہوتی۔

وَكَيْفَ تَعْرِفَ تَوْبَتَهُ (بخاری) | اور قاذف کی توبہ کا علم کیسے ہوگا؟

امام بخاری فرماتے ہیں کہ قاذف کی توبہ کا علم کیسے ہوگا؟ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اس لیے امام بخاری نے حکم کا ذکر نہیں کیا۔ بہر حال اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء اور امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قاذف کا زبان سے اپنی تکذیب کرنا شرط ہے۔ حضرت فاروقی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی منقول ہے۔ اور بعض کا مختار یہ ہے کہ قاذف کی توبہ کے ظہور کے لیے اس کا اپنی ذات کو جھٹلانا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ قاذف نفس الامر میں صادق ہو لہذا قاذف کا نیک ہو جانا اور امور خیر میں حصہ لینا اس کی توبہ کے ظہور کے لیے کافی ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کا میلان اسی طرف ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زانی کو ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا تھا۔

وَقَدْ لَفِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّانِي سَنَةً (بخاری)

اسی طرح آپ نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں سے گفتگو کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ یہاں تک کہ پچاس دن گزر گئے۔

وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَلَامِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَصَاحِبَيْهِ حَتَّى مَضَى خَمْسُونَ لَيْلَةً (بخاری)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے زانی کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا تھا تاکہ اس عرصہ

میں وہ اپنی حالت کو سدھار لے اور پارسا بن جائے۔ اسی طرح کعب بن مالک اور ان کے ساتھیوں سے (جو غزوہ تبوک کے موقع پر کوتاہی ہوئی تھی اس کی وجہ سے آپ نے) صحابہ کرام کو ان سے بات چیت کرنے سے روک دیا تھا۔ حتیٰ کہ پچاس دن گزر گئے۔ لیکن یہ منقول نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کو اپنی ذات کی تکذیب کا حکم دیا ہو جس سے واضح ہوا کہ تکذیب نفس ضروری نہیں ہے۔

۶۲- حضرت عذہ بن زبیر سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایک خاتون نے چوری کی۔ پھر انہیں بحضور نبوی پیش کیا گیا۔

ثبوت مجرم کے بعد حضور کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹنا
گیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ پھر اس خاتون نے
اچھی توبہ کی اور شادی کر لی۔ اس کے بعد وہ عورت
میرے پاس آتی تھی اور میں اس کی حاجت بحضور نبوی پیش کر دیا کرتی تھی۔

ثبوتِ مجرم کے بعد حضور کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ پھر اس خاتون نے اچھی توبہ کی اور شادی کر لی۔ اس کے بعد وہ عورت میرے پاس آتی تھی اور میں اس کی حاجت بحضورِ نبوی پیش کر دیا کرتی تھی۔

۱۔ تَحَسَّنَتْ تَوْبَتُهَا کے الفاظ عنوان کے مناسب ہیں ۲۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے حدیث کے مذکورہ بالا جملوں سے یہ استدلال کیا جب چوراہی توہ کر لے تو اس کی گواہی مقبول ہے۔ امام بخاری نے قاذف کو سارق کے ساتھ لاحق کر کے یہ نتیجہ نکالا۔ کیونکہ ان کے خیال میں قاذف اور سارق دونوں میں فرق نہیں ہے ۳۔ لیکن سیدنا امام محمد علیہ الرحمۃ امام بخاری کے استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ چور جب توہ کر لے تو اس کی گواہی کے مقبول ہونے میں علماء کا اجماع ہے۔ امام اوزاعی اور حسن بن صالح کہتے ہیں کہ محدود فی الخمر اگر توہ کر لے تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ لیکن تمام فقہاء اصحاب کہتے ہیں کہ محدود فی الخمر جب توہ کر لے تو اس کی گواہی مقبول ہے ۴۔ چوری کرنے والی خاتون کا نام فاطمہ بنت اسد تھا ۵۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حکم مرقبہ میں عورت مرد کی طرح ہے یعنی چور خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کی حد قطعید ہے ۶۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ سارق جب توہ کر لے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ (عینی ج ۱۳ ص ۳۰۹)

۲۷۷۳۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ حَالِدٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَمَرَ بِمَنْ رَأَى وَلَمْ يُحْصَنْ بِجِلْدٍ مَاءً وَتَغْرِيبٍ عَامٍ

زید ابن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق جس نے زنا کیا اور وہ شادی شدہ نہ تھا حکم دیا کہ اس کو سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے ملک بدر کیا جائے۔

فوائد و مسائل | ۱۔ اس حدیث کو امام مسلم نے حدود میں ذکر کیا ہے ۲۔ عنوان سے مناسبت اس

۲۷۷۳۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ حَالِدٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَمَرَ بِمَنْ رَأَى وَلَمْ يُحْصَنْ بِجِلْدٍ مَاءً وَتَغْرِيبٍ عَامٍ

زید ابن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق جس نے زنا کیا اور وہ شادی شدہ نہ تھا حکم دیا کہ اس کو سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے ملک بدر کیا جائے۔

فوائد و مسائل | ۱۔ اس حدیث کو امام مسلم نے حدود میں ذکر کیا ہے ۲۔ عنوان سے مناسبت اس

فوائد و مسائل | ۱۔ اس حدیث کو امام مسلم نے حدود میں ذکر کیا ہے ۲۔ عنوان سے مناسبت اس

حدیث کی یہ ہے کہ حضور نے جس شخص کو زنا کے جرم میں حد لگانے کا حکم دیا اس میں توبہ کا ذکر نہیں ہے۔
۳۔ امام مالک، احمد اور امام شافعی علیہم الرحمۃ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا۔ زانی غیر محصن کی حد

غیر محصن کی حد صرف سو کوڑے ہیں جلا وطنی حد کا جز نہیں ہے سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلا وطنی

ہے لیکن احناف متعدد وجوہ سے اس استدلال کو صحیح نہیں قرار دیتے۔ اول یہ کہ قرآن نے غیر محصن زانی کی سزا ہائے جلدۃً صرف تسو کوڑے مقرر کی ہے اور قرآن کا حکم قطعی ہے۔ حدیث میں جو جلا وطنی کا ذکر ہے۔ یہ خبر واحد مدنی ہے اور خبر واحد سے قرآن پر زیادتی درست نہیں ہے کیونکہ اگر جلا وطنی کو حد کا جز قرار دیا جائے تو قرآن کا نسخ لازم آئے گا اور خبر واحد مدنی سے قرآن کے حکم قطعی کا نسخ جائز نہیں۔ دوم۔ حدیث میں جلا وطنی کا جو ذکر ہے وہ منسوخ ہے۔ ابتداء اسلام میں اس حدیث پر عمل ہوتا تھا۔ جب آیت نازل ہوئی تو جلا وطنی کا حکم منسوخ ہو گیا۔ سوم حدیث میں جلا وطنی کا حکم میاستہ تھا کہ حاکم اگر مناسب خیال کرے تو زانی کو جلا وطن بھی کر دے تاکہ اس شخص سے لوگ محفوظ ہو جائیں مگر تجربہ نے یہ بتایا کہ جلا وطنی میں فتنہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی اس کو فتنہ قرار دیا اور حضرت عمرؓ نے بھی۔ اور مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے امیہ بن خلف کو نیر میں جلا وطن کر دیا تو وہ ہر قتل سے مل کر نصرانی ہو گیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم اب میں کسی کو جلا وطن نہیں کروں گا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر جلا وطنی حد کا جز ہوتی تو حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کبھی اس کے ترک کرنے کی قسم نہ کھاتے معلوم ہوا کہ حدیث میں جلا وطنی کا حکم حد کا جز نہیں ہے بلکہ جلا وطنی کا حکم بطور تعزیر و سیاست ہے۔

بَابُ لَا يَشْهَدُ عَلَى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا اسْتُهِدَّ

باب جب کسی کو گواہ بنایا جائے تو وہ ناحق بات پر گواہی نہ دے

۴۴۷۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث نھان ذکر کی ہے جو کتاب الہبہ میں ذکر ہو چکی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حق کے خلاف معاملہ پر گواہ نہ بناؤ۔ میں حق کے خلاف گواہی نہیں دوں گا۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جب یہ معلوم ہو کہ فلاں بات حق کے خلاف ہے تو اس معاملہ کا گواہ بننا یا حق کے خلاف گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ اس حدیث کے احکام و مسائل کتاب الہبہ حدیث نمبر ۲۴۱۵ کے تحت بیان کر دیے ہیں ضرور مطالعہ کیجئے ۲۔ جوہر کے معنی ظلم اور حق سے روگردانی کے ہیں۔

جھوٹی شہادت کو قرآن نے بُت پوجنے کے برابر ٹھہرایا ہے واضح ہو کہ جھوٹی شہادت دینے

والے کے لیے قرآن مجید میں سخت و شدید وعیدیں آئی ہیں۔ قرآن مجید میں اسے بُت پرستوں کے برابر شمار فرمایا۔ سورہ آیت نمبر - اور حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ عدلت شہادۃ الزور الا مشارک باللہ جھوٹی گواہی خدا کے ساتھ شریک کرنے کے برابر کی گئی۔ جھوٹی گواہی خدا کے لیے شریک بنانے کے ہمسہم ثمراتی گئی۔ جھوٹی گواہی خدا کا شریک ماننے کے ساتھ کی گئی (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الا انبئکم باکبر الکبائر قول الزور او قال شہادۃ الزور۔ کیا میں تمہیں ترستاؤں کہ سب کبیرہ گناہوں سے بڑا کونسا گناہ ہے۔ بناوٹ کی بات یا جھوٹی گواہی (مسلم و بخاری) نیز فرمایا۔ کنن تنزل قدماء شاهد الزور حتی یوجب اللہ لہ النار۔ جھوٹی گواہی دینے والا اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالیٰ اس لیے جہنم واجب کر دیتا ہے (ابن ماجہ و حاکم)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے پھر وہ لوگ جو اس کے بعد آئیں گے۔ عمران نے بیان کیا کہ مجھے یقین نہیں کہ آپ نے دو قرون (زمانوں) کے ذکر کے بعد فرمایا تھا یا تین قرون کے ذکر کے بعد، آپ نے فرمایا کہ تمہارے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو نیابت کریں گے اور ان پر اعتماد نہ کیا جائیگا۔ ان سے گواہی دینے کے لیے ہمیں کہا جائے

۲۴۵۔ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ قُرْبِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَا أَدْرِي أَذْكَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ قُرْبَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَبْخُلُونَ وَلَا يُؤْمِنُونَ وَلَا يَشْهَدُونَ وَيَنْدَرُونَ وَلَا يَفُونَ وَيُظْهِرُ فِيهِمُ السَّمَنُ (بخاری)

گالیگن وہ گواہیاں دیتے پھر گئے۔ نذریں مانیں گے لیکن پوری نہ کریں گے اور ان میں عیش و کوشی کا دور دورہ ہوگا۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے بہتر میرے قرن کے لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے اور اس کے بعد ایسے لوگوں کا زمانہ آئیگا جن کی زبان سے لغظ و شہادت قسم سے پہلے نکل جائیگا اور قسم شہادت سے پہلے ابراہیم

۲۴۶۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ قُرْبِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدٍ حُرْمَتَهُ بَيْنَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتُهُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ وَكَانُوا يَصِيرُ بَوْنًا عَلَى الشَّهَادَةِ

وَالْعَهْدِ (ہمنخاری)

وَالْعَهْدِ (ہمناری) ۱! رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارے بزرگ شہادت اور عہد کا لفظ زبان سے نکلنے پر ہمیں مارتے تھے (تاکہ ہمیں بلا وقہر کھانے کی عادت نہ بیٹھا جائے۔

۱۔ حدیث نمبر ۷۴۷۷ کو امام بخاری نے کتاب الایمان، فضل صحابہ۔ مسلم نے فضائل اور نسائی نے مذہور میں ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن الانباری نے فرمایا۔ مطلب

حدیث یہ ہے کہ سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں۔ علامہ خطابی نے فرمایا قرنی سے صحابہ مراد ہیں ۲۔ حدیث نمبر ۶۶۲۴ کو امام بخاری نے فضائل مذکور، رقاقت۔ مسلم نے فضائل۔ ترمذی نے حقائق۔ نسائی نے مشروط و قضا اور ابن ماجہ نے احکام میں ذکر کیا ہے ۳۔ مطلب حدیث یہ ہے کہ ایمان و ايقان، خلوص و لہیت، امانت و دیانت، علم و عمل اور سیرت و کردار کی پاکیزگی کے لحاظ سے بہتر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگ یعنی صحابہ کرام ہیں۔ اس کے بعد تابعی، اس کے بعد تبع تابعی۔ اس کے بعد جو لوگ آئیں گے امانت و دیانت میں ان کی کیفیت یہ نہ ہوگی جیسا کہ حدیث زیر بحث میں بیان فرمایا گیا ہے ۴۔ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ الخ کا معنی یہ ہے کہ وہ گواہی کے معاملہ میں بڑی بے احتیاطی کریں گے۔ جھوٹی سچی ہر طرح کی گواہی دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے حتیٰ کہ بولنا چاہیں گے لفظ شہادت اور زبان سے نکل جائے گی قسم۔ اسی طرح قسم کھانی چاہیں گے اور زبان سے نکلے گا لفظ شہادت

بَابُ مَا قِيلَ فِي شَهَادَةِ الزَّوْرِ

باب جھوٹی گواہی کے متعلق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد — جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں

دیتے اور شہادت کو چھپانا — اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔ تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے

گاتواندرے اس کا دل گنہگار ہوگا اور اللہ

تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالَّذِينَ لَا

يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَكِتَابَ الشَّهَادَةِ

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا

فَإِنَّهُ أَشْمَقُ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا

تَعْمَلُونَ عَلَيْهِمُ تَلَوُّوْا السِّتْرَ كُمْ

بِالشَّهَادَةِ

قائد و مسائل | ۱۔ عنان دوہیں ایک جھوٹی گواہی جیسا کہ آیت میں بتایا گیا کہ جھوٹی گواہی نہ دینا محمود
مطلوب ہے۔ دوم شہادت کو چھینا نا۔ جیسا کہ آیت میں کتمان شہادت کو مذموم قرار

دیا گیا۔ اسی طرح شہادت میں مقدمہ کو خراب کرنے کے لیے الجھاؤ اور پیچیدگی پیدا کرنا یہ بھی کتمانِ شہادت

کے مترادف ہے، غرض کہ شہادت میں الجھڑی داکڑا شہادت کا حق نہ ادا کرنا ہی ہے ۲۔ امام بخاری

(بخاری)

۱۔ بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کو اتنی مزید دہرایا کہ ہم کہنے لگے (اپنے دل میں) کاش آپ خاموش ہو جاتے۔

فوائد و مسائل

۱۔ حدیث نمبر ۲۴۷۷ کو امام بخاری نے ادب اور دیات - امام مسلم نے ایمان - ترمذی نے بیوع اور تفسیر اور نسائی نے قصاص و قصاص اور تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حدیث نمبر ۲۴۷۸ کو امام بخاری نے استیابۃ المرتدین - مسلم نے ایمان - ترمذی نے بر شہادات اور تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حدیث نمبر ۲۴۷۹ میں چند کبیرہ گناہوں کا بیان ہے۔ حدیث نمبر ۲۴۸۰ میں چار کا ذکر ہے۔ شرک، والدین کی نافرمانی، جھوٹی گواہی، قتل ناحق اور حدیث نمبر ۲۴۸۱ میں شرک باللہ، عقوق والدین اور قول زور کا ذکر ہے۔ مذکورہ احادیث میں جن گناہوں کو کبیرہ فرمایا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بس صرف یہی گناہ کبیرہ ہیں کیونکہ ایک عدد کا ذکر دوسرے کے ذکر کا منافی نہیں ہوتا۔ چنانچہ احادیث مسلم کا مضمون یہ ہے

گناہ کبیرہ

نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو۔ مومن کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سے سات گناہ ہیں۔ فرمایا کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا، جادو کرنا، ناحق قتل کرنا اور تم کمال کھانا، سود کھانا، بہاد سے بھاگنا اور پاک دامن خواتین پر بدکاری کی تہمت لگانا۔ نیز فرمایا۔ والدین کی نافرمانی، جھوٹ بولنا یا جھوٹی گواہی دینا۔ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا، اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے گی۔ والدین کو گالی دینا اور وہ اس طرح کہ جب تم کسی کے والدین کو گالی دو گے تو وہ تمہارے ماں باپ کو گالی دے گا۔ (خلاصہ احادیث مسلم) گناہ کبیرہ سے بچنا ہر مسلمان کے لیے لازم و واجب ہے اور اگر شامت نفس سے گناہ ہو گیا ہے تو نادم ہو اور خلوص قلب سے توبہ کرے اور آئندہ کے لیے اس سے بچنے کا عہد کرے۔

۲۴۷۹۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَقَدْ أَذْكَرَ فِي كَذَلِكَ آيَةً اسْقَطْتُمْ عَنْ مَنْ سُوِّقَ كَذَا وَكَذَا وَذَا عَبْدًا بِنُ عَيْدٍ اللَّهُ عَنْ عَائِشَةَ تَهَجَّدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِي فَسَمِعْتُ صَوْتَ عَبْدًا لَيَمْلِكُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ أَصَوْتُ عَبْدًا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن مجید پڑھتے سنا تو فرمایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، مجھے انہوں نے فلاں اور فلاں آیتیں یاد دلادیں جو میرے ذہن سے اتر گئی تھیں۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ زیادت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس گھر میں تہجد کی نماز پڑھی اس وقت آپ نے عبد اللہ رضی اللہ

هَذَا قُلْتُ نَسَمُ قَالَ اللَّهُمَّ ارْحَمْ عِبَادًا | عنہ کی آواز سنی کہ وہ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں آپ نے پوچھا عا کثہ! کیا یہ عباد کی آواز ہے۔ میں نے کہا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ اے اللہ! عباد پر رحم فرما (بخاری) اس حدیث کی عنوان سے مطابقت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عباد کی آواز پر اعتماد فرمایا اور ان کی آواز سن کر ان کو پہچان لیا۔

حضرت عباد | اس حدیث میں عباد سے عباد بن بشر الانصاری الاشجلی مراد ہیں۔ یہ بدری ہیں۔ یہ بھی صحابی ہیں کہ جب رات گئے حضور علیہ السلام کی مجلس سے اپنے گھر روانہ ہوئے تو ان کی لالچی بجلی کی طرح روشن ہو جاتی تھی اور اندھیری رات میں اپنی لالچی کی روشنی میں اپنے گھر پہنچ جاتے تھے۔ حدیث مذکورہ میں اسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُورَةٍ كَذَا كَذَا کا معنی (نَسِيْتُهُنَّ) ہے۔ یعنی نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ عباد بن بشر کی تلاوت سے مجھے قرآن مجید کی آیت جو میرے ذہن سے اتر گئی تھی اس کا حضور ہو گیا۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے اس موقع پر لکھا ہے کہ فیہ جواز النسيان على النبي صلى الله عليه وسلم وَنِسَاكُمُ وَإِنَّمَا قَدْ بَلَغَهُ الْإِلَافَةُ کہ حضور کا کسی ایسی آیت قرآن کا جھول جانا جائز ہے جس کی تبلیغ آپ نے امت کو کر دی ہو۔

ایسا جوتنا خدا کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کریم کی ذات کے مشاہدہ میں مستغرق ہونے کی وجہ سے ڈھول ہو جائے مگر اس ڈھول میں بھی قیام و دوام نہیں جوتا تھا۔ ذہن سے عارضی طور پر کسی بات کا اتر جانا، شان نبوت کے منافی نہیں ہے۔ یہی توفیق ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں اور حضور کے علم میں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی غیر متناہی ابدی و ازلی ہے اور نبی علیہ السلام کا علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ تمنا ہی ہے ابدی ازلی نہیں ہے اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھول ممکن ہے۔ خداوند قدوس کے علم میں توفیق ان ڈھول کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا۔

۲۴۸۰ - عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ السَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بِلَادًا يُؤَدُّنَ بِلِيلٍ فَيَكُونُوا شَرِبُوا حَتَّى يُؤَدُّنَ أَوْ قَالَ حَتَّى تَسْمَعُوا أَذَانَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ وَكَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ رَجُلًا أَعْنَى لَا يُؤَدُّنَ حَتَّى يَقُولَ لَهُ النَّاسُ أَصْبَحْتَ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلال رضی اللہ عنہ رات میں اذان دیتے ہیں۔ اس لیے تم لوگ کھاپی سکتے ہو رمضان میں، (سحری) تا آنکہ (فجر) کے لیے دوسری اذان دی جائے۔ یا یہ فرمایا کہ تا آنکہ عبداللہ بن مکتوم کی اذان سنو۔ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے اور جب تک ان سے کہا نہ جاتا کہ صبح ہو گئی ہے وہ اذان نہیں دیتے تھے۔

(بخاری)

اس حدیث کی عثمان سے مطابقت یہ ہے کہ صحابہ کرام نابینا کی آواز پر اعتماد کرتے تھے۔

۲۴۸۱- سوربن مخزومی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں چند قبائیں آئیں تو مجھ سے میرے والد مخزوم نے کہا۔ میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو، ممکن ہے آپ ان میں کوئی مجھے بھی عنایت فرمائیں۔ میرے والد (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچ کر) دروازے پر کھڑے ہو گئے اور باتیں کرنے لگے اور فرمایا کہ میں نے یہ تمہارے صرف تمہارے لیے (بخاری)

اس حدیث کی عثمان سے مطابقت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مخزوم کی ذات کو دیکھ کر بغیر ان کی آواز پر اعتماد فرمایا۔

بَابُ شَهَادَةِ الْأَعْيٰی

باب نابینا کی گواہی کے متعلق

(تصرفات ہیں) اس کا حکم، اس کا نکاح کرنا، دوسرے کسی کا نکاح کرنا، اس کی غریبہ و فروخت، اس کی اذان وغیرہ اور اس کی طرف سے وہ تمام امور جو آواز سے سمجھ جاسکتے ہوں کو قبول کرنا، قاسم، حسن، ابن سیرین، زہری اور عمار نے بھی نابینا کی گواہی کی اجازت دی ہے۔ شیخی نے فرمایا ہے کہ اگر وہ ذہین اور سمجھ دار ہے تو اس کی گواہی جائز ہے۔ حکم نے فرمایا کہ بہت سی چیزوں میں اس کی شہادت جائز ہو سکتی ہے زہری نے فرمایا۔ اچھا بتاؤ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کسی معاملہ میں شہادت دیں تو تم اسے رد کر سکتے ہو۔ حضرت ابن عباس (جب نابینا ہو گئے تھے تو) سورج غروب ہونے کے وقت ایک شخص کو بھیجتے تھے تاکہ آبادی سے باہر جا کر دیکھ آئیں کہ سورج پوری طرح غروب ہو گیا یا نہیں اور جب وہ اگر غروب ہونے کی اطلاع دیتے تو آپ افطار کرتے تھے۔ اسی طرح آپ طلوع فجر کے متعلق دریافت فرماتے اور جب

وَأَمْرِهِمْ وَنِكَاحِهِ وَإِنْكَاحِهِ وَمَبَايَعَتِهِمْ وَقَبُولِهِ فِي التَّأْذِينَ وَغَيْرِهِمْ وَمَا يُعْرِضُ بِالْأَصْوَاتِ وَأَجَازَ شَهَادَتَهُ قَاسِمٌ وَالْحَسَنُ وَابْنُ سِيرِينَ وَالزُّهْرِيُّ وَعَطَاءٌ وَقَالَ الشَّعْبِيُّ تَجُوزُ شَهَادَتُهُ إِذَا كَانَ عَاقِلًا وَقَالَ الْحَكَمُ رَبِّ مَتَى تَجُوزُ فِيهِ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ أَرَأَيْتَ ابْنَ عَبَّاسٍ لَوْ شَهِدَ عَلَى شَهَادَةٍ أَكُنْتُ تَرَدُّهُ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَبْعَثُ رَجُلًا إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ أَقْطَرُ وَيَسْأَلُ عَنِ الْمُحْبَرِ فَإِذَا قِيلَ لَهُ طَلَعَ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ وَقَالَ سُلَيْمَانُ ابْنُ يَسَارٍ اسْتَأْذَنْتُ عَلَى عَالِشَةَ فَعَرَفْتُ صَوْتِي قَالَتْ سُلَيْمَانُ ادْخُلْ فَإِنَّكَ مَمْلُوكٌ مَا بَقِيَ عَلَيْكَ شَيْءٌ وَ أَجَازَ سَمُرَةُ بْنُ جَنْدَبٍ شَهَادَةَ أَمْرَأَةٍ مُنْقَبِحَةٍ

آپ سے کہا جاتا کہ ہاں فجر طلوع ہو گئی ہے تو دو رکعت (سنت فجر) نماز پڑھتے تھے۔ سلیمان بن یسار رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری کے لیے میں نے اس سے اجازت چاہی تو انہوں نے میری آواز پہچان لی اور فرمایا۔ سلیمان اندر آ جاؤ، کیونکہ تم غلام ہو، جب تک تم پر (مال کی کتابت میں سے) کچھ باقی نہ جا ہیگا۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے نقاب پوش عورت کی شہادت جائز قرار دی تھی۔

ناہینا کی شہادت کے جواز و عدم جواز کی بحث | سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے ماتحت آثار و احادیث ذکر کر کے ان سے یہ

استدلال فرمایا ہے کہ ناہینا کی گواہی جائز اور درست ہے۔ ان کے استدلال کی تقریر اور اوصاف کی طرف سے جواب کی کیفیت یہ ہے۔ ۱۔ حضرت عبداللہ ابن مکتوم اس وقت اذان دیتے تھے۔ جب کہ لوگ ان کو خبر دیتے کہ صبح ہو گئی ہے تو وہ صبح کی معرفت لوگوں کے قول سے حاصل کرتے تھے کیونکہ وہ ناہینا ہو گئے تھے تو ابن مکتوم کی تاؤین اس امر کی شہادت تھی کہ صبح ہو گئی ہے جسے حضور علیہ السلام نے اور صحابہ نے قبول فرمایا۔ لیکن ابن مکتوم کی اذان کو شہادت قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق اخبار سے ہے شہادۃ متنازعہ سے نہیں اور یہ کوئی ضابطہ نہیں ہے کہ جس کی خبر کو قبول کیا جائے اس کی شہادت کو بھی قبول کیا جائے علاوہ ازیں خبر اور شہادت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اول شہادۃ کی بنیاد مشاہدہ پر ہے دوم شہادت باہب الزام سے ہے۔ سوم شہادۃ کے لیے یہ شرط ہے کہ عدالت قاضی میں دی جائے چہلرم شہادۃ کی بنیاد پر قاضی فیصلہ دینا ہے پنجم شہادۃ میں لفظ اشهد کہنا ضروری ہے لیکن خبر کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ فلما ظهر الفرق بینہما بطل القول یکون التاؤین شہادۃ و قیاس غیرہ علیہ فاخفہم

۲۔ حدیث عبداللہ بن عمر و حدیث مسور بن مخرمہ سے امام بخاری کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عباد کو اور ام المؤمنین حضرت عائشہ نے سلیمان بن یسار کو آنکھوں سے دیکھے بغیر صرف ان کی آواز سے پہچان لیا تو اسی طرح ناہینا کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آواز سے پہچان لے اور شہادت دے لیکن یہ استدلال بہت ہی کمزور ہے۔ یہ تو درست ہے کہ کسی کی آواز سن کر اس کو پہچان لیا جائے لیکن ہر معرفت شہادت کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ شہادت کے لیے مشاہدہ آنکھوں سے دیکھنا شرط ہے۔ ۳۔ نیز روایت ابن عباس میں اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ سنی بولی بات کی شہادت دینا جائز ہے۔ روایت ابن عباس سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہو رہی ہے وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ناہینا کو دیانات میں خبر واحدہ پر اعتقاد کرنا جائز ہے ولا نزاع فیہ۔ ۴۔ ناہینا کا نکاح کرنے سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ ناہینا جس عورت سے نکاح کر رہا ہے اس کو دیکھتا نہیں صرف آواز سے اس کو پہچانتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آواز کو شریعت نے قائم مقام

شہادت مانا ہے اور اس عورت کا نابینا کے لیے حلال ہو جانا حقوق میں شہادت سے اعظم ہے لیکن یہ استدلال بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ نابینا کا نکاح کرنے کا تعلق صرف اس کی ذات کے ساتھ متعلق ہے بغیر کہ اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ۵۔ اسی طرح زمہری کا یہ کہنا کہ (اگر حضرت ابن عباس کسی معاملہ میں گواہی دیں تو اس کو رد کر دو گے؟) سے نابینا کی شہادت کے براء کا استدلال بھی بہت عجیب و غریب ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ شاہد اگر عالم فاضل متقی اور فقیہ ہو تو اس کی شہادت ضرور قبول کی جائے۔ اگر حضرت ابن عباس یا کوئی نہایت ہی متقی عالم فاضل شخص اپنے والد یا بیٹے کے حق میں شہادت دے تو قبول کی جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ ۶۔ حضرت سمر بن جندب کا نقاب پوش عورت کی شہادت کو جائز قرار دینے سے براء کا استدلال بھی مخدوش ہے کیونکہ تلویح میں ہے کہ ابو عبد اللہ بن مندہ کے کتاب الصعابہ میں روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نقاب پوش عورت نے بات کی تو آپ نے فرمایا۔ اسفری خان الاسفار من الایمان (یعنی ج ۱۳ ص ۲۲۰)

۶۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۔ نابینا آواز کو پہچانتا اور سنتا ہے تو اس کو صرف قول کی معرفت حاصل ہوتی ہے قائل کی نہیں اور شہادت میں قول کی معرفت کے ساتھ قائل کا مشاہدہ بھی ضروری ہے۔ نیز شہادت میں مجرد سماع کافی نہیں بلکہ سماع من الخصم ضروری ہے اور خصم کا خصم قرار پانا رویت و مشاہدہ سے ہوتا ہے لہذا نابینا کی شہادت مقبول نہیں ہوگی۔ مزید یہ کہ آواز کے مشاہدہ سے ہوتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ صورت بھی صورت کے مشاہدہ سے ہوتی ہے تو اول تو یہ نادر ہے اور بالفرض اگر شاہد کو مشاہدہ میں اشتباہ ہو جائے اور وہ یہ کہے کہ مجھے شک ہو گیا ہے کہ قائل یہی شخص تھا تو ایسی صورت میں شہادت مقبول نہ ہوگی نیز شہادت میں غلبہ ظن کافی نہیں بلکہ یقین ہونا چاہیے اور آواز کے سننے سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب تیرے ج کی طرح کسی چیز کو دیکھو تو شہادت دو۔ معلوم ہوا کہ اپنے مشاہدہ میں شک ہو تو ایسی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ ۷۔ البتہ بعض امور ایسے ہیں جن میں سماعی شہادت مقبول ہے جیسے نکاح، موت، نسب وغیرہ کی شہادت تسامع کی بنا پر دینی جائز ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فیوض پارہ دہم ص ۱۹۳

۸۔ الغرض احناف کا مذہب یہ ہے کہ نابینا کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی خواہ وہ تحمل شہادت کے وقت نابینا ہو یا ادا۔ اور قضا کے وقت نابینا ہو گیا ہو۔ قرآن مجید میں فرمایا۔ **وَأَسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ** اور گواہ کرلو اپنے مردوں میں سے دو ادا اور ظاہر ہے کہ شہادت، استشہاد، شہید مشاہدہ سے ماخوذ ہے اور نابینا کسی

چیز کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے شہادت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کیا تو سورج کو دیکھتا ہے۔ اس نے عرض کی ہاں فرمایا سورج کی طرح کسی چیز کو دیکھے تو شہادت دودرنہ نہیں (آخر حجہ المحاکمہ فی مستدرک وصحیحہ زیلعی ص ۲۱) اور امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ نابینا کی شہادت میں اختلاف ہے۔ یہنا امام اعظم ابوحنیفہ و محمد نے فرمایا۔ اندھے کی شہادت جائز نہیں نیز حضرت علی، حضرت حسن اور سعید بن جبیر اور امام نخعی نے فرمایا۔ لا تجوز شہادۃ الاعیٰ بحال اور حضرت یاس بن معاویہ کے سامنے نابینا کی گواہی آئی تو آپ نے فرمایا۔ لا ترد شہادتک ان لا تکن عدلا ولکنک اعیٰ لا تبصر هو قال فلم یقبلھا (احکام القرآن جلد ۱ ص ۲۹ و ص ۵۹)

باب شہادۃ النِّسَاءِ

باب عورتوں کی شہادت

وَقَوْلِهِ تَعَالَى فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ
فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ پیش کرو)

قواعد و مسائل

۱۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا آیت اس امر کے ثبوت میں ذکر کی ہے کہ عورتوں کی مردوں کے ساتھ شہادت جائز ہے ۲۔ علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ نے حضرت ابن بطال کے حوالے سے لکھا ہے کہ اکثر علماء (جن میں ابن المہیب، نخعی، حسن زہری، ربیعہ، امام مالک، لیث، امام شافعی، امام احمد، ابوثور اور علماء کوفہ بھی شامل ہیں) کا اجماع ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ۳۔ نکاح، طلاق، عتق، نسب اور ولار کے متعلق علماء کوفہ کے ہاں عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ جائز ہے لیکن حضرت ربیعہ، امام مالک، امام شافعی اور ابوثور کا مذہب یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور میں عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے ہم علماء کوفہ یعنی احناف کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ حیثیت و ولادت، بوقت ولادت بچے کے رونے کی آواز آنا اور عورتوں کے وہ امور جن پر مرد و اطلاع نہ پاسکیں تنہا عورتوں کی گواہی جائز ہے۔ ۵۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی سے امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی سے اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک صرف دو دھ پلانے والی عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ جس گواہی سے مال ثابت ہوتا ہے اسی سے رضاعت بھی ثابت ہوگی یعنی جیسے مال کے ثبوت کے لیے دو مرد یا ایک مرد و دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے اسی طرح رضاعت بھی دو مردوں یا ایک مرد و دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہوگی۔ تنہا عورتوں کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہوگی (یعنی ج ۳ ص ۲۲)

۲۲۸۲ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ نَصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَذَلِكَ مِنْ تَعَصُّنِ عَقْلِهَا (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا عورت کی گواہی، مرد کی گواہی کے آدھے کے برابر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں آپ نے فرمایا کہ یہی تو ان کی عقل کا نقصان ہے۔

عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف ہے

۱۔ اس حدیث کو امام بخاری نے حصص، صوم، طہارۃ، زکوٰۃ، عیدین اور شہادۃ میں ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے ایمان، نسائی نے صلاۃ اور ابن ماجہ نے دیت سے روایت کیا ہے۔ نیز حاکم، امام ذہبی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ ۲۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرما دی کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے نصف ہے اور قرآن مجید سے بھی یہی واضح و ثابت ہے ۳۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حدیث حکماً متواتر ہے اور اس حدیث کے مشور ہونے میں تو کلام نہیں۔ اس مسئلہ میں مغربہ خواتین بہت شور مچاتی ہیں۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف ہے۔ مولوی نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے فرار دی ہے۔

نوٹ :- نصاب شہادت کے متعلق مفصل گفتگو کتاب الشہادۃ کے ۱۶۹ میں ہو چکی ہے

باب شَهَادَةُ الْعَبْدِ وَالْعَبِيدِ

باب باندیوں اور غلاموں کی گواہی

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلام اگر نیک و عاقل ہے تو اس کی شہادت جائز ہے۔ شریح اور زرارہ بن اوفیٰ نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ اس کی شہادت جائز ہے۔ سوا اس صورت کے جب غلام اپنے مالک کے حق میں گواہی دے کہ اس میں مالک کی طرف فساد کا خطرہ ہے، حسن اور ابراہیم نے معمولی چیزوں میں غلام کی گواہی کی اجازت دی ہے

وَقَالَ أَنَسٌ شَهَادَةُ الْعَبْدِ جَائِزَةٌ إِذَا كَانَ عَدْلًا وَاجَّازَهُ شَرِيحٌ وَ زُرَّارَةُ بْنُ أَوْفَى وَقَالَ ابْنُ مَسْبُورٍ شَهَادَةُ جَائِزَةٌ إِلَّا الْعَبْدَ لِسَيِّدِهِ وَاجَّازَهُ الْحَسَنُ وَابْرَاهِيمُ فِي الشَّيْءِ التَّائِبَةِ وَقَالَ شَرِيحٌ مُلْكُكُمْ بَنُو عِبِيدٍ وَ إِمَاءٌ

شریح نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک غلام اور نوٹہ کی شہادت مطلقاً مقبول نہیں ہے۔ امام احمد و اسحق اور ابی ثور معمولی باتوں

میں غلام کی شہادت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ قدوسی شریح، امام بخاری اور حسن کا بھی یہی موقف ہے۔

بَابُ شَهَادَةِ الْمَرْضِعَةِ

باب دودھ پلانے والی کی شہادت کے تعلق

۲۴۸۳ عقیدہ بن حارث نے بیان کیا کہ میں نے ایک خاتون سے شادی کی تھی۔ پھر ایک اور خاتون آئیں اور کہنے لگیں کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کیسے حالانکہ کہا گیا ہے۔ اس لیے تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ (بخاری)

۳۔ یہ حدیث مع تفہیم و ترجمانی کے اور اق سابقہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں

ایک عورت کے بیان سے رضاعت ثابت نہ ہوگی

ہم نے واضح کیا ہے کہ ایک عورت کے بیان سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ ملاحظہ کیجئے فیوض پارہ دہم ص ۲۱۳ حدیث نمبر ۲۴۶۴ (۴) یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب اس عورت نے دودھ پلانے کا اقرار کیا تو نبی علیہ السلام نے عقبہ کے مسئلہ پر چھپنے پر فرمایا۔ کَیْفَ بَانَ وَقَدْ قَبِلَ - رَغْهًا عِنْدَكَ - قَبِيلٌ مَجْمُولٌ کا صیغہ ہے جس سے اس عورت کے بیان کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے علیحدگی کا مشورہ بطور احتیاط تھا وجوب کے لیے نہ تھا ۵۔ نیز نبی علیہ السلام کا فرمانا کہ کیف وقد قبل سے یہ بھی واضح ہے کہ حضور نے اس عورت کے بیان کو شہادت نہیں قرار دیا۔ ورنہ آپ قد قبل کی جگہ شَہَدَتْ کے الفاظ استعمال فرماتے۔ ۶۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ فقہاء و ائمہ نے عورتوں کے وہ امور جن کو مردوں کے لیے دیکھنا جائز نہیں ہے۔ ان امور میں تنہا عورتوں بلکہ ایک عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ ان تمام فقہاء و ائمہ کرام نے ولادت، بکارت، حیض و نفاس اور بوقت ولادت بچہ کا رونا کی مثال تو دہی ہے مگر رضاعت کو بطور مثال کسی نے ذکر نہیں کیا۔ جس سے اس امر کو تقویت ملتی ہے کہ اگر ایک عورت کے بیان سے ان ائمہ کے نزدیک شرعاً رضاعت ثابت ہو جاتی تو کوئی تو رضاعت کو بطور مثال ذکر کرنا۔ فافہم۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عورت کی شہادت سے رضاعت کا ثابت ہونا تمام ائمہ کے نزدیک متفقہ نہیں ہے۔ صرف امام احمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک عورت کی شہادت سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت اور امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کی شہادت سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

علامہ بدر محمود عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ وَ اَخْتَلَفُوا فِي الرِّضَاعِ فَمِنْهُمْ مَنْ اَجَازَ شَهَادَتَهُنَّ مُنْفَرِدَاتٍ وَ مِنْهُمْ مَنْ اَجَازَهَا مَعَ الرِّجَالِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يُشْبِهُتْ لِشَهَادَةِ

أَرْكَبَ نِسْوَةً وَعِنْدَ مَالِكٍ بِأَمْرَاتَيْنِ وَعِنْدَ أَحْمَدَ بِمَرْصِيَةٍ فَقَطَّ عَيْنِي ط ۲۲۳
 ۵۔ نیز یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اگر کلام کے اس ارشاد (وَلَقَفُّوْا نِسَاءَهُنَّ تَحْجُوزُ شَهَادَتَهُنَّ مِنْكُمْ وَتَكُنَّ مِنْ عَوْرَاتِكُنَّ لِلزَّوَاجِ وَالنِّسَاءُ لِلزَّوْجِ) میں رضاعت کا مسئلہ شامل نہیں ہے۔ اسی لیے اس کے بعد علامہ عینی نے فرمایا۔ وَاخْتَلَفُوا فِي الرِّضَاعِ فافہم ۶۔ نیز مسئلہ رضاعت میں ایک عورت کا بیان کہ میں نے دودھ پلایا ہے ایک ہی واقعہ ہے جو مختلف طرق سے مروی ہے۔ معاملہ بھی صرف ایک ہی شخص عقبہ بن حارث کا ہے اور بخاری شریف کی حدیث ۲۴۸۲ میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ وہ عورت جس نے دودھ پلانا بیان کیا وہ لونڈی تھی۔ فَجَاءَتْ أُمِّةٌ مِّنْ سَوْدَاءَ۔ جب حضرت عقبہ نے بحضور نبوی اس واقعہ کو بیان کیا تو حضور علیہ السلام نے اعراض فرمایا۔ پھر انہوں نے دوبارہ عرض کیا تو حضور نے فرمایا وَكَيْفَ وَقَدْ زَعَمْتَ أَنْ قَدْ أَنْصَحْتُكُمْ الخ۔ حضور کا یہ ارشاد بھی اس امر کی طرف صاف اشارہ ہے کہ اس کالی لونڈی کا بیان محض بیان تھا۔ شہادت نہ تھی۔ اسی لیے اس بیان کے متعلق حضور نے فرمایا۔ قَدْ زَعَمْتَ۔ نیز حضور کا عقبہ کے معروضہ پر اعراض فرمانا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس کالی عورت کے بیان کو حضور نے بھی شہادت نہیں قرار دیا۔

بَابُ تَعْدِيلِ النِّسَاءِ بَعْضَهُنَّ بَعْضًا

باب عورتوں کا باہم ایک دوسرے کی عدالت بیان کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں جاتے کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جن کا حصہ نکلتا وہی آپ کے آپ کے ساتھ جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک غزوہ کے موقع پر، جس میں آپ بھی شرکت کر رہے تھے آپ نے قرعہ اندازی کی اور حمیرہ نکلا۔ اب میں آپ کے ساتھ تھی۔ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ اس لیے مجھے جو دوح سمیت سوار کیا جانا تھا اور اسی سمیت (سواری سے) اتارا جاتا تھا اور اسی طرح ہم روانہ ہوئے تھے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ

أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ سَفَرًا أَفْرَعَ بَيْنَ أَفْوَاجِهِ فَأَيُّهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ فَأَفْرَعَ بَيْنَنَا فِي غَزَاةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ سَهْمِي فَخَرَجْتُ مَعَهُ بَعْدَ مَا أُنْزِلَ الْحِجَابُ فَإِنَّا أُحْمِلُ فِي هَوْدَجٍ وَأُنْزِلَ فِيهِ فَيَسْرِنَا حَتَّى إِذَا فَرَّغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوِنَا تِلْكَ وَقَفَلْ وَدَنَوْنَا مِنْ

الْمَدِينَةِ اَذْنُ كَيْلَةٍ بِالرَّحِيلِ فَعُمْتُ
حِينَ اَذْنُو بِالرَّحِيلِ فَمَسَيْتُ حَتَّى
جَاوَزْتُ الْحَبِيشَ فَلَمَّا قَضَيْتُ شَأْنِي
اَقْبَلْتُ اِلَى الرَّحْلِ فَلَمَسْتُ صَدْرِي
فَاِذَا عَقْدِي مِنْ جُرْجٍ اَخْطَارٍ قَدْ
اِنْفَطَعَ فَرَجَعْتُ فَالْتَمَسْتُ عَقْدِي
فَحَبَسَنِي اَتْبَعَاوُهُ فَاَقْبَلَ الَّذِيْنَ
يَرْحَلُوْنَ لِيْ فَاَحْتَمَلُوْا هَزْدَجِيْ فَرَّ
خَلْوُهُ عَلَى بَعِيرِي الَّذِي كُنْتُ اَذْكُبُ
وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنِّيْ فِيْهِ وَكَانَ النَّسَاءُ
اِذْ ذَٰلِكَ خِفَافًا لَمْ يَشْقُلْنَ وَكَمْ يَشْهَنُ
اللَّحْمُ وَارْتَمَا بِأَكْلِنِ الْعَلَقَةِ مِنَ الطَّعَاوِ
فَلَمْ يَسْتَكْمِلُوا الْقَوْمَ حِينَ رَفَعُوْهُ فَعَلَّ
الْهُودُجَ فَاَحْتَمَلُوْهُ وَكُنْتُ جَارِيَةً
حَلِيَّةً السِّنِّ فَبَعَثُوا الْجَمَلَ وَسَارُوا
فَوَجَدْتُ عَقْدِيْ بَعْدَ مَا اسْتَمَرَّ الْحَبِيشُ
فَجَعَلْتُ مَنْزِلَهُمْ وَلَيْسَ فِيْهِ اَحَدٌ
فَاَمَمْتُ مَنْزِلِي الَّذِي كُنْتُ بِهِ
فَظَنَنْتُ اَنَّهُمْ سَيَفْقِدُوْنِيْ فَبَرَّ
جَعُوْنَ اِلَى فَبَيَّنَا اَنَا جَالِسَةً
عَلَبَسَنِيْ عَجَبًا يَفْنَتْ وَكَانَ صَفْوَانُ
بْنُ الْمُعَطَّلِ اِسْلَمِيَّ شَعَرَ الزَّكَاةِ فِيْ
مِنْ وَرَاعِ الْحَبِيشِ فَاَصْبَحَ عِنْدَ مَنْزِلِيْ
فَرَاَعَ سَوَادَ الْاِنْسَانِ نَاسِيًا فَاَتَانِيْ وَ
كَانَ يَبْرَأَنِيْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاَسْتَيْقِظْتُ

علیہ وسلم غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم
مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات آپ نے کوچ
کا اعلان کروایا۔ جب کوچ کا اعلان ہو رہا تھا تو میں
(نفسار حاجت کے لیے تنہا) اٹھی اور نفسار حاجت کے
بعد کجاوے کے پاس آگئی۔ وہاں پہنچ کر جو میں نے
اپنا سینہ ٹٹولا تو میرا خلفار کے جزع کا ہار موجود نہیں تھا
اس لیے میں وہاں دوبارہ پہنچی جہاں نفسار حاجت
کے لیے گئی تھی اور میں نے ہار کو تلاش کیا۔ اس
تلاش میں دیر ہو گئی۔ اس عرصے میں وہ اصحاب جو
مجھے سوار کرانے تھے آئے اور میرا ہودج اٹھا کر میرے
اونٹ پر رکھ دیا، وہ یہی سمجھے کہ میں اس میں بیٹھی ہوں۔
ان دنوں عرب میں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، بھاری بھر کمین
حشرت ان میں زیادہ نہیں رہتا تھا کیونکہ بہت معمولی غذا
کھاتی تھیں اس لیے ان لوگوں کو جب ہودج کو اٹھایا تو
انہیں اس کے بوجھ میں فرق محسوس نہیں ہوا۔ میں یوں
بھی نوعمر لڑکی تھی۔ چنانچہ ان اصحاب نے اونٹ کو
ہانک دیا اور خود بھی اس کے ساتھ چلنے لگے۔ جب لشکر
رفا نہ ہو چکا تو مجھے اپنا ہار ملا اور میں پڑاؤ کی جگہ آئی لیکن
وہاں کوئی موجود نہ تھا، اس لیے میں اس جگہ گئی جہاں پہلے
میرا قیام تھا، میرا خیال تھا کہ جب وہ لوگ مجھے نہیں
پائیں گے تو میں لوٹ آؤں گی (اپنی جگہ پہنچ کر) میں یوں
ہی بیٹھی ہوئی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی۔
صفوان بن معطل سلمیٰ ثم زکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے
پہنچے تھے تاکہ لشکر لوں کی گری پڑی چیزوں کو اٹھا کر
انہیں ان کے مالک تک پہنچائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ

بِاسْتِرْجَاعِهِ حِينَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهُ
فَوَطِئَ يَدَهُ فَاسْرَبَتْهَا فَاَنْطَلَقَ
يَقْوُدُ فِي الرَّحْلَةِ حَتَّى اَتَيْنَا الْجَيْشَ
بَعْدَ مَا نَزَلْنَا مَعْرَسَيْنِ فِي نَحْوِ
الظَّهْرِ فَهَلَكَ مِنْ هَلَكٍ وَكَانَ
الَّذِي تَوَلَّى اِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
بْنُ سُلَيْمٍ فَقَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَاسْتَكْبَتْ
بِهَا شَهْرًا يَفِيضُونَ مِنْ قَوْلِ اصْحَابِ
اِلَيْهِ فَلَكَ وَبِرَّيْبِي فِي رَجْعِي اِنِّي لَا
اَرَى مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اللطيف الَّذِي كُنْتُ اَرَى مِنْهُ حِينَ
اَمْرَضُ اِسْمًا يَدْخُلُ فَيُسَلِّمُ شَمْرًا
يَقُولُ كَيْفَ تَبِيكُمُ لَا اَشْعُرُ بِشَيْءٍ مِنْ
ذَلِكَ حَتَّى لَقِيتُ فَخَرَجْتُ اَنَا وَامْرُؤُ
مِسْطَحٍ قَبْلَ الْبُكْرِ صَاحِبِ مَتَبَرٍ نَا
لَا نَخْرُجُ اِلَّا لَيْلًا اِلَى الْكَيْلِ وَذَلِكَ
قَبْلَ اَنْ تَنْتَحِذَ الْكُفُّ قَرِيْبًا مِنْ بَيْوتِنَا
وَامْرُؤًا اَمْرًا عَرَبٍ اَوَّلٍ فِي الْبَرِيَّةِ
اَوْ فِي السَّنَدِ فَاقْبَلْتُ اَنَا وَامْرُؤُ مِسْطَحٍ
بَنْتُ اَبِي رُحْمٍ نَمَشِي فَمَشَتْ فِي مِرْ
طِهَا فَقَالَتْ لَعَسَ مِسْطَحٌ فَقُلْتُ لَهَا
يَسَّ مَا قُلْتَ اَتَسْبِيْنِ رَجُلًا شَهْدَ
بَدْرًا فَقَالَتْ يَا هَيْهَاتَا اَلَمْ تَسْمَعِي
مَا قَالُوا فَاخْبَرْتَنِي بِقَوْلِ اَهْلِ الْاَنْدَلُسِ
فَاَزْدَدْتُ مَرَضًا اِلَى مَرَضِي فَلَمَّا

علیہ وسلم کی طرف سے آپ اسی لیے مقرر تھے) وہ میری طرف
سے گزرتے تو ایک سو سے سوئے انسان کا سایہ پڑا، اس
لیے اور قریب پہنچے۔ پردہ کے حکم سے پہلے وہ مجھے دیکھ
چکے تھے۔ ان کے اناشہ پڑھنے سے میں بیدار ہو گئی تھی۔
آخر انھوں نے اپنا اونٹ بٹھایا اور اس کے اگلے پاؤں
کو موڑ دیا (تاکہ بلا کسی مدد کے میں اس پر سوار ہو سکوں)
چنانچہ میں سوار ہو گئی۔ اب وہ اونٹ پر مجھے بٹھاتے
ہوئے خود اس کے آگے آگے چلنے لگے۔ اسی طرح جب
ہم لشکر کے قریب پہنچے تو لوگ بھری دوپہر میں آرام کے لیے
پڑاؤ ڈال چکے تھے (انسی ہی بات تھی جس کی نیند پر) جسے
ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا اور تمت کے معاملے میں پیش
پیش عبداللہ بن ابی بن سلول (مناقی تھا) پھر ہم مدینہ
آگئے اور میں ایک عینے تک بیمار رہی۔ تمت لگانے
والوں کی باتوں کا غلبہ چرچا ہو رہا تھا۔ اپنی اس بیماری
کے دوران مجھے اس سے بھی بڑا شبہ ہوتا تھا کہ ان نول
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نطفہ و کرم بھی نہیں کھیتی
تھی جس کا مشاہدہ اپنی پچھلی بیماریوں پر کر چکی تھی پس
آپ گھر میں جب آتے تو سلام کرتے اور صرف تانہ دیتے
فرماتے۔ مزاج کیسا ہے؟ جو باتیں تمت لگانے والے
پھیلا رہے تھے، ان میں سے کوئی بات مجھے معلوم نہ تھی۔
جب میری صحت کچھ ٹھیک ہوئی تو (ایک رات) میں
ام سلمہ کے ساتھ مناصح کی طرف گئی۔ یہ ہمارے قضاہ
ماجت کی جگہ تھی۔ ہم یہاں صرف رات ہی میں آتے
تھے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ابھی ہمارے
گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں ہے تھے۔ میدان

رَجَعْتُ إِلَى بَيْتِي دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ
كَيْفَ تَبَيَّنَ قُلْتُ أَتَذَنِّي لِإِيَّائِهِ
أَبُوئِي قَالَتْ وَأَنَا جِئْنِيذِ أَرِيدُ أَنْ
أَنْ أَتَيْتِ النَّبِيَّ النَّبِيَّ مِنَ قَبْلِهَا فَأَذَنَ
لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَأَتَيْتُ أَبُوئِي فَقُلْتُ لِمَ جِئْتِ مَا يَحْدُثُ
بِهِ النَّاسُ فَقَالَتْ يَا بَيْتِي هُوَ فِي
عَلَى نَفْسِكَ الشَّانَ قَوْلَ اللَّهِ أَفَلَمْ تَكُنْ تَكُنْ
أَمْرًا وَمِنْ يَتِيَّةٍ عِنْدَ رَجُلٍ
يُحِبُّهَا وَلَهَا صَرَائِرُ إِلَّا أَكْثَرُنَ
عَلَيْهَا فَقُلْتُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَلَقَدْ
يَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِهَذَا قَالَتْ قَبْتُ
تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتَّى أَهْبَيْتُ لَا يَرْفَأُ
دَمْعٌ وَلَا أَكْتَعِلُ بَنُومٌ ثُمَّ أَهْبَيْتُ
قَدْ عَارَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلَى ابْنِ أَبِي طَالِبٍ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ
حِينَ اسْتَلَبْتُ التَّوْحَى يَسْتَشِيرُهُمَا
فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ فَأَمَّا أُسَامَةُ فَأَمَّا
عَلَيْهِ بِالَّذِي يَنْلَمُ فِي نَفْسِهِ مِنَ الْوَدَمِ
فَقَالَ أُسَامَةُ أَهْلَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا
نَعْلَمُ وَاللَّهِ إِلَّا خَبِيرٌ وَأَمَّا عَلَى بْنُ أَبِي
طَالِبٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمْ يَمُتْ
اللَّهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ
وَرَسُولُ الْبَغَارِيَّةِ تَصَدَّقَكَ فَدَعَا

میں جانے کے سلسلے میں (تقاضا حاجت کے لیے) ہمارا
طرز عمل قدیم عرب کی طرح تھا۔ میں اور ام مسطح بنت ابی
رہم چل رہے تھے کہ وہ اپنی چادر میں اُلجھ کر گر پڑیں اور ان
کی زبان سے نکل گیا۔ مسطح برباد ہو۔ میں نے کہا بری بات
آپ نے اپنی زبان سے نکالی۔ ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہیں
جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے۔ وہ کہنے لگیں، اے!
جو کچھ ان سبھوں نے کہا ہے وہ آپ نے نہیں سنا پھر انہوں
نے تمت لگانے والوں کی ساری باتیں سنائیں اور ان
باتوں کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔ میں جب اپنے
گھر واپس ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف
لائے اور دریافت فرمایا، کیا ہے مزاج؟ میں نے آپ
سے عرض کیا کہ آپ مجھے والدین کے یہاں جانے کی اجازت
دیجئے۔ اس وقت میرا ارادہ یہ تھا کہ ان سے اس خبر
کی تحقیق کروں گی۔ انھوں نے مجھے اجازت دے دی۔
اور میں جب گھر آئی تو میں نے اپنی والدہ سے ان باتوں
کے متعلق پوچھا جو لوگوں میں پھیل ہوئی تھیں۔ انھوں نے
فرمایا بیٹی! اس طرح کی باتوں کی پروا نہ کرو۔ خدا کی
قسم، شاید ہی ایسا ہو کہ تجھ جیسی حسینہ کو بصورت عورت
کسی مرد کے گھر ہو اور اس کی سوسنیں بھی ہوں۔ پھر بھی
اس طرح کی باتیں نہ پھیلے گی جابیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ
(سوسنوں کا کیا ذکر) وہ خود دوسرے لوگ اس طرح کی باتیں
کر رہے ہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ وہ رات میں نے ہیں
گزارشی، صبح تک یہ عالم تھا کہ آنسو نہیں ٹپکتے تھے
اور غنیمہ نہ آتی۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنی بیوی کو جدا کرنے کے سلسلے میں مشورہ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 بِرَبِيرَةٍ فَقَالَ يَا بَرِيرَةُ هَلْ رَأَيْتِ فِيهَا
 شَيْئًا يَرِيحُكَ فَقَالَتْ بَرِيرَةُ لَا وَاللَّهِ
 بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنْ رَأَيْتِ مِنْهَا أَمْرًا
 أَغْمَصُهُ عَلَيْهِ أَكْثَرَ مِنْ أَتْهَا
 حَارِبِيَّةٌ حَدِيثُهُ السَّنَنُ تَنَامُ عَنِ الْعِيَنِ
 فَتَأْتِي الدَّاحِجُ فَتَأْكُلُهُ فَقَامَ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَوْمِهِ
 فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُبَيٍّ بَنَ
 سُلُوكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ مَنْ يَقْذُرُ فِي مَنْ رَجُلٍ يَكْتُمُنِي
 أَذَاهُ فِي أَهْلِي فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى
 إِلَّا خَيْرًا وَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَّا
 عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا وَمَا كَانَ يَدْخُلُ
 عَلَى أَهْلِي إِلَّا مَعِيَ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ
 مَعَاذٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا وَاللَّهِ
 أَعَزُّوكَ مِنْكَ إِنْ كَانَ مِنَ الْأَوَّسِ
 صَرَبًا عُنُقَهُ وَإِنْ كَانَ مِنْ إِبْرَاهِيمَ
 مِنَ الْخَزَرَجِ أَمَرْتَنَا فَعَلْنَا فِيهِ أَمْرًا
 فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَهُوَ سَيِّدُ الْخَزَرَجِ
 وَكَانَ قَبْلَ ذَلِكَ رَجُلًا صَالِحًا وَلَكِنْ
 اخْتَلَمَتْهُ الْحَمِيَّةُ فَقَالَ كَذَبْتَ
 لَعَنَ اللَّهُ لَا تَقْسُلُهُ وَلَا تَقْذُرُ عَلَى
 ذَلِكَ فَقَامَ أُسَيْدُ بْنُ الْحَضَرِيِّ
 فَقَالَ كَذَبْتَ لَعَنَ اللَّهُ وَاللَّهِ

کرنے کے لیے علی بن ابی طالب اور اُسامہ بن زید
 رضی اللہ عنہما کو بلایا، کیونکہ وہی اس سلسلے میں، اب
 تک نہیں آئی تھی۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی اپنے
 اہل سے محبت کا علم تھا۔ اس لیے اسی کے مطابق
 مشورہ دیا اور کہا، آپ کی پیروی، یا رسول اللہ! بخدا
 ہم ان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتے لیکن
 علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ! اللہ تمہارے
 نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے۔ عورتیں ان کے سوا
 بھی بہت ہیں۔ باندھ لی سے بھی آپ دریافت فرما لیجئے
 وہ سچی بات بیان کریں گی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا (عائشہ رضی اللہ عنہا
 کی خاص خادمہ) اور دریافت فرمایا! بریرہ! کیا تم نے
 عائشہ میں کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تمہیں شہرہ
 ہو۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ نہیں، اس وقت
 کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں
 نے ان میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کا عیب میں
 ان پر لگا سکوں، اتنی بات ضرور ہے کہ وہ فوجی لڑکی
 ہیں، آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور پھر بکری آتی ہے اور
 کھا لیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن
 (منبر پر) کھڑے ہو کر عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے
 میں مدد چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ ایک ایسے شخص کے
 بارے میں میری کون مدد کرے گا جس کی تجھے اذیت اور
 تکلیف دہی کا سلسلہ اب میری پیروی کے معاملے
 تک پہنچ چکا ہے۔ بخدا، اپنی پیروی کے بارے
 میں خیر کے سوا اور کوئی چیز مجھے معلوم نہیں (ان کی جرات

لَتَفْتُلَنَّ فَإِنَّكَ مُتَافِقٌ حَبَابِلُ
عَنِ الْمُنَافِقِينَ فَأَرَا الْحَبَّانِ الْأَوْسُ
وَالْخَزْرَجَ حَتَّى هَمُّوا وَرَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْيَسْرِ فَتَزَلَّ
فَخَفَضَهُمْ حَتَّى سَكَنُوا وَسَكَتَ وَ
وَبَكَيْتَ يَوْمِي لَا يَزِلُّ قَالُوا دَمْعٌ وَلَا
أَلْتَجِدُ بَنِيَّ فَاَصْبَحَ عِنْدِي أَبَوَاعُ
وَقَدْ بَكَيْتَ لَيْسَتْ بِنِي وَيَوْمَ مَا حَتَّى أَظَنَّ
أَنَّ الْبَكَاءَ فَأَلْقَى كَبِدِي قَالَتْ فَبَيْنَا
هَمَّا جَالِسَانِ عِنْدِي وَأَنَا أَبْكِي إِذَا اسْتَأْ
ذَنْتِ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَذْنَتْ لَهَا
فَجَلَسَتْ تَبْكِي مَعِيَ فَبَيْنَا نَحْنُ كَذَلِكَ
إِذْ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ
وَلَمْ يَجْلِسْ عِنْدِي مِنْ يَوْمٍ قَبْلُ فِيَّ
مَا قِيلَ قَبْلَهَا وَقَدْ مَكَثَ شَهْرًا لَا
يُؤْمِلُ إِلَيْهِ فِي شَأْنِي شَيْءٌ قَالَتْ فَتَشَهَّدَ
ثُمَّ قَالَ يَا عَائِشَةُ فَإِنَّهُ بَلَغَنِي عَنْكَ
كَذَا وَكَذَا فَإِنْ كُنْتَ بِرَيْبَةٍ
فَسَيُبَوِّكَ اللَّهُ وَإِنْ كُنْتَ أَلَمْتَ
فَاسْتَغْفِرِي اللَّهَ وَتَوَيَّ إِلَيْهِ فَإِنَّ
الْعَبْدَ إِذَا عَتَرَفَ بِذَنْبِهِ ثُمَّ تَابَ
تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهُ فَلَمَّ
دَمْعِي حَتَّى مَا أُحْسِنُ مِنْهُ قَطْرَةً وَ
قُلْتُ لِأَنِّي أَجِبُ عَنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

تو دیکھئے کہ نام بھی اس معاملے میں انھوں نے ایک
ایسے آدمی کا لیلہ ہے جس کے متعلق بھی میں خبر کے
سوا اور کچھ نہیں جانتا، خود میرے گھر میں جب بھی
وہ آئے ہیں تو میرے ساتھ ہی آتے۔ (یہ سن کر)
سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا،
یا رسول اللہ، واللہ میں آپ کی مدد کروں گا، اگر وہ شخص
اوس سے ہوگا تو ہم اس کی گردن مار دیں گے (کیونکہ
سعد رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے سردار تھے) اور اگر وہ
خزرج کا آدمی ہوگا تو آپ ہمیں حکم دیں، جو بھی آپ
کا حکم ہوگا ہم تعمیل کریں گے۔ اس کے بعد سعد بن
عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، جو قبیلہ خزرج کے سردار
تھے، حالانکہ اس سے پہلے آپ بہت صالح تھے لیکن
اس وقت (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بات پر) محبت
سے غصہ ہو گئے تھے (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا)
خدا کے دوام و بقا کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو، تم
اسے قتل کر سکتے ہو اور نہ تمہارے اندر اس کی طاقت
ہے۔ پھر اسید بن خفیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے (سعد
بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی) اور کہا خدا کی
قسم! ہم اسے قتل کر دیں گے۔ کوئی شبہ نہیں رہ جانا کہ
تم بھی منافق ہو، کیونکہ منافقوں کی طرف سے مدافعت کرتے
ہو۔ اس پر اوس و خزرج، دونوں قبیلوں کے لوگ
اُٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھنے ہی والے تھے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ابھی تک منبر پر تشریف
رکھتے تھے، منبر سے اترے اور لوگوں کو نرم کیا، اس
سب لوگ خاموش ہو گئے اور حضور اکرم بھی خاموش

ہو گئے۔ میں اس دن بھی روتی رہی، نہ میرا آنسو ٹھہرتا تھا اور نہ غنیمہ آتی تھی۔ پھر میرے پاس میرے والدین آئے۔ میں دو راتوں اور ایک دن سے برابر روتی رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روتے روتے میرے دل کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ انہوں نے بیان کیا کہ والدین میرے پاس ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری غاتون نے اجازت چاہی اور میں نے انہیں اندر لے جانے کی اجازت دیدی اور وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر روتے لگیں۔ ہم سب اسی طرح (بیٹھے ہوئے) تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ جس دن سے میرے متعلق وہ باتیں کہی جا رہی تھیں جو کبھی نہیں کہی گئی تھیں۔ اس دن سے میرے پاس آپ بیٹھے نہیں تھے۔ آپ ایک عینے تک انتظار کرتے رہے تھے، لیکن میرے معاملہ میں کوئی وحی آپ پر نازل نہیں ہوئی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشدد پڑھی اور فرمایا۔ عائشہ! تمہارے متعلق مجھے یہ باتیں معلوم ہوئی ہیں اگر تم اس معاملے میں بری ہو تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری برائت ظاہر کرے گا اور اگر تم نے گناہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہو اور اس کے حضور توبہ کرو، کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جو نبی حضور اکرم نے اپنی گفتگو ختم کی، میرے آنسو اس طرح خشک ہو گئے کہ اب ایک قطرہ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا میں اپنے والد سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللَّهُ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللَّهِ مَا أَدْرِي مَا أَقُولُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لِأَيِّ أَحِبِّبِي عَنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمَا وَكَأَلْ قَالَتْ وَاللَّهِ مَا أَدْرِي مَا أَقُولُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ وَأَنَا جَارِيَةٌ حَدِيثُ الْمَسْنَنِ لَا أَفْرَأُ كَثِيرًا مِنَ الْفُتُلَانِ فَقُلْتُ إِنْ وَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّكُمْ سَمِعْتُمْ مَا تَحَدَّثُ بِهِ النَّاسُ وَقَدْ فِي أَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ قُلْتُ لَكُمْ إِنْ بَرِيئَةٌ وَاللَّهُ يُسَلِّمُ إِلَيَّ لَبَرِيئَةٍ لَا تُصَدِّقُونِي بِذَلِكَ وَلَكِنْ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرِ وَاللَّهُ يُسَلِّمُ إِلَيَّ بَرِيئَةٍ لَتَصَدِّقَنِي وَاللَّهُ مَا أَحْدَلَنِي وَلَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ إِذْ قَالَ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ شَعْرًا تَحَوَّلْتُ عَلَى فِرَاسِي وَأَنَا أَدْبُو أَنْ يُبَرِّئَنِي اللَّهُ وَلَكِنْ وَاللَّهُ مَا ظَنَنْتُ أَنْ يُنْزَلَ فِي شَأْنِي وَحَيَاؤُ لَنَا أَحَقُّ فِي نَفْسِي مِنْ أَنْ يُتَكَلَّمُ بِالْقُرْآنِ فِي أَمْرِي وَلَكِنِّي كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَرَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ رُؤْيَا يَبْرِئُنِي اللَّهُ فَوَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ مَجْلِسَةً وَلَا خَرَجَ أَحَدٍ

مَنْ أَهْلُ الْبَيْتِ حَتَّىٰ نُزِّلَ عَلَيْهِ
فَآخِذَهُ مَا كَانَ يَأْخُذُهُ مِنَ الْبَرَاءَةِ
حَتَّىٰ إِنَّهُ لَيَسْتَحْذِرُ مِنْهُ مِثْلَ الْجِنَانِ
مِنَ الْعَرَقِ فِي يَوْمٍ شَاتٍ فَلَمَّا سُرِّيَ
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَهُوَ يَضْحَكُ فَكَانَ أَوَّلُ حَكِيمَةٍ
تَكَلَّمَ بِهَا أَنْ كَانَ لِیَ بَاعًا أَشْتَرُ أَحْمَدِی
اللَّهُ فَقَدْ بَدَأَ لَكَ اللَّهُ فَقَالَتْ لِي أُمِّی
قَوْمِی إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَا وَاللَّهِ لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا
أَحْمَدُ إِلَّا اللَّهَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى
إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ
لَا بَرَاءَ لِمَنِ أَنْزَلَ اللَّهُ هَذَا فِي بَرَاءَةٍ
فَمَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ وَكَانَ
يُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحِ بْنِ أَشْأَثَةَ لِقَرَابَتِهِ
مِنْهُ وَاللَّهُ لَا أَنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ شَيْئًا
أَبَدًا أَبَدًا مَا قَالَ لِي أَشْتَرُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ
تَعَالَى وَلَا يَأْتِلُ أَوْلُوا الْفُضْلُ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ إِلَى قَوْلِهِ عَفْوٌ رَحِيمٌ فَقَالَ
أَبُو بَكْرٍ بَلَى وَاللَّهِ إِنَّهُ لَا حِبَّ أَنْ
يَنْفِقَ اللَّهُ لِحُبِّ فَرَجَعَ إِلَى مِسْطَحِ
كَانَ يَجْعَلُ عَلَيْهِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَالُّ رَزِيقَ بِنْتِ جَحْشٍ
عَنْ أُمِّهِ فَقَالَ يَا رَزِيقُ مَا عَلِمْتَ مَا
رَأَيْتِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَحْنَى مَعْنَى

سے میرے متعلق کہتے۔ لیکن انھوں نے فرمایا بخدا! مجھے نہیں معلوم کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے کیا کہنا چاہیے۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا۔ اس کے متعلق آنحضرت سے آپ کچھ کہتے۔ انھوں نے بھی یہی فرمادیا۔ بخدا مجھے نہیں معلوم کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہنا چاہیے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نو عمر لڑکی تھی۔ قرآن مجھے زیادہ یاد نہیں تھا۔ میں نے کہا، خدا گواہ ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگوں نے بھی افواہ سنی ہے اور آپ لوگوں کے دلوں میں وہ بات بیٹھ گئی ہے اور اس کی تصدیق بھی آپ لوگ کر چکے ہیں، اس لیے اب اگر میں کہوں کہیں (اس بہتان) سے بری ہوں اور اللہ غیب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ میری بات کی تصدیق کر دیں گے، بخدا! میں اس وقت اپنی اور آپ لوگوں کی کوئی مثال، یوسف علیہ السلام کے والد (یعقوب علیہ السلام) کے سوا نہیں پاتی کہ انہوں نے بھی فرمایا تھا۔ پس مجھے صبرِ جبل عطا ہوا اور جو کچھ تم کہتے ہو۔ اس معاملے میں میرا دُعا کار اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے بعد بستر پر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا اور مجھے امید تھی کہ خدا اللہ تعالیٰ میری برأت فرمائے گا۔ لیکن میرا یہ خیال نہ تھا کہ میرے متعلق وحی نازل ہوگی۔ میری اپنی نظر میں حیثیت اس سے بہت معمولی تھی کہ قرآن مجید میں میرے متعلق کوئی آیت نازل ہو۔ ہاں مجھے اتنی امید ضرور تھی کہ آپ کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ مجھے

وَبَصَرِي وَاللَّهُ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا
حَبِيرًا فَكَأَنَّتْ وَهِيَ الْكَلْبِي كَأَنَّتْ تَسْمِيْعِي
فَعَصَّهَا اللَّهُ بِالنَّوْجِ

(بخاری)

بری فرما دے گا۔ خدا گواہ ہے کہ ابھی آپ اپنی جگہ
سے اٹھے بھی نہ تھے اور نہ اس وقت گھر میں موجود کوئی
باہر نکلا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہونے لگی اور اُٹھتے
وحی سے آپ جس طرح پسینے پسینے ہو جاتے تھے وہی

کیفیت اب بھی مٹتی، پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح آپ کے جسم مبارک سے گرنے لگے۔ حالانکہ سردی کا
موسم تھا۔ جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آپ مہنس رہے تھے اور سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبان سے نکلا
وہ یہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ عاتشہ! اللہ کی حمد بیان کرو کہ اس نے تمہیں بری قرار دے دیا۔ میری والدہ نے
کہا۔ جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑی ہو جاؤ۔ میں نے کہا نہیں، خدا کی قسم! میں آنحضور کے
لیے کھڑی نہ ہوں گی اور سوائے اللہ کے کسی کی حمد بیان نہ کروں گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی
تھی۔ ”جن لوگوں نے تمت تراشی ہے، وہ تم ہی میں سے کچھ لوگ ہیں۔“ جب اللہ تعالیٰ نے میری برأت
میں یہ آیت نازل فرمائی، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، جو مسطح بن اثاثہ کے اخراجات قرابت داری کی وجہ سے
اٹھاتے تھے، کہا کہ بخدا، اب میں مسطح پر کبھی کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا۔ کہ وہ بھی عاتشہ پر تمت لگانے والوں
میں شریک تھے (آپ غلط فہمی اور نادانستہ طور پر شریک ہو گئے تھے) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل
کی۔ ”تم میں سے صاحب فضل و صاحب مال لوگ قسم نہ کھائیں۔“ اللہ تعالیٰ کے ارشاد غفور رحیم تک
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ خدا کی قسم! بس میری یہی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کر دے۔
(مسطح کے معاملے میں جو میں نے اختیار کرنے کا ارادہ کیا تھا) چنانچہ مسطح رضی اللہ عنہ کو جو آپ پہلے دیا کرتے
تھے، پھر دینے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا ام المؤمنین) سے بھی
میرے متعلق پوچھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ زینب! تم (عاتشہ کے متعلق) کیا جانتی ہو؟ اور کیا دیکھا ہے؟
انھوں نے جواب دیا، میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے ان میں خیر
کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔ عاتشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ یہی میری ہمسرتھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں
نقوی کی وجہ سے بچا لیا۔ بخاری

حدیث انکاب ۱۔ اس حدیث کو امام بخاری علیہ الرحمہ نے مفازی، تفسیر، ایمان، مذہب

اعتصام میں بھی ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے توہمیں اور نسائی نے عشرة النساء و تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

۲۔ عنوان سے مطابقت اس حدیث کی یہ ہے کہ اس میں حضرت بریرہ و حضرت زینب
نے جناب عاتشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اخلاق و خصائل پر اطمینان کا اظہار کیا۔ حضرت

بربرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی۔ حضور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر مبعوث کیا۔ میں نے حضرت عائشہ میں کوئی عیب نہیں دیکھا۔ حضرت ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بحضور نبوت عرض کی۔ اَ حَبِی سَمِعِی وَبَصُرِی وَاللّٰہ مَا عَلِمْتُ عَلَیْہَا اِلَّا خَیْرًا۔ میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی حفاظت کرتی ہوں۔ خدا گواہ ہے میں نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ حضرت عمر اور حضرت عثمان نے بھی جناب عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی بیان کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ منافقین بالیقین چھوٹے ہیں ام المومنین بالیقین پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم کو مکھی بیٹھنے سے محفوظ رکھا کہ وہ نجاستوں پر بیٹھتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو بدعورت کی صحبت سے محفوظ نہ رکھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی طرح آپ کی طہارت بیان کی اور عرض کی۔ یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑنے دیا تاکہ اس سایہ پر کسی کا قدم نہ پڑے تو اب اللہ تعالیٰ یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کے ساتھ کوئی ایسی قباحت کا مرتکب ہو سکے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کی ایک جُل کا ٹوٹا لگنے سے پروردگار عالم نے آپ کو نعلین اتار دینے کا حکم دیا۔ تو جو رب الغلین آپ کی نعل شریف کی اتنی سی آلودگی گوارا نہ فرمائے وہ آپ کی زوجہ محترمہ کی آلودگی کو کیسے گوارا فرما سکتا ہے۔

۳۔ غرض کہ متعدد صحابہ و صحابیات نے نزولِ آیت سے قبل ہی حضرت عائشہ کی پاکدامنی کا اعتراف و اقرار کیا (مدارک ج ۲ ص ۱۳۵) اور نزولِ آیت سے قبل ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ بخدا مجھے اپنی زوجہ کی پاکی و خوبی بالیقین معلوم ہے۔ حتیٰ کہ نبی علیہ السلام نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ما علمت علیہ الا خیراً فرما کر ان کی پاکدامنی کو بیان فرما دیا تھا۔

آیاتِ برأت کے نزول سے قبل بھی حضور کو حضرت عائشہ کے پاکدامن ہونے کا یقین تھا | اس موقع پر حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کی فضیلت علی کے منکر یہ بکواس کرنے ہیں کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کے متعلق شک ہو گیا تھا اور نزولِ آیاتِ برأت کے بعد آپ کو یقین ہوا کہ حضرت عائشہ پاکدامن اور طیب و طاہرہ ہیں۔ ایسا کہنا متعدد وجوہ سے باطل ہے۔ اول نبی علیہ السلام (واللہ) قسم اٹھا کر جناب عائشہ کی پاکدامنی بیان فرما رہے ہیں۔ جس بات کے متعلق شبہ ہو وہاں قسم نہیں اٹھائی جاتی۔ حضور علیہ السلام کا قسم کھانا اس امر کی دلیل ہے کہ نزولِ آیاتِ برأت سے قبل بھی حضور کو یقین تھا کہ حضرت

عائشہ صدیقہ کا دامن منافقوں کے الزام سے پاک و صاف ہے۔ آپ پاکدامن و طیب و طاہر ہیں۔ اس لیے سیدہ عائشہ صدیقہ کا طیب و طاہر و پاک دامن ہونا ایک یقینی بات ہے۔ اس معاملہ میں شک نہ ہو ہی کر سکتا ہے۔ جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طیب و طاہر ہونے پر ایمان نہ ہو۔ چنانچہ مفسرین کرام یہ فرماتے ہیں کہ اس امر پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام کی بیویاں بدکارہ نہیں ہو سکتیں۔ سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ما جفت امرأة منی قط کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا (در منثور) البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی نبی کی بیوی کافر ہو جیسے حضرت نوح اور لوط علیہم السلام کی بیویوں کے بارے میں قرآن میں ہے وہ کافر و بغض مگر باوجود کافر ہونے کے فسق و فجور میں مبتلا نہ تھیں کیونکہ کسی نبی کی بیوی کا کافر ہونا ممکن ہے مگر بدکار اور فاحشہ ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ بدکاری طبعی طور پر موجب ننگ و عار و موجب نفرت عوام ہے۔

ثالثاً قرآن و سنت کی تعلیم یہ ہے کہ کسی مسلمان کے متعلق جب تک کسی گناہ یا عیب کا علم دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس سے پیک گمان رکھنا واجب ہے اور محض سنی مسائی بات یا محض کسی کے الزام لگانے سے اس مسلمان سے بدگمان ہو جانا گناہ کبیرہ ہے اس لیے منافقین کے الزام لگانے کی وجہ سے بلا دلیل شرعی حضور کا حضرت عائشہ سے بدگمان ہو جانا ناممکن ہے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر حضرت عائشہ سے بدگمان ہونے کا الزام لگانا معاذ اللہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضور کے گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دینا ہے جس کی توقع کسی مومن مسلمان سے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی اس لیے حضرت عائشہ صدیقہ سے نزول آیات برأت سے قبل حضور کے بدگمان ہو جانے کا قول کرنا غلط اور قرآن و سنت کی تصریحات و تعلیمات سے جہالت ہے۔

واقعہ افک۔ آیات برأت کا نزول چند اہم امور کی نشاندہی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظیم جلیل فضیلت اور انک کے معنی افتخار و بہتان اور بدترین قسم کے جھوٹ کے ہیں۔ حضرت

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والوں کا سرغنہ اس المنافقین عبد اللہ بن ابی نضار۔ اسی نے اس واقعہ کو اچھالا، پھیلایا۔ اسی کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا۔ **وَ اَلَّذِي قَوْلِي كَبِيرُهُ مِنْهُمْ كَذَّابٌ عَظِيمٌ** وہ جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے اور کچھ سادہ لوح مسلمان بھی اس منافق کے ہکاتے میں آ گئے۔ ان میں حسان بن ثابت، یزید ابن رفاعہ، مسطح بن اثاثہ، حمزہ بنت جحش تھے۔ قصہ مختصر منافقین نے حضرت صدیقہ پر تہمت لگا کر اسلام سے

خلاف ایک گھنٹا کی سازش کی تھی جس میں وہ ناکام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی آیات نازل فرما کر انہیں جھوٹا قرار دیا اور جن لوگوں نے یہ تمہمت گھڑی تھی۔ حضرت حسان اور مسطح جو کہ بدعتی تھے انہیں حدیث کی منہیں اسی اسی کوڑے مارے گئے اور اس سازش کے سرغنہ عبداللہ بن ابی منافق کو دہری حد لگائی گئی (طبرانی)

۲۔ حدیث افک مختصر۔ باب اذا عدل الخ میں بھی آئی ہے وہاں بھی ہم نے اس حدیث پر تبصرہ کیا ہے ضرور مطالعہ فرمائیں دیکھیں حدیث نمبر ۲۴۶

۳۔ تمام مفسرین و محدثین و ائمہ دین کا اس امر پر اجماع ہے کہ سورۃ نور کی آیات کے نزول کے بعد حضرت عائشہ کی پاکدامنی قطعی یقینی ہے۔ شارح بخاری علامہ کرمانی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی اس معاملہ میں ذرا بھی شک کرے وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب عائشہ کی پاکدامنی کے اظہار میں سورۃ نور کی آیات کا نازل ہونا آپ کے مرتبہ و جلالت شان کی آئینہ دار ہے اور آپ کی ایک ایسی فضیلت ہے جس میں آپ منفرد ہیں۔

۴۔ علامہ قرطبی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر جب تمہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ کو گویائی عطا فرما کر اس سے ان کی برأت ظاہر فرمادی۔ حضرت مریم علیہا السلام پر الزام لگا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے ان کو بری فرمادیا اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین نے تمہمت لگائی تو خود رب العالمین جل مجدہ نے سورۃ نور کی دس آیات نازل فرما کر ان کی برأت کا اعلان فرمایا اور جو منافقین آیات برأت کے نزول کے بعد بھی اپنے اس افتراء پر قائم رہے اور توبہ نہ کی انہیں ملعون قرار دے دیا۔ ونبأ آخرت کی لعنت اور عذاب عظیم کی انہیں وعید سنائی گئی۔ لَعْنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ آج بھی وہ لوگ جو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کے قائل نہیں ہیں وہ بھی اسی وعید کے تحت ہیں۔ وہ قرآن کے منکر اور دنیا و آخرت کی لعنت اور عذاب عظیم کے مستحق اور دائرۃ اسلام سے خارج ہیں۔

۵۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اگرچہ ان مردوں میں شامل تھے جن پر حد حذف لگائی گئی مگر آیات برأت کے نزول کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے والوں کو اپنے کم سے قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْنَا لَخَسَفَ لَكُمْ فَضْلُ حَسَانٍ اور مسطح دونوں بدعتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اور جن مومنین نے توبہ کی ان کی توبہ قبول فرمائی اور حضرت ام المومنین

ہی اللہ تعالیٰ عنہا کی وسعت قلبی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی حضرت حسان کی ان کے سامنے بڑائی کرتا تو فرماتیں ایک تودہ بدری ہیں دوسرے وہ تائب ہو گئے۔ اس لیے مجھے ان کی برائی پسند نہیں ہے (منظہری)

امام بغوی علیہ الرحمہ نے سورۃ نور کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چند ایسی خصوصیات ہیں جو کسی دوسری خاتون کے حصہ میں نہیں آتیں اور جناب عائشہ بھی بطور تحدیث نعمت اپنی ان خصوصیات کو بیان فرمایا کرتی تھیں۔ اول یہ کہ حضور کے صحابہ میں آنے سے قبل جبریل امین بکرم رب جلیل یہ قدرت سے بنی ہوئی میری تصویر ریشمی رومال میں لے کر بخضور نبوی حاضر ہوئے اور عرض کی یہ ہیں آپ کی زوجہ محترمہ (ترمذی) دوم یہ کہ حضور نے حضرت عائشہ کے سوا کسی کنواری خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ سوم یہ کہ حضور کی وفات میری گود میں ہوئی۔ چہارم یہ کہ میرے حجرہ مبارک میں حضور دفن ہوئے۔ پنجم اس وقت بھی وحی نازل ہو جاتی تھی جب کہ حضرت عائشہ اور حضور ایک لحاف میں جلوہ فرما ہوتے تھے۔ ششم یہ کہ میری برأت اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں نازل فرمائی کہ اب جو حضرت عائشہ کی پاکہ امی کا انکار کرے وہ منکر قرآن ہے) ہفتم۔ حضرت عائشہ حضور کے خلیفہ بلا فصل اور خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں اور حضرت صدیق وہ ہیں جن کے لیے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا (تفسیر مظہری)

۶۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ تو یقین تھا۔ اللہ تعالیٰ ذریعہ وحی خفی میری برأت فرمایا مگر یہ میرے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ میرے معاملہ میں وحی جلی کے ذریعہ برأت ظاہر کی جائے گی اور میری برأت کے لیے قرآن مجید کی آیات سے مجھے نوازا جائیگا جو ہمیشہ تلاوت کی جائیں گی (بخاری)

واضح ہو کہ قرآن نے حضرت عائشہ کی برأت کا اعلان جس انداز سے کیا ہے۔ بخدا اس سے حضرت عائشہ کے فضل و شرف اور عزت و احترام کو اور بڑھادیا ہے صرف آیات برأت کے ترجمہ سے ہی یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔

بَابُ إِذَا زَكَى رَجُلٌ رَجُلًا كَفَاهُ

باب صرف ایک شخص اگر کسی کی تعدیل کر دے تو کافی ہے

اور ابو جہلہ نے بیان کیا کہ میں نے ایک لڑکا راستے میں پڑا ہوا پایا۔ جب مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا کہیں یہ غریب ابوس نہ ہو۔ غالباً آپ مجھے اس مسئلے میں متم قرار دے رہے تھے لیکن میرے

وَقَالَ أَبُو جَهْلَةَ وَجَدْتُ مَبْنُوعًا
فَلَمَّا رَأَيْتُ عُمَرَ قَتَالَ عَسَى
الْفَوْسِ بِأَبُو سَاكَانَةَ يَتَهَمُنِي
قَالَ عَرَفْتِي إِنَّهُ رَجُلٌ صَالِحٌ قَالَ

كَذَٰلِكَ اَذْهَبَ وَعَلَيْنَا نَفَقَتُهُ

گروہ کے نگران نے کہا کہ یہ صلح آدمی ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایسی بات ہے تو پھر جاؤ، بچے کا نفقہ ہمارے (بیت المال) کے ذمے رہیگا۔ (بخاری)

فوائد و مسائل | یعنی جب ایک مرد دوسرے مرد کی تعدیل کرے تو یہ مقبول ہے۔ تعدیل کا مطلب ہے اس کے نیک اور صلح ہونے کی گواہی دے۔ جسے تزکیہ بھی کہتے ہیں غریب ایسے ایک مثل ہے یہ الفاظ ایسے موقع پر بولتے ہیں جس میں شرک کا احتمال ہو۔ حضرت عمرؓ نے یہ خیال فرمایا کہ یہ لڑکا البرجمیلہ کا ہی ہوا اور یہ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کرانے کے لیے خلاف واقعہ بات کہہ رہے ہوں۔ لیکن جب سرایت (سحان) نے البرجمیلہ کے صلح ہونے کا اظہار کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کو تسلیم کر لیا اور بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ جو ان کے حال احوال کی خبر رکھتا تھا۔

۲۴۸۶ - عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَشَاءُ رَجُلًا عَلَى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَبِكَ لَكَ قَطْعَتْ عَنْكَ مَا حَبِلَكَ قَطْعَتْ عَنْكَ مَا حَبِلَكَ مِرَادًا ثُمَّ قَالَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ تَادِيًا أَخَاهُ لَا تَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فَلَنَا وَاللَّهُ حَسِيبُهُ وَلَا أَذْكُرْ عَلَى اللَّهِ أَحَدًا أَحْسِبُهُ كَذًا وَكَذَا إِنْ كَانَ يَكْسِرُكَ فَذَلِكَ مِنْهُ (بخاری)

عبد الرحمن بن ابی بکرہ نے ادا ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسرے شخص کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا، افسوس! تم نے تو اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی، کتنی مرتبہ (آپ نے اسی طرح فرمایا) پھر ارشاد فرمایا، اگر کسی کے لیے اپنے کسی بھائی کی تعریف کرنی ناگزیر ہو تو یوں کہنا چاہئے کہ میں فلاں شخص کو ایسا سمجھتا ہوں، ویسے اللہ اس کے لیے کافی ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے حضور قطعیت اور یقین کے ساتھ کسی کی تعدیل نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کے متعلق فلاں فلاں باتیں معلوم ہیں، اگر واقعی وہ باتیں، اس کے متعلق اسے معلوم ہیں۔

بَابُ مَا يَكْرَهُ مِنَ الْأَطْنَابِ فِي الْمَدْحِ وَلَيْقُلْ مَا بَعْلَمَ

باب مدح میں بے جا مبالغہ کی گراہت جتنی بات معلوم ہو اتنی ہی کہنی چاہیئے

۲۴۸۷ - عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُشَنِّي عَلَى

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص دوسرے

اس شخص کو ہلاک کر دیا اور اس کی پشت توڑ دی۔
(بخاری)

كَجَلَّ وَيُطْرِيهِ فِي مَدْحِهِ فَقَالَ أَهْلَكْتُمْ
أَوْ قَطَعْتُمْ ظَهْرَ الْمَرْجُلِ

مدح میں حد سے تجاوز کرنا مکروہ ہے

۱۔ دونوں حدیثوں کی عنوان سے مطابقت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کی تبدیل کر لے تو یہ معتبر ہے۔ امام محمد اور امام شافعی و مالک کا مسلک یہ ہے کہ تبدیل کے باب میں دو مسلمانوں کا اعتبار کیا جائیگا جیسے شہادت میں۔ امام طحاوی کا مختار بھی یہی ہے۔ اور سیدنا امام اعظم اور امام یوسف ایک مسلمان کی تبدیل کو کافی قرار دیتے ہیں جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مسلمان کے تزکیہ کو کافی قرار دیا البتہ اگر وہ مسلمان ہوں تو یہ منتخب ہے ۲۔ ویل کا لفظ دراصل وزن، ہلاکت اور عذاب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی تعجب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں ویل کا لفظ تعجب کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ۳۔ جس میں جو خوبی و کمال ہے اس کو بیان کرنا اور ممدوح کے سامنے بیان کرنا جائز ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے منہ پر تعریف کرنے کا جواز واضح ہے کہ وہ اس صورت میں ہے جب کہ مدح میں افراط سے کام لیا جائے یا جس کی مدح کی جارہی ہے اس میں نیچر و غرور پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو۔ اس بات کو قطعاً عنک ہما جک کے الفاظ سے حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ ایسے شخص کی منہ پر تعریف کرنا مستحب ہے جس میں مصلحت ہو (یعنی لوگ ممدوح کی نیکی کو اپنائیں یا ممدوح نے جو کارِ خیر انجام دیا ہے اس کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ اس کارِ خیر میں مزید اضافہ کرے) ۳۔ ولا ازکی علی اللہ احداً کا مطلب یہ ہے کہ قطعی حتمی طور پر کسی کے خاتمہ بالخیر کا حکم لگانا جائز نہیں ہے۔ ظاہری اعمالِ خیر کو دیکھ کر ہمارا لگنا ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت میں جائے گا لیکن قطعی حتمی حکم لگانا جائز نہیں ہے ۴۔ واضح ہو کہ کسی کی ایسی تعریف کرنا جس میں مبالغہ ہو (یعنی افراط اور حد سے تجاوز پر مبنی ہو) شرعاً ممنوع ہے ویطْرِيهِ فِي مَدْحِهِ کے الفاظ سے اسی امر کو بیان کیا گیا ہے ۵۔ دلائل شرعیہ کی روشنی میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کے مستثنیٰ ہیں کہ کیونکہ حضور کی ذات پاک ہر خوبی و کمال کی جامع ہے اور آپ ہر تعریف کے مستحق ہیں۔

بَابُ بُلُوْعِ الصِّبْيَانِ وَشَهَادَتِهِمْ

باب بچوں کا بلوغ اور ان کی شہادت کے متعلق

اور ارشاد الہی - اور جب تم میں لڑکے جوانی کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اذن مانگیں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے احلام ہوا تو میں بارہ سال کا

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَإِذَا بَلَغَ الْإِنطَانُ
مِنْكُمْ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا وَقَالَ
مُغِيرَةُ احْتَلَمْتُ وَأَنَا ابْنُ ثَمَنِي

عَشْرَةَ سَنَةً وَ بَلُوغَ النِّسَاءِ فِي
الْحَيْضِ لِقَوْلِهِ عَذَّ وَجَلَّ وَاللَّهِ
يَكُنُّنَ مِنَ الْمَحِيضِ إِلَى قَوْلِهِ أَنْ
يُضَعْنَ حَمَلُهُنَّ وَقَالَ الْحَسَنُ
بْنُ صَالِحٍ أَذْكَتُ جَارَةٌ لَنَا جَذَّةً
بِتِّ أَحَدِي وَعِشْرِينَ سَنَةً

تھا اور لڑکیوں کا بلوغ حیض سے معلوم ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بنا پر کہ جو عورتیں
حیض سے مایوس ہو چکی ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس
ارشاد اَنْ يُّضَعْنَ حَمَلَهُنَّ تک۔ حسن بن صالح
نے فرمایا کہ میں نے اپنی پڑوسن کو دیکھا کہ وہ گھیس
سال کی عمر میں دادی بن چکی تھیں۔

مرد و عورت کے بالغ ہونیکا بیان

تمام علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لڑکے کو جب احتلام
و انزال ہو تو وہ بالغ ہے اور لڑکی حیض، حمل اور احتلام
سے بالغ قرار پاتی ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ لڑکی کم سے کم نو برس کی عمر میں اور لڑکا کم سے کم بارہ برس
کی عمر میں بالغ ہو سکتا ہے یعنی اگر نو برس کی عمر میں لڑکی یہ کہے کہ مجھے حیض آیا ہے اور لڑکا بارہ برس کی
عمر میں یہ کہے کہ مجھے اختلام ہوا ہے تو ان کا دعویٰ بلا قسم مقبول ہوگا اور شرعاً ان پر بالغ کے احکام جاری
ہوں گے۔ عام علماء احناف فرماتے ہیں کہ اگر لڑکے اور لڑکی کو احتلام و حیض نہ آئے تو ایسی صورت میں
عمر کا اعتبار ہوگا اور لڑکا اور لڑکی جب پورے پندرہ برس کے ہو جائیں تو شرعاً بالغ قرار پائیں گے (در مختار و
تفسیر احمدی ۳۔ سورہ نور کی آیت ۵۹ سے معلوم ہوا کہ لڑکے کو جب احتلام آجائے تو وہ بالغ قرار پائے گا۔
حلمو کے معنی بلوغ کے ہیں۔ ۴۔ حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ میری عمر جب بارہ سال کی ہوئی تو مجھے احتلام ہوا
معلوم ہوا کہ بارہ سال کا لڑکا بالغ ہو سکتا ہے ۵۔ سورہ طلاق کی آیت سے واضح ہوا کہ جس عورت کو حیض
آئے تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ معلوم ہوا کہ جس عورت کو حیض آئے تو وہ بالغ قرار پائے گی ۵۔ کہیں
برس کی عمر میں دادی بننے کی صورت یہ ہے کہ لڑکی کو ۹ برس کی عمر میں حیض آجائے اور اس کی شادی ہو جائے
اور اس کے لڑکی پیدا ہو۔ پھر وہ لڑکی ۹ برس کی عمر میں بالغ ہو جائے اور اس کی شادی کر دی جائے اور اس
کے دس سال کی عمر میں بچہ پیدا ہو جائے تو پہلی لڑکی دادی قرار پائے گی۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر
بروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے محاذ پر
جانے کے لیے پیش ہوئے تو انہیں اجازت نہیں ملی
اس وقت ان کی عمر چودہ سال تھی۔ پھر غزوہ خندق
کے موقع پر پیش ہوئے تو اجازت مل گئی۔ اس وقت

۲۴۸۸۔ حَدَّثَنِي ابْنُ عُمَرَ أَنَّ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَهُ
يَوْمَ أُحُدٍ وَهُوَ ابْنُ أَرْبَعِ عَشْرَةَ سَنَةً
فَلَمْ يُجِزْنِي ثُمَّ عَرَضَنِي يَوْمَ
الْخَنْدَقِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ عَشْرَةَ فَأُجِزَنِي

قَالَ نَافِعٌ فَقَدْ رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ
الْعَزِيزِ وَهُوَ خَلِيفَةُ مُحَمَّدٍ نَشَأَ هَذَا
الْحَدِيثُ فَقَالَ إِنَّ هَذَا لَحَدِيثُ بَيْنِ
الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ وَكُتِبَ الْحَدِيثُ
عُمَا لَكُمْ أَنْ يَفْرَضُوا لِمَنْ يَلْغُ خُمُسَ
عَشْرَةَ

وظیفہ بیت المال سے مقرر کریں۔

آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ نافع نے بیان کیا کہ جب
میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں، ان
کی خلافت کے زمانے میں گیا تو میں نے ان سے یہ حدیث
بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے کے
درمیان یہی حد ہے۔ پھر انہوں نے اپنے عاتل کو
لکھا کہ جس بچے کی عمر پندرہ سال ہو جائے (اس کا فوی

فوائد ومسائل

۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ جب کوئی بچہ پندرہ سال کا ہو جائے تو اس پر
احکام بلوغ جاری ہو جائیں گے اگرچہ اس کو احتلام نہ ہو ۲۔ امام مالک اور
امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک جماد میں شریک کرنے کے لیے بلوغ شرط نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات
مراہتی جو بلوغ کے قریب ہوتا ہے وہ بالغ سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے۔ ویسے بھی مراہتی بلوغ کا دعویٰ
کرے تو مان لیا جائیگا۔

۲۲۸۹۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ يَبْلُغُ
بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
عَسَلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ
مُحْتَلِمٍ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر بالغ پر
جمعہ کے دن غسل ضروری ہے۔

(بخاری)

فوائد ومسائل

اس حدیث میں محتلم کا لفظ آیا ہے جو اس طرف اشارہ ہے کہ احتلام ہونے سے
لڑکا شرعاً بالغ قرار پائے گا ۲۔ جمعہ کے دن غسل کرنا مستحب ہے۔ یہ حدیث کتاب
الجمہ میں گزر چکی ہے اور وہاں اس حدیث کے مسائل بیان ہو چکے ہیں۔

بَابُ سُؤَالِ الْحَاكِمِ الْمَدْعَى هَلْ لَكَ بَيْتَةٌ قَبْلَ الْيَمِينِ

باب قسم لینے سے پہلے حاکم کا مدعی سے یہ کہنا کہ تمہارے پاس گواہ ہے؟

۲۲۹۰۔ اس عنوان کے ماتحت امام نے حدیث عبد اللہ بن مسعود ذکر کی ہے جو باب کلام المخصوص
میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۰۳ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کسی کا مال
نا جائز طریقہ سے حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھانے والے پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ غضب ناک
ہوگا۔ اشعث بن قیس نے کہا یہ حدیث میرے معاملہ میں حضور نے ارشاد فرمائی تھی۔ میرا ایک بیوی

سے زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ حضور نے مجھ سے فرمایا تمہارے پاس گواہ ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ اسلئے حضور نے یہودی سے فرمایا تم قسم کھاؤ۔ میں نے عرض کیا حضور یہ یہودی قسم کھا کر میرا مال ہڑپ کر لیگا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الذِّنَّ بِشْتَرَوْا بَعْدَ اللّٰهِ۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ مدعی علیہ سے قسم لینے سے پہلے مدعی سے پوچھا جائیگا کہ تیرے پاس گواہ ہیں؟ اگر مدعی گواہ پیش کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائیگا اور اگر مدعی گواہ نہیں کر سکے تو پھر مدعی علیہ سے قسم لی جائیگی اور مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو پھر مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی اور مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

بَابُ الْيَمِينِ عَلَى الْمَدْعَى عَلَيْهِ فِي الْأَمْوَالِ وَالْحَدُودِ

باب اموال اور حدود میں مدعا علیہ پر قسم ہے

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | اور نبی علیہ السلام نے فرمایا تیرے دو گواہ
شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ | یا مدعا علیہ پر قسم ہے۔

۱۔ باب کا مطلب یہ ہے کہ یمن صرف مدعا علیہ کا وظیفہ ہے مدعی کا نہیں۔ مقدمہ خواہ مال کے متعلق ہو یا حدود کے متعلق اموال کے دعویٰ میں تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔ یہ تو مفقہ مسئلہ ہے مگر حدود میں بھی مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی؟ یا نہیں اس کے متعلق آئندہ صفحات میں تفصیلی گفتگو کی جا رہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ علامہ کرمانی فرماتے ہیں اصل عبارت یوں ہے الْمُثْبِتُ لِدَعْوَاكَ يَا الْمُجْتَنِّ لَكَ شَاهِدَانِ۔ یعنی یہ مبارک منہدوف کی خبر قرار دی جائے یا خبر کو محذوف مانا جائے اور اصل عبارت یوں ہو شَاهِدَاكَ هُوَ الْمُطْلُوبُ فِي دَعْوَاكَ يَا شَاهِدَاكَ هُمَا الْمُثْبِتَانِ لِدَعْوَاكَ معنی یہ ہوں گے کہ تیرے دعویٰ کو ثابت کرنے والے یا تیری جفت کے دو گواہ ہیں۔ تیرے دعوئے کے ثبوت کے لیے دو گواہ مطلوب ہیں یا دو گواہ تیرے دعوئے کو ثابت کریں گے اس حدیث سے واضح ہے کہ مدعی کے لیے صرف گواہ لانا ضروری ہے اور مدعا علیہ پر صرف قسم۔

مدعی اور مدعا علیہ کی تعریف | علامہ بدر محمود عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدعی اور مدعا علیہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ اول یہ ہے کہ مدعی وہ شخص ہے جو حجت و دلیل کے بغیر اپنے دعویٰ کا سہی نہ ہو۔ دوم مدعی وہ ہے جو ظاہر حال کے خلاف دعوئے کرے سوم۔ مدعی وہ ہے جو ایسے مخفی امر کا ذکر کرے جو ظاہر کے خلاف ہو۔ چہارم مدعی وہ ہے جو اپنے دعوئے

دست بردار ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں یہ تعریف احسن ہے کیونکہ یہ جامع مانع تعریف ہے۔ اور مدعا علیہ وہ ہے جو حجت اور دلیل کے بغیر اپنی چیز کا مستحق ہونا ہے۔ دوم۔ مدعا علیہ وہ ہے جو حالت ظاہری پر قائم ہو۔ سوم یہ کہ مدعا علیہ وہ ہے کہ اگر وہ مقدمہ کو چھوڑنا چاہے تو اس کو چھوڑنے نہ دیا جائے بلکہ مقدمہ پر مجبور کیا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ مدعا علیہ کی یہ تعریف احسن ہے (عینی ج ۱ ص ۸۵ باب اذا اختلف المرأه من الخ)

دعویٰ پر گواہ اور مدعا علیہ پر قسم کا لزوم واضح ہو کہ مدعی کے لیے اپنے دعوے کے ثبوت میں دو گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔ اگر مدعی دو گواہ پیش کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائیگا اور اگر مدعی صرف ایک گواہ پیش کرے یا کوئی گواہ نہ پیش کر سکے تو ایسی صورت میں مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ اپنے حق کو وصول کرنے کے لیے قسم کھانا مشروع ہے۔ کیونکہ اس موقع پر قسم نہ کھانا اپنے مال (حق) کو ضائع کرنا ہے اور حضور نبی کریم علیہ السلام نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص جھوٹے مدعی کے لیے اپنا جائز حق چھوڑ دے اور قسم نہ کھائے تو گویا وہ ظالموں اور خائنوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور یہ جائز نہیں کیونکہ قرآن میں ارشاد باری ہے۔ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

جب مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو اس کے انکار کی وجہ سے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں علامہ ابن

کی دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ کا قسم کھانے سے انکار کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے مدعی کے دعویٰ کو صحیح تسلیم کر لیا (یا انکار کی وجہ بذل بھی ہو سکتی ہے کہ مدعی علیہ مختصمت و منازعت کو ترک کرنے کے لیے قسم نہیں کھاتا) اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کے لیے ضرور قسم کھا لیتا۔ ثانیاً منکر پر قسم کھانا واجب ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ قسم کھائے اور بذل کو اختیار نہ کرے اور اپنا حق نہ چھوڑ دے اور جب اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مدعی کا صادق ہونا واضح ہو گیا اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کا یہ کہنا کہ انکار کی صورت میں مدعی سے قسم لی جائے پھر مدعی کے حق میں فیصلہ کیا جائے۔ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی پر صرف گواہ پیش کرنے کو اور مدعا علیہ پر صرف قسم کھانے کو لازم کیا ہے اور مدعی پر (مدعی علیہ کے قسم سے انکار پر) قسم ٹھانا حدیث کے منقرض کردہ قاعدہ کے خلاف ہے۔

مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم کے لزوم کی حدیثیں اور اسکی حکمت | حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

۱۔ قَالَ لَوْ يَطْعَى النَّاسُ بِدَعْوَا

هُمْ لَأَرَعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَ

أَمْوَالَهُمْ وَلَكِنْ الْيَمِينُ عَلَى

الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (مسلم حدیث ۴۳۵۴)

۲۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَا بِالْيَمِينِ

عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (مسلم ۴۳۵۵)

اگر لوگوں کے محض دعوئے کے مطابق فیصلہ کر دیا
جاتے اور لوگ دوسرے لوگوں کے مال اور جان
کا دعوئے کر ڈالیں گے لیکن مدعا علیہ پر قسم لازم
ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعا علیہ سے قسم لے کر
فیصلہ کیا۔

۳۔ اسی مضمون کی حدیث امام بیہقی نے عن ابی لیکہ عن ابن عباس روایت کی ہے جس میں یہ

الفاظ ہیں۔

وَلَكِنْ الْيَمِينَةُ عَلَى الْمُدَّعَى وَالْيَمِينُ

عَلَى مَنْ أَشْكُرَ (عیبی ج ۱۳ ص ۲۴۸)

لیکن مدعی پر گواہ ہے اور منکر (مدعی علیہ) پر
قسم ہے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری کو یہ مکتوب ارسال کیا جس کے الفاظ

یہ ہیں۔

الْيَمِينَةُ عَلَى مَنْ أَدَّعَى وَالْيَمِينُ

عَلَى مَنْ أَشْكُرَ (بیہقی)

جو دعوئے کرے اس کے ذمہ گواہ لانا ہے اور
جو منکر ہو اس پر قسم

(تلمیذ الحقائق باب القسم، فتح المبین ص ۲۴)

ان احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام شریعت کا ایک اہم قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ
کسی شخص کی بات محض اس کے دعوئے کی بنا پر نہیں مانی جائے گی بلکہ اس کے دعوئے کے قبول ہونے
کے لیے یہ لازم ہے کہ مدعی یا تو اپنے دعوئے کے ثبوت میں گواہ پیش کرے یا پھر مدعی علیہ مدعی کے دعوئے
کی تصدیق کر دے۔ اس حدیث میں نبی علیہ السلام نے مدعی پر گواہ اور مدعا علیہ پر قسم کے
لزوم کی حکمت بھی بیان فرمادی کہ اگر محض کسی کے دعوئے کو (بغیر گواہوں اور ثبوت شرعی) کے مان لیا
جائے تو پھر تو امن اٹھ جائیگا اور ہر شخص لوگوں کے جان و مال کے متعلق دعوئی کر ڈالے گا۔ اس لیے

ضروری ہے کہ مدعی اپنے صدق پر گواہ پیش کرے اور مدعا علیہ چونکہ اس دعوے کا منکر ہوتا ہے اس پر قسم لازمی ہوگی۔ ان احادیث میں نبی علیہ السلام نے مطلقاً مدعی علیہ پر قسم لازم فرمائی ہے جس سے جمہور فقہاء کے اس موقف کا بھی تائید ہوتی ہے کہ ہر وہ شخص جس کے خلاف دعوے کیا جائے اس پر صرف قسم لازم آتی ہے خواہ مدعی مدعا علیہ کے درمیان پہلے سے کوئی میل جول رابطہ واسطہ ہو یا نہ ہو۔ (نبیل الادوار ج ۸ ص ۲۵۵)

بعض وہ مقدمات جن میں اخاف کے نزدیک مُنکر سے قسم لینا جائز نہیں | ۱۔ علامہ بدر محمود عینی شاہ بخاری

فرمانے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مندرجہ ذیل صورتوں میں مُنکر سے قسم نہیں لی جائیگی۔
اول، نکاح۔ مثلاً ایک شخص یہ دعوے کرے یہ عورت میرے نکاح میں ہے اور عورت انکار کرے یا اس کا عکس۔

دوم، رجعت۔ مثلاً طلاق کی عدت گزرنے کی صورت میں مرد یہ دعوے کرے کہ اس نے عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا تھا اور عورت مُنکر ہو یا اس کا عکس۔

سوم، ایلا۔ مثلاً چار ماہ گزر جانے کے بعد مرد یہ دعوے کرے کہ اس نے چار ماہ اندر صحبت کر لی تھی اور عورت مُنکر ہو یا اس کا عکس۔

چہارم، غلام ہونے کا دعویٰ۔ مثلاً کسی نامعلوم النسب کے متعلق کوئی یہ دعوے کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ شخص مُنکر ہو یا اس کا عکس۔

پنجم، ام الولد۔ کوئی عورت اپنے مولیٰ پر دعویٰ کرے کہ وہ اس کی ام ولد ہے اور وہ شخص مُنکر ہو (یہاں عکس متصور نہیں ہے)

ششم، ولا۔ کسی مجہول النسب شخص کے متعلق کوئی دعویٰ کرے کہ اس نے اس کو آزاد کیا تھا۔ لہذا میں اس کا مولیٰ ہوں (اس آزاد شدہ کی ولد کا میں حقدار ہوں) یا اس کا عکس۔

ہفتم، کسی مجہول النسب شخص کے متعلق کوئی دعوے کرے کہ اس کا بیٹا ہے یا اس کا والد ہے اور وہ شخص انکار کرے یا اس کا عکس۔

ہشتم، حدود۔ کوئی شخص دوسرے شخص پر ایسے جرم کا دعوے کرے جو موجب حد ہے اور وہ منکر ہو یا اس کا عکس۔

نہم، لعان۔ مثلاً عورت اپنے شوہر پر یہ دعوے کرے کہ اس نے اس پر زنا کی تمت لگائی ہے

اور اس کا منکر ہو۔

واضح ہو کہ امام محمد والیوسف کا مسلک یہ ہے کہ حدود اور لعان کے سوا، ان تمام صورتوں میں منکر سے قسم لی جائے گی۔ سیدنا امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے اور ہمارے اصحاب اس امر پر متفق ہیں کہ حدود میں منکر سے قسم نہیں لی جائیگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مدعا علیہ کا قسم سے انکار کرنا مدعی کے دعوے کا اقرار یا اس کا بدل ہے۔ لیکن یہ اقرار ایسا ہے جس میں شہرہ ہے اور لعان بھی حکماً حد ہے اور حدود و شہادت سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس لیے حدود اور لعان میں منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا اس باب میں موقف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ منکر سے قسم لینے کا فائدہ یہ ہے کہ قسم سے انکار کی وجہ سے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے۔ لیکن یہاں مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا اس لیے منکر سے قسم بھی نہیں لی جائے گی۔ مثلاً عورت نکاح کے دعوے کی صورت میں قسم سے انکار کرے اور قطع منازعت کے لیے بدل کرے اور یہ کہے اگرچہ میرا اس سے نکاح نہیں ہوا مگر میں اپنی ذات کو مدعی کے حوالے کرتی ہوں یا نسب کے دعوے کی صورت میں مدعا علیہ یہ کہے کہ اگرچہ میں اس کا بیٹا نہیں ہوں مگر اس کے باوجود قطع منازعت کے لیے میں اپنا نسب مدعی کے لیے مباح کرتا ہوں یا غلام ہونے کے دعوے میں کہے کہ اگرچہ میں اس کا غلام نہیں ہوں مگر بطور بدل میں اپنی ذات کو اس کی غلامی میں دیتا ہوں۔ تو ان صورتوں میں بدل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ تو رہتا ہے کہ کوئی شخص قطع منازعت کے لیے اپنے مال کو مدعی کے لیے مباح کر دے جیسے فرض کے مقدمہ میں مدعا علیہ بدل کرنے ہوئے قسم نہ کھائے تو مدعا علیہ پر فرض ادا کرنا لازم ہوگا لیکن یہ نہیں ہوتا کہ کوئی عورت قطع منازعت کے لیے بدل کرتے ہوئے کسی غیر شخص کے لیے اپنا نفس مباح کر دے اس بنا پر سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔

۲۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی لکھا ہے کہ قاضی امام فخر الدین المعروف قاضی خان نے یہ تصریح کی ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اشیاء مستہ میں منکر سے قسم لی جائے گی (یعنی جلد ۱۳ ص ۲۴۳ واللہ اعلم)

وَقَالَ قَتِيبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ
أَبْنِ شُبْرَمَةَ عَنْ كَلْبَةَ ابْنِ أَبِي الزِّنَادِ فِي
شَهَادَةِ الشَّاهِدِ وَيَمِينِ الْمَدْعَى
فَقُلْتُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَاسْتَشْهِدُوا
شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا

قتیبہ نے بیان کیا۔ ان سے سفیان نے۔ ان سے شبرمہ نے کہ قاضی ابوالزناد نے مجھ سے مدعی کی قسم کے ساتھ ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ کرنے کے متعلق بات کی تو میں نے کہا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور گواہ کرلو اپنے مردوں میں سے پھر اگر دوم نہ ہوں تو ایک مرد

رَجُلَيْنِ فَرَجُلٍ هُوَ امْرَأَتَانِ مِمَّنْ
تَرَضَوْنَ مِنَ الشَّهَادَةِ اَنْ تَضِلَّ
اِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰى
قُلْتُ اِذَا كَانَ يَكْتَفِي بِشَهَادَةِ
شَاحِدٍ وَيَسْمَعُ الْمُدْعٰى فَمَا مَخْرَاجُ
اَنْ تُذَكِّرَ اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰى
مَا كَانَ يُضْنَعُ بِذِكْرِ هَذِهِ
الْاُخْرٰى

(بخاری)

عورتیں ایسے گواہ جن کو تم پسند کرو کہ کہیں ان میں سے
ایک عورت بھولے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے
———— ابن شبرمر نے کہا اگر مدعی کی قسم کے ساتھ
ایک گواہ کی گواہی فیصلہ کے لیے کافی ہوتی تو پھر
ایک عورت کا دوسری عورت کو یاد دلانے کی کیا
ضرورت۔ دوسری عورت کے یاد دلانے کے متعلق
کیا کہا جائیگا (یعنی ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو
جس حکمت کی بنا پر رکھا گیا ہے یہ اس حکمت کے
حکمت کے خلاف ہو گا۔

ابو النزاہد مدینہ طیبہ کے قاضی تھے۔ ان کا نام عبداللہ بن زکوان ہے۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر مدعی
دو گواہ نہ پیش کر سکے ایک گواہ ہو۔ تو مدعی سے قسم لے کر فیصلہ کیا جائے کیونکہ حضور علیہ السلام نے مدعی کے
ایک گواہ اور اس کی قسم پر فیصلہ فرمایا ہے — اور حضرت ابن شبرمر دجن کا نام عبداللہ بن شبرمر ہے
(یہ کوفہ کے قاضی تھے) کا مذہب یہ ہے کہ مدعی دو گواہ پیش کرے ورنہ مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ لے
حق میں کر دیا جائیگا۔ مدعی کا ایک گواہ اور اس کی قسم فیصلہ کے لیے کافی نہ ہوگی — کیونکہ اگر ایک
گواہ اور قسم فیصلہ کے لیے کافی ہو تو قسم دو عورتوں کے قائم مقام قرار پائے گی۔ ایسی صورت میں قرآن میں
جو تذکیر کا ذکر ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں رہے گا۔

مدعی کے ایک گواہ اور اس کی قسم پر فیصلہ کرنیکی روایات کا جواب واضح ہو کہ حضرت ابن شبرمر علیہ السلام

یہی، عطاء، نخی، شعبی، اوزاعی، علماء کوفہ واندلس من اصحاب مالک کا ہے اور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی
یہی مذہب ہے کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ جائز نہیں ہے ان حضرات کی دلیل ایک تو قرآن مجید کی
آیت ہے دوسرے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث ہیں جو درجہ شہرت و تواتر کو پہنچی ہوئی
ہیں۔ علامہ ابوبکر جصاص علیہ الرحمہ نے احکام القرآن میں اور علامہ بدر محمد عینی علیہ الرحمہ نے عینی میں بہت تفصیل
مدعی کی قسم اور گواہ پر فیصلہ کرنے کی روایات کے متعدد جواب دیئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ قرآن مجید کی آیت (بقرہ ۲۸۲) میں لین دین کے معاملات میں دو مرد گواہ ہونے ضروری قرار دیئے
ہیں۔ اگر صرف عورتیں گواہ ہوں تو وہ کسی بھی تعداد میں ہوں تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ دوم، دو مرد گواہ نہ
ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے۔ یہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوں گی اور

یہ دو روایتیں مستقل طور پر گواہ قرار پائیں گی۔ لہذا جب مقدم عدالت میں جائیگا تو اگر دو مرد گواہ ہوں تو وہ پیش ہوں گے اور دو مرد گواہ نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ پیش ہوں اور عدالت مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے گی۔

ممن تر ضعون سے گواہوں کی صفت بیان فرمادی۔ یعنی وہ تمہارے پسندیدہ عادل نیک گواہ ہوں تو آیت میں ایک تو عدد کا بیان ہے اور دوسرے صفت کا یعنی وہ تمہارے پسندیدہ عادل نیک گواہ ہوں اور ظاہر ہے کہ ایک گواہ اور قسم والی روایت قرآن مجید کی نص کے خلاف ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جب قرآن کی نص اور حدیث میں تعارض دکھائی دے تو مطابقت کی کوشش کریں گے اور مطابقت نہ ہو سکے تو پھر قرآن کی نص پر عمل کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنا قرآن کی نص پر زیادتی ہے اور نص قرآنی پر زیادتی حکم نص مسخ کرنا ہے اور خبر واحد سے قرآن کے حکم کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے ۲۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ مدعی پر قسم والی حدیث مسخ ہے کیونکہ اشعث بن قیس دس ہجری کو بحضور نبوی حاضر ہوئے تھے اور انہیں حضور نے فرمایا تھا **شَاهِدَاكَ اَوْ يَسِيْرٌ** جس سے واضح ہوتا ہے کہ مدعی پر قسم والی حدیث منسوخ ہے نیز مشہور حدیث **اَلْبَيْتَةُ عَلَى الْمَدْعَى وَالْيَسِيْرُ عَلَى مَنْ اَشْكَرَ** میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس گواہ کا مدعی میں اور مجلس قسم کا مدعی علیہ میں حصر فرمادیا ہے۔ یہ حصر ختم ہو جائیگا تو محض خبر واحد اور وہ بھی فعل سے اس حصر کو ختم کرنا کیونکہ جائز ہوگا۔ ۳۔ نیز ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کی جس قدر روایات مروی ہیں وہ سب کی سب فعلی ہیں۔ مجھے ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کا قول فرمایا ہو۔ اور یہ بھی ضابطہ ہے کہ جب قول اور فعل حدیث میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ۴۔ علامہ بدر محمد عینی شارح بخاری نے عینی ج ۱ ص ۲۲۲ پر ایک گواہ اور مدعی کی قسم والی تمام روایات کو ذکر کر کے ہر روایت پر جرح و تنقید کی وجہ بیان فرمائی ہے اور ان روایات کے راویوں کو معلول، مرسل، مجہول، غیر ثقہ، منکر، راوی متهم باکذب اور ضعیف قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ روایت منقطع ہے۔ امام ترمذی نے علیٰ کبریٰ میں فرمایا کہ میں نے اس روایت کے متعلق امام بخاری علیہ الرحمہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس روایت کے ایک راوی عمر بن دینار ہیں اور ان کا حضرت ابن عباس سے تماسح ثابت نہیں ۵۔ علاوہ ازیں جن راویوں نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کا ذکر کیا ہے انہیں راویوں سے اس کا انکار بھی ثابت ہے۔ تفصیل کے لیے عینی اور احکام القرآن ج ۱ ص ۱۸۱ کا مطالعہ فرمائیں ۶۔ ایک گواہ اور قسم والی روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ
اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَضَىٰ بِبَيْنِ وَشَاهِدٍ

عمر و بن دینار سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور
ایک قسم پر فیصلہ فرمایا۔ (مسلم شریف)

روایت کے متن میں مدعی کا لفظ نہیں ہے۔ اس لیے اس کا یہ مطلب کیوں لیا جائے کہ نبی علیہ السلام
نے مدعی کے ایک گواہ اور اس کی قسم پر فیصلہ فرمایا؟ نیز روایت میں ایک وقت کا ذکر بھی نہیں ہے اس
لیے بشرط صحت اگر اس کی یہ تاویل کی جائے کہ مطلب روایت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے جس گواہ اور
جس قسم پر فیصلہ فرمایا یعنی مدعی کے گواہ اور مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ فرمایا۔ یہ تاویل کی جائے تو روایت
ابن عباس قرآن کے معارض اور مشہور حدیث کہ (مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ) قسم کے معارض نہ ہوگی بلکہ موافق
ہو جائے گی۔ ۱۔ بعض اہل علم نے مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ (پر قسم کھانا لازم ہے) پر قسم کی یہ حکمت بیان کی
ہے کہ مدعی کا موقف ضعیف ہے کیونکہ ظاہر حال اس کے خلاف ہے مدعی ظاہر کے خلاف دعویٰ کرتا
ہے لہذا اس کے دعویٰ کو قوت دو گواہوں سے حاصل ہوگی جو کہ ”جہت“ قویہ ہے۔ اس لیے مدعی کے لیے
ضروری ہے کہ وہ دو گواہ پیش کرے۔ اور جانب مدعی علیہ قوی ہے کیونکہ ظاہر حال اس
کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ مدعی نے جس چیز کا دعوے کیا ہے وہ مدعا علیہ کے قبضہ میں ہے اور چیز اسی کی قرار پاتی ہے
جس کے قبضہ میں ہو۔ اس لیے مدعی کے لیے قسم کھانا (جو کہ حجتہ ضعیفہ ہے) کافی نہیں (ذیل الاطوار ج ۸ ص ۳۵۳)
چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی اس حکمت کی تائید ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے
فرمایا ہے اگر محض لوگوں کے دعویٰ کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کی جان و مال کا دعوے
کر بیٹھیں گے لیکن مدعی علیہ پر بین (قسم) لازم ہے (مسلم) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ ایک گواہ اور
مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مدعی کی قسم اس کا دعوے ہے اور حضور نے فرمایا محض کسی کے
دعوے کی بنا پر اس کا حق نہیں دیا جاسکتا یا مدعی کی قسم صرف اس کا قول ہے اور محض کسی کے قول کی بنا پر
اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ نیز صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص ”حضر موت“ اور ایک
شخص قبیلہ کندہ سے دونوں حاضر دربار ہوئے۔ ”حضر موت“ والے نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے میری
زمین زبردستی لے لی ہے۔ کندی نے کہا وہ زمین میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ حضور نے فرمایا تمہارا
پاس گواہ ہیں عرض کی نہیں۔ فرمایا تو اب تم کندی سے حلف لے سکتے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ یہ شخص
فاجر ہے یہ تو قسم کی بھی پروا نہیں کرے گا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اس کے سوا کوئی دوسری بات نہیں
ہے۔ اسی مضمون کی حدیث بخاری میں ہے ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۲۹۳ اس حدیث میں حضور نے مدعی

یہ فرمایا کہ وہ بہر حال دو گواہ پیش کرے۔ ورنہ اس کا دعویٰ ثابت نہ ہوگا۔ اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں ہے تو اگر ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ جاتا رہتا تو حضور ایسا نہ فرماتے۔

۲۲۹۱۔ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ كَتَبَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ

ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی علیہ کے حق میں اس کے قسم کھانے پر فیصلہ کیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ مدعی پر صرف گواہ پیش کرنا ہے۔ اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے کہا جائیگا کہ وہ قسم کھائے جو کہ احناف کا مذہب ہے۔ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ بھی احناف کے مذہب کے مؤید ہیں۔

۲۲۹۲۔ سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہاں حضرت اشعث بن قیس کے واقعہ والی حدیث کو مکرر ذکر کیا ہے دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۰۳ و ۲۲۹۰ جس میں یہ جملے بھی ہیں شَهِدَاكَ اَوْ يَمِينُكَ الخ سے واضح ہوا کہ مدعی پر قسم نہیں آتی وہ تو اپنے دعوے کے ثبوت میں دو گواہ پیش کرے اور اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ قسم کھائے۔ حضرت اشعث نے حضور نبویؐ عرض کیا تھا کہ حضور مدعا علیہ تو قسم کھا کر میل مال ہڑپ کر لے گا۔ اس پر نبی علیہ السلام نے حضرت اشعث کو جو مدعی تھے سے فرمایا کہ ضابطہ شرعی یہ ہے کہ تو گواہ پیش کر اگر تیرے پاس گواہ نہیں ہیں تو مدعی علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ اب اگر مدعا علیہ جھوٹی قسم کھا کر ناحق تیرا مال لے لیتا ہے تو وہ سخت و شدید گناہ کا مرتکب ہوگا۔ قیامت کے دن اس کے لیے عذاب الیم ہوگا۔ مگر ضابطہ شرعی کے مطابق فیصلہ قاضی اس کے حق میں کرے گا جس نے قسم کھائی ہے اگرچہ واقع میں اس نے جھوٹی قسم کھائی ہو کیونکہ قاضی ظاہر پر فیصلہ کرنے کا مکلف ہے باطن نہیں

باب اِذَا دَعِيَ اَوْ قُذِفَ فَلَهُ

باب جب کوئی شخص دعویٰ کرے یا کسی پر تہمت لگائے

تو وہ گواہ تلاش کرے اور گواہوں کی تلاش میں سعی کرے

اَنْ يَلْتَمِسَ الْبَيِّنَةَ وَيَطْلُبَ الْبَيِّنَةَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بلال بن اُمیر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحاح کے ساتھ لوث

۲۲۹۳۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ هَلَالَ ابْنَ اُمِيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَشْرِيكَ بْنِ

سَحَابًا فَقَالَ السَّيِّئُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ السَّبِيَّةُ أَوْحَدٌ فِي ظَهْرِكَ
فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا رَأَى أَحَدًا عَلَى
أَمْرٍ مِنْهُ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ السَّبِيَّةَ
فَجَعَلَ يَقُولُ السَّبِيَّةُ وَالْأَحَدُ فِي
ظَهْرِكَ فَذَكَرَ حَدِيثَ اللَّعَّانِ

(بخاری)

ہونے کی تمت لگائی تو آنحضور نے فرمایا کہ اس پر گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری بیٹی پر حد لگائی جائے گی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی شخص اگر اپنی عورت پر کسی دوسرے کو دیکھے گا تو گواہ ڈھونڈنے دوڑے گا، لیکن آنحضور برابر یہی فرما رہے کہ گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری بیٹی پر حد لگائی جائے

(بخاری) | گی۔ پھر لعان کی حدیث کا ذکر کیا
۱۔ اس حدیث کو امام نے تفسیر اور طلاق میں وترندی کے تفسیر اور طلاق میں اور ابرو اودونے
طلاق میں ذکر کیا ہے۔

فائدہ و مسائل ۲۔ عنوان میں دو باتوں کا ذکر ہے اول اذا ادعی یعنی جب کوئی شخص کسی پر کسی شے کا دعویٰ کرے دوم اَوْ قَذَفَ یعنی مرد و مرد پر زنا کی تمت لگائے یا شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تمت لگائے۔ فَلَهُ تَرْدَعُ اور قاذف بِیَمْنِهِ گواہ تلاش کرے۔ یہاں فَلَهُ کی ضمیر ایسے ہی ہے جیسے آیت اعْدُواْ هَاقِبَ لِلتَّقْوَى میں ہے۔ ۲۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زیر عنوان حدیث خاص ہے یعنی شوہر کا بیوی پر زنا کی تمت لگانا اور عنوان عام ہے کہ خواہ شوہر بیوی پر تمت لگائے یا کوئی اجنبی کسی عورت پر تمت لگائے۔ تو امر واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے جو عنوان قائم کیا ہے وہ عام ہے اور زیر عنوان حدیث خاص ہے۔

لعان اور اس کے ضروری مسائل

واضح ہو کہ سورہ نور کی آیت ۵ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ
الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَا يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شَهَادَةٍ

فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً ۚ لَّيْسَ فِيهِمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ
والے کی جبکہ وہ چار یعنی گواہ پیش نہ کر سکے۔ سزا یہ ہے کہ انہیں اسی دڑے لگائے جائیں اور ہمیشہ کے لیے ان کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ یہ سزا مطلقاً ہرقاذف کے لیے ہے (یعنی خواہ عاوند بیوی پر یا کوئی اجنبی شخص کسی عورت پر خواہ کوئی مرد مرد پر یا عورت عورت پر زنا کی تحت لگاتے۔ سب کے لیے حکم یہی ہے — آیات حد قذف کو نازل ہوئے ابھی تھوڑا وقت گزار تھا کہ حضرت بلال بن اُمیرؓ کو یہ واقعہ پیش آ گیا کہ وہ عشرہ کے وقت اپنی زمین سے واپس ہوئے تو اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو بچشم خود دیکھا اور ان کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں مگر کوئی اقدام نہ کیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت یہ واقعہ عرض کیا (جس کا ذکر زیر عنوان حدیث میں بھی ہے) ادھر انصار کہنے لگے کہ اب قانون شرعی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہ کو اسی کوڑے سے حد قذف کے لگائیں گے اور لوگوں میں ان کو ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت قرار دیدیں گے مگر ہلال بن امیہ نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے پوری اُمیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس مصیبت سے نجات عطا فرمائیں گے اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال کا معاملہ سن کر قرآنی حکم کے مطابق ہلال سے فرما بھی دیا کہ یا تو اپنے اس دعوے پر بیٹہ (چار گواہ) لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھی پر حد قذف جاری ہوگی ہلال ابن امیہ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنے کلام میں سچا ہوں اور ضرور اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نازل فرما دے گا جو میری پیٹھی کو حد قذف سے بری کر دے گا۔ یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ جبریل امین وہ آیات جن میں لہان کا قانون ہے لے کر نازل ہوتے

اور وہ جو اپنی عورتوں کو عیب لگائیں اور ان کے پاس اپنے بیان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کے نام سے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو اور عورت سے بوں منرا ٹل جائے گی کہ وہ اللہ کا نام لے کر چار بار گواہی دے کہ مرد جھوٹا ہے ف اور پانچویں بوں کہ عورت پر غضب اللہ کا اگر مرد سچا ہو

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شَهَادَةٌ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعٌ شَهَدَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑤ وَالْخَامِسَةُ اَنْ لَعَنَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑥ وَيَذَرُوْا عَنْهَا الْعَذَابَ اِنْ تَشْهَدُ اَرْبَعٌ شَهَدَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦ وَالْخَامِسَةَ اَنْ غَضَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑧

ابو یعلیٰ کی روایت ہے کہ جب آیات لہان نازل ہوئیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال ابن امیہ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مشکل کا حل نازل فرما دیا ہے۔ ہلال نے عرض کی مجھے بارگاہ الہی سے ایسی اُمیہ تھی ————— چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کی بیوی کو طلب فرمایا اور دونوں میاں بیوی کے سامنے معاملہ کے متعلق دریافت فرمایا۔ ہلال کہا بیوی نے کہا میرا شوہر مجھ پر جھوٹ الزام لگاتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے کیا تم میں کوئی ہے جو عذاب الہی سے ڈر کر (توبہ کرے اور سچ کہے) اس پر ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میں نے سچ کہا ہے اور جو کچھ کہا ہے حق کہا ہے تب حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کی طلب فرمایا اور دونوں میاں بیوی کے سامنے معاملہ کے متعلق دریافت فرمایا۔ ہلال کی بیوی نے کہا کہ میرا شوہر مجھ پر جھوٹ الزام لگاتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ہے جو (عذاب الہی سے ڈر کر) توبہ کرے اور سچ کہہ دے اس پر ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان میں لے سچ کہا ہے اور جو کچھ کہا ہے حق کہا ہے تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میاں بیوی سے ان لفظوں سے قسمیں دلواتیں جو قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات میں مذکور ہیں۔ لعان کے عمل کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میاں بیوی میں تفریق فرمادی فرمایا **المتلاعان لا تجمعان ابداً** اور یہ بھی فرمایا **وَقَضَى بَيْنَ لَا تَشْرَحِي وَلَا وَكْدَهَا**۔ یہ بھی حکم دیا کہ عورت کو زانیہ اور اس کے بچہ کو ولد الزنا کہنا بھی جائز نہیں ہے۔

شرائط لعان | لعان اور طاعت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الہی کی بددعا کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں میاں اور بیوی دونوں کو چھ خاص قسمیں دینے کو لعان کہتے ہیں۔ اس کے لیے چند شرطیں ہیں ۱۔ صحیح صحیح ہو۔ اگر اُس عورت سے اس کا نکاح فاسد ہوا ہے اور تمہمت لگائی تو لعان نہیں ۲۔ زوجیت قائم ہو خواہ دخول ہوا ہو یا نہیں لہذا اگر تمہمت لگانے کے بعد طلاق بائن دی تو لعان نہیں ہو سکتا اگرچہ طلاق دینے کے بعد پھر نکاح کر لیا۔ یونی اگر طلاق بائن دینے کے بعد تمہمت لگائی یا زوجہ کے مرنے کے بعد تو لعان نہیں اور اگر تمہمت لگانے کے بعد رجعی طلاق دی یا رجعی طلاق کے بعد تمہمت لگائی تو لعان ساقط نہیں ۳۔ دونوں آزاد ہوں ۴۔ دونوں عاقل ہوں ۵۔ دونوں بالغ ہوں ۶۔ دونوں مسلمان ہوں ۷۔ دونوں ناطق ہوں یعنی ان میں کوئی گونگ یا نہ ہو ۸۔ ان میں

ملہ واضح ہو کہ جو واقعہ ہلال بن امیہ کو پیش آیا ایسا ہی واقعہ عویر عثمان کو بھی پیش آیا۔ جن کا نکاح حاصم بن عدوی کی چچا زاد بنی خولہ سے ہوا تھا۔ عویر عثمان نے دیکھا کہ ان کی بیوی خولہ، شریک بن سحاک کے ساتھ مبتلا ہے۔ شریک بن سحابی حاصم کا چچا زاد بھائی تھا۔

اب یہ سوال کہ آیات لعان کس کسے میں نازل ہوئیں تو حضرت حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے فتح الباری میں اور علامہ نودی شارح مسلم نے یہ تطبیق بیان کی ہے کہ آیات لعان تو ہلال بن امیہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں لیکن عویر عثمان کو بھی جب یہی واقعہ پیش آیا تو حضور نے ان کے ساتھ یہ بھی فرمایا **عَصِمَ فَرَايَا** اور اس پر قرینہ یہ ہے۔ ہلال بن امیہ کے مسائل میں فضیل جبریل کے الفاظ آتے اور عویر عثمان کے واقعہ میں الفاظ یہ ہیں **فَدَا نَزَلَ اللَّهُ فِيكَ** (منظری و دیگر ۵۵۵)۔

کسی پر حد قذف نہ لگائی گئی جو ۹۔ مرد نے اپنے اس قول پر گواہ نہ پیش کیے ہوں ۱۰۔ عورت زنا سے انکار کرتی ہو اور اپنے کو پارہ راستی ہو۔ اصطلاح شرع میں پارہ راست کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وطی حرام نہ ہوتی ہو نہ وہ اس کے ساتھ متمم ہو۔ محسنات کے معنی تمت زنا میں یہ ہیں کہ وہ عاقل، بالغ، آزاد مسلمان عقیق ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا ثبوت نہ ہوا ہو ۱۱۔ عورت قاضی کے حضور مطالبہ کرے ۱۲۔ شہر زنا کی تمت لگانے کا اقرار کرے۔ واضح ہو کہ لعان معاف نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ عورت ایک عرصہ کے بعد مطالبہ کرے تو بھی لعان کرایا جائیگا۔ اگرچہ عورت نے کچھ لے کر صلح کر لی ہو تو بھی مطالبہ کرنے کا عورت کو حق ہے جو لیا ہے خاوند کو واپس کر دے (عالمگیری وغیرہ)

لعان کے ضروری مسائل ۱۔ لعان صرف میاں بیوی کے درمیان ہو سکتا ہے ۲۔ یہ بھی ضروری ہے کہ میاں بیوی پر خالص زنا کی تمت لگائے تو لعان ہو گا ورنہ نہیں

۳۔ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے یا یہ کہے کہ یہ بچہ جو میری بیوی کے پیدا ہوا ہے میرے نطفہ سے نہیں ہے۔ بیوی جس پر تمت لگائی گئی ہو شوہر کو جھوٹا قرار دے اور یہ مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تمت لگائی گئی ہے اس لیے شوہر پر تمت زنا کی منہ اسی کوڑے جاری کی جاوے تو اس وقت شوہر سے مطالبہ کیا جائے گا کہ الزام زنا پر چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے گواہ پیش کر دیئے تو عورت پر حد زنا لگائی جائے گی اور اگر شوہر چار گواہ نہ لاسکے تو پھر میاں بیوی کے درمیان لعان کرایا جائے گا۔ یعنی اول مرد سے کہا جائیگا کہ وہ چار منہ ان الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رُکے تو اس کو قید کر دیا جائیگا کہ

یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر دیا نہ کہ وہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ یہ قسم کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اس کو قید رکھا جائیگا۔ اگر شوہر نے اپنے جھوٹے ہونیکا اقرار کر لیا تو اس پر حد قذف یعنی تمت زنا کی شرعی منہ جاری ہوگی اور اگر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں تو اس کے بعد عورت سے ان الفاظ میں پانچ قسمیں لی جاویں گی جو قرآن میں عورت کے لیے مذکور ہیں۔ اگر وہ قسم کھائے سے انکار کرے تو اس کو اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ یا تو شوہر کی نصیحت قبول کرے اور اپنے جرم زنا کا اقرار کرے اس پر زنا کی حد جاری کر دی جائے گی اور اگر عورت قرآن میں مذکور الفاظ سے قسمیں کھانے پر راضی ہو جائے اور پانچ قسمیں کھائے تو لعان مکمل ہو گیا ۴۔ جب دونوں میاں بیوی میں لعان کا معاملہ ہو گیا تو دنیا کی منہ یعنی حد قذف اور حد زنا سے دونوں بچ جائیں گے اور آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کون جھوٹا ہے۔ ۵۔ لعان کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتے ہیں۔ اب دونوں میں

نکاح نہیں ہو سکتا۔ شوہر کو چاہیئے کہ طلاق دیدے۔ اگر شوہر طلاق نہ دے تو حاکم و قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا اور یہ تفریق طلاقِ بائنہ قرار پائے گی ۶۔ لعان کے بعد عورت کو زانیہ اور اس کے بچہ کو والد الزنا کہا جائز نہیں ۷۔ لعان کے بعد اگر کوئی عورت کو زانیہ کہے یا اس کے بچہ کو حرامی کہے تو ایسا کہنے والے پر حد جاری ہوگی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ مَنْ رَعَاها اور محی وَلَدَها فَعَلَيْه الحَد (یعنی جلد ۱۳ صفحہ ۲۵) ۸۔ لعان خاوند کے حق میں قذف کے قائم مقام ہے اسی لیے یہ شرط ہے کہ عورت ایسی ہو کہ جس پر تہمت لگانے والے پر حد لگائی جاتی ہو یعنی مرد نے اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائی۔ اس طرح کہ اگر اجنبیہ عورت کو لگاتا تو حد قذف (تہمتِ زنا کی حد) اس پر لگائی جاتی۔ مطلب یہ کہ عورت عاقلہ، بالغہ، حرہ، مسلمہ، عقیقہ ہو تو لعان کیا جائیگا ورنہ نہیں ۹۔ لعان صرف اس صورت میں ہوگا جب کہ شوہر نے زنا کی تہمت لگائی ہو یا اس کی بیوی کے جو بچہ پیدا ہوا ہے اس کا اپنے نطفے سے ہونیکا انکار کر دیا ہو ۱۰۔ اگر متعدد بار تہمت زنا لگائے گا تو لعان صرف ایک بار ہوگا۔ متعدد بار نہیں۔ جیسے اگر متعدد بار زنا کا ثبوت ہوا ہو جائے تو زانی پر حد ایک بار ہی لگے گی متعدد بار نہیں۔ — غرض کہ لعان کے لیے میاں بیوی کا اہل شہادت سے ہونا ضروری ہے۔ ۱۰۔ لعان کے بعد چونکہ میاں بیوی میں تفریق بغیر طلاق اور بغیر شوہر کی وفات سے ہوتی ہے۔ اس لیے بیوی اہل عدت کا نفقہ وغیرہ خاوند سے نہیں لے سکتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی فرمایا۔ وَلَا قُوَّةَ مِنْ اَجْلِ اَنْهَمَا يَتَفَرَّقَانِ مِنْ غَيْرِ طَلَقٍ وَلَا مَتَوَفًى عَنْهَا (یعنی ج ۱۳ صفحہ ۲۵) ۱۱۔ اگر حائضہ ہے تو تین حیض عدت گزر جانے کے بعد اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کے بعد جس شخص سے چاہئے نکاح کر سکتی ہے۔ البتہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ اگرچہ لعان کے بعد اب دونوں ایک دوسرے کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتے ہیں۔ اور عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے مگر اس صورت میں جب کہ خاوند طلاق بھی دیدے۔

فائدہ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ مسلمان مرد اور اس کی کافرہ بیوی کے درمیان لعان جائز ہے یا نہیں۔ تفصیل کے لیے عینی ج ۱۳ ص ۱۳۵ ملاحظہ فرمائیے۔ — اخاف کے نزدیک مسلمان اور اس کی کافرہ بیوی کے درمیان لعان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چار عورتوں سے لعان نہیں ہو سکتا۔ نصرانیہ جو مسلمان کی زوجہ ہو، یہودیہ جو مسلمان کی بیوی ہو۔ حرہ جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور لونڈی جو کسی مسلمان مرد کے نکاح میں ہو

لعان کی حکمت واضح ہو کہ سورہ نور کی آیت میں قانون یہ بیان ہوا ہے جو شخص کسی شخص پر زنا کی تہمت لگائے تو الزام لگانے والا چار عینی گواہ پیش کرے اگر کوہ پیش نہ کر سکے

تو تمت لگانے والے کو قذف کی سزا اسی دُورے لگائی جائے گی۔۔۔۔۔ لیکن میاں بیوی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے عام قانون الگ اس کا ایک مستقل قانون بنادیا۔ اس کی وجہ کیا ہے تو بات یہ ہے کہ حکم الہی کے سامنے مصمم قلب کے ساتھ مگردن جھکا دینا ہی ایمان و ایقان کا تقاضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہے وہ جیسا چاہے قانون بنا سکے ہم اس کی فلاسفی اور حکمت تلاش کرنے والے کون؟ تاہم انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم سے نوازا ہے اسی بنا پر وہ احکام الہیہ کی حکمت تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ بندہ نے جو حکمت معلوم کی ہے وہی اللہ رب العزت جل مجدہ کے ہاں بھی صحیح ہو۔۔۔۔۔ بہر حال میاں بیوی کے لعان کی حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ عام آدمی چار گواہ مہیا نہ کرے کی وجہ سے زنا کا الزام لگانے سے خاموش ہو سکتا ہے تاکہ حدِ قذف سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن خاوند کے لیے یہ معاملہ بہت سنگین، انتہائی کرب و پریشانی کا موجب اور عمر بھر کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔ شوہر نے جب اپنی آنکھوں سے واضح طور پر دیکھ لیا کہ اس کی بیوی فلاں سے ملوث ہوئی ہے اور گواہ موجود نہیں ہیں۔ اب اگر بیوی پر زنا کی تمت لگاتا ہے تو تمت زنا کی سزا پائے اور اگر خاموش رہنا ہے تو ساری عمر عن کے گھونٹ پیتا رہے اور اس کی زندگی وبالِ جان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کرب و پریشانی سے بچانے کے لیے میاں بیوی کے معاملہ کو عام قانون سے علیحدہ فرمادیا۔ واللہ اعلم

بَابُ الْيَمِينِ بَعْدَ الْعَصْرِ

باب عصر کے بعد قسم کھانے کی ممانعت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین طرح کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا۔ ننان کی طرف نظر رحمت فرمائیگا اور نہ انھیں پاک کرے گا بلکہ انھیں مددِ ناک عذاب بھیگا، ایک وہ شخص جس کے پاس سفر کی حالت میں ضرورت سے زیادہ پانی ہو

۲۴۹۴- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يَزِيدُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ رَجُلٌ عَلَى فُضْلٍ مَاءٍ بِطَرِيقٍ يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنُ السَّبِيلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ

۱۔ یہی وجہ ہے کہ اس باب کی احادیث میں آپ نے پڑھا ہوگا۔ شوہر غیرت و قیمت کرب و پریشانی کے عالم میں بھڑو بہت مرض کرتا ہے۔ یا رسول اللہ کوئی شخص اپنی عورت پر کسی مرد کو دیکھے تو وہ گواہ ڈھونڈنے جائے۔ حضور میں اس کا تار سے کام تمام نہ کر دوں؟

رَجُلٌ لَّهُ يَبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا فَإِنْ آعْطَاهُ
مَائِسِيْدَةً وَفِي لَهْ وَالْأَكْرَفِيْلَهُ وَ
رَجُلٌ سَاوَمَ رَجُلًا بِسَلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ
فَحَلَفَ بِاللَّهِ لَقَدْ آعْطَى يَاهُ كَذَا وَ
كَذَا فَآخَذَهَا (بخاری)

اور کسی مسافر کو (جو پانی کا ضرورت مند ہو) نہ دے
وہ شخص جو کسی (خلیفہ المسلمین) سے بیعت کرے اور
صرف دنیا کے لیے بیعت کرے کہ جس سے اس نے
بیعت کی اگر وہ اس کا مقصد پورا کر دے تو یہ بھی
وفا داری سے کام لے، ورنہ اس کے ساتھ بیعت
عہد کے خلاف کرے وہ شخص جو کسی سے عمر کے بعد کسی سامان کا بھادو کرے اور اللہ کی قسم کھائے کہ اسے اس
سامان کا اتنا اتنا مل رہا تھا۔ اور شتر کی بات کو سچ سمجھ اس چیز کو خرید لے۔

فوائد مسائل | ۱۔ یہ حدیث مع تعلیم و ترجمانی کے باب اشعر من منع ابن السبیل من الماء
میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۲۰۴ (۲) جھوٹی قسم کھانا بہر حال حرام و ناجائز
ہے مگر عصر کے بعد جھوٹی قسم کھانا اور بھی زیادہ گناہ کا موجب ہے۔ عصر کے وقت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ
اس وقت رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں — علامہ بدر محمد عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں تخصیص
کی یہ وجہ قرار دینا زیادہ بہتر ہے کہ اس وقت لوگوں کے اعمال آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں کیونکہ یہ فرشتے تو
غیر کی نماز کے بعد بھی حاضر ہوتے ہیں۔

بَابُ يَحْلِفُ الْمُدْعَى عَلَيْهِ حَيْثُمَا وَجِبَتْ عَلَيْهِ الْيَمِينُ

باب مدعی علیہ پر جہاں قسم واجب ہوئی اسی جگہ اس سے قسم لی جائیگی
اور اس جگہ سے کہیں دوسری جگہ اسے نہیں لیجایا جائیگا
مروان بن حکم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک
مقدمے کا فیصلہ منبر پر بیٹھے ہوئے کیا اور (مدعا علیہ
ہونے کی وجہ سے) ان سے کہا کہ قسم آپ میری جگہ
آکر کھائیے (یعنی منبر کے قریب) لیکن زید رضی اللہ
عنہ اپنی ہی جگہ جہاں وہ کھڑے تھے قسم کھانے لگے
اور منبر کے پاس جا کر قسم کھانے سے انکار کر دیا۔
مروان کو اس پر بہت تعجب ہوا اور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ دو گواہ لاؤ ورنہ فریق

وَلَا يُصْرَفُ مِنْ مَوْضِعٍ إِلَى غَيْرِهِ
وَقَضَى مَرْوَانُ بِالْيَمِينِ عَلَى زَيْدِ بْنِ
ثَابِتٍ عَلَى الْيَمِينِ فَقَالَ أَحْلَفُ مَكَانِي
فَجَعَلَ زَيْدٌ يَحْلِفُ وَالْحَسْبُ أَنْ
يَحْلِفَ عَلَى الْيَمِينِ فَجَعَلَ مَرْوَانُ
يَعْجَبُ مِنْهُ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ
فَلَمْ يَخْمَصْ مَكَانًا دُونَ مَكَانٍ (بخاری)

ثانی کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ آپ نے کسی خاص جگہ پر قسم کھانے کی تخصیص نہیں فرمائی تھی۔ (بخاری)

مطلب بخوان یہ ہے کہ حسب قواعد شریعہ مدعی علیہ سے حاکم وقاضی کو قسم لینے پڑے تو جہاں عدالت ہے یا جس جگہ قاضی فیصلہ کر رہا ہے وہیں قسم لی جائیگی۔ مجلس قاضی کے علاوہ کسی خاص وقت جیسے عصر کے بعد، جمعہ کے دن یا کسی خاص مکان جیسے کعبہ، مسجد نبوی، منبر رسول، عام مساجد یا نماز کے بعد جب کہ مسلمانوں کا اجتماع ہو یا قبلہ کی طرف منہ کر کے یا قرآن مجید کے سامنے مدعی علیہ سے قسم لینا واجب اور ضروری نہیں ہے اور نہ ان مقامات وغیرہ پر مدعی علیہ کو قسم اٹھانے پر مجبور کیا جائیگا۔ مروان بن حکم جو حضرت امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔ اس نے حضرت زبیر بن ثابت کو حکم دیا تھا کہ آپ جس منبر پر میں بیٹھا ہوں اس کے قریب اگر قسم اٹھائیے تو حضرت زبیر نے فرمایا کہ مجلس قاضی میں جہاں میں کھڑا ہوں وہیں قسم کھانا ہوں منبر کے قریب اگر قسم نہیں اٹھاؤں گا اس تعلیق کو امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، حنابلہ اور امام بخاری علیہم الرحمہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے مدعا علیہ سے کسی خاص جگہ پر قسم لینے کی تخصیص نہیں فرمائی ہے یعنی قسم میں صداقت و حقانیت خاص مکان جیسے کعبہ، مسجد نبوی، منبر رسول وغیرہ یا کسی خاص وقت جیسے عصر کے بعد یا جمعہ کے دن سے پیدا نہیں ہوتی۔ جہاں عدالت ہے اور قانون شریعت کے مطابق مدعی علیہ پر قسم واجب ہوتی ہے اس سے قسم اسی وقت اور وہیں لی جائیگی۔ قسم لینے کے لیے نہ کسی خاص وقت کا انتظار کیا جائے اور نہ کسی مقدس جگہ اسے لے جایا جائے۔ اس لیے کہ مکان و زمان کے تقدس سے قسم میں صداقت و حقانیت نہیں پیدا ہوتی۔ اگر کوئی شخص معاذ اللہ کعبہ میں مسجد نبوی میں قرآن مجید کے سامنے یا جمعہ کے دن جھوٹی قسم اٹھالیتا ہے تو وہ قسم جھوٹی ہی رہے گی۔ البتہ یہ ضرور ہے مذکورہ بالا مقدس مقامات اور اوقات میں جھوٹی قسم کھانا گناہ کی شدت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ عصر کے بعد جھوٹی قسم والے سے نہ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات کریگا۔ نہ انھیں دیوارِ الہی کی دولت حاصل ہوگی اور نہ ان کا تذکیہ فرمائیگا بلکہ عذابِ الیم میں مبتلا فرمائے گا کیونکہ اس نے ایک تو جھوٹی قسم کھائی جو بھائے نمود گناہ ہے دوسرے نزولِ ملائکہ کے وقت جھوٹی قسم کھا کر اس وقت کے تقدس کو پامال کیا۔

۲۲۹۵۔ جھوٹی قسم کھانا سخت و شدید گناہ ہے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص قسم اس لیے کھاتا ہے کہ تاکہ اس کے ذریعے کسی کا مال (زنا یا زلزلہ)

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ لِيَقْتُلَ بِهَا مَا لَا لِقَىٰ اللَّهُ وَهُوَ عَلَيْكَ غَضَبَانُ

پر ہضم کر جائے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ خداوند قدوس اس پر غضبناک ہوگا (بخاری)

قوائد و مسائل | اس مضمون کی احادیث اور متعدد بار گزر چکیں۔ حدیث ہذا میں مال کو ناجائز طریقہ سے ہڑپ کرنے والے کے لیے وعید شدید آئی ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صرف کسی کے مال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے کے لیے قسم کھانا سخت و شدید گناہ ہے بلکہ کسی بھی معاملہ میں جھوٹی قسم کھانا حرام و ناجائز و کبیرہ ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں فرمایا۔ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کے مال پر ناحق قبضہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام اور جہنم کو واجب کر دیتا ہے یا شخص نے عرض کی یا رسول اللہ اگرچہ وہ معمولی چیز ہو؟ فرمایا اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو (مسلم) غرض کہ مطلقاً جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے اور توبہ لازم اور جھوٹی قسم کھلاں و جائز سمجھنا کفر ہے۔

بَابُ إِذَا تَسَاعَى قَوْمٌ فِي الْيَمِينِ

باب جب ایک دوسرے سے پہلے قسم کھانے کی کوشش کریں

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اشخاص سے قسم کھانے کے لیے کہا (ایک ایسے مقدمے کے سلسلے میں جس کے یہ لوگ معنی تھے) قسم کے لیے سب ایک ساتھ آگے بڑھے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قسم کھانے کے

۲۴۹۶۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَى قَوْمٍ الْيَمِينِ فَأَسْرَعُوا فَأَمَرَ أَنْ يُسَهَّمُ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِينِ أَيُّهُمْ يَحْلِفُ

لیے ان میں باہم قرعہ اندازی کی جائے کہ پہلے کون قسم کھائے (بخاری)

قوائد و مسائل | مطلب حدیث یہ ہے کہ ایک چیز کے متعدد وعیداریں اور ہر ایک، ایک دوسرے سے پہلے قسم کھا کر اس چیز کو حاصل کرنا چاہے تو ان میں قرعہ اندازی کی جائے۔ علامہ خطابی نے

فرمایا ایک چیز متعدد افراد کے قبضہ میں ہو اور اسباب استحقاق میں سب برابر ہو اور ہر شخص اس پوری چیز کا مدعی ہو اور ان میں سے ہر شخص ایک دوسرے سے پہلے قسم کھا کر اس چیز کو حاصل کرنا چاہے تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے۔ جس کا نام نکل آئے وہ پہلے قسم اٹھائے اور اس چیز کا مستحق ہو جائے۔ یہ حدیث مشکل ہے بہر حال یہ حکم اس وقت تھا جب کہ گواہ اور قسم سے فیصلہ کرنا مشروع نہ تھا۔ اب یہ حکم قرآن و حدیث کی تصریحات کی روشنی میں منسوخ ہے واللہ اعلم

بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِرُونَ

باب اللہ کا ارشاد وہ جو اللہ کے عہد

بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَبِي مَا فَهِمَ شَيْئًا قَلِيلًا
 ۲۲۹۷- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى يَقُولُ
 أَقَامَ رَجُلٌ سَلَمَةً فَحَلَفَ بِاللَّهِ لَعَنَهُ
 أَعْطَى بِهَا مَا كَرِهَ يُعْطِيهَا فَنَزَلَتْ آيَةُ
 الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ
 شَيْئًا قَلِيلًا وَقَالَ ابْنُ أَبِي أَوْفَى لَنَا جِشُّ
 أَكْبَلُ رِبَا خَائِنٍ (بخاری)

اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں۔
 حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے کہا کہ ایک شخص نے اپنا
 سامان دکھا کر (بیچنے کے لیے) اللہ کی قسم کھائی کہ اسے
 اس سامان کا اتنا مل رہا تھا، حالانکہ اسے اتنا نہیں
 مل رہا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ”جو لوگ اللہ
 کے عہد اور اپنی قسموں کے ذریعے ذلیل دام حاصل
 کرتے ہیں الخ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

گاہوں کو بچانے کے لیے قیمت بڑھانے والا سود خوار کی طرح جائن ہے۔

۲۲۹۸- عَنْ أَبِي وَكَيْلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ
 السَّخِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ
 حَلَفَ عَنْ يَمِينٍ كَاذِبًا لَقَطَعَ مَالَ رَجُلٍ
 أَوْ قَالَ أَخِيهِ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانُ
 وَانْزَلَ اللَّهُ تَصْدِيقُ ذَلِكَ فِي الْقُرْآنِ
 إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ
 شَيْئًا قَلِيلًا أُولَئِكَ فَكَيْتَبُخِي الْأَعْمَشُ
 فَقَالَ مَا حَدَّثَكُمْ عَبْدُ اللَّهِ الْيَوْمَ قُلْتُ
 كَذًا وَكَذَا قَالَ فِي أَنْزَلْتُ

حضرت ابو وکیل نے اور ان سے عبداللہ نے بیان کیا
 کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص جھوٹی
 قسم اس لیے کھاتا ہے کہ اس کے ذریعے کسی کا مال
 لے سکے یا کسی کے مال کے بجائے انھوں نے بیان کیا
 کہ اپنے بھائی کا مال لے سکے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس
 حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہو۔ اللہ تعالیٰ
 نے اس کی تصدیق میں قرآن میں یہ آیت نازل فرمائی کہ
 ”جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے ذریعے معمولی
 پونجی حاصل کرتے ہیں“ الخ۔ پھر مجھ سے اشعث رضی اللہ

عنہ کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے پوچھا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آج تم لوگوں سے کیا حدیث بیان کی تھی۔
 میں نے ان سے بیان کر دی تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے ہی واقعے کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔

قوائد و مسائل | عنوان اور زیر عنوان حدیث میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۷۷ کا ذکر ہے جس کا ترجمہ یہ
 ہے ”جو اللہ کے عہد اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں۔ آخرت میں
 ان کا کچھ نہیں اور اللہ نہ ان سے بات کرے نہ ان کی طرف نظر فرمائے۔ قیامت کے دن اور نہ انھیں پاک کرے
 اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ جھوٹی قسم کھانے والے کے متعلق جو عید شدیدیہ حضور اقدس
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی جلی من وعن اس کی تائید فرمادی
 معلوم ہو کہ ارشاد نبی ارشاد خدا ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین لوگ ایسے ہیں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ان سے ندامت فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہے۔ اس کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تین مرتبہ پڑھا حضرت ابو ذر راوی نے کہا کہ لوگ ٹوٹے اور نقصان میں رہے یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں حضور نے فرمایا ازراہ کجتر وغرور بازار کو گنہگوں سے نیچے لٹکانے والا اور احسان جتانے والا اور اپنے تجارتی مال کو جھوٹی قسم سے رواج دینے والا۔ حضرت ابوامامہ کی حدیث ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کا حق مارنے کے لیے قسم کھائے اللہ اس پر جنت حرام کرتا ہے اور دوزخ لازم کرتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ اگرچہ تھوڑی سی چیز ہو۔ فرمایا اگرچہ بھول کی شاخ ہی کیوں نہ ہو۔

جھوٹی قسم کھانے کے متعلق یہ ایسی وعیدیں ہیں کہ جن کو سن کر ایک مومن کا دل لرز جانا چاہیے مگر ہم اس کی پرواہ نہیں کرنے۔ اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں توفیق عمل عطا فرمائے۔ — واضح ہو کہ قرآن مجید کی ایک آیت کے متعدد دشان نزول ہو سکتے ہیں۔ اس آیت کی بھی یہی کیفیت ہے چنانچہ مفسرین فرماتے ہیں یہی آیت یہود کے احبار اور ان کے رؤسا ابورافع و کنانہ بن ابی الحقیق اور کعب بن شرف وحی بن اخطب کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا وہ عہد چھپایا تھا جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے متعلق ان سے تو ریت میں لیا گیا انہوں نے اس کو بدل دیا اور بجائے اس کے اپنے ہاتھوں سے کچھ کا کچھ لکھ دیا اور جھوٹی قسم کھائی کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہ سب کچھ انہوں نے اپنی جماعت کے جاہلوں سے رشوتیں اور مال و زر حاصل کرنے کے لیے کیا۔ حدیث نمبر ۲۴۹۸ کے ایک راوی حضرت وائل بن حرضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ | حضرت وائل حجر موت کے بادشاہوں میں سے تھے۔ صحابی ہیں فتح مکہ کے بعد قبول اسلام کے لیے آئے وہ وفود کے ساتھ اپنے قبیلہ کے ہمراہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آنے سے قبل صحابہ کرام کو ان کے آنے کی خبر دی تھی کہ وائل بن حجر جو سلاطین حضرت موت کی یادگار ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے لیے حضرت موت سے آرہے ہیں۔ جب حضرت وائل مدینہ پہنچے تو ان کے رتبہ کے مطابق حضور علیہ السلام نے استقبال فرمایا۔ اپنے قریب چادر بچھا کر بٹھایا۔ ان کے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ حضور نے انہیں زمین کا ایک خطہ بھی عطا فرمایا اور امیر معاویہ کو انہیں الوداع کہنے کیلئے ساتھ بھیجا۔ حضرت وائل نے کوفہ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ جنگ صفین میں انہوں نے سیتنا

علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ساتھ دیا تھا۔ حضرت وائل نے امیر معاویہ کے دور خلافت میں وفات پائی (اصابہ وغیرہ)

بَابُ كَيْفِ يُسْتَحْلَفُ

باب کن الفاظ سے قسم لی جاتے؟

اللہ نے فرمایا ”وہ لوگ آپ کے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں“ (اپنا غدر پیش کرتے ہوئے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ”پھر وہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں اور اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہمارا (اپنے طریقہ عمل سے) مقصد خیر خواہی اور موافقت کے سوا اور کچھ نہ تھا) اور کہا جاتا ہے، باللہ، باللہ، واللہ (اللہ کی قسم) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور وہ شخص

قَالَ اللَّهُ تَالِيًا يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ
وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ جَاءَ وَلَدٌ
يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا أَحْسَنًا
وَلَوْ فِيمَا يُعَالُ بِاللَّهِ وَتَالِيَهُ وَاللَّهُ
وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَرَجُلٌ حَلَفَ بِاللَّهِ كَاذِبًا بَعْدَ الْعَصْرِ
وَلَا يَخْلِفُ بَعْدَ اللَّهِ

جو اللہ کے نام سے عصر کے بعد جھڑی قسم کھاتا ہے۔ اور اللہ کے نام کے سوا کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے۔

قائد و مسائل امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے ماتحت متعدد آیات قرآنیہ کا ذکر کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے نام اقدس کے ساتھ قسم اٹھانے کا ذکر ہے اور ایک حدیث کا حصہ بھی اسی مقصد کے لیے ذکر فرمایا ہے۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ قسم اللہ تعالیٰ کے نام کی کھائی جائے غیر اللہ کی نہیں چبے یا نہ، تاشہ، والتہ — قرآن مجید میں ان تینوں کا ذکر ہے۔ تَاللّٰہِ لَیْقَدْ اَشْرَفَ

اللّٰهُ عَلَيْنَا — وَاللّٰهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ — اور وَلَا

یَحْلِفُ بِغَيْرِ اللَّهِ کے الفاظ حدیث کے نہیں۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کے ہیں۔

۲۴۹۹ - یہاں امام بخاری نے کتاب الایمان کی ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ ایک شخص بھڑور زہری حاضر ہوا اور اس نے اسلام کے متعلق سوال کیا۔ نبی علیہ السلام نے اسے پانچ دن نماز پڑھنے، رمضان کے روزے رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ وہ شخص یہ کہتا ہوا واپس ہوا واللہ لا ازمید علیٰ هذا ولا انقص۔ میں ان میں نہ کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کمی (بخاری)۔ اس حدیث میں دخول شہیدہ جملے عنوان کے مناسب ہیں۔ جس سے واضح ہوا کہ قسم اللہ کی ذات و صفات کی گمانی چاہیے۔ مزید توضیح کے لیے کتاب الایمان کی حدیث نمبر ۴۸۰۴ ملاحظہ کیجئے۔

۲۵۰۰۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ | حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ حَالِفًا | صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرًا - اگر کسی کو قسم کھانی ہے
فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصْمِتْ | تو اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے.... ورنہ خاموش رہے

اس حدیث سے واضح ہوا کہ غیر اللہ کی قسم کھانا منع ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی
قسم کھانا چاہیے۔ — شرح بخاری علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ قسم کھانے کی تین صورتیں ہیں
اول اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی قسم کھائے۔ یہ بالاتفاق جائز وباح ہے۔ دوم یہ کہ بنوں (انصاف)
و اذلام (لات و عزیٰ) کی قسم کھائے۔ یہ بالاتفاق حرام ہے۔ کسی چیز کی قسم کھانے سے اس کی تعظیم مقصود
ہوتی ہے تو اگر بنوں کی قسم ان کی تعظیم کی نیت سے کھائی تو یہ کفر ہے۔ سوم یہ کہ بت و غیرہ کے علاوہ کسی
چیز کی قسم کھائی یہ ممنوع ہے علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ حاکم کو چاہیے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھوائے۔
طلاق دینے، حج یا قرآن کی قسم نہ اٹھوائے۔ اسی طرح انبیاء کرام جبریل امین صحابہ و اہلبیت، حجر اسود، کعبہ
یا اپنے باپوں اور ماؤں کی قسم کھانا بھی منع ہے۔ اگر غیر اللہ کی قسم کھائی تو شرعاً قسم نہ ہوگی۔ ۵۔ اللہ عز و جل
نے قرآن مجید میں اپنی مخلوق کی قسمیں یاد فرمائی ہیں تو حق یہ ہے کہ وہ مالک ملک ہے۔ جس کی چاہے قسم یاد فرمائے
ہم سوال کرنے والے کو نہ لایَسْأَلُ عَنَّا يَفْعَلُ وَهُمْ لَيَسْأَلُنَّ مَخْلُوقٌ لِي قسمیں یاد فرمانے میں بہت سی حکمتیں
ہیں۔ مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لیے آپ کے شہر، کلام اور جان کی قسم یاد
فرمائی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ لَا اُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ ط مجھے اس
شہر کہہ کی قسم ہے۔ اس لیے کہ اے محبوب تو اس میں تشریف فرما ہے۔ وَ قِيلَ يَا رَبِّ اِنَّ هَؤُلَاءِ
قَوْمٌ لَا يَتُوبُونَ ط مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم ہے کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔
۳۔ لَعَنُوكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ط اے محبوب مجھے تیری جان کی قسم یہ کافر اپنے نشے میں
اندھے ہو رہے ہیں۔ — امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ بحضور نبوتِ عرض کرتے ہیں ۵

وہ خدا نے بے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا کہ کلام مجید کھائی شہائے شہر و کلام و بقایا قسم

قسم کے الفاظ اور اس کے بعض ضروری مسائل | ۲۔ قسم کھانا جائز ہے مگر اس کو تکبیر کلام
بنالینا معیوب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے بنوں اور اپنے باپ دادا کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے (مسلم) نیز فرمایا۔ جو شخص قسم کھائے اور
دوسری چیز اس سے بہتر پائے۔ وہ بہتر کام کرے اور قسم کا گناہ وید ہے (مسلم احمد، ترمذی) ۳۔ اللہ
عز و جل کے جتنے نام ہیں ان میں سے جس نام کے ساتھ قسم کھائی جائیگی، قسم ہو جائے گی خواہ بول چال
میں اس نام کے ساتھ قسم کھاتے ہوں یا نہیں۔ مثلاً اللہ کی قسم خدا کی قسم، رحمن کی قسم، رحیم کی قسم، پرکار

کی قسم۔ یونہی خدا کی جس صفت کی قسم کھائی جاتی ہو اس صفت کی قسم کھائی، ہوگئی۔ مثلاً خدا کی عزت و جلال کی قسم، اس کی کبریائی کی قسم، اس کی بزرگی یا بڑائی کی قسم، اس کی عظمت کی قسم، اس کی قدرت و قوت کی قسم۔ قرآن کی قسم، کلام اللہ کی قسم وغیرہ (عالمگیر در مختار) ۳۔ عین منقذہ یہ ہے کہ آئندہ کے لیے قسم کھانے مثلاً یہ کہے کہ خدا کی قسم یہ کام کروں گا یا یہ کام نہیں کروں گا۔ عین منقذہ کو توڑے گا تو کفارہ لازم آئیگا۔ قسم کا کفارہ یہ ہے۔ غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو صبح و شام پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا ہے۔ یہ اختیار ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے جس سے چاہے کفارہ ادا کرے۔

۴۔ بعض احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر اللہ کی قسم کھانے کا ذکر آیا ہے۔ اس کا فائدہ جواب یہ ہے کہ وہاں مضاف محذوف ہوتا ہے مثلاً حدیث میں اَفْلَحَ وَ اَبْيَّہُ آیا ہے یہ دراصل کذبِ آبیہ ہے۔

بَابُ مَنْ اَقَامَ الْبَيْتَةَ بَعْدَ الْيَمِينِ

باب جس نے قسم کے بعد پلہ (گواہ) پیش کیے

بنی علیہ السلام نے فرمایا۔ شاید تم میں سے بعض ایک دوسرے سے زیادہ کامیابی کے ساتھ دلیل پیش کر کے اور طاووس و ابراہیم نخعی و قاضی شریح نے فرمایا جھوٹی قسم سے سچے گواہ قبول کرنا زیادہ اچن ہے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ بَعْضُكُمْ اَلْحَنُّ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ وَ قَالَ طَاوُوسٌ وَ اِبْرَاهِيمُ وَ شَرِيحُ الْبَيْتَةِ الْعَادِلَةُ اَحَقُّ مِنَ الْبَيْتَيْنِ الْفَاجِرَةِ

حضرت طاووس نخعی و قاضی شریح عظیم الرحمتہ کے ارشاد کہ سچا گواہ قبول کے زیادہ لائق ہے۔ اس سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ مدعا علیہ نے جب حلف اٹھایا تو اس سے

قوائد و مسائل

مدعی کے دعویٰ کو رد کر دیا لیکن جب مدعی نے حلف کے بعد عادل گواہ پیش کر دیئے تو اس سے مدعا علیہ کی قسم کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا لہذا عادل گواہوں کے مقابل جھوٹی قسم کو کسی قیمت پر قبول نہیں کیا جائیگا۔ حضرت فاروق اعظم کے اثر میں احن کی جگہ خیر کے لفظ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ البیتۃ العادلۃ خیر من البیتین الفاجرۃ بہر حال مدعی یہ ہے کہ اگر مدعی علیہ نے قسم اٹھالی اس کے بعد مدعی نے گواہ پیش کر دیئے تو گواہوں کا اعتبار کیا جائیگا۔ مدعی علیہ کی قسم کا نہیں۔ لہذا گواہوں کی بنا پر مدعی کا حق ثابت ہوگا اور قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کرے گا۔

چنانچہ جمہور علماء۔ حضرت سفیان ثوری امام شافعی قضا کو قہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

یہی مذہب ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب مجمع الانہر میں ہے۔

(وَبَانَ حَلْفٌ) أَلْمَدْعَى عَلَيْهِ (أَلْقَطَعَتِ الْخَصْمُومَةُ حَتَّى تَقُومَ الْبَيْتَةُ) أَيْ إِذَا حَلَفَ الْمَدْعَى عَلَيْهِ فَاَلْمَدْعَى عَلَى دَعْوَاهُ وَلَا يَبْطُلُ حَقُّهُ بِبَيْتِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَخَاصِمَهُ مَا لَمْ يَقُمْ الْبَيْتَةُ عَلَى وَفْقِ دَعْوَاهُ فَإِنْ أَقَامَهَا بَعْدَ الْحَلْفِ فَقِيلَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَلَيْسَ الْفَاجِرَةُ أَحَقُّ أَنْ تُرَدَّ بِالْبَيْتَةِ الْعَادِلَةِ وَإِنَّهُنَّ طَلَبَ الْبَيْتِ لَمْ يَدُلُّ عَلَى عَدَمِ الْبَيْتَةِ لِإِحْتِمَالِ أَنَّهَا غَائِبَةٌ أَوْ حَاضِرَةٌ فِي الْبَلَدِ لَمْ تَحْضَرْ وَإِنَّ الْبَيْتَ بَدَلُ الْبَيْتَةِ فَإِذَا قُدِّرَ عَلَى الْأَصْلِ بَطُلَ حُكْمُ الْحَلْفِ فَلَوْ عُبْرَةً لِمَا قَالَهُ بَعْضُ الْمُفْقِهَاءِ مِنْ أَنَّ الْبَيْتَةَ لَا تُسْمَعُ بَعْدَ الْبَيْتِ كَمَا فِي الدَّرَرِ وَغَيْرِهِ (مَجْمَعُ الْأَنْهَارِ شَرْحُ مُتَقَى الْأَلْبَرُ كِتَابُ الدَّعْوَى ص ۲۵۴)

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میرے پاس اپنے مقدمے لائے ہو تو شاید تم میں سے بعض دوسرے سے فطانت و ذہانت کی وجہ سے اپنے موقف کو پیش کرنے میں زیادہ کامیاب رہے تو اگر میں اس کے بیان کے مطابق فیصلہ فرمادوں تو میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا دے

۲۵۰۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَكَلَّ بَعْضُكُمْ لِمَنْ يَحْبَبُهُ مِنْ بَعْضٍ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا بِقَوْلِهِ فَإِنَّمَا أَنْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ فَلَا يَأْخُذْهَا رُبَاهُ - اس کو نہ لے۔

۱۔ یہ حدیث بارہ دہم باب اٹھ من خالصہ فی باطل و صوہ لعلہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں ہم نے اس حدیث کے مختلف امور کو بیان کیا ہے۔ حدیث کا نمبر ۲۲۹۵ ہے۔ ضرور باغور

فوائد و مسائل

لاحظہ فرمائیے۔

- ۱۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حاکم و قاضی ظاہر پر (اور وہ شہادت یا قسم ہے) فیصلہ کرنے کے مکلف ہیں اور قاضی یا حاکم نے شہادت یا قسم کی بنیاد پر جو فیصلہ کیا وہ صحیح ہے۔ اگر گواہوں نے جھوٹی گواہی دی یا مدعی علیہ نے جھوٹی قسم کھائی تو یہ ان کا گناہ ہے۔ فیصلے میں قصور نہیں ہے لیکن جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اگر اسے گواہوں کا جھوٹا ہونا معلوم ہے یا اس نے جعل سازی سے اپنے حق میں فیصلہ کرایا ہے تو اسے وہ چیز یعنی حرام و گناہ کبیرہ ہے ۲۔ اقطع قطعۃ من النار سے واضح ہوا کہ اس کا تعلق اموال سے ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ قاضی کا فیصلہ حلال اور حرام کو حلال نہیں کر سکتا ۳۔ یہ بھی واضح ہوا کہ قسم کے بعد بیعت

مسموع ہوگا ۴۔ اور یہ کہ قاضی ظاہر پر فیصلہ کرنے کا مکلف ہے۔

بَابُ مَنْ آمَرَ بِالْحُجَّازِ الْوَعْدِ

باب جس نے وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا

حضرت حسن بصری نے ایسا کیا اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس وصف سے کیا کہ وہ وعدے کے سچے تھے اور ابن الاشوع نے وعدہ پورا کرنے کے لیے فیصلہ کیا اور سمرہ بن جندب کے واسطے سے اسے نقل کیا۔ مسور بن حزم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد کے متعلق فرمایا کہ انھوں نے مجھ سے جو وعدہ کیا اسے پورا کیا۔

وَفَعَلَهُ الْحَسَنُ وَذَكَرَ إِسْمَاعِيلُ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَقَضَى ابْنُ الْأَشَّوْعِ بِالْوَعْدِ وَذَكَرَ ذَلِكَ عَنْ سَمُرَةَ وَقَالَ الْبُسْرِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ صِهْرًا لَهُ قَالَ وَعَدَنِي قَوْفِي قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَرَأَيْتُ إِسْحَاقَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ يَحْتَجُّ بِحَدِيثِ بْنِ أَشَّوْعٍ - (بخاری)

قوائد و مسائل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ فرما کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدح فرمائی ہے۔ انبیاء کرام سب ہی سچے ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت اسماعیل اس وصف میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی مقام پر آپ سے کوئی شخص کہہ گیا تھا کہ آپ یہیں ٹھہرے رہیے جب تک میں واپس نہ آؤں۔ آپ اس جگہ اس کے انتظار میں تین روز تک ٹھہرے رہے۔ آپ نے صبر کا وعدہ کیا تھا جسے ذبح کے موقع پر اس شان سے وفا فرمایا کہ سبحان اللہ۔

۲۔ ابوالعاص بن ربیع حضور علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کے شوہر تھے۔ مشرکین نے ان سے کہا کہ وہ ترینب کو طلاق دیدی لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اس پر نبی علیہ السلام نے ان کی تعریف کی۔ جنگ بدر میں ابوالعاص جب قید ہو کر آئے تو نبی علیہ السلام نے انھیں اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ مکہ معظمہ جا کر حضرت زینب کو مدینہ منورہ بھیج دیں۔ انھوں نے مکہ پہنچ کر وعدہ پورا کیا اور حضرت زینب کو مدینہ بھیجوا دیا۔ اس کے متعلق حضور نے فرمایا۔ ابوالعاص نے مجھ سے جو وعدہ کیا اسے پورا کیا۔

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ہزقل نے ان سے کہا تھا۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں تو تم نے بتایا کہ وہ تمہیں نماز، صدقہ، عفت، عہد کے پورا کرنے

۲۵۰۲۔ أَخْبَرَنِي أَبُو سَفْيَانَ أَنَّ ابْنَ هُرَاقَةَ قَالَ لَهُ سَأَلْتُكَ مَاذَا يَأْمُرُكُمْ فَرَعَمْتُ أَنَّكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصَّدَقِ وَالْعِفَافِ وَالْوَعَاءِ بِالْعَهْدِ

وَأَدَّاءُ الْأَمَانَةِ قَالُوا وَهَذِهِ صِفَتُهُ | اور امانت کے ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ نبی کی صفت ہے۔

یہ حدیث بھی مع تفہیم وترجمانی کے باب الوصی میں گزر چکی ہے جس میں نبی علیہ السلام کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۶۔

۲۵۰۳۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے تو جب وعدہ کرے تو وفا نہ کرے (بخاری) یہ حدیث کتاب الایمان میں مع تفہیم وترجمانی کے گزر چکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۳۲۰۴۔ یہاں امام بخاری نے حدیث جابر ذکر کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ بحرین کے جزیرہ سے انہیں اتارنا اور اتنا عطا فرمائیں گے لیکن حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ جب حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے زمانہ میں بحرین کا مال غنیمت آیا تو حضرت صدیق اکبر نے اعلان کیا کہ جس کا نبی علیہ السلام پر قرض ہوا آپ نے اس سے کچھ وعدہ فرمایا ہے وہ میرے پاس آئے۔ یہ سُن کر جابر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور حاضر ہوئے اور حضور کے وعدہ کا ذکر کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کے وعدہ کے مطابق ان کو دیا بلکہ زیادہ دیا (بخاری)

یہ حدیث بھی کتاب الکفالتہ میں گزر چکی ہے۔ دیکھئے پارہ نہم حدیث نمبر ۲۱۴۹

۲۵۰۵۔ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ سَالِحُ بْنُ يَهُودَى مِنْ أَهْلِ الْخَيْبَةِ أَيْ الْأَجْلَيْنِ قَضَى مُوسَى قُلْتُ لَا أَذْرِي حَتَّى أَقْدِمَ عَلَى حَبِيبِ الْعَرَبِ فَأَسْأَلُهُ فَخَدِمْتُ فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ قَضَى أَكْثَرُهُمَا وَ أَطِيبَهُمَا إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَاتَلَ فَعَلَ پوری کی (دس سال کی) جو دونوں مدتوں میں بہتر تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے قول و قرار فرماتے تو اسے پورا کرتے تھے (بخاری)

۱۔ علامہ کرمانی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ حدیث ہذا میں رسول سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں یا مطلقاً رسول مراد ہیں۔ مگر شک جو بھی اللہ کا رسول ہو۔ اس کی بات سچی ہوتی ہے

فوائد و مسائل

وعدہ کریں تو اس کو پورا کرتے ہیں۔ وہ وعدہ اور عہد کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

۲۔ حیدرہ کوذ کے قریب عراق میں ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ صحابہ کی جمع اجماع ہے۔ یہ لفظ عالم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے علم کی دعوت کی بنا۔ پر جب کہا گیا: ۳۔ اہی الاجلین یعنی موسیٰ علیہ السلام نے مہر کی عوض کتنی مدت پوری کی۔ یہ سورہ قصص کی آیت نمبر ۲۸ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں۔ اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو۔ اَنْ تَاجِرْنِي فَنَعْنِي حَاجِحًا اور اگر دس برس پڑے کرو تو تمہاری مہربانی ہوگی۔ مگر دس برس پورے کرنا تم پر واجب نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے دس برس پورے کیے جسے حدیث ہذا میں اکثر ہمد و طیبہا کے الفاظ سے حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا۔

۵۔ اکثر مفسرین، اصحاب سیر، ادباء عرب کی ایک بڑی جماعت اور حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ یہ قول بہت مشہور اور شائع ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۲۸۵ و ابن جریر ۶۔ حضرت شعیب نے وعدہ نکاح کیا تھا۔ الفاظ عقد نہ تھے کیونکہ عقد کے لیے صیغہ خاصی ضرور ہے۔ ۷۔ تفسیر احمدی و ہدایہ میں ہے کہ آزاد مرد کا آزاد عورت سے نکاح کسی دوسرے شخص کی خدمت یا بکریاں چرانے کو مہر قرار دیکر کرنا جائز ہے اور اگر آزاد مرد نے کسی مدت تک عورت کی خدمت کرنے یا قرآن کی تعلیم کو مہر قرار دے کر کیا تو نکاح جائز ہے مگر یہ چیزیں مہر نہ ہو سکیں گی بلکہ اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔

وعدہ، عہد، عقد، معاہدہ، قول و قرار کو پورا کرنا واجب | ۱۔ واضح ہو کہ وعدہ، عہد، عقد، قول و قرار، معاہدہ، قریب قریب سب کے حاصل معنی ایک ہی ہیں گوکہ کیفیت و نوعیت میں فرق ہے۔ قرآن مجید کی سورہ بقرہ ۷۷، ۱۰۷، مؤمنون ۳۲، معارج ۳۲، بنی اسرائیل ۳۴، رعد ۲۱/۲، نحل ۹۱، النعام ۱۵۲، توبہ ۶/۴ میں انہیں پورا کرنے، ان کا پاس و لحاظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر اس وعدہ اور عہد کو پورا کرنے کی ہدایت کی جو خلاف شرع نہ ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ہر خطبہ میں فرمایا کرتے تھے۔

لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ (احمد، طبرانی و ابن ماجہ) جس میں عہد نہیں، اس میں دین نہیں یعنی اُس قول و قرار کو جو بندہ خدا سے کرتا ہے یا بندہ بندہ سے کرتا ہے پورا کرنا حق اللہ اور حق العباد

کو ادا کرنا ہے۔ جس کے مجموعہ کا نام دین ہے۔ اب جو اس عہد کو پورا نہیں کرتا وہ دین کی روح سے محروم ہے۔
 ۱-۲ اسلام کی نظر میں عہد و پیمان کی حقیقت بہت وسیع ہے۔ وہ اخلاق، معاشرت، مذہب اور معاملات کی ان تمام صورتوں پر مشتمل ہے جن کی پابندی انسان پر عقلاً، شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً فرض ہے اور اس لحاظ سے یہ مختصر مبالغہ انسان کے بہت سے عقلی، شرعی، قانونی، اخلاقی اور معاشرتی امور کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اس کا ذکر مختلف جہتوں سے آیا ہے۔ سورہ بقرہ میں اصل نیکی کے اوصاف کے تذکرہ میں فرمایا

وَالْمُؤْتُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا
 (بقرہ ۱۷۷) | اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں

سورۃ مومنوں میں عہد کا لحاظ کرنے کو کامل الایمان مسلمانوں کے مخصوص اوصاف میں شمار کیا گیا ہے
 وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
 (مومنوں ۸) | اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا۔
 إِنَّ أَلْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا
 بے شک وعدہ کی باز پرس ہوگی۔

قیامت کے دن جس کی باز پرس اللہ عز و جل فرمائے اس کی کیسی کچھ اہمیت ہوگی۔ قرآن مجید میں قریب قریب اسی عہد کے معنی میں ایک اور لفظ عقد کا استعمال ہوا ہے۔
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آذِنُوا
 بِالْعُقُودِ
 (مائدہ - ۱) | مسلمانوں (اپنے اقراروں کو پورا کرو

عقد کے لفظی معنی اگر وہ اگر وہ لگانے کے ہیں اور اس سے مقصود دین اور معاملات کی باہمی پابندیوں کی گرد ہے اور اصطلاح شرعی میں یہ لفظ معاملات کی ہر قسم کو شامل ہے چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :-

”أَوْفُوا بِالْعَهْدِ“ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مشابہ ہے۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آذِنُوا بِالْعُقُودِ“ اور اس قول میں تمام عقد مثلاً عقد بیع، عقد شرکت، عقد عین، عقد نذر، عقد صلح اور عقد نکاح داخل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت کا اقتضا یہ ہے کہ دو انسانوں کے درمیان جو عقد اور جو عہد قرار پائے اس کے مطابق دونوں پر اس کا پورا کرنا واجب ہے۔“ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۸۵)

۳۔ وعدہ اور قول و قرار کو پورا کرنے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے باہمی

میل جول اور ملاقات کی وجہ سے جو توقع ایک شخص کو دوسرے شخص سے ہو جاتی ہے۔ اسے قائم رکھنے کو حسن عہدہ میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ اس توقع کو قائم رکھنا فرض واجب نہیں ہے۔ بخاری کتاب الادب میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں فرماتی ہیں مجھے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کسی عورت پر رشک نہیں آیا۔ میرے نکاح سے تین سال پیشتر ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر کیا کرتے تھے اور بکری ذبح کرتے تھے تو اس کا گوشت ان کی سیلیوں کے پاس ہریتہ بیجا کرتے تھے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ کی روح پاک کو خوش کرنے کے لیے ان کی وفات کے بعد بھی ان کی سیلیوں کے ساتھ وہی سلوک قائم رکھا۔ جو ان کی زندگی میں جاری تھا۔ ام بخاری نے کتاب الادب میں ایک باب باندھا ہے۔ جس کی سرخی یہ ہے۔ حسن العهد من الایمان اور اس باب کے تحت اسی حدیث کا ذکر کیا ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے یہی کے حوالے سے حدیث ذکر کی ہے۔ ایک بڑھیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اس سے کہا تم کیسی رہیں۔ تمہارا کیا حال ہے۔ ہمارے بعد تمہارا کیا حال رہا؟ اس نے کہا کہ اچھا حال رہا۔ جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ نے اس بڑھیا کی طرف استغدر توجہ فرمائی؟ فرمایا عائشہ! یہ خدیجہ کے زمانہ میں ہمارے یہاں آیا کرتی تھی اور حسن عدایمان سے ہے۔ یعنی اپنے ملنے چلنے والوں سے، اپنے عزیزوں اور خصوصاً اپنے بزرگوں والدین وغیرہ کے دوست احباب سے سلوک قائم رکھنا بھی ایمان کی نشانی اور اس کا تقاضا ہے۔

۴۔ الغرض وعدہ اور عہد و پیمان کی متعدد قسمیں اور صورتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان سب کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ وعدہ و عہد کی چند صورتیں عموماً بیان کی جاتی ہیں۔ ایک عہد وہ ہے جو ازل میں ہر انسان نے اپنے رب سے کیا اور جس کا پورا کرنا ہر انسان کی زندگی کا پہلا فرض ہے۔ دوسرا عہد مومن مسلمان گلے جو شہادت ان لا الہ الا اللہ کے ذریعے اپنے رب سے کرتا ہے۔ جس کا حاصل احکام الہیہ کی پابندی ہے۔ یہ بھی فرض و واجب ہے۔ ہر مسلمان کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ تمام احکام الہیہ پر عمل کرے۔ عہد کی ایک صورت یہ ہے کہ بندہ کسی ایسے کام کے کرنے کو اپنے اوپر لازم کرے جو اللہ و رسول نے اس پر واجب نہیں کیا جیسے مذمانا (جسے نذیفی کہتے ہیں) اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اللہ کے لیے روزہ رکھوں گا۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا وغیرہ وغیرہ اس نذر کو کام ہو جانے کے بعد پورا کرنا فرض ہے۔ سورہ حج میں ارشاد باری ہے۔

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ | اور اپنی نذر کو پورا کر دو۔

ایک عہد وہ ہے جو انسان کسی انسان سے کرتا ہے جس میں تمام قسم کے معاہلات قول و قرار خواہ وہ سیاسی

ہوں یا تجارتی غرض مکہ معاملات کی تمام قسموں پر مشتمل ہے اس کو پورا کرنا بھی فرض ہے اگر کوئی فریق اس کو پورا نہ کرے تو دوسرے کو یہ حق ہے کہ عدالت میں مزاحمہ کر کے اس کو پورا کرائے۔

۵۔ محمد کی ایک شکل یہ ہے جو ایک انسان دوسرے انسان سے ایک طرف وعدہ کر دیتا ہے مثلاً یہ وعدہ کہ میں تجھے فلاں چیز دوں گا نیز فلاں کام کروں گا ۱۰ فلاں وقت ملوں گا۔ اس کی طرف وعدہ کو پورا کرنا بھی واجب ہے۔ اسے بلا غدر شرعی پورا نہ کرنا گناہ ہے اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عملی نفاق قرار دیا ہے لیکن اس ایک طرف وعدہ کو بذریعہ عدالت پورا نہیں کرایا جاسکتا۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کا غالباً مرقت یہ ہے کہ اس ایک طرف وعدہ کی تکمیل بھی بذریعہ عدالت کی جاسکتی ہے۔ اسی لیے انھوں نے عنوان یہ قائم کیا ہے

باب من امر بائعان الوعد

۶۔ ہمارے دور میں وعدہ اور قول و قرار کی ایک صورت یہ ہے کہ جو ایک شخص لڑنے والے قوم سے کرتے ہیں اور پھر کامیاب ہو کر عہد شکنی کا ارتکاب کرتے ہیں خصوصاً وہ افراد جو منزل کو پالیتے ہیں اور پھر دین و ملت کے منہ اچ کے ساتھ غداری کرتے ہیں۔ اقتدار کی جرأت قوم نے اپنے ووٹ سے ان کو سپرد کی ہے اس میں خیانت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہوگا۔ جس کو اس کی مہم شکنی کے بقدر بلند کیا جائیگا۔ یاد رکھو

آلَا وَلاَ عَادَۃَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ
امیرِ عَامَیَۃٍ

یاد رکھو امیر مملکت سے بڑھ کر کسی شخص کی عہد شکنی نہیں ہے۔

یعنی قیامت کے دن ہر غدار کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے اس کی بد عہدی اور عہد شکنی کی تشبیہ ہوگی۔

بَابُ لَا يُسَلُّ اَهْلُ الْبُشْرَةِ عَنِ الشَّهَادَةِ وَغَيْرِهَا

باب غیر مسلموں سے شہادت وغیرہ نہ طلب کی جائے

شمسی نے بیان کیا کہ دوسرے ادیان والوں کی شہادت ایک سے دوسرے کے خلاف یعنی جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان میں باہم دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نقل کیا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یہ کہو اللہ پر اور جو کچھ اس نے نازل کیا سب پر ہم ایمان لائے۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ لَا تَحْجُزُ شَهَادَةُ اَهْلِ
الْبُشْرِ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ لِقَوْلِهِ تَعَالٰی
فَاَعْرَضْنَا بَيْنَهُمُ الْعِدَّةَ وَالْبَغْضَاءَ
وَقَالَ الْبُزْهَرِيُّ بِرَدِّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوا اَهْلَ الْكُفْرِ
وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا اَمَّا بِاللّٰهِ
وَمَا اُنْزِلَ الْاٰیٰتِ

۲۵۰۶۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يَا مَعْشَرَ
الْمُسْلِمِينَ كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ
وَكَيْفَ بَيْعُكُمْ أَلَدَيْهِ أُتِذِلَ عَلَى نَبِيٍّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدُ ثَلَاثِ الْأَعْيَارِ
يَا اللَّهُ تَشْرَعُ لَهُ كَمْ يُشَبُّ وَقَدْ حَدَّثَكُمْ
اللَّهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَدُلُّوْا مَا
كَتَبَ اللَّهُ وَغَيْرُوا بِأَيْدِيهِمْ الْكِتَابَ
فَقَالُوا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَيْسَتْ رُؤَا بِهِ
ثَمَنًا قَلِيلًا أَفَلَا يَنْهَاهُمْ مَا جَاءَكُمْ
مِّنَ الْإِسْلَامِ عَنْ مَسَائِلِهِمْ وَلَا قَالَ
مَا رَأَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلًا قَطُّ يَسْأَلُكُمْ
عَنِ الدِّينِ أُتِذِلَ عَلَيْهِمْ

(بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اے
مسلمانوں تم اہل کتاب سے کیوں سوال کرتے ہو حالانکہ
تمہاری کتاب (قرآن) جو نبی علیہ السلام پر اللہ کی
طرف سے سب سے بعد میں نازل ہوئی جس میں نئی
خبریں ہیں جنہیں تم پڑھتے ہو اس میں کوئی ملوث
نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا
ہے کہ اہل کتاب نے اس کتاب کو بدل دیا جو اللہ
تعالیٰ نے انہیں دی۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں اس
میں تغیر و تبدل کر کے کہا یہ تو اللہ کی طرف سے ہے
ناکہ اس کے ذریعے تھوڑے رام حاصل کریں۔ اللہ
نے جو علم (قرآن) تم کو دیا ہے کیا وہ تم کو سوال کرنے
سے منع نہیں کرنا؟ بخدا ہم نے ان کے (اہل کتاب
کے) کسی بھی آدمی کو کبھی نہیں دیکھا کہ وہ ان آیات

کے متعلق تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہو جو تم پر (تمہارے نبی کے ذریعہ) نازل کی گئی ہیں۔

۱۔ علامہ مدنی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں

قوائد و مسائل

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے سوال کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ
کی نازل کردہ کتابوں (توریت، انجیل، زبور) میں تحریف کر دی تھی۔ سورہ بقرہ آیت ۷۹ میں فرمایا: تو خراب ہے
ان کے لیے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہیں: ہذا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَيْسَتْ رُؤَا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا
(یہ خدا کے پاس سے ہے کہ اس کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں) — اس لیے ان کی خبریں قابل
قبول نہیں۔ لہذا جب ان کی خبریں ناقابل قبول ہیں تو ان کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ باب شہادۃ باب
روایت سے ضعیف ہے۔

۲۔ سینا امام بخاری علیہ الرحمۃ نے جواب باندھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کفار
و مشرکین یہود و نصاریٰ کی شہادت مطلقاً جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے احناف
کامسک یہ ہے کہ کافر کی گواہی مسلم کے خلاف مقبول نہیں اور مرتد کی گواہی تو اصلاً مقبول نہیں ہے —
فقہی کی گواہی کسی کے حق میں قبول ہے اگرچہ دونوں دین مختلف ہوں مثلاً ایک یہودی ہو اور دوسرا نصرانی

(عالمگیری ۳/ ۵۱۶) (در مختار وغیرہ) نیز حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان السی صلی اللہ علیہ وسلم اجاز شہادۃ اهل الكتاب بعضہم علی بعض (ابن ماجہ) علامہ ربیع نے اس حدیث کو امام مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام کو یہود و نصاریٰ سے سختی کے ساتھ سوال کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ انھوں نے تو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں تحریف کردی۔ لہذا ان کے جواب کا کیا اعتبار۔ مسند احمد میں حضرت بابر سے مرفوعاً ایک حدیث میں یہود و نصاریٰ سے سوال کی ممانعت آئی ہے۔

لَا تَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ | اہل کتاب سے کوئی سوال نہ کرو۔ وہ تمہاری صحیح فَاْتَهُمْ لَكُمْ يَهْدُوكُمْ وَاصْلُوا | رہنمائی نہیں کر سکتے۔ خود گمراہ ہو گئے ہیں۔

اور مسلمانوں کے پاس تو اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم موجود ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے جو ابدی طور پر ایک محفوظ کتاب ہے اور علوم اولین و آخرین کا خزانہ ہے۔ یہ تو ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں بنی نوع انسان کی ہدایت کا سارا سامان موجود ہے۔ قرآن کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے کچھ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب میں تحریف کردی تو ان کے جواب میں کیا سچائی ہوگی۔

۴۔ البتہ اہل کتاب اگر کوئی بات کریں تو ان کی نہ تصدیق نہ تکذیب بلکہ یہ کہو اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ اس نے نازل کیا اس پر ہمارا ایمان ہے جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ میں ارشاد ہوا — غرض کہ اہل کتاب سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود معتبر اور صادق نہیں ہیں۔ لہذا ان کے بیان کی تصدیق یا تکذیب نہ کی جائے۔ صرف یہ ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ واقعی نازل فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

بَابُ الْفُرْعَةِ فِي الْمَشْكَاتِ

باب مشکل امور میں فرعہ اندازی کے متعلق

یعنی ایسے امور جنہیں دو آدمیوں یا زیادہ میں نزاع واقع ہو تو اس کے تصفیہ کے لیے فرعہ اندازی کرنا مشروع و جائز ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الشہادات میں فرعہ کو داخل کر کے یہ بتایا ہے کہ جسے گواہوں سے نزاع و خصومت ختم ہوتی ہے ایسے ہی فرعہ سے بھی ہوتی ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت زکریا اور حضرت یونس علیہما السلام کے واقعہ سے فرعہ کے جائز ہونے کا استدلال فرمایا ہے۔ یہ اس لیے صحیح ہے کہ پہلی منزل کے وہ احکام جن کا شارع علیہ السلام نے رد و انکار نہ کیا ہو اس امت کے لیے بھی مشروع ہیں اور بعض

حضرات کا یہ کہنا کہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ قرعہ کے جواز کے قائل نہیں ہیں غلط ہے۔ شارح بخاری علامہ عینی علیہ الرحمہ نے قصہ اہل الافک کی تفسیر میں اس امر کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

۱۔ وَقَوْلُهُ اِذَا يُلْقَوْنَ اَفْئَادَهُمْ
اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَقَالَ ابْنُ
عَبَّاسٍ اِفْتَرَعُوا فَجَرَّتِ الْاَفْئَادُ
مَعَ الْجَرِيَةِ وَعَالَ قَلَمُ زَكْرِيَّا
الْجَرِيَةَ فَكَفَّلَهَا زَكْرِيَّا

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد جب وہ اپنی قلموں سے
قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کی پرورش میں رہے پھر
ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا جب سب نے
اپنے اپنے قلم ڈالے تو تمام قلم پانی کے بہاؤ کے ساتھ
بہہ گئے لیکن حضرت زکریا کا قلم اوپر آ گیا۔ اس لیے انہوں

نے حضرت مریم کی کفالت کی۔

یہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۴۲ ہے جس کا مختصر واقعہ یہ ہے۔ حضرت زکریا و عمران دونوں ہمزلف
تھے۔ فاقوذا کی دختر ایشاع جو حضرت یحییٰ کی والدہ ہیں اور ان کی بہن جنتہ جو فاقوذا کی دوسری دختر اور حضرت
مریم کی والدہ ہیں وہ عمران کی بی بی تھیں ایک زمانہ تک حزن کے اولاد نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ بڑھا یا آ گیا اور
مایوسی ہو گئی۔ یہ صالحین کا خاندان تھا اور یہ سب لوگ اللہ کے مقبول بندے تھے۔ ایک روز حزن نے ایک
درخت کے سایہ میں ایک چڑیا دیکھی جو اپنے بچہ کو بھرا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر آپ کے دل میں اولاد کا شوق پیدا ہوا
اور بارگاہ الہی میں دعا کی کہ اگر تو مجھے بچہ دے تو اس کو بیت المقدس کا خادم بناؤں گی۔ جس نے ولادت کے بعد حضرت مریم کو
ایک کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں احبار کے سامنے رکھ دیا۔ یہ احبار حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد
ہیں تھے اور بیت المقدس میں ان کا منصب ایسا تھا جیسا کہ کعبہ شریف میں کلیہ برداران کا۔ چونکہ مریم ان کے
امام عمران کی دختر تھیں اور ان کا خاندان بنی اسرائیل میں بہت اعلیٰ اور اہل علم کا خاندان تھا۔ اس لیے ان احبار
نے جن کی تعداد ستائیس تھی۔ حضرت مریم کو اپنی کفالت میں لینے کی رغبت کی۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا
کہ میں ان کا سب سے زیادہ حق دار ہوں کیونکہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں۔ معاملہ اس پر ختم ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے
قرعہ حضرت زکریا نبی کے نام پر نکلا۔ قرعہ اندازی سے تمام احبار مطمئن ہو گئے اور حضرت مریم علیہ السلام حضرت
زکریا علیہ السلام کی کفالت میں آ گئیں جس کا ذکر سورۃ آل عمران میں ہے۔ — اس آیت سے مشکل امور میں
قرعہ اندازی کرنے کا جواز ثابت ہوا۔

۲۔ مفسرین نے فرمایا۔ آفلام سے مراد وہ قلمیں ہیں جن سے یہ احبار توریت کی کتابت کرتے تھے۔ حضرت
مکرم، سعدی، قتادہ نے فرمایا کہ وہ اپنے اپنے قلم لے کر ہمارے دروازے پر آئے۔ نہ میں جب احبار کے قلم اور حضرت
زکریا کے قلم ڈالے گئے تو حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ فَجَرَّتِ الْاَفْئَادُ مَعَ الْجَرِيَةِ تو احبار کے قلم

پانی کے بہاؤ میں بہہ گئے۔ وَعَالَ قَلْمُكَ كَمَا يَعْنِي اس بہاؤ میں حضرت ذکر کیا کا قلم غالب آگیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاٰتَمَّ كُمْ مَعْنٰی ہوں ”قرعہ اندازی کی“۔ فَاَمَّا مِنَ الْمَدْحِیْنِ (میں من المدحین کے معنی ہیں۔ من المسوین) یعنی قرعہ انھیں کے نام نکلا۔ فَاَمَّا هَهُمُ کی تفسیر اُفترع ہے۔ ضمیر حضرت یونس علیہ السلام کی طرف لٹوتی ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس سے منقول ہے اور مدح حضین کی تفسیر امام بخاری نے مسہوین سے کی یعنی مغلوبین المدح حض کے لغوی معنی غلبہ فتح و ظفر سے دُور ہو جانے کے ہیں۔ یہ سورۃ صفت کی آیت نمبر ۴۱ ہے جس سے امام بخاری نے قرعہ اندازی کے جواز کا استدلال فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس اور وہب کا قول ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا۔ اس میں تاخیر ہوئی تو آپ اُن سے چُھپ کر نکل گئے اور آپ نے دریائی سفر کا قصد کیا۔ کشتی پر سوار ہوئے۔ دریا کے درمیان میں کشتی ٹھہر گئی اور اس کے ٹھہرنے کا کوئی سبب ظاہر موجود نہ تھا۔ ملاحوں نے کہا اس کشتی میں اپنے مولا سے بھاگا ہوا کوئی غلام ہے۔ قرعہ ڈالنے سے ظاہر ہو جائیگا۔ قرعہ ڈالا گیا تو آپ ہی کا نام نکلا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہی وہ غلام ہوں اور آپ پانی میں ڈال دیتے گئے کیونکہ دستور یہی تھا کہ جب تک بھاگا ہوا غلام دریا میں غرق نہ کر دیا جائے اس وقت تک کشتی چلتی نہ تھی۔

○ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی منہ میں مدعی علیہ ہونے کی بنا پر) چند اشخاص سے قسم کھانے کے لیے کہا تو وہ سب (ایک ساتھ) آگے بڑھے، اس لیے آپ نے ان میں باہم قرعہ ڈالنے کے لیے فرمایا کہ سب سے پہلے قسم کون کھائے (بخاری) گزشتہ اوراق میں اس حدیث پر تبصرہ ہوا ہے اس سے قرعہ کا جواز واضح ہے۔

۲۵۰۷۔ اس کے بعد امام بخاری نے حدیث نعمان بن بشیر ذکر کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۱۰ اللہ کے حدود کے بارے میں ملامت کرنے والے اور اس میں مبتلا ہو جانے والے کی مثال ایک ایسی قوم کی ہے جس نے ایک کشتی پر سفر کرنے کے سلسلے میں قرعہ اندازی کی۔ اس کے نتیجے میں کچھ لوگ نیچے کی منزل پر سوار ہوئے اور کچھ اوپر کی منزل پر نیچے کے لوگ پانی لے کر اوپر کی منزل سے گزرنے لگے اور اس سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ (اس خیال سے کہ اوپر کے لوگوں کو ان کے جانے آنے سے تکلیف ہوتی ہے) نیچے والے کھمار ٹی کے کشتی کے نیچے کا حصہ کاٹنے لگے تاکہ ہمیں سے سمندر کا پانی لے لیا کریں) اب اوپر والے آئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ تم لوگوں کو (ہمارے اوپر کرنے جانے سے) تکلیف ہوتی تھی اور ہمارے لیے پانی ضروری تھا۔ اب اگر انھوں نے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں ان کی حماقت سے روک دیا تو انھیں بھی نجات دی اور خود بھی نجات پائی۔ لیکن اگر انھیں چھوڑ دیا (اور جو وہ کر رہے تھے اسے کرنے دیا) تو انھیں بھی ہلاک کیا اور خود بھی ہلاک ہو گئے۔ (بخاری)

فوائد ومسائل

یہ حدیث کتاب الشکرۃ میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ قرعہ اندازی جائز ہے اور یہ کہ امر بالمعروف کرنا ضروری ہے۔ اگر اس میں کوتاہی کی جائے تو اچھے اور بُرے سب کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ عالم کے لیے یہ بات متعجب ہے کہ وہ مثال کے ذریعے احکام شریعت کی وضاحت کرے تاکہ عوام کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

۲۵۰۸۔ یہاں امام بخاری نے حدیث خارجی بن زید انصاری ذکر کی ہے جو کتاب الجنازہ میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ ایک خاتون ام عکاکستی ہیں کہ انصار نے جب مہاجرین کو ہجرت کے فوراً بعد اپنے یہاں بٹھرانے کے لیے قرعہ اندازی کی تو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پیام کا انتظام بجا رکھے میں آیا (بخاری)

۲۵۰۹۔ یہاں امام بخاری نے حدیث عاکشہ ذکر کی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج میں قرعہ اندازی کرتے۔ جس کا نام نکل آتا اس کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے (بخاری) یہ حدیث اور اس پر تبصرہ بھی حدیث افک میں گزر چکا ہے۔

۲۵۱۰۔ یہاں امام بخاری نے حدیث ابو ہریرہ ذکر کی ہے جو کتاب مواقیف الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان اور صبح اول میں کتنی برکت ہے۔ پھر انہیں اس ثواب کے حاصل کرنے کے لیے قرعہ اندازی کرنی پڑتی تو وہ قرعہ اندازی بھی کرتے (بخاری)

ان نینوں حدیثوں کی عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ ان میں قرعہ اندازی کا ذکر ہے جس سے قرعہ اندازی کا جواز ثابت ہوا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ / کتاب الصلح

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِصْلَاحِ بَيْنِ النَّاسِ

باب لوگوں میں صلح کروانے کے متعلق آیات و احادیث

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان کے اکثر مشوروں میں جھلانی نہیں ہے مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنے کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب بڑا ثواب دیں گے اور امام کا اپنے اصحاب کے ساتھ جھگڑوں کے مقام

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى لَا حَيْرَ فِي كَيْدِ بَرٍّ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنَاصِدَ بَصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنِ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا وَخُرُوجِ الْإِمَامِ

إِلَى الْمَوَاضِعِ لِيُصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ بِأَصْحَابِهِ | پر جاتا۔

۱۔ مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان نزاع دُور کرنے کے لیے جو عقد کیا جائے اس کو صلح کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں لوگوں کی باہمی رنجشوں اور جھگڑوں کو دُور کرنے اور ان کے درمیان مصالحت کرانے کی ترغیب دی گئی ہے اور عمل خیر کے فضائل اور ثواب کو بیان کیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسا کام نہ بتاؤں جس کا درجہ روزے نماز اور صدقہ میں سب سے افضل ہے۔ صحابہ نے عرض کی ضرور بتائیے۔ فرمایا وہ کام اصلاح ذات البین ہے یعنی دو شخصوں کے درمیان جو رنجش ہے اس کو دُور کر کے صلح کرانا اور فساد کو ختم کرنا ہے۔ (احمد)

۲۔ زیر عنوان سورۃ نسا کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر و برکت اور ثواب نہیں ہوتا لیکن جو لوگ صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے ہیں یا امر بالمعروف نیک کا حکم کرتے ہیں یا لوگوں میں صلح کرانے کا مشورہ دیتے ہیں ایسی سرگوشیاں باعث برکت و ثواب ہیں اور جو لوگ صرف اللہ کی رضا کے لیے یہ تینوں کام کرتے ہیں اور اس کی تعلیم و ترغیب اور تکمیل و انتظام کے لیے تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح امام کا جھگڑوں کے مقام پر خود جاکر موقع کا معائنہ کرنا اور ان کے درمیان صلح کرانا یہ بھی مشروع و مسنون ہے۔ اگر قاضی یہ خیال کرے کہ دونوں مخالف گرد و پ صلح کر لیں گے تو وہ انہیں صلح کی ترغیب دے اور ایک دو دفعہ سے زیادہ صلح کے لیے نہ کہے اور جب قاضی کو معلوم ہو جائے کہ یہ صلح نہیں کریں گے تو پھر دلائل و ثبوت پر روشنی میں ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔

۲۵۱۱۔ سلم بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ (قبائکے) بنو عمرو بن عوف میں باہم کچھ رنجش ہو گئی تھی تو رسول اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کو ساتھ لے کر ان کے یہاں ان میں باہم صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے (آپ لوگوں میں صلح صفائی میں مشغول رہے) اور نماز کا وقت ہو گیا، لیکن آپ تشریف نہ لائے۔ قصہ مختصر حضور کی ہدایت کے مطابق حضرت ابو بکر نے نماز پڑھانی شروع کی (بخاری) یہ ایک طویل حدیث ہے جو مع تغیر و ترجمانی کے کتاب مواقیف الصلوٰۃ پارہ سوم میں گزر چکی ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ امام اور قاضی کا بوقت ضرورت خود موقع پر پہنچ کر فریقین میں صلح کرانا مشروع ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔ اگر آپ عبد اللہ بن ابی رباح کے یہاں تشریف لے چلتے تو بہتر تھا۔ حضور اس کے یہاں دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ صحابہ

۲۵۱۲۔ اَنَّ اَنَسًا قَالَ فَبَجَلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَوْنًا تَبَتَّ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي رِبَاعٍ فَاُطْلِقَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَبَّ حِمَارًا فَانْطَلَقَ

رضوان اللہ علیہم پیدل آپ کے جلوں تھے جہاں آپ گزر رہے تھے۔ وہ شور مین مچی۔ جب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے یہاں پہنچے تو وہ کہنے لگا۔ ذرا آپ دور ہی رہیے۔ آپ کے دراز گوش کی بو سے مجھے بخلیف ہو رہی ہے۔ اس پر ایک صحابی بے کہ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دراز گوش کی بو تم سے بہتر ہے۔ عبداللہ (مُناقی) کی طرف سے اس کی قوم کا ایک شخص ان صحابی کی بات پر غصے ہو گیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہا۔ پھر دونوں طرف کے لوگ شتمل ہو گئے اور لمبائی بہک نوبت پہنچ گئی۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت اگر مسلمانوں کے درجہ و آپس میں نہیں تواری میں صلح کرادو اس موقع پر نازل ہوئی۔

الْمُؤْمِنُونَ يَمْشُونَ مَعَهُ
وَهُيَ اَرْضٌ سَبِيحَةٌ فَكَلَّمَا آتَاهُ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِلَيْكَ عِزِّي
وَاللّٰهُ لَقَدْ اَدَانِي نَحْنُ حَبَارِكَ فَقَالَ
رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ مِنْهُمْ وَاللّٰهُ لِحِمَارِ
رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْيَبُ
رِيحًا مِنْكَ فَغَضِبَ لِعَبْدِ اللّٰهِ رَجُلٌ مِّنْ
قَوْمِهِ فَشَتَمَا فَغَضِبَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
اصْحَابِيهِ فَكَانَ بَيْنَهُمَا صَرْجٌ بِالْجَرِيدِ
وَالْاَيْدِي وَاللِّعَالِ فَبَلَغْنَا اَتَمًا اُنْزِلَتْ
وَ اِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا
فَاَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا (بخاری)

فوائد و مسائل ۱۔ اس حدیث کو مسلم نے مغازی میں ذکر کیا ہے ۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بڑے علیم الطبع اور بردبار ہیں۔ سخت سے سخت اشتغال کے موقع پر بھی آپ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ کفار و مشرکین کی یہودہ گوئی پر صبر فرماتے ہیں ۳۔ صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے قلوب حضور کی محبت و عظمت سے معمور و معمور تھے۔ ان کے عشق رسول کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی آپ کی سواری کے متعلق بھی کوئی نازیبا کلمہ استعمال کرتا تو وہ اسے برداشت نہ کرتے اور فوراً جواب دیتے ۴۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ جس چیز کو حضور سے نسبت ہو جائے اس کی مدح میں مبالغہ کرنا بھی منہ و مشرّع ہے کیونکہ انصاری نے عبداللہ بن ابی منافق کی بجواس کا جواب یہ دیا تھا کہ اس دراز گوش کے پیشاب کی بو تجھ سے زیادہ اطیب ہے۔ انصاری کے اس جواب پر آپ نے انکار نہ فرمایا ۵۔ عنوان سے مناسبت اس حدیث کی یہ ہے کہ حضور دو فریقوں میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے ۶۔ حدیث میں حضرت انس نے جس آیت کا ذکر کیا ہے۔ یہ سورہ الحجرات کی آیت نمبر ۹ ہے۔ اس کے شان نزول متعدد بیان ہوئے ہیں امام مقاتل علیہ الرحمۃ کی تفسیر میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نذر انصار کی مجلس پر ہوا۔ حضور دراز گوش پر سوار تھے جس کا نام یہودیوں تھا۔ اس نے پیشاب کیا تو ابن ابی نے ناک بند کر لی۔ حضور کو اس کی

یہ روش ناکوار خاطر ہوئی اور آپ واپس تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جواب میں کہا کہ حضور کے دراز گوش کا پیشاب تیرے مشک سے بہتر خوشبو رکھتا ہے۔ ان دونوں میں بات بڑھ گئی۔ عبداللہ بن ابی کی قوم کے وہ لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے اور عبداللہ بن مراحہ کی قوم میں جھگڑا طویل پکڑ گیا۔ حضور دوبارہ تشریف لائے اور مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں صلح کرادی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ وَاعَانَ ابْنُ الْحَالِ مِنْ قَوْمِهِ وَهُمْ مُؤْمِنُونَ۔ یعنی ج ۱۳ ص ۲۶۷ یعنی ابن ابی نے ان لوگوں کی مدد کی جو اس کی قوم سے تھے اور وہ ایمان لائیکے تھے۔ ۷۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں متعدد منافقین نے آپ کی توہین کی تو آپ نے اُسے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ صحابہ کے عرض کرنے کے باوجود اس کے قتل کی اجازت نہ دی حالانکہ گستاخ رسول واجب القتل ہے۔ علمائے اس کے متعدد جواب دیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز تھا کہ وہ اپنی حیات میں کسی گستاخ کو معاف کر دیں کیونکہ یہ حضور کا اپنا حق ہے لیکن امت کو جائز نہیں کہ وہ حضور کے گستاخ کو معاف کر دے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حجۃ البیاء کرام اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو سمجھا لاتے کہ آپ معافی کو اختیار فرمائیں اور جاہلوں سے منہ پھیر لیں (اعراف آیت ۱۹۹) اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی وجہ بیان فرمائی ہے جو کہ مسلم تشریف کی مندرجہ ذیل حدیث میں ہے۔

۱۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام لوگوں میں مٹھی بھر بھر کر چاندی تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا یا محمد عدل کیجئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ حضرت عمر بن خطاب نے عرض کی

یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس شخص کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا۔ معاذ اللہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہوں۔ یہ شخص اور اس کے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان کے گلوں کے نیچے نہیں اُترتا اور یہ لوگ قرآن سے اس طرح صاف نکل جاتیں گے جس طرح تیر نشانہ بے نکل جاتا ہے۔ مسلم

فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ دَعْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّ قَتْلَ هَذَا الْمَنَافِقِ فَقَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ يَتَحَدَّثَ النَّاسُ أَنَّكَ أَقْتُلُ أَصْحَابِي إِنَّ هَذَا وَ أَصْحَابَهُ يُفَرِّغُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ بَيِّنَةٌ فَنُونَ مِنْهُ كَمَا يَبْسُوقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ

۲۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضور علیہ السلام میں سے آیا ہوا سونا تقسیم فرما رہے

تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا محمد اللہ سے ڈریئے۔ حضور نے فرمایا اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو اس کی اطاعت کون کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین پر امین بنا کر بھیجا ہے اور تم مجھے امین نہیں مانتے! پھر وہ شخص پشت پھر کر چل دیا۔ قوم میں سے ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت چاہی لوگوں کا خیال ہے وہ حضرت خالد بن ولید تھے۔

جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کی نسل سے ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو تیرا ان پڑھے گی اور قرآن اس کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کافروں کو چھوڑ دیں گے اور یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیرے لشکار سے نکل جاتا ہے۔ اگر میں ان لوگوں کو (یعنی ان کا زمانہ) پالینا تو قوم عاد کی طرح ان

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّ مِنْ ضُرُفِي هَذَا اقْوَمَ يَقْدَرُونَ
الْفُتْرَانَ لَا يَجَاوِزُ حَنَا جِرْهُمْ يَقْتُلُونَ
أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدْعُونَ أَهْلَ الْاُوثَانِ
يَسْرُقُونَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَسْرُقُ
السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَةِ كَسَنُ اُدْرُكْتُهُمْ
لَا قُتِلَتْهُمْ قَتْلَ عَادٍ
کو قتل کر ڈالتا (مسلم کتاب الزکوٰۃ)

ان دونوں حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ حضور نے قتل کا حکم اس لیے نہیں دیا تاکہ مخالفین و معاندین اسلام کو یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع ملے کہ آپ تو اپنے صحابہ کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ لہذا اس وقت مصلحت یہی تھی کہ گستاخ رسول کو قتل نہ کیا جائے تاکہ مخالفین اسلام اس کے قتل کو اسلام میں طعن کا ذریعہ نہ بنالیں اور اس طرح اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں دشواری اور رکاوٹ پیدا ہو جائے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بات آپ کے علم میں تھی کہ اس گستاخ کی نسل سے آئندہ زمانہ میں کچھ محد و بیدین پیدا ہونے والے ہیں جن کا پیدا فرمانا اللہ تعالیٰ مقدر فرما چکا ہے تو اس اثر کو مٹانی کی وجہ سے آپ نے اس وقت گستاخ رسول کو قتل کرنے سے منع فرمادیا۔

ام کلثوم بنت عقبہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص جتنا نہیں ہے جو لوگوں میں اصلاح کرتا ہے۔ اچھی بات کہتا ہے اور اچھی بات پہنچاتا ہے۔ (بخاری)

۲۵۱۳- اَنَّ اُمَّهٖ اَمْرٌ كَلْثُومٌ بِنْتُ
عُقْبَةَ اَحْبَرَتْهُ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيْسَ
الْكُذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ
فِيْهِ خَيْرٌ اَوْ يَقُولُ خَيْرًا

فوائد و مسائل - راوی کرثک ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فیہنی خیراً فرمایا اور یقول خیراً

فرمایا۔ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص مسلمانوں کی دو جماعتوں، دو گروہوں، خاندان کے افراد، رشتہ داروں، میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کی غرض سے ایک کی طرف سے دوسرے کے پاس اپنی طرف سے اچھی بات کہتا ہے۔ ایسی بات جو انھوں نے نہیں کی ہے تو ایسے شخص کو جھوٹا نہیں کہا جائیگا یعنی ایسے شخص کو خلاف واقعہ بات کہنے کی وجہ سے گناہ نہ ہوگا بلکہ اس کو ثواب ہوگا کیونکہ وہ دفع شر اور اصلاح بین المسلمین کے لیے ایک ایسی خلاف واقعہ بات ایک دوسرے تک پہنچا رہا ہے جس سے دونوں فریقوں میں سے کسی کی حق تلفی نہیں ہو رہی ہے۔

۲۔ واضح ہو کہ کذب بالاجماع حرام ہے۔ قرآن و سنت میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت آئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جھوٹ سے منہ کالا ہوتا ہے اور جہنم سے

بعض مواقع ایسے ہیں کہ جہاں خلاف واقعہ بات کہنے کی اجازت ہے

قہر کا عذاب (بیہقی)۔ حتیٰ کہ بچوں کو جھوٹ موٹ کچھ دینے کا لالچ دینا بھی جھوٹ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مکان میں جلوہ فرما تھے۔ میری ماں نے مجھے بلایا کہ آؤ تمہیں دوں گی حضور نے فرمایا۔ کیا چیز دینے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے کہا کھجوروں کا۔ ارشاد فرمایا اگر تو کچھ نہ دیتی تو بیہیز سے ذمہ جھوٹ لکھا جاتا (ابوداؤد)

مگر شک کہ کذب بہر حال حرام ہے اور اس لیے حرام ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام قرار دیا ہے لیکن بعض مواقع ایسے ہیں جہاں اللہ اور اس کے رسول نے اس کی اجازت اور رخصت دی ہے۔ حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کذب حلال نہیں مگر تین جگہوں میں۔ مرد اپنی عورت کو راضی کرنے کے لیے بات کرے۔ اور لڑائی میں جھوٹ بولنا۔ لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔

لَا يَحِلُّ الْكُذْبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِرْضِيَّتِهَا وَالْكُذْبُ فِي التَّحْرِيبِ وَالْكُذْبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ (ترمذی)

تین صورتوں میں خلاف واقعہ بات کرنا جائز ہے

ایک کفار سے جنگ کی صورت میں کہ یہاں اپنے مقابل کو دھوکا دینا جائز ہے۔ اسی طرح جب ظالم ظلم کرنا چاہتا ہو اس کے ظلم سے بچنے کے لیے بھی جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو مسلمانوں میں اختلاف ہے اور یہ ان دونوں میں صلح کرنا چاہتا ہو۔ مثلاً ایک کے سامنے کہہ دے کہ وہ تمہیں اچھا جانتا ہے تمہاری تعریف کرنا ہے یا

اس نے نہیں سلام کنا بھیجا ہے اور دوسرے کے پاس بھی اس قسم کی باتیں کرے تاکہ دونوں میں عداوت کم ہو جاتے اور صلح ہو جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بی بی کو غش کرنے کے لیے خلاف واقع بات کہے۔
(عالمگیری ج ۵ ص ۳۸۶)

فقہاء اسلام نے بعض ان مواقع کی نشاندہی کی ہے کہ جہاں خلاف واقع بات کرنے کی رخصت ہے

اصول وقواعد اسلام کی روشنی میں فقہاء اسلام نے بعض ان مواقع کی نشاندہی کی ہے جہاں خلاف واقع بات کرنے کی رخصت ہے

۴۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس مقصد کو سچ بول کر بھی حاصل کیا جاسکتا ہو اور جھوٹ بول کر بھی حاصل کر سکتا ہو اس کے حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر جھوٹ سے حاصل کر سکتا ہو سچ بولنے سے حاصل نہ ہو سکتا ہو تو بعض صورتوں میں کذب بھی مباح ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے جیسے کسی بے گناہ شخص کو ظالم شخص قتل کرنا چاہتا ہے یا ایذا دینا چاہتا ہے اور وہ ڈر سے چھپا ہوا ہے ظالم نے کسی سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے تو یہ کہہ سکتا ہے مجھے معلوم نہیں اگرچہ جانتا ہو یا کسی کی امانت اس کے پاس ہے کوئی اس سے چھیننا چاہتا ہے پوچھتا ہے کہ امانت کہاں ہے یہ انکار کر سکتا ہے کہ میرے پاس اس کی امانت نہیں (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۰۳)

لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ گوکہ اپنی جان، مال اور حق کو بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے مگر یہ رخصت ہے اور عزیمت یہی ہے کہ جھوٹ نہ بولے (کیونکہ ایک مسلمان کو خاص اپنے معاملہ میں رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کرنے کا اختیار ہے اور دوسرے مسلمان کی جان و مال و عزت کو بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔) (کیونکہ دوسرے مسلمان کے معاملہ میں عزیمت پر عمل کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے)

۵۔ اسی طرح کسی نے چھپ کر بے حیائی کا کام کیا ہے۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ تو نے یہ کام کیا وہ انکار کر سکتا ہے کیونکہ ایسے کام کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دینا یہ دوسرا گناہ ہوگا اسی طرح اگر اپنے مسلم بھائی کے مجسید پر مطلع ہو تو اس کے بیان کرنے سے بھی انکار کر سکتا ہے (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۰۳)

کسی غرض صحیح کے لیے تو یہ اور تعریض سے کام لینا جائز ہے

۶۔ کسی غرض صحیح اور مصلحت کی بنا پر

تعریض و تور یہ اور کنا یہ سے کام لینا بھی جائز ہے۔

تعریض کے لغوی معنی دوسرے پر ڈھال کے بات کرنے کے ہیں یعنی تعریض میں تصریح نہیں ہوتی گویا تعریض کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز کا دوسری چیز سے

توریر یعنی کنایہ کرنا۔ علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ مختصر معانی میں لکھتے ہیں کہ کلام کو ایسی طرف پھیرنا جو مقصود پر دلالت کرے یعنی اشارہ ایک جانب ہو اور دوسری جانب ہو توریر تعریف ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم سے فرمایا۔ تمہارا نیکہ بہت چوڑا ہے تو نیکہ سے ان کی نینہ کا ارادہ فرمایا۔ مطلب یہ کہ تم بہت سوتے ہو۔

۷۔ عدت کے اندر عورت کو پیغام نکاح دینا جائز ہے اور اگر نکاح کا پیغام دینا ہو تو نکاح کرنے کی تصریح نہ کرے بلکہ تعریفاً کہے۔ تم بہت سلیقہ مند ہو، مجھے نکاح کی حاجت ہے اور توریر کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں۔ ایک قریب اور ایک بعید، بولنے والا کسی خفیہ قرینے کی بنا پر اس لفظ کا بعید معنی مراد لے اور مخاطب اس لفظ کا قریب معنی سمجھے۔

۸۔ غرض صحیح اور مصلحت کے لیے توریر اور تعریف کے لیے کام لینا جائز ہے مگر توریر اور تعریف سے کام لینے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ توریر بلا حاجت جائز نہیں اور حاجت ہو تو جائز ہے۔ توریر کی مثال یہ ہے کہ تم نے کسی کو کھانے کے لیے بلایا۔ وہ کہتا ہے میں نے کھانا کھالیا۔ اس کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ اس وقت کھانا کھانا لیا ہے مگر وہ یہ مراد لیتا ہے کہ کل کھایا ہے یہ بھی جھوٹ میں داخل ہے (علگیری ج ۱ ص ۳۸۵)۔

۹۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس قسم کے مبالغہ کا عادی رواج ہے لوگ اُسے مبالغہ پر ہی محمول کرتے ہیں اس کے حقیقی معنی مراد نہیں لیتے وہ جھوٹ میں داخل نہیں مثلاً یہ کہا کہ میں تمہارے پاس ہزار مرتبہ آیا یا ہزار مرتبہ میں نے تم سے یہ کہا یہاں ہزار کا عدد مراد نہیں بلکہ کسی مرتبہ آنا اور کہنا مراد ہے یہ لفظ ایسے موقع پر نہیں بولا جائیگا کہ ایک ہی مرتبہ آیا ہو یا ایک ہی مرتبہ کہا ہو اور اگر ایک مرتبہ آیا اور یہ کہہ دیا کہ ہزار مرتبہ آیا تو جھوٹ ہے (رد المحتار ج ۵ ص ۳۰۳)۔

۱۰۔ اپنے جائز سخن کے حصول کے لیے توریر جائز ہے مثلاً شفیق کو رات میں جائداد مشغوعہ کی بیع کا علم ہوا۔ اور اس وقت لوگوں کو گواہ نہ بنا سکتا جو توضیح کو گواہوں کے سامنے یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے بیع کا اس وقت علم ہوا دوسری مثال یہ ہے کہ لڑکی کو رات کو حیض آیا اور اُس نے خیالِ بلوغ کے طور پر اپنے نفس کو اختیار کیا مگر کوئی گواہ نہیں ہے توضیح کو لوگوں کے سامنے یہ کہہ سکتی ہے کہ میں نے اس وقت خون دیکھا (ج ۵ ص ۳۱۳)۔

اسی طرح تعریف کی بعض صورتیں جن میں لوگوں کا دل خوش کرنا اور مزاح مقصود ہو یا رنج و غم سے بچانا مقصود ہو جائز ہے۔ حدیث و آثارِ صحابہ سے اس کا جواز واضح ہے۔

۱۱۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مبالغہ فرمایا۔ اما ابوجہم فلا یضع عصاه عن عافقہ۔ ابوجہم تم اپنے کندھے سے لاٹھی علیحدہ نہیں کرنے یعنی اپنی بیوی کو بات بات پر راتے یا ناراض ہو کر۔

۱۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مزاح ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ بڑھیا عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ جب وہ کبیدہ خاطر ہوئیں تو آپ نے فرمایا۔ بڑھیا بصورت بڑھیا جنت میں نہیں بلکہ جوان ہو کر جائے گی کیونکہ سب جنتی جوان بنا کر جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ (کشف الاستار علی حاشیہ درختہ رحمہ ص ۲۵۲)

۱۲۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی تو آپ نے فرمایا۔

میں تجھے اونٹ کے پیچ پر سوار کر دوں گا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں اونٹ کے پیچ کا کیا کر دوں گا۔ حضور نے فرمایا۔
وَهَلْ تَلِدُ إِلَّا الْبَیْلَ إِلَّا النَّسْوَ - جو اونٹ پیدا ہوتا ہے وہ اونٹ کا پیچ ہی ہوتا ہے (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۶)

بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ حضرت ابو طلحہ کے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ لڑکے کی طبیعت کیسی ہے تو ان کی بیوی حضرت ام سلیم نے جواب دیا۔ وہ پُر سکون ہے اور مجھے امید ہے کہ وَاِیْجُوْا اَنْ تَمُوْتُوْا قَدْ اَسْتَلَجَ وَظَلَّیْ - اس کو راحت مل گئی۔ حضرت ابو طلحہ نے ان کی بات اٹھا صادقہً بخاری ج ۲ ص ۹۱۷ | کوچہ سمجھا

بیٹا پُر سکون ہے۔ اس کو راحت مل گئی کا قریب معنی یہ تھا کہ اس کو مرض سے شفا ہو گئی اور بعید معنی یہ ہے کہ وہ انتقال کر گیا اور اسے ابدی راحت مل گئی۔ حضرت ام سلیم نے بعید معنی کا ارادہ کیا کیونکہ حضرت ابو طلحہ سفر سے واپس گھر آئے تھے اور ام سلیم یہ نہیں چاہتی تھیں کہ گھر پہنچتے ہی ان کو ایسی خبر دی جائے جس سے وہ منوم ہوں اس لیے ام سلیم نے توریہ اور کبیہ سے کام لیا۔

بَابُ قَوْلِ اِمَامٍ لِوُضَّاحِيْهِ اِذْ هَبُوْا بَنَا نَصْلُحْ

باب امام کا اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چلو صلح کرانے چلیں

۲۵۱۴۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ اَهْلَ قُبَاٍّ اُقْتُلُوْا حَتّٰی تَرَامُوْا بِالْحِجَابِ فَاَحْبَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ فَقَالَ اِذْ هَبُوْا بَنَا نَصْلُحْ بَيْنَهُمْ (بخاری)

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ قبا کے لوگوں نے آپس میں جھگڑا کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک نے دوسرے پر پتھر پھینکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا، چلو ہم ان میں باہم صلح کرائیں گے۔

۲۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ بوقت ضرورت امام کا خود موقع پر جا کر صلح کر دینا بھی مشروع ہے اور یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں میں باہم جھگڑا و فساد پسند نہ تھا۔ آپ بہت متواضع ہیں اور مسلمانوں کا کئی تکلیف دہا دیا جائے اور رفع کے ساتھ بھی۔ جب کہ تقدیر عبارت یوں ہو۔ فَهَنْ نَصْلُحْ

فَوَدَّ مَسَالِ | اعنوان میں نصلح کے لفظ کو جزم کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ جب کہ اسے امر کی خبر قرار دیا جائے اور رفع کے ساتھ بھی۔ جب کہ تقدیر عبارت یوں ہو۔ فَهَنْ نَصْلُحْ

میں تکلیف میں مبتلا ہونا آپ پر گراں ہے جیسا کہ سورہ فتح کی آیت ۱۲۵ میں حضور علیہ السلام کے اس وصف کا ذکر ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يَصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا

باب اللہ تعالیٰ کا ارشاد - اگر دونوں ضریق آپس میں صلح کر لیں

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء: ۱۲۸)

اور صلح بہتر ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت - اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے بے توہمی اور اعراض محسوس کرے - کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ ایسا شوہر ہے جو اپنی بیوی میں ایسی چیزیں پائے جو اسے پسند نہ ہوں، عمر کی زیادتی وغیرہ اور اس لیے اسے آپ سے جدا کرنا چاہتا ہو اور عورت کہے کہ مجھے جفا دکر دو (نفقہ وغیرہ) جس طرح تم چاہو دیتے رہو تو انھوں نے

۲۵۱۵ - عَنْ عَائِشَةَ وَإِنْ امْرَأَةً خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا قَالَتْ هُوَ السَّجَلُ يُدْرِي مِنْ امْرَأَتِهِ مَا لَا يُعْجَبُ كِبَرًا أَوْ غَيْرَهُ فَيَبْرِيْدُ فِرَاقَهَا فَنَقُولُ امْسِكِي وَأَقْسِمُ لِحُ مَا شِئْتَ قَالَتْ فَلَا بَأْسَ إِذَا تَرَاضِيَا (بخاری)

فرمایا کہ اگر دونوں اس پر راضی ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (بخاری)

اگر خاوند طلاق دینا چاہتا ہے اور فریقین باہم رضامندی سے خاص شرائط پر صلح کر لیں تو یہ جائز بلکہ افضل ہے اور اس صلح کے ضروری احکام مسائل

۱- واضح ہو کہ جب میاں بیوی کے باہمی تعلقات غراب ہو جائیں تو شوہر کے لیے قرآن نے ایک عام قانون بتایا ہے کہ فِيمَا مَسَاكٍ مَعْرُوفٍ أَوْ تَسْلِيمٍ بِإِحْسَانٍ - اگر بیوی کو دکھنا ہے تو دستور کے مطابق اس کے پورے حقوق ادا کر کے رکھو اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو اس کو طلاق دے کر آزاد کر دو۔ اگر خاوند کی اپنی بیوی سے بے رغبتی اس درجہ کی ہو گئی ہے کہ وہ اس کو جفا کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے اور عورت کسی وجہ سے طلاق نہیں چاہتی - خواہ اپنی اولاد کے مفاد کی وجہ سے یا اس لیے کہ اس کا کوئی دوسرا سہارا نہیں ہے تو اس صورت میں میاں بیوی باہم رضامندی سے خاص شرائط پر صلح کر لیں تو یہ صلح جائز بلکہ بہتر و افضل ہے - امام بخاری علیہ الرحمہ نے سورہ نساء کی آیت اور حدیث عائشہ اسی مسئلہ کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا ہے۔

۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ محسوس ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دیدیں گے تو آپ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی - لا تطلق

وَأَجْعَلْ يَوْمَئِذٍ لِّحَالِ الشَّعَةِ - حضور مجھے طلاق نہ دیں۔ میں اپنی باری حضرت عائشہ کو دیتی ہوں۔ اس پر حضور نے طلاق دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَإِنْ امْرَأَةٌ خُفِّتْ مِنْ بَيْتِهَا فَتُشَوِّرُ أَفْوَاعًا مَرَضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا (نساء ۱۱۸)۔ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی نیادتی یا بے خطی کا اندیشہ کرے تو ان پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح خوب ہے۔ ۳۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے کہ جب عاخذ طلاق دینے کا ارادہ کرے اور عورت کسی وجہ سے طلاق نہ چاہے اور عورت اپنے کل یا بعض حقوق چھوڑ دینے کی شرط پر باہمی رضامندی سے صلح کر لے تو یہ جائز ہے مثلاً عورت نان نفقہ معاف کر دے یا اس کی مقدار کم کر دے یا اپنی باری چھوڑ دے یا کل یا بعض مہر معاف کر دے یا مہر بیکری یا کوئی چیز دے کر صلح کر لے تاکہ مرد طلاق نہ دے (منظری) فلا جناح کے الفاظ اس امر کو بیان کیا گیا ہے کہ دونوں میان بیوی پر گناہ نہیں ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عورت کا اپنے حقوق سے بہت بڑا ہونا یا اپنے شوہر کو روپیہ پیسہ دے کر ازدواجی زندگی کو برقرار رکھنا بظاہر اس معاملہ کی صورت رشوت کی سی ہے لیکن قرآن نے گناہ کی نفی کر کے یہ واضح کر دیا کہ یہ رشوت نہیں بلکہ مصلحت ہے۔

۴۔ علامہ قاضی شامی رحمہ اللہ اپنی جہت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت میں بَيْنَهُمَا کے لفظ سے اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ میان بیوی کے معاملات میں کوئی تیسرا دخل نہ ہو نہ بہتر ہے۔ میان بیوی آپس میں خود ہی بات طے کر لیں کیونکہ تیسرے کے دخل سے بعض اوقات معاملہ مزید الجھ جاتا ہے اور اگر تیسرے کے دخل سے معاملہ طے بھی ہو جائے تو بھی طرفین کے عیوب و دوسروں پر ظاہر ہوں گے جو مصلحت کے خلاف ہے اس لیے بہتر و افضل یہ ہے کہ میان بیوی اپنے معاملات خود ہی آپس میں طے کر لیں (تفسیر منظری)

۵۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے۔ اگر کسی عورت نے اپنے بعض حقوق کا مطالبہ ترک کر دینے پر صلح کر لی تو یہ صلح عورت کے اس حق کو تو قطعی طور پر ختم کر دے گی جو وقت صلح شوہر کے ذمہ عائد ہیں۔ جیسے دین مہر کہ وہ شوہر پر اس صلح سے پہلے واجب الادا ہے۔ لہذا جب وہ پورا مہر یا اس کا کوئی جز معاف کر دینے پر صلح کر لے تو یہ مہر یا اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ اس کے بعد اس کو مطالبہ کا حق باقی نہ رہے گا، لیکن جو حقوق ایسے ہیں کہ بوقت صلح ان کی ادائیگی شوہر پر واجب ہی نہ تھی۔ مثلاً آئندہ زمانہ کا نان و نفقہ یا حق شب بانشی جس کا وجوب آنے والے زمانہ میں ہو گا۔ فی الحال اس کے ذمہ واجب الادا نہیں ہے۔ ان حقوق کے ترک پر اگر مصالحت کر لی گئی تو عورت کا حق مطالبہ ہمیشہ کے لیے ختم نہیں ہو گا بلکہ جب وہ چاہے یہ کہہ سکتی ہے کہ آئندہ میں اپنا یہ حق چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، اس صورت میں شوہر اگر چاہے تو طلاق دے کر اسے آزاد کر سکتا ہے۔ (تفسیر منظری وغیرہ)

واضح ہو کہ سودہ نساء کی ابتداء میں میان بیوی کے باہمی اختلاف کی صورت میں صرف صلح کے جائز ہونے کا

ذکر ہے اورواصلح خیر فرما کر اس امر کی ترغیب وتلقین کی گئی ہے کہ باہم مصالحت کر لینا بہر حال بہتر و افضل ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں واصلح خیر کا جملہ عام ہے اس میں میاں بیوی کے جھگڑے ہوں یا خاندان کے دوسرے اختلافات یا مسلمانوں کے باہم معاملات و نزاعات و مقدمات سب داخل ہیں اور ان سب میں صلح کر لینا بہتر و افضل ہے یعنی دونوں فریق کا اپنے پورے مطالبہ پر اڑے پہننے کی بجائے مطالبہ کے کچھ حصہ سے دستبردار ہو کر کسی درمیانی صورت پر یا بھی رضامندی کے ساتھ مصالحت کر لینا بہتر ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ حضرت احمد بن حنبل، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم نے اسی آیت کی روشنی میں فرمایا۔ دعویٰ صحیح کے بعد صلح کی یہ سب اقسام جائز ہیں۔ خواہ اقرار کے ساتھ ہو جیسے دعا علیہ یہ اقرار کرے کہ معی کے دعویٰ کے مطابق میرے ذمہ اس کے ایک ہزار روپہ و جب وہ ہیں۔ پھر مصالحت اس پر ہو جائے کہ معی اس میں سے کچھ رقم چھوڑ دے یا اس رقم کے معاوضہ میں اس سے کوئی چیز لے لے، یا دعویٰ علیہ دعویٰ کے بارے میں اقرار و انکار کچھ نہ کرے اور سکے کہ بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس صورت پر صلح کر لو یا دعویٰ علیہ دعویٰ سے قطعی انکار کرے لیکن انکار کے باوجود جھگڑا قطع کرنے کے لیے کچھ دینے پر راضی ہو جلتے اور اس پر صلح ہو جاتے۔ یہ تینوں صلح کی قسمیں جائز ہیں۔

بَابُ إِذَا اضْطَحُّوا عَلَىٰ صُلْحٍ جَوْرًا فَالصُّلْحُ مَرْدُودٌ

باب اگر ظلم پر مبنی صلح کریں تو وہ مردود ہے

۱۔ مطلب عنوان یہ ہے کہ جو صلح ظلم و عدوان پر مبنی ہو یا ایسی شرطوں پر صلح کی جائے جو شرعیں از روئے شرع ناجائز و حرام ہیں تو ایسی صلح ناجائز و باطل ہے۔ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
كُلُّ صُلْحٍ جَاءَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحًا أَحْلَ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا
وَالْمُسْلِمُونَ عَلَىٰ شُرُوطِهِمْ إِلَّا مَشْرُطًا حَرَّمَ حَلَالًا
 مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس میں کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھہرایا گیا ہو اور مسلمانوں کو اپنی مانی ہوئی شرطوں پر قائم رہنا چاہیے بجز ان شرائط کے جن کے ذریعے کسی حلال کو حرام قرار دیا گیا ہو۔ (رواہ الحاکم منہری ج ۲ ص ۲۵۵)

صلح کی بعض ناجائز صورتیں | مثلاً کسی عورت سے اس بات پر صلح کر لینا جائز نہیں کہ اس کے ساتھ اس کی بہن کو بھی نکاح میں رکھو۔ کیونکہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا شرعاً حرام ہے یا اس پر صلح کر لے کہ دوسری بیوی کے حقوق ادا نہ کرے گا۔ ۲۔ اسی طرح حد زنا، حد شرب خمر، اور حد تعزیر جو حق اللہ کی وجہ سے ہو صلح کرنا جائز نہیں ہے مثلاً حق شفعہ کے بدلے میں شیخ کا کچھ لے کر صلح کرنا یا کسی نے زنا کی تمت لگائی اور کچھ مال لے کر صلح ہو گئی یا زانی چور اور شرب خمر کو پکڑا تھا۔ اس نے کہا مجھے حاکم کے

پاس پیش نہ کرو اور کچھ لے کر چھوڑ دیا۔ صلح کی یہ سب صورتیں ناجائز ہیں۔ ان صورتوں میں بطور صلح جو کچھ لیا
سہوہ واپس کرنا لازم ہے (در مختار وغیرہ)

۲۵۱۶۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ
قَالَا جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقْضِ
بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ فَقَامَ خَصْمُهُ فَقَالَ
صَدَقَ أَقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ فَقَالَ
الْأَعْرَابِيُّ إِنَّ أَسْبَغِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى
هَذَا أَقْرَبِي بِأَمْلَكَتِهِ فَقَالُوا لِي عَلَى
ابْنِكَ الرَّحْمُ فَقَدْ بَنَتْ أَسْبَغِي امْنَهُ
بِمَاثِلَةٍ مِنَ الْغَنَمِ وَلِبَيْدَةٍ شَرُّ سَأَلْتُ
أَهْلَ الْبَلَدِ فَقَالُوا إِشْمَا عَلَى ابْنِكَ جَلْدُ
مِائَةٍ وَ تَعْرِيبُ عَامٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا فَضِيحَ بَيْنَكُمَا
بِكِتَابِ اللَّهِ أَمَّا الْوَلِيْبِدَةُ وَ أَلْفَنَمُ
فَكَرُّ عَلَيْكَ وَ عَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ
وَ تَعْرِيبُ عَامٍ وَ أَمَّا أَنْتَ
يَا أُبَيْسُ لِرَجُلٍ قَاعَدٌ عَلَى امْرَأَةٍ هَذَا
فَارْجُمُهَا فَقَدْ أَعْلَبَهَا أُبَيْسُ فَارْجُمُهَا

حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ
عنہما نے بیان کیا کہ ایک اعرابی آئے اور عرض کیا، یا
رسول اللہ، ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کر دیجئے
دوسرے فریق نے بھی گھڑے ہر کبھی کہا کہ اس نے سچ
کہا۔ آپ ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کر دیجئے اعرابی
نے کہا میرا لڑکا اس کے یہاں مزدور تھا۔ پھر اس نے
اس کی بیوی سے زنا کیا۔ قوم نے کہا تمہارے بیٹے کو رحم کیا
جائیگا لیکن میں نے اپنے لڑکے کے اس جرم کے بدلے
میں سوکریاں اور ایک باندی دی تاکہ یہ لوگ اسے معاف
کر دیں۔ پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا
کہ اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں کہ تمہارے لڑکے کو
تو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے حلاوطن
کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ میں
تمہارا فیصلہ کتاب اللہ ہی سے کروں گا۔ باندھی اور بکریاں
ترتیبیں کرنا دی جاتی ہیں، البتہ تمہارے لڑکے کو سو کوڑے
لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے حلاوطن کیا جائیگا۔

اور اسی قسم، اس عورت کے بہن باج اور اسے رجم کرو (بشنہ لیکہ وہ زنا کا اقرار کرے) چنانچہ ابیس گئے اور
(چونکہ اس نے بھی زنا کا اقرار کیا۔ اس لیے) اسے رجم کر دیا۔ (بخاری)

اس حدیث میں عتوان کے مطابق یہ الفاظ ہیں۔ اِشْمَا الْوَلِيْبِدَةُ وَ اَلْفَنَمُ فَارْجُمُهَا
عَلَيْكَ۔ یعنی نوڈھی اور بھجیاں جو رجم کی سزا کے بدلے بطور صلح لی گئی ہیں وہ واپس
کی جائیں گی اس سے معلوم ہوا کہ جو صلح ناجائز شرائط پر کی جائے وہ مردود ہے اور ایسی صلح کی بنا پر
جو چیز لی گئی وہ واپس کی جائے گی۔

۲۔ غابر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نو کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ فرماتے ہیں۔ پھر اعرابی

نے جھوٹ بڑی کیوں ہوا کی کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کر دئے؟ جواب یہ ہے کہ ان جملوں سے اعراہی کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے درمیان بطریق صلح نہیں بلکہ حکم الہی کے مطابق فیصلہ فرما دیجئے۔ کیونکہ جو فیصلہ صلح کے طور پر ہوا اس کے متعلق اہل علم نے بتایا ہے کہ وہ از روئے شریعت اسلامیہ غلط ہے۔ واضح ہو کہ حاکم و قاضی جو فیصلہ بطریق صلح کرتا ہے اس میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔ پھر اگر وہ فیصلہ بطریق صلح فریقین کی رضامندی سے کیا گیا خلاف شرع شرائط پر مبنی ہے تو وہ باطل ہے اور جو فیصلہ کتاب و سنت کے احکام کے مطابق کیا جائے اس میں فریقین کی رضامندی شرط نہیں ہے۔ حاکم و قاضی شریعت کا جو بھی حکم ہے اس کے مطابق فیصلہ کر دے گا۔

۳۔ واضح ہو کہ مال کا دعویٰ تھا اور دعویٰ علیہ کے اقرار کے بعد مال پر صلح ہوئی تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہے۔ مثلاً مکان پر صلح ہوئی اور دعویٰ علیہ نے دعویٰ کو مکان دے دیا تو اس میں خیاریہ عیب، خیاریہ وثبت بلکہ خیاریہ شرط اور شفیع کو شفیع کا حق غرض کہ تمام احکام بیع جاری ہوں گے۔ نیز اس میں بدل صلح کی تعلیم پر قدرت بھی شرط ہے دعا علیہ کے انکار و سکوت کے بعد جو صلح ہوتی ہے وہ دعویٰ کے حق میں معاوضہ ہے یعنی جس چیز کا دعویٰ تھا اس کا عوض پایا اور دعا علیہ کے حق میں بدل صلح قسم کا فدیہ ہے یعنی اس کے ذمہ جو عین بھی اس کے فدیہ میں یہ مال دیدیا اور قطع نزاع بھی ہے۔ (در مختار)

۴۔ انکار یا سکوت کے بعد جو صلح ہوتی ہے اگر واقع میں دعویٰ کا غلط دعویٰ تھا جس کا دعویٰ کو بھی علم تھا تو صلح میں جو چیز ملی ہے اس کا لینا جائز نہیں اور اگر دعا علیہ جھوٹا ہے تو اس صلح سے وہ حق دعویٰ سے بری نہیں ہوگا یعنی صلح کے بعد قضاء تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا مواخذہ ختم ہو گیا مگر آخرت کا مواخذہ باقی ہے۔ دعویٰ کے حق ادا کرنے میں جو کمی رہ گئی ہے اس کا مواخذہ ہے مگر جب کہ دعویٰ خود مایقی سے معافی دیدے تو مواخذہ ضروری نہ ہوگا (بحر الرائق و تفسیر منطری وغیرہ)

ہم نے برسیل مذکورہ یہ چند صورتیں اور ان کے مسائل لکھ دیئے ہیں مگر مزید تفصیل و تشریح کے لیے کتب فقہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

۳۔ اہل علم سے مراد خلفاء، اربعہ ابو بکر و عمر، عثمان و علی۔ انصار سے حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس میں بھی نعمتی دینے کے مجاز تھے۔

۴۔ اس حدیث سے واضح ہوا غیر محض یعنی کنوارا اگر زنا کرے تو اس کی حد ضرر سو کوڑے ہے کہ اگر غیر محض کنوارا زنا کرے

تو اس کی حد صرف سو کوڑے ہے۔ قرآن نے بھی مزید طور پر یہی حد بیان کی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ تعزیر عام میں اختلاف ہے۔ حضرت اوزاعی، ثوری، ابن ابی لیلیہ، حسن بن حی، امام شافعی و احمد اور اسحق اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں غیر محسن زانی کی حد سو کوڑے اور شہر بدر کرنا ہے لیکن سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حد صرف سو کوڑے ہیں۔

اور ایک سال کے لیے شہر بدر کرنا بطور تعزیر ہے مصلحت و سیاست پر مبنی ہے، حد کا جز نہیں ہے۔ البتہ حاکم و قاضی کسی مصلحت کی بنا پر بطور تعزیر جلاوطن کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں احناف کے دلائل بہت قوی ہیں مثلاً یہ کہ غیر محسن زانی کی حد قرآن نے صرف سو کوڑے بتائے ہیں تو اگر جلاوطنی کو حد کا حصہ قرار دیا جائے تو یہ مطلق نص پر زیادتی ہوگی یعنی خبر واحد سے نص قطعی کا نسخ لازم آئیگا۔ جو جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جلاوطن کیا تو وہ مرتد ہو کر دارالحرب میں بھاگ گیا۔ حضرت عمر نے قسم کھائی کہ اس کے بعد میں کبھی جلاوطن نہیں کروں گا۔ فخلف ان لا ینفی بعده ابداً۔ حضرت عمر کے اس فعل سے معلوم ہوا کہ جلاوطنی حد کا جز نہیں ہے بلکہ مصلحت و سیاست پر مبنی ہے۔ فتح القدر کتاب الحدود میں ہے کہ حضرت عمر نے ریح بن امیہ بن خلف کو غیر کی طرف جلاوطن کیا تو وہ ہرقل سے مل کر نصرانی ہو گیا۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ لا اُعذب بعده مسلماً۔ اب میں کسی مسلمان کو جلاوطن نہیں کروں گا۔ تو اگر جلاوطنی حد کا جز ہوتی تو حضرت عمر جو کہ مزاج شریعت کو سمجھتے تھے اس کو موقوف کر دینے کی قسم نہ اُٹھاتے۔

۵۔ واضح ہو کہ تعزیر کے معنی دُور کر دینے۔ کسی کو ایک شہر یا گاؤں سے جہاں اس نے جرم کیا ہے دوسرے شہر یا گاؤں میں بھیج دینے کے ہیں۔ یہ امر ذہن میں رہنا چاہئے کہ سیدنا امام اعظم علیہ الرحمہ تعزیر کے ممکنہ نہیں ہیں۔ وہ صرف یہ فرماتے ہیں کہ تعزیر حد کا حصہ نہیں ہے۔ اگر قاضی و حاکم بطور سیاست و مصلحت تعزیر کرے تو یہ جائز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر حضرت عمر، حضرت علی اور دیگر بعض صحابہ کرام نے جو تعزیر کی وہ بطور تعزیر مصابحت پر ہی مبنی تھی۔ احناف اس کا انکار نہیں کرتے۔ مختصر یہ کہ اگر مصلحت ہو تو قاضی تعزیر بھی کر دے اور اگر مصلحت نہ ہو تو اس کو موقوف کر دے مگر تعزیر بہر حال و بہر صورت حد کا جز نہیں ہے۔ پھر جو آئمہ تعزیر کے قائل ہیں وہ تعزیر میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ امام ثوری و شافعی اور حسن بن حی کہتے ہیں۔ زانی کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور تعزیر بھی کی جائے گی خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ امام مالک کہتے ہیں مرد کو تعزیر کی جائیگی عورت اور غلام کو نہیں۔ امام اوزاعی کہتے ہیں مرد کو تعزیر کی جائے گی عورت کو نہیں۔ تعزیر کے قائل آئمہ کا تعزیر میں اختلاف کرنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ تعزیر حد کا حصہ نہیں ہے۔

۶۔ نیز یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ تخریبِ حد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اگر امام یا حاکم واقعی کسی شخص کے منقول یہ محسوس کرے کہ اس کا اس شہر میں رہنا فتنہ و فساد کا موجب ہوگا تو اس شخص کو شہر بدر کر سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس کے وجود سے فتنہ محسوس فرماتے اسے شہر بدر کر دیتے تھے نیز حضرت عمر نے شرابی کو درے لگا کر اور حضرت علی نے چور کا ہاتھ کاٹ کر شہر بدر فرمایا ہے (یعنی ج ۱۳ ص ۲۷۳) معلوم ہوا کہ تخریبِ حد زنا کا جز نہیں ہے بلکہ حاکم واقعی خوفِ فتنہ کی بنا پر بھی تخریب کر سکتا ہے۔

۷۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس سے فرمایا کہ تم اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کرے تو اس کو رجم کر دو۔ چنانچہ اس عورت نے زنا کا اعتراف کیا اور انیس نے اس کو رجم کر دیا چنانچہ حدیثِ مالک کے الفاظ یہ ہیں۔ فاعترف فخرجہا۔

۸۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اقرار سے حد ثابت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ماغر اسلمی اور غامدہ صحابیہ کو اقرار کی وجہ سے حضور نے رجم کرنے کا حکم دیا اور ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اقرار سے حدود تک ثابت ہو جاتے ہیں تو دوسرے قسم کے حقوق بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائیں گے۔

۹۔ علامہ قرطبی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ عورت اگر زنا کرے تو محض زنا سے اس کا نکاح فسخ نہ ہوگا۔

۱۰۔ یہ بھی واضح ہوا کہ وہ حدود جو خالص اللہ کا حق ہیں۔ اس میں صلح جائز نہیں ہے البتہ بدول کے جو حقوق ہیں خواہ ان کا تعلق مال سے ہو یا جنابیات۔ سے ان میں صلح کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

۱۱۔ پھر آپ نے حضرت انس سے فرمایا کہ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو رجم کر دو۔ معلوم ہوا کہ شادی شہد زانی کو رجم کرنا اللہ کا حکم ہے جسے حضور

رجمِ اسلامی سزا ہے

نے اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے بیان فرمایا اور اسے اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے نافذ و جاری فرمایا۔ اعلانی کے معروضہ پر نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ لا قاضیین بینکمما یکتاب اللہ جن کا مطلب یہ ہے کہ کتابِ الہی کے حکم کے مطابق فیصد فرماؤں گا اور کتاب کا لفظ فرض کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے رمضان کے روزوں کے منقول ارشادِ ربانی ہے۔ کتب علیکم الصیام ای فرض

۱۲۔ امیر المومنین شیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر ایک خطبہ دیا۔ جس میں آپ نے فرمایا۔ لوگو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جو شخص میری بات کو سمجھ کر یاد رکھے اسے چاہئے کہ وہ اس کو لوگوں تک پہنچائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل فرمایا اس میں رجیم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے وہ آیت پڑھی اور اسے سمجھا اور اسے

یاد رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور حضور کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے خوف ہے کہ طویل زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کسے والا کہہ دے کہ خدا کی قسم اللہ کی کتاب میں رجم کی آیت نہیں پاتے تو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے فریقہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں۔ اللہ کی کتاب میں رجم حق ہے۔ ہر اس آزاد مرد اور عورت پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زانیہ یا بشرطیکہ شرعی گواہ قائم ہو جائیں یا (عورت کا) حمل ظاہر ہو جائے یا اقرار ہو (مسلم شریف ج ۲ ص ۶۵، مؤطا امام مالک ص ۳۲۹، بخاری شریف جلد ثانی ص ۱۳۹)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ شادی شدہ کے لیے رجم ہے اور کنواری کے لیے کوڑے ہیں۔ غیر شادی شدہ آزاد بدکار عورت کا حکم آیت کریمہ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة میں مذکور ہے یعنی (آزاد غیر شادی شدہ) زانیہ اور آزاد غیر شادی شدہ زانی کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور شادی شدہ آزاد زانی و زانیہ کے لیے قرآن مجید میں رجم کی آیت نازل ہوئی تھی مگر اس کی تلاوت مسنون ہو گئی اور حکم باقی رہا۔ حضرت فاروق اعظم علیہ الرحمہ نے واضح فرمایا کہ آیت رجم نازل ہوئی تھی۔ مگر اب مسنون التلاوة ہے مگر اس کا حکم یعنی رجم اب بھی باقی ہے۔ اس لیے شادی شدہ زانی کی سزا رجم قرآن ہی کا حکم ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی کی سزا صراحتہً جن احادیث میں وارد ہوئی ہے وہ متواتر المعنی ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہیں اور قرآن کی طرح واجب العمل ہیں کیونکہ جس بات کا ثبوت حدیث و سنت سے ہو جائے وہ عین قرآن کے مطابق ہے۔

۱۳۔ محدثین و مفتیین فرماتے ہیں کہ رجم کے معنی تواتر اور قطعیت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَكَيْفَ يُحْكِمُ اللَّهُ لَكُمْ وَالْعِلَالُ فِيمَا حَكَمَ اللَّهُ (المائدہ آیت ۴۳) اور اے رسول! وہ یہودی، کس طرح آپ کو اپنا حکم بناتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس تورات ہے۔ جس میں اللہ کا حکم پایا جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ”حکم اللہ“ کے معنی متواتر صرف رجم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک یہی معنی تواتر سے منقول ہوتے چلے آئے جس طرح قرآن کے الفاظ منقولہ متواترہ قرآن ہیں بالکل اسی طرح الفاظ قرآن کے معانی منقولہ متواترہ بھی قرآن میں۔ اسی لیے کہا گیا۔ القرآن اسم للنظم والمعنی جملیاً۔ یعنی قرآن لفظ اور معنی کے مجموعہ کا نام ہے۔ بے شک لفظ ”رجم“ اس آیت میں صراحتہً مذکور نہیں۔ لیکن حکم اللہ کے معنی چونکہ رجم ہی ہیں۔ اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ”رجم“ کے معنی اللہ کی کتاب میں حق ہیں۔ کتاب اللہ میں اگر کسی نے رجم کی نفی کی ہے تو اس سے مراد صرف لفظ ”رجم“ کی نفی ہے۔ اس کے معنی کی نفی مراد نہیں اور معنی جب تواتر سے ثابت ہیں تو یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا

کہ قرآن میں رجم حق ہے یعنی اس کا حکم موجود ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ التَّائِبَةُ وَالْزَّانِيَةُ میں سو کوڑوں کی سزا آزاد کنوارے غیر شادی شدہ لوگوں کے لیے ہی مخصوص ہے اور شادی شدہ آزاد مرد و عورت کی سزا رجم ہے اور ان دونوں سزاؤں میں قطعاً کوئی تعارض نہیں۔ اس لیے کہ دونوں کا محل جدا گانہ ہے۔ ”سورہ نور“ کی آیت میں غیر شادی شدہ مجرم ملادہیں اور حکم اللہ یعنی رجم“ شادی شدہ آزاد مجرموں کے لیے ہے۔

واضح ہوا کہ رجم کی سزا قرآنی سزا ہے اور اسے غیر اسلامی قرار دینا باطل محض اور قرآن کے خلاف ہے۔ یہاں یہ شبہ کہ یہ لفظ ”حکم اللہ“ بمعنی رجم تو رات میں پایا جاتا ہے۔ قرآن سے اس کا کوئی تعلق نہیں، ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے کہ تو رات کے جس حکم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم اللہ فرمایا اور اسے بقرار رکھا تو وہ اب بعید قرآن کا حکم ہے اور اسے قرآنی حکم ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

الغرض رجم اسلامی سزا ہے۔ آیت قرآن سے اس پر روشنی پڑتی ہے اور صراحت کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے۔ رجم کے ثبوت میں جو احادیث ہیں وہ متواتر المعنیٰ ہیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کی سزا دی۔ پھر خلفائے راشدین نے اس پر عمل کیا۔ تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے اور تابعین و تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور جمہور اُمت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رجم اسلامی سزا ہے اور کتاب و سنت کے خلاف نہیں۔ البتہ چند خوارج اختلاف کرتے ہیں۔ جن کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ پاکستان میں بھی چند مٹھی بھر نام کے مسلمان ایسے ہیں جو رجم کے حد ہونیکا انکار کرتے ہیں مگر یہ لوگ وہی ہیں جو شریعت اسلامیہ کی تمام سزاؤں کو ظلم اور اس دور میں ناقابل عمل قرار دیتے ہیں اور اب تو یہ مجتہدین تحریر و تقریر کے ذریعے مختلف چیلے بہانے تراش کر ان احکام و مسائل کا بھی علی الاعلان انکار کر رہے ہیں جو صوف قرآن مجید سے واضح طور پر ثابت ہیں۔ دراصل یہ لوگ اسلام دشمن طاقتوں کے ایجنٹ ہیں اور دین اسلام کے اصولی و فنی احکام و مسائل میں تشکیک پیدا کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت عاکثر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات کی جس کی اصل دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔

۲۵۱۷۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَمُورَدٌ (بخاری)

۱۔ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت یہ ہے کہ جس نے ایسی شرائط پر مصلح کی جواز دے کر شرع نجات نہیں تو یہ بھی احداث فی الدین ہے ۲۔ اس حدیث سے بدعتِ بدہ کا مفہوم بالکل نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔

بدعت کے معنی اور ہر نئی بات بدعت نہیں ہے
اور وہ یہ ہے کہ جو بدعت نہ کتاب و سنت سے
ظاہری طور پر ثابت ہو نہ باطنی طور پر اور نہ کتاب
و سنت کے تنبیط ہو وہ مردود ہے لیکن وہ بدعت جس کی اصل اور سند کتاب و سنت میں موجود ہو یا کتاب و
سنت سے قیاس کی گئی ہو یا کتاب و سنت سے تنبیط ہو وہ بدعت سیدہ نہیں ہے۔ اسی مضمون کو حضرت علامہ قاضی
عبیاض، علامہ ابن حجر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہم الرحمہ نے یوں بیان فرمایا ہے۔ ۳۔ قال القاضی
المعنی من احدث في الاسلام ما لم يكن له من الكتاب والسنة سند ظاهر
او خفي ملفوظ او مستنبط فهو مردود

۴۔ شارح بخاری حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فتح الباری میں علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ
نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا یہ حدیث دین اسلام کے اصولی قواعد سے ہے۔
اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص دین میں کسی
ایسے کام کو گھڑے جس کی اصولی دین میں کوئی دلیل نہ
ہو تو اس کی طرف توجہ نہ کی جائے (یعنی وہ کام قابل
اعتبار نہیں ہے۔)
فَلَا مَعْنَاهُ مِنْ اخْتِرَاعِ فِي الدِّينِ مَا لَا
يَشْهَدُ لَهُ اَصْلٌ مِنْ اَصْوَالِهِ فَلَا
يَلْتَقِ اليه
(بخاری ج ۱ ص ۳۴۱ حاشیہ)

۵۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے زیر بحث حدیث
کیا ہر بدعت گمراہی ہے؟ کے جملے خالیس فیہ کی شرح میں فرمایا کہ دین سے نہیں کے
معنی یہ ہیں کہ وہ کام

مرد چیز کے کہ مخالف و مغیر باشند | دین کے خلاف ہو اور دین کو بدلنے والا ہو
غرض کہ ایسی بدعت (دنیا کام) جو کتاب و سنت کے خلاف ہو اور دین کو بدلنے والا ہو۔ وہ مردود ہے۔
نیز حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کل بدعت ضلالہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔
آپ نے موافق اصول و قواعد سنت و سنت و قیاس
کردہ شدہ برائے آراء بدعت حسنہ گویند و انچ
مخالف آں باشند بدعت ضلالت گویند
جو بدعت کی حضور کی سنت کے اصول و قواعد
کے مطابق ہے اور اس پر قیاس کی گئی ہے اس
کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو بدعت کی سنت کے مخالف
ہو اسے بدعت ضلالت کہتے ہیں۔
(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۳۵)

۶۔ شارح مسلم علامہ نووی علیہ الرحمہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ حدیث کل بدعت ضلالہ کہ ہر نئی بات
بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے — میں عموم مراد نہیں ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

کہ ہر بدعت گمراہی ہے اس سے مراد صرف بدعت سیئہ ہے اور بدعت حسنہ گمراہی کے حکم میں داخل نہیں ہے۔
تخصیص کی دلیل حدیث مسلم ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ سَنَّ فِي الدِّينِ سُنَّةً حَسَنَةً
فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا
مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ
مِنْ أَجْرِ رِجَالِهَا شَيْءٌ وَمَنْ
سَنَّ فِي الدِّينِ سُنَّةً سَيِّئَةً
كَانَ عَلَيْهِ وَزْرُهَا وَوَزْرُ مَنْ عَمِلَ
بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ
مِنْ أَذْرَارِهَا شَيْءٌ

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۳)

جو شخص اسلام میں کسی اچھے طریقہ کو رائج کرے گا
تو اس کو اپنے رائج کرنے کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں
کے عمل کرنے کا بھی جو اس کے بعد اس طریقہ پر عمل
کرتے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں
کوئی کمی بھی نہ ہوگی۔ اور جو اسلام میں کسی بُرے طریقہ
کو رائج کرے گا تو اس شخص پر اس کے رائج کرنے کا
بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے عمل کرنے کا بھی گناہ
ہوگا جو اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے اور
عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ بدعت صرف سیئہ ہی نہیں ہوتی بلکہ حسنہ بھی ہوتی ہے اور جو لوگ بدعت کی دو قسمیں حسنہ
اور سیئہ نہیں مانتے ان کا یہ انکار دراصل مسلم شریف کی حدیث کا انکار ہے۔

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں | اسی لیے شارحین حدیث نے فرمایا کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔
بدعت محمد، بدعت کرد و ہر، بدعت واجبہ، بدعت مستحبہ، بدعت

مباح۔ تفصیل کے لیے دیکھیں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۹ اور اشعۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۲۸ اور بدعت کے
حسنہ اور سیئہ ہونے کا معیار حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ

مَا أُحْدِثَ مِمَّا يَحَالِفُ الْكِتَابَ
أَوِ السُّنَّةَ أَوْ الْأَثَرَ وَلَا جَمَاعَ فَهُوَ
صَلَاةٌ - وَمَا أُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ مِمَّا
لَا يَحَالِفُ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَلَيْسَ
بِمَذْمُومٍ

اگر ایسی چیز ایجاد کی گئی جو قرآن مجید، حدیث
شریف، آثار صحابہ یا اجماع کے خلاف ہو تو
وہ گمراہی ہے اور اگر ایسی اچھی بات ایجاد کی گئی
جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو تو وہ بُری نہیں۔
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۹)

اور جو لوگ (جیسے دہلوی دیوبندی صحنفات) بدعت کی دو قسمیں حسنہ و سیئہ تسلیم نہ کریں تو پھر انہیں ان
کاموں کو بھی بدعت، حرام، ناجائز ماننا پڑے گا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوئیں ہیں اور
جنہیں وہ بھی جائز و مستحسن قرار دیتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید کا تیس پارہ بٹانا، ان میں رکوع قائم کرنا، ان پر

زبر زیر لگانا وغیرہ، حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا، ان کی تقسیمیں صحیح حسن اور ضعیف وغیرہ بنانا۔ فقہ علم کلام اور اصول حدیث و اصول فقہ کے سارے قاعدے ضابطے، فقہ کے مذاہب اربعہ، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ اسی طرح طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی اور ان کے ولیفے، مراقبے، چلے، ذکر و فکر کے طریقے وغیرہ وغیرہ۔

۸۔ اور شارح مسلم حضرت امام نووی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ

اَلْبَدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عَمِلَ عَلَى غَيْرِ
مِثَالِ سَبْتٍ وَ فِي الشَّرْعِ اِحْدَاثٌ
مَا كُنْ يَكُنْ فِي عَمَلِهِ وَ سُؤْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جس کی مثال زمانہ سابق میں نہ ہو (لغت میں) اس کو بدعت کہتے ہیں اور شرح میں بدعت ہے ایسی چیز کا ایجاد کرنا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری زمانہ میں نہ تھی (مفاتیح شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۹)

امروا واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایجاد ہوئے اور یقیناً یہ سب بدعت ہیں۔ مگر ان تمام کاموں کو مخالفین بھی بدعت سے نہیں کہتے۔ ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ و سیرہ میں تقسیم حق و صواب ہے اور ہر بدعت کو سیرہ قرار دینے کو حرام و ناجائز بلکہ شرک نامک کا فتویٰ لگا دینا دلائل شرعیہ کی روشنی میں غلط اور ظلم عظیم ہے مگر مخالفین کا حال یہ ہے کہ مذکورہ بالا ساری بدعتیں ان کے نزدیک جائز ہیں بلکہ اپنے دارالعلوم کا جشن منانا اس کی تعظیم کرنا اور اپنے مولویوں کے احترام میں کھڑے ہونا بھی جائز ہے لیکن اللہ کے محبوب حضور سید عالم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں آپ سے محبت، عقیدت اور احترام کی وجہ سے کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا حرام و ناجائز اور بدعت سیرہ ہے (معاذ اللہ)

۹۔ ہماری اس گفتگو سے ان تمام کاموں کا جائز و مستحسن ہونا واضح ہو جاتا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کی بنا پر کئے جائیں اور جن سے حضور کی عظمت و بزرگی ظاہر ہو ————— لہذا ربيع الاول شریف کی بارہویں تاریخ کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا جشن منانا، اس تاریخ میں تعطیل کرنا، دکانیں بند رکھنا، غسل کرنا، خوشبو لگانا، نئے کپڑے پہننا، خوشی و مسرت کا اظہار کرنا، گھروں کو آراستہ کرنا، چراغاں کرنا، سڑکوں اور گلیوں کو قہقروں سے سجھانا، سڑکوں پر گیٹ بنانا، نعروں کے ساتھ جلوس نکالنا اور میلاد شریف کی مجلسیں منعقد کرنا سب جائز ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا جواز قرآن و حدیث اور صحابہ کرام و ائمہ و عظام کے قول و فعل سے ثابت ہے۔

۱۰۔ مخالفین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر پر متحمل کاموں کو روکنے کے لیے سادہ لوح عوام کے سامنے یہ جواز بھی پیش کرتے ہیں کہ یہ کام صحابہ کرام نے نہیں کیے کم کیوں کرتے ہو؟ کتا تم صحابہ کرام سے محبت و

تعلیم میں بڑھ کر ہو؟ جب انتہائی محنت و تعلیم کے باوجود صحابہ نے ایسے کام نہیں کیے تو دوسروں کو ایسی تعلیم کرنا کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وَلْتَعْلَمُوْهُ وَاَنْتُمْ قٰسِرُوْنَ فرما کر مطلقاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و توفیق کا حکم فرمایا گیا ہے۔

لہذا مسلمانوں کا جذبہ بدل تھی طرح بھی دہری کرے ہر طریقے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم جائز ہے صحابہ کرام کے نہ کرنے سے کوئی فعل ناجائز نہیں ہو جائیگا۔ اس لیے کہ صحابہ کا کرنا کسی کام کے جائز ہونے کی دلیل تو ضرور ہے مگر نہ کرنا اس کام کے ناجائز ہونے کی دلیل چرگز نہیں۔ اسی لیے صحابہ نے جو کام نہیں کئے ایسے بے شکاکام مسلمان دوزانہ کرتے رہتے ہیں اور ان کو مخالفین بھی جائز سمجھتے ہیں۔

چنانچہ حضرت علامہ تفسلافی شارح بخاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

اَفْعَلْ يَدُلُّ عَلَى الْجَوَازِ وَعَدَمُ الْفِعْلِ
لَا يَدُلُّ عَلَى الْمَنْعِ

کرنے سے جائز ہونا سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے
ممانعت نہیں سمجھی جاتی ہے۔

(مواہب لدینی بحوالہ اقامۃ القیامۃ ص ۲۹)

اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔

نکردن چیزے دیگر ست و منع فرمودن
چیزے دیگر - ملخصاً

نہ کرنا دوسری چیز ہے اور منع کرنا اور چیز ہے
(تحفہ اشنا عشریہ)

اس لیے صحابہ کرام کے نہ کرنے سے مذکورہ بالا کاموں کو کفر و شرک یا حرام و ناجائز ٹھہرانا، درست نہیں ہے۔
غور کیجئے سیدنا امام بخاری علیہ الرحمۃ جن کو چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ حدیث رسول کی انہوں نے اس طرح تعلیم کی کہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل کرتے اور دو رکعت نفل ادا کرتے تھے (مقدمۃ فتح الباری ص ۵) سیدنا امام مالک بلا ضرر حدیث نہیں بیان کرتے تھے (شفاج ۲ ص ۳۵) اور جب کوئی شخص حدیث رسول پوچھنے کے لیے آتا تو حضرت امام مالک غسل فرماتے، خوشبو لگاتے پھر لباس بدل کر نکلتے۔ آپ کے لیے تخت بچھایا جاتا۔ جس پر آپ دھار کے ساتھ بیٹھ کر حدیث شریف بیان فرماتے اور شروع مجلس سے آخر تک خوشبو لگاتی جاتی اور وہ تخت صرف حدیث شریف روایت کرنے کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ جب امام موصوف سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا۔

میں چاہتا ہوں کہ اس طرح رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کی حدیث شریف کی تعلیم کروں۔

أُحِبُّ أَنْ أَعْظِمَ حَدِيثَ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
(شفاف شریف ج ۲ ص ۳۱۰)

۱۱۔ روایت حدیث کے دوران حضرت امام مالک کو بچھونے سولہ مرتبہ ٹانگ مارا اور آپ کا چہرہ زرد ہو گیا مگر

آپ نے حرکت نہ کی اس کے بعد فرمایا۔

إِنَّمَا صَبَرْتُ إِجْلَالًا لِّحَدِيثِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَأَنَّمَا لَيْكُ بْنُ أَنَسٍ لَا يُحَدِّثُ بِحَدِيثِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِلَّا هُوَ عَلَى وَصْوَةٍ إِجْلَالًا لَهُ

میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث
شریف کی تعظیم میں صبر کیا (شفاء شریف ج ۲ ص ۳۱)
حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنسور
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث شریف تعظیم و
تکرم کی خاطر بغیر وضو کے بیان نہیں فرماتے تھے۔
(شفاء شریف ج ۲ ص ۳۵)

۱۲۔ حضرت سعید بن المسیب سے حدیث رسول کے متعلق سوال ہوتا اور وہ لیٹے ہوئے ہوتے تو بیٹھ کر جواب
دیتے اور فرماتے۔

إِنِّي كَرِهْتُ أَنْتَ أَحَدٌ ثَلَاثَ عَشْرَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَأَنَا مُضْطَجِعٌ

میں پسند نہیں کرتا کہ میں لیٹے ہوئے رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف بیان کروں۔
(شفاء شریف ج ۲ ص ۳۵)

تعظیم رسول سے متعلق اگر سلف صالحین کے عمل و کردار کو جمع کیا جائے تو اس کے لیے دفتر درکار ہوتا ہے
(سیدنا تابعین، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت امام مالک بن انس جو اجلہ تابعین میں ہیں اور سیدنا
امام بخاری علیہ الرحمہ جنہیں امام الدین فی الحدیث مانا جاتا ہے) ان حضرات کے قول و عمل سے ثابت ہوا کہ حدیث
شریف کی تعظیم ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا کام کہ جس سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی ظاہر
ہو سب بلاشبہ جائز و مستحسن ہیں گو کہ قرآن و حدیث میں اس قسم کی تعظیم کا بالتصریح حکم نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا
ارشاد عام وَ تَقَرَّبُوا إِلَيْهِ غَيْرَ سَبِيلٍ ہے۔

اس لیے محفل میلاد کا انعقاد اور اس میں بخسور نبوی صلاۃ و سلام اور قیام تعظیمی وغیرہ جائز و مستحسن
ہے۔ حرام و بدعت اور شرک ہرگز نہیں ہے اور یہ کہ جس دلیل سے امام بخاری، سعید بن المسیب اور حضرت
امام مالک کا حدیث رسول کے احترام کے حوالے سے حضور کی تعظیم کرنا جائز قرار پاتا ہے (جو کہ مخالفین کو بھی تسلیم
ہے) اسی دلیل سے محفل میلاد اور قیام تعظیمی کا جائز ہونا بھی واضح ہو جاتا ہے کیونکہ محفل میلاد اور اس کے جائز اعمال
و افعال بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت اور آپ کی تعظیم و توقیر ہی کے آئینہ دار ہیں۔
اور یہ بھی واضح ہوا کہ تعظیم رسول کی وہ صورتیں جو صحابہ کرام نے اختیار نہیں کیں، محض ان کے نہ کرنے سے حرام و بدعت

اور بدعت یہ نہیں ہو جاتی۔ دیکھتے بعض صحابہ نے حدیثیں لکھیں مگر انھوں نے امام بخاری کی طرح ہر حدیث لکھنے سے پہلے نہ غسل کیا اور نہ دو رکعت نماز پڑھی اور اسی طرح صحابہ کرام چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں ایک دوسرے سے بیان کرتے تھے اور حضرت امام مالک کی طرح ایک دوسرے سے حدیث بیان کرنے کے لیے صحابہ غسل نہیں کرتے تھے، نہ کپڑے میں عطر لگاتے تھے اور نہ اس کے لیے خوشبو مشک لگاتے تھے تو کیا صحابہ کے اس طرح نہ کرنے سے حضرت امام بخاری اور حضرت امام مالک کا حدیث ثریف کی تعظیم کرنا حرام و ناجائز ہو جائیگا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ جائز و مستحسن ہی رہیگا تو اسی طرح محفل میلاد، قیام شبی اور وہ تمام جائز اعمال و افعال جو مسلمان حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر کے لیے کرتے ہیں۔ صحابہ کرام کے نہ کرنے کے باوجود جائز و مستحب اور باعثِ نیر و برکت ہی رہیں گے۔

رہے گا یہی ان کا چچا رہے گا پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

کھڑے ہو کر بجنور نبوی سلام عرض کرنا، انگوٹھے چومنا، اذان سے قبل درود پڑھنا، فاتحہ چیلیم وغیرہ سب جائز و مستحب ہیں کی تصریح اور تصدیقات کے خلاف ہو وہ کام کتاب و سنت سے مستنبط اور ماخوذ نہ ہو وہ باطل و ناجائز ہے اور نہ اسے کام کی کتاب و سنت میں اصل و بنیاد ہو اور وہ کتاب و سنت کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ وہ سنت رسول کے اصول و قواعد کے مطابق ہو اور اس پر قیاس کیا گیا ہو وہ ہرگز بدعت یہ نہیں ہے بلکہ جائز و مستحسن ہے۔ اگر دیانت داری سے غور کیا جائے تو اس اصول کی روشنی میں اہلسنت کے بہت سے مراسم و معمولات کا جائز ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

۱۔ محفل میلاد منعقد کرنا جائز ہے کیونکہ محفل میلاد کی اصل دین میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا ذکر کیا ہے۔ خود نبی علیہ السلام نے اپنی ولادت کا ذکر فرمایا اور سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے۔

۲۔ قبروں پر پھول اور درختوں کی تر شاخوں کا ڈالنا جائز ہے کیونکہ اس کی اصل دین میں موجود ہے۔ نبی علیہ السلام نے دو قبروں پر سبز شاخیں ڈال دیں اور فرمایا۔ جب تک یہ خشک نہ ہوں میت کو اس کی تسبیح کی برکت سے فائدہ ہوگا (بخاری)

۳۔ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا جائز ہے کیونکہ اس کی اصل دین میں موجود ہے اور یہ فعل حضور کی تعظیم کا آئینہ دار ہے اور قرآن نے مطلقاً تعظیم رسول کا حکم دیا ہے ارشاد باری ہے :-

وَتَحْزَنُ رُوحَهُ وَتُوقِرُ رُوحَهُ (فتح آیت ۹) ۱ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو

۴۔ اذان میں نامِ اقدس سن کر انگوٹھے چرمانا جائز ہے کیونکہ دین میں اس کی اصل موجود ہے۔ ایلمر مین سینا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا کیا۔ لہذا یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت ہوئی۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی والدہ کے قدموں کو چوما۔ وہ ایسے ہے جیسے اس نے جنت کی چوکھٹ کو چوما (فتح القدیر) — معلوم ہوا کہ کسی چیز کو محبت و شفقت سے چرمانا جائز ہے۔

۵۔ اذان سے قبل درود شریف پڑھنا جائز ہے کیونکہ اس کی اصل دین میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً حضور پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔

۶۔ اسی طرح فاتحہ چہلم عرس وغیرہ وغیرہ جائز ہے کیونکہ یہ ایصالِ ثواب کی صورتیں ہیں اور ایصالِ ثواب قرآن و حدیث کی نعوص سے واضح ہے۔ اسی طرح دن مقرر کر کے ایصالِ ثواب کرنا بھی جائز ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پیدل یا سوار ہر ہفتہ کے دن مسجدِ قبلہ شریف لے جاتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی ایسا کرتے تھے (بخاری ج ۱ ص ۱۵۹) اس حدیث کی شرح میں شارح بخاری علامہ بدر محمود اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہما الرحمہ نے فرمایا۔

یہ حدیث جو کہ مختلف سندوں سے ہے اس امر کی دلیل ہے کہ بعض دنوں کو بعض اعمالِ صالحہ کے ساتھ معین کر لینا جائز ہے اور اس کو ہمیشہ کرنا (مداومت) بھی جائز ہے۔

وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ عَلَى اخْتِلَافِ طَرِيقَةٍ
دَلَالَةٌ عَلَى جَوَازِ تَحْصِيصِ بَعْضِ
الْأَيَّامِ بِبَعْضِ الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ
وَالَّذِي أَمَرَهُ عَلَى ذَلِكَ

(فتح الباری ج ۳ ص ۶۹ و مینی ج ۷ ص ۳۵۹)

معلوم ہوا کہ کسی نیک کام کو دن اور تاریخ مقرر کر کے کرنا اور ہمیشہ کرنا جائز ہے اور اب تو اس مسئلہ میں ٹھیکڑے اور فساد کو ختم کرنا چاہیے کیونکہ دیوبندی و ہابی حضرات بھی تیجہ، چہلم، برسی وغیرہ کو بڑی دھوم دھام سے منانے لگے ہیں حتیٰ کہ اخبارات میں باقاعدہ خطیر رقم خرچ کر کے دن اور وقت اور تاریخ مقرر کر کے لوگوں کو بلاتے ہیں اور مزید یہ کہ یومِ صدیق اکبر، یومِ فاروق اعظم، یومِ عثمان غنی بھی منانے لگے ہیں۔ بلکہ حکومت سے ان ایام پر ملک میں عام تعطیل کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں۔ اور جب اپنی ذات کی بات آتی ہے تو اپنے بدعت و شرک کے دیتے ہوئے دفتر دن کو لپیٹ کر انک رکھ دیتے ہیں۔

ایک ضروری بات | ہم اہل سنت و جماعت مذکورہ بالا اعمال کے جواز کے قائل ہیں۔ مگر ان اعمال کو فرض و واجب نہیں سمجھتے۔ اگر بالفرض کوئی جاہل مذکورہ بالا اعمال کو فرض و واجب کا درجہ

دیدے تو ہمارے نزدیک بھی یہ اعمال بدعت ہو جائیں گے کیونکہ قرآن و سنت میں ان اعمال کے فرض و واجب ہونے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح ہم اذان سے قبل درود شریف کو اذان کا جز یا حصہ ہرگز نہ گز نہیں سمجھتے اور جو ایسا عقیدہ رکھتا ہے وہ غلطی پر ہے اور بدعتی ہے۔

بَابُ كَيْفَ يُكْتَبُ هَذَا مَا صَالِحٌ

باب صلح کی دستاویز کس طرح لکھی جائے ؟

فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَفُلَانُ بْنُ فُلَانٍ | کیا اس طرح کہ یہ اس بات کی دستاویز ہے کہ
وَإِنْ لَمْ يُنْسَبْ إِلَى قَبِيلَتِهِ | فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ اور فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ نے صلح کر لی ہے
أَوْ نَسَبِهِ | جب کہ اس کے قبیلے یا نسب کا ذکر نہ کیا ہو

مطلب عنوان یہ ہے کہ صلح کی دستاویز اور اسی طرح اقرار نامہ اور زمین کی رجسٹری وغیرہ میں فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ لکھ دینا کافی ہے قبیلہ اور نسب وغیرہ کا ذکر کرنا اس صورت میں ضروری نہیں ہے جب کہ اشتباہ و ابہام پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ ہمارے فقہاء کرام نے فرمایا کہ باپ دادا کا نام لکھا جائے اور نسب بھی لکھا جائے۔ ہمارے دور میں وثیقہ نویس سکونت وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ بہر حال دستاویز کو اجمال و ابہام اور اشتباہ سے محفوظ رکھنے کے لیے جس قدر زیادہ لکھ دیا جائے بہتر و افضل ہے۔

حضرت براہین عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی صلح (قریش سے) کی تو دستاویز علی رضی اللہ عنہ نے لکھی تھی۔ انھوں نے اس میں لکھا، محمد، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ مشرکین نے اس پر اعتراض کیا کہ محمد کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھو، اگر آپ رسول اللہ ہیں تو ہم آپ سے لڑتے ہی کہیں۔ آنحضرت نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ کا لفظ متبادیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں اس لفظ کو مٹانے والا نہیں ہوں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے وہ لفظ مٹا دیا اور مشرکین کے ساتھ اس شرط

۲۵۱۸۔ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ
الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ قَالَ لَمَّا صَالَحَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ
الْحُدَيْبِيَّةِ كَتَبَ عَلِيٌّ بَيْنَهُمْ كِتَابًا
فَكَتَبَ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ لَا تُكْتَبُ
مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ كَوْنَتْ رِسُولًا لَمْ
تُقَاتِلْكَ فَقَالَ لِعَلِيٍّ امْحُحْ فَقَالَ عَلِيٌّ
مَا أَنَا بِالَّذِي آمَحُّهُ فَمَحَاهُ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ وَصَالَحَهُمْ
عَلَى أَنْ يَدْخُلَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ ثَلَاثَةَ

أَيَّامٌ وَلَا يَدْخُلُهَا إِلَّا بِجَلْبَانٍ السَّلَاحِ
فَسَأَلُوهُ مَا جَلْبَانُ السَّلَاحِ فَقَالَ
الْقِرَابُ بِمَا فِيهِ (بخاری)

اسلاح کیا چیز ہوتی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ نیام اور جو چیز اس کے اندر ہوتی ہے (اس کے مجموعے کا نام جلبان ہے)
۲۵۱۹- عَنْ الْبَرَاءِ قَالَ أَعْتَمَرَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
ذِي الْقَعْدَةِ فَأَلَى أَهْلَ مَكَّةَ أَنْ
يَدْخُلُوهُ يَدْخُلُ حَتَّى قَاضَاهُمْ عَلَى
أَنْ يُعْتِمِرَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا كَتَبُوا
الْكِتَابَ كَتَبُوا هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالُوا لَا نَقْرُؤُهَا فَلَوْ نَقَرْنَاكَ
رَسُولُ اللَّهِ مَا مَنَعَكَ لَكِنْ أَنْتَ مُحَمَّدٌ
بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَنَا رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَا
مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ثُمَّ قَالَ لِعَلِّي أَمَحُ
رَسُولُ اللَّهِ قَالَ لَا وَاللَّهِ لَا أَمَحُوكَ أَبَدًا
فَآخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْكِتَابَ فَكَتَبَ هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ
مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ سَلَاحٌ
إِلَّا فِي الْقِرَابِ وَأَنْ لَا يُخْرَجَ مِنْ أَهْلِهَا
بِأَحَدٍ إِنْ أَرَادَ أَنْ يَسْبِغَهُ وَأَنْ لَا يَنْسَعِ
أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ أَرَادَ أَنْ يُعْتِمِرَ بِهَا
فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْأَجَلَ أَتَاهَا عَلَيْهِ
فَقَالُوا قَدْ لَصَّاحِبُكَ أَخْرَجَ عَنْكَ فَقَدْ
مَضَى الْأَجَلَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

پر صلح کی کہ آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ (آئندہ
سال) تین دن کے لیے مکہ آئیں گے اور ہتھیار نیام
میں رکھ کر داخل ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ جلبان
(اس کے مجموعے کا نام جلبان ہے)
حضرت براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی
اللہ وسلم نے ذی قعدہ کے مہینے میں عمرہ کا احرام باندھا
(اور مکہ روانہ ہوئے) لیکن مکہ کے لوگوں نے آپ کو شہر
میں داخل ہونے سے روک دیا۔ آخر صلح اس پر ہوئی
کہ آئندہ سال آپ مکہ میں تین دن تک قیام کریں گے۔
جب اسکی دستاویز لکھی جانے لگی تو اس میں لکھا گیا
کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے کیا ہے لیکن مشرکین نے کہا کہ ہم تو اسے نہیں مانتے
اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ
کو روکیں گے بھی نہیں۔ پس آپ صرف محمد بن عبد اللہ ہیں
آنحضور نے فرمایا کہ میں رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ
بھی۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ
کا لفظ مٹا دو۔ انھوں نے عرض کی، نہیں، خدا کی قسم! میں
یہ لفظ نہ لکھی نہیں مٹاؤں گا۔ آخر آنحضور نے خود دستاویز
لی اور لکھا کہ یہ اس کی دستاویز ہے کہ محمد بن عبد اللہ نے
اس شرط پر صلح کی ہے کہ مکہ میں وہ ہتھیار نیام میں رکھے
مگر داخل نہ ہوں گے۔ اگر مکہ کا کوئی باشندہ ان کے
ساتھ جانا چاہے گا تو وہ اسے ساتھ نہ لے جائیں گے،
لیکن اگر ان کے اصحاب میں سے کوئی شخص مکہ میں جانا
چاہے گا تو اسے وہ نہ روکیں گے۔ جب (آئندہ سال)
آپ مکہ تشریف لے گئے اور (مکہ میں) نیام کی مدت

وَسَلَّمَ فَتَبِعَتْهُمُ ابْنَةُ حُمْرَةَ يَا عَمِّ
يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَأَخَذَ بِبَيْدِهَا
وَقَالَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ دُونَكَ
ابْنَةُ عَمِّكَ حَمَلَتْهَا فَأَخْتَصَمَ فِيهَا
عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعَفَرٌ فَقَالَ عَلِيٌّ
أَنَا أَحَقُّ بِهَا وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي وَقَالَ
جَعْفَرُ ابْنَةُ عَمِّي وَحَالَتْهَا حَتَّى وَ
قَالَ زَيْدُ ابْنَةُ أَخِي فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَالَتِهَا وَقَالَ
الْعَالَةُ بِسُؤْلِهِ الْأُمُّ وَقَالَ لِحَلِي
أَنْتَ مَعِي وَأَنَا مِنْكَ وَقَالَ لَجَعْفَرٍ
أَشْبَهْتَ حَلْفِي وَحَلْفِي وَقَالَ لَزَيْدٍ
أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا

پوری ہو گئی تو قریش، علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے
اور کہا کہ اپنے صاحب سے کہئے کہ مدت پوری ہو
گئی ہے اور اب وہ ہمارے ہاں سے چلے جائیں،
چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہوئے
گئے۔ اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک
بچی چچا چچا کرتی آئیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے
ساتھ لے لیا۔ پھر حضرت فاطمہ علیہا السلام کے پاس
ہاتھ پکڑ کر لائے اور فرمایا اپنی چچا زادہن کو ساتھ لے
لو۔ چنانچہ انھوں نے انہیں اپنے ساتھ سوار کرایا۔ پھر
علی، زید اور جعفر رضی اللہ عنہم کا باہم نزاع ہوا، علی رضی اللہ
عنہ نے فرمایا کہ اس کا سختی میں زیادہ ہوں۔ یہ میرے
چچا کی بچی ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ میرے
بھی چچا کی بچی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں
بھی ہیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے بھائی کی بچی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی کی خالہ کے حق میں
فیصلہ کیا اور فرمایا کہ خالہ، ماں کی طرح ہوتی ہے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں،
جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم صورت اور عادات و اخلاق سب میں مجھ سے مشابہ ہو، زید رضی اللہ عنہ سے
فرمایا کہ تم ہمارے بھائی بھی ہو اور ہمارے مولا بھی۔

قوائد و مسائل | اس حدیث کو امام مسلم نے منازعی میں اور ابوداؤد نے حج میں ذکر کیا ہے ۲۔ امحله
ارکا صیغہ ہے ۱۔ کے فتح یا ضم کے ساتھ اس کے معنی مٹانے کے ہیں۔ بِجَلْبَانِ السَّلَاحِ
ج کے اور ل کے ضم کے ساتھ ب پر تشدید۔ تیر کمان وغیرہ ہتھیاروں کے کھنکے کے تھیلے کو کہتے ہیں جو اس نماز
میں چمڑے سے بنا ہوا ہوتا تھا۔ حدیث میں اس لفظ کی تفسیر قحدراب سے کی گئی ہے۔ معنی دونوں کے ایک ہیں
یعنی چمڑے کا وہ ہتھیلا جس میں سوار اپنے ہتھیاروں وغیرہ کو رکھ کر کجاوہ کے ساتھ لٹکا دیتا ہے۔

۳۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنوئیں کا نام ہے۔ گاؤں بھی اس کنوئیں کے نام سے
مشہور ہو گیا۔ اس مقدس درخت کے قریب ہے جس کی نیچے بیعت الرضوان واقع ہوئی جس
کا ذکر قرآن مجید کی سورہ فتح میں ہے۔ صلح حدیبیہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت ہی اہم واقعہ ہے جو ذوقعدہ ۶ ہجری

ہوا تھا کہنے کو تو ایک صلح تھی اور وہ بھی بظاہر مغلوبانہ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ اسلام کی تمام آئینہ کامیابیوں اور کامیابیوں کا دیباچہ ثابت ہوئی اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو اسلام کی فتح سے موسوم فرمایا۔ اس صلح کے تمام واقعات و حالات سیرت کی تمام کتب میں موجود ہیں۔ اس لیے ہم نے ان کو بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علیؑ نے لفظ رسولؐ مٹانے سے کیوں انکار فرمایا | ۴۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دو۔ تو حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ الکریم نے بظاہر انکار کر دیا۔ شارح بخاری علامہ بدر محمد عینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر امر کا صیغہ وجوب کے لیے نہ تھا کیونکہ قرآن سے حضرت علیؑ کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ حضور کا یہ حکم وجوبی نہیں ہے۔ اس لیے مخالفت رسول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (یعنی ۷۴۱۸) اسی سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تشیع فرقے کے اس الزام کا جواب بھی ہو جاتا ہے کہ حضور نے قلم دوات طلب کی اور حضرت عمرؓ نے انکار کر دیا اور حضور کے حکم مخالفت کی حالانکہ کسی حدیث میں حضرت عمرؓ کا انکار مروی نہیں ہے حضرت عمرؓ صرف یہ کہا تھا کہ حسبنا کتاب اللہ اور یہ جملہ بھی انہوں نے قرآن سے یہ سمجھ کر کہا تھا کہ حضور علیہ السلام کا حکم وجوبی نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ یہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام نے دین سے متعلق تمام امور امت تک پہنچا دیے ہیں اور دین کی کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی ہے جو تبلیغ سے رہ گئی ہو۔ اس یقین کی بنیاد پر حضرت عمرؓ نے حسبنا کتاب اللہ کہا جو حضور کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں ہے۔

حضور لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی | ۵۔ حضرت علیؑ کے انکار کے بعد خود حضور نے اس لفظ حضور لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی کو مٹا دیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ فَمَحَاهُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ یعنی لفظ رسول اللہ کو خود حضور نے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اور حدیث زیر بحث نمبر ۲۵۱۹ میں اس کی وضاحت ان لفظوں سے آئی ہے۔ فَاحْذَرُوا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكِتَابَ فَكَتَبَ هَذَا مَا قَاَضٰهُ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخَمْسِيّ بِسْمِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے خود دستاویزی اور اپنے دست مبارک سے لکھا کہ یہ دستاویز ہے کہ محمد بن عبد اللہ نے ان شرائط پر صلح کی اگر ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا بھی جانتے تھے اور پڑھنا بھی اور آپ کا لکھنا پڑھنا نہ تو قرآن کی کسی آیت کے خلاف ہے اور نہ ہی آپ کے امی ہونے کے منافی ہے۔

مگر افسوس | ۶۔ وہابی، دیوبندی اور مودودی فکر کے علماء آج بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنے پڑھنے ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ بعض کی دانت و مسافہت کا تو یہ عالم ہے کہ آپ کو ان پڑھ چرواہا

”نہ لکھ دیتے ہیں۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ حالانکہ نزولِ قرآن کے بعد آپ کا لکھنا پڑھنا نہ صرف بخاری شریف کی ان احادیث سے واضح طور پر ثابت ہے بلکہ قرآن سے بھی واضح ہے۔ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس سے نزولِ قرآن کے بعد آپ کے لکھنے پڑھنے کی نفی ہوتی ہو۔ ۷۔ واضح ہو کہ کفار و مشرکین قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کا انکار کرتے تھے اور اپنے اس غلط اور باطل خیال کا اظہار مختلف الزام لگا کر کرتے تھے۔ کبھی کہتے کہ یہ تو شاعر کا ہن کی باتیں ہیں۔ کبھی کہتے معاذ اللہ نبی علیہ السلام کے جو جی میں آیا اسے اللہ کا کلام کہہ کر پیش کر دیا ہے۔ کبھی کہتے

وَقَالُوا آسَاءُ طَيْرٌ أَوْ لَوْنِ
اِكْتَبَهَا فِيهَا نُمُوتُ عَلَيْكَ بِكُفْرَةٍ وَ
اَصِيْلٌ (فرقان ۵)

یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انھوں نے لکھ لی ہیں
تو وہ ان پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے قرآن میں متعدد مقامات پر مختلف انداز سے کفار کے اس خیال کا رد فرمایا ہے۔ سورہ فرقان ہی میں فرمایا۔

قُلْ اَنْزَلْنَاهُ الْوَحْيَ يَعْلَمُ السِّرَّ الْخِ
جیب تم فرماؤ (قرآن) تو اس نے نازل کیا جو
آسمان اور زمین کی چھپی بات جانتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ یَعْلَمُ السِّرَّ خصوصاً طور پر بطور دلیل ذکر کی ہے۔ یعنی قرآن مجید علمِ غیبی پر مشتمل ہے۔ اس میں انبیاء و مرسلین کے حالات و سوانح و اہم سابقہ کے قصے مذکور ہیں جو اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن، اللہ علام الغیوب کی طرف سے ہے۔ اور کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ سورہ الحاقہ میں کفار کے الزامات کا جواب بہت ہی دلنواز انداز میں دیا گیا ہے

اِنَّكَ لَقَوْلٌ وَرَسُولٌ كَرِيْمٌ وَمَا
هُوَ بِقَوْلٍ شَاعِرٍ وَاَدَّ بِقَوْلٍ
كَاهِنٍ (الحاقہ ۴۳۶)

بے شک یہ قرآن کرم والے رسول کی باتیں
ہیں کسی شاعر کی بات نہیں اور نہ کسی کاہن کی
بات ہے۔

۸۔ سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی کتب الغزوات (صلح حدیبیہ) میں لکھا ہے۔ آنحضرت صلعم کو لکھنا نہیں آتا تھا۔ اسی بنا پر آپ کو اتنی کہتے ہیں۔ مسلم میں ہے کہ آپ نے رسول اللہ کا لفظ مثلاً کہ عبد اللہ لکھ دیا۔ یہ عام روایت کے خلاف ہے (بہر بخاری کی صریح حدیث کی کریک تاویل کر کے لکھتے ہیں) لیکن حقیقت یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کا کام جب روزمرہ نظر سے گزرتا رہتا ہے تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام سے حرف آشنا ہو جاتا ہے (معاذ اللہ)

مَنْزِلٍ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ (المائدہ ۴۳) | اس نے نازل کیا جو سارے جہان کا رب ہے۔
یعنی منکر ہا کُل بے ایمان ہو گئے ہیں۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ نہ یہ شعر ہے نہ کسی کا ہن کی بات اور نہ کسی انسان
جی اور فرشتوں کا کلام۔ اگر وہ قرآن مجید کی ہدایات اور تعلیمات پر غور کرتے۔ اس کی فصاحت، بلاغت،
شیرینی اور اعجاز بے مثالی پر نظر ڈالتے تو کبھی اس کے منزل من اللہ ہونے کا انکار نہ کرتے۔ اس کے بعد قرآن
کے کلام الہی ہونے کی ایک اہم دلیل یہ دی۔

اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان
سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگ دل کاٹ
دیتے۔

لَوْ قَوْلُ عَلَيْنَا بَعْضُ الْاَقَاوِيلِ لَاحْذَرْنَا
مِنْهُ بِالْإِسْمِیْنَ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ
(المائدہ ۴۷)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک آیت ہی اپنی طرف سے بنا
کر کہتے (جیسا کہ کافر و مشرک اس کتاب الہی کی نسبت کہتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کا بدلہ لیتا اور ان کی رگ دل
کو کاٹ دیتا جس کے کاٹنے ہی ان کی موت واقع ہو جاتی۔ مگر یہ رسول تو زندہ سلامت باکرامت تمہارے سامنے
ہیں جو اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ قرآن رسول کا گڑھا ہوا بنایا ہوا ترتیب دیا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ
خالص رب العالمین کا کلام ہے جو اس نے اپنے آخری رسول پر نازل فرمایا۔

سورۃ عنکبوت میں کفار کے الزام کے رو میں ایک دلیل یہ بھی دی گئی ہے۔ اگر نزول قرآن سے قبل یہ رسول
کہتے پڑھتے ہوتے تو ان کے الزام میں کچھ جان پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ رسول تو نزول قرآن سے پہلے نہ لکھتے
تھے نہ پڑھتے تھے۔ ایسی صورت میں اس شک و شبہ کا موقع ہی نہیں رہا کہ یہ قرآن خود رسول نے تصنیف کر کے
پیش کر دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَشْلُو مِنْ قَبْلِهِ
مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّ
بِیَمِیْنِكَ إِذَا أَلَا رُتَابٍ
النَّبِیُّنَ (عنکبوت ۴۸) اور اس سے پہلے تم نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر
یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک کرتے۔

یعنی اے حبیب نزول قرآن سے قبل آپ لکھتے پڑھتے ہوتے تو ان باطل پرستوں کو شک کرنے کی
مجبورائش نکل آتی کہ آپ نے سابقہ آسمانی کتابوں کو پڑھ کر یہ قرآن لکھ کر پیش کر دیا ہے مگر آپ نزول قرآن
سے قبل تو نہ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے۔ تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور کے لکھنے پڑھنے کی نفی کر

نزولِ قرآن سے پہلے کی قید سے متقید کیا ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ نزولِ قرآن کے بعد آپ کا لکھنا پڑھنا یا جن احادیث میں آپ کے لکھنے پڑھنے کا ذکر ہے وہ قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ہونے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ جیسے آپ کی نبوت وہی ہے عطیہ خداوندی ہے۔ ایسے ہی آپ کا علم و فضل اور تمام کمالات بھی وہی ہیں۔ حضور نے کسی مخلوق سے کسی چیز کا علم حاصل نہیں کیا۔ نہ آپ کسی مکتب میں داخل ہوئے اور نہ دنیا میں کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذہ تر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود بلا واسطہ آپ کو علم و فضل کی دولت سے نوازا۔

لکھنے نہ پڑھے جناب والا شاگردِ رشید حق تعالیٰ

بتیہ کے نام کردہ قرآن درست کتب خانہ چند ملت بشت

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے حبیب اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب اُماری اور حکمت بھی اُماری وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ اور تم کو سکھادیا جو کچھ تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اس آیت میں لفظ مَا عام ہے۔ جس کے دائرہ میں ہر وہ چیز آتی ہے جو حضور نہیں جانتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عَلَّمَنِي رَبِّي فَاحْسَنِ تَعْلِيمِي (خدا تعالیٰ بکری) | مجھے میرے رب نے تعلیم دی اور بہترین تعلیم دی اللہ تعالیٰ تو اپنے حبیب کو سب کچھ سکھادیا۔ اس سب کچھ میں جو لفظ مَا کا مفاد ہے، لکھنے کا علم بھی داخل ہے اور پڑھنے کا بھی۔ تو جس کے سر اقدس پر اللہ تعالیٰ نے علم کا تاج رکھا اور اللہ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کا سہرا باندھا اور جس نے اپنے رب سے تعلیم پا کر علم و عرفان کے دریا بہا دیئے اور اولین و آخرین کے علوم بیان کر دیئے۔ ایسے طیب و طاہر عالم و فاضل رسول کے لیے یہ سفہا یہ کتنے ہیں رہے پھر بھی وہ اُن پڑھ، نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا چاہتے تھے بے خبر مقامِ محمد عربی است

حضرت علی سے حضور نے فرمایا "اَنْتَ مِنِّي وَاَنَا مِنْكَ" ۸۔ علامہ بدر محمد عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نا ائید المومنین

علی کرم اللہ وجہہ کی عظیم و جلیل منقبت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔ یہاں مِنِ اتصالیہ ہے۔ یعنی نبی علیہ السلام نے منیٰ فرما کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اپنی محبت و شفقت اور خصوصی نسبت کا اظہار فرمایا ہے۔

دنیا کی ہر زبان میں خصم صاعری میں کسی سے انتہائی قرب و اتصالی اور باہم محبت و شفقت اور قلبی یگانگت کے لیے اس نوع کے جملے برلے جاتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔

وہ اور میں دو تو نہیں ہیں۔ اس کی شرکت میری شرکت سمجھئے اور جن دو افراد کے درمیان انتہائی قرب ہو اس کے انہماک کے لیے کہتے ہیں۔ دو قالب و یک جان۔ لحمہ لحمی دمہ دمی کے جملہ اہل عرب کا محاورہ ہے جو کسی سے قلبی تعلق، نسب، قربت اور خوئی رشتے کے انہماک کے لیے بولے جاتے ہیں۔ جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے حضور کا نسب و خوئی رشتہ انہماک من الشمس ہے اور اللہ کے مقدس و طیب طہاہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی کے متعلق مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمایا حضرت علی کی عظیم جلیل فضیلت ہے جس کا انکار کوئی صاحب ایمان نہیں کر سکتا۔

۹۔ اسی مضمون کی متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع میں امام علاؤ الدین علی السقی نے حافظ ابو جعفر بن عمر و العقیل کی تصنیف کتاب الفضل الکبیر میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 اِنَّ عَلِيًّا لَّحَمُهُ مِنْ لَحْمِي وَ دَمُهُ مِنْ دَمِي وَ هُوَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى
 بے شک علی کا گوشت میرے گوشت سے ہے اور ان کا خون میرے خون سے ہے اور ان کی منزلت میرے یہاں وہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہاں
 حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی۔

امام عبد الرؤف المناوی علیہ الرحمہ نے بحوالہ طبرانی روایت نقل کی ہے۔
 هَذَا عَلِيٌّ لَحْمُهُ لَحْمِي وَ دَمُهُ دَمِي
 یہ علی ہیں۔ ان کا گوشت میرا گوشت ہے اور ان کا خون میرا خون ہے۔

۱۰۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔
 هَذَا عَلِيٌّ بَنِي اَبِي طَالِبٍ لَحْمُهُ لَحْمِي وَ دَمُهُ دَمِي فَهُوَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى اِلَّا اَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي دُكُوزًا لِحَقَائِقٍ فِي حَدِيثٍ
 یہ علی ہیں ان کا گوشت میرا گوشت ہے۔ ان کا خون میرا خون ہے۔ یہ میرے ہاں وہی منزلت رکھتے ہیں جو حضرت ہارون موسیٰ کے ہاں رکھتے تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

خیر الخلائق لمانادی بہائش الجامع الصغیر لمیوطی ج ۲ ص ۱۶۳، کنز العمال ج ۱ ص ۶۰ حدیث (۳۲۹۳۶)
 اس حدیث کی سند میں حسن بن حسین العربی ضعیف ہیں مگر یہ ضعف متذہبہ سے نقصان دہ نہیں ہے
 اول اس لیے کہ جلیل القدر ائمہ حدیث طبرانی و عقیلی نے اس حدیث کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے دوم اس

یہ جلیل القدر محدثین علامہ ہیمتھی، منادی، سید علی اور علی المتقی نے اسے نقل کیا اور قبول کیا ہے۔ یہ کہ یہ حدیث صحاح کی حدیث اُنت منی وانا منک کے ہم معنی ہے۔۔۔ بہر حال اس قسم کے جملے کسی کے ساتھ اپنے بہت ہی قریبی تعلق، نسبت، محبت، اُلفت، مودت کے اظہار کے لیے بولے جاتے ہیں۔ ان جملوں کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوتے۔ ع علی امام من است ومن غلام مل

۱۰۔ حدیث زیر بحث ۲۵۱۹ میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ اہل بیتہ حمزہ یعنی حمزہ کی صاحبزادی جن کا نام امام تھا۔ ان کی والدہ کا نام سلی بنت عبس ہے۔ امام روتی ہوئی مکہ کی حدود سے باہر آگئیں تو حضرت علی نے فرمایا کہ یہ میری تحویل میں آئی چاہئیں کیونکہ یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہیں۔ حضرت جعفر نے کہا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور ان کی خالہ میری زوجہ ہیں اور حضرت زید بن حارثہ نے کہا یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے لہذا ان کی کفالت میں کروں گا۔ نبی علیہ السلام نے حضرت جعفر طیار کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ کیونکہ ان کی زوجہ امام کی خالہ تھیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔

۱۱۔ حضرت زید بن حارثہ کو بچپن میں برہہ فردوس نے اغوا کر لیا تھا تو حضور نے ان کو حضرت خدیجہ کے لیے خرید لیا جب کہ وہ بچے ہی تھے۔ حضرت خدیجہ نے حضرت زید کو آزاد کر دیا اور پھر نبی علیہ السلام نے ان کو اپنا منبلی (لے پا لیا) بنا لیا۔ اس لیے مولانا سے مولیٰ النسل مراد ہے۔

۱۲۔ حضرت زید اور حضرت حمزہ کے درمیان حضور نے مواخات، بھائی چارہ قائم کیا تھا اور جن حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان نبی علیہ السلام مواخات قائم فرمائی۔ ان کے درمیان خون کے رشتہ سے زیادہ محبت و اُلفت پیدا ہو گئی، اس بنا پر حضرت زید نے حضرت حمزہ کو بھائی اور ان کی صاحبزادی کو اپنے بھائی کی صاحبزادی کہا دے ان کے درمیان نہ تو خون رشتہ تھا اور نہ رضاء کا رشتہ۔ حضرت زید کے والد کا نام حارثہ اور ان کی والدہ کا نام سعدی ہے اور حضرت حمزہ کے والد عبد المطلب اور ان کی والدہ کا نام ہالہ ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس سریرہ میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شامل فرماتے انہیں اس سریرہ کا امیر ضرور مقرر فرماتے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو حضور ان کو اپنا خلیفہ مقرر فرماتے۔ جنگ موتہ میں آپ شہید ہوئے (یعنی ج ۱۳ ص ۲۶)

بَابُ الصَّلَاحِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ

باب مشرکوں سے صلح کے متعلق

یعنی ضرورت اور ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے لیے مملکت اسلامیہ کے سربراہ کو مشرکوں سے

صلح کرنی جائز ہے اور جن شرائط پر صلح ہوئی ہے ان پر قائم رہنا چاہیئے۔

۲۵۲۰- عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَعَالَ كُفَّارَ قُرَيْشٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكُفَيْتِ فَنَحَرَ هَدْيَهُ وَحَلَقَ رَأْسَهُ بِالْحَذِيبِيَّةِ وَقَاضَاهُمْ عَلَى أَنْ يَعْتَسِرَ الْعَامَ الْمُقْبِلَ وَلَا يُحْدِلَ سَلَا حَا عَلَيْهِمْ إِلَّا سَيُوفًا وَلَا يُقِيمَ بِهَا إِلَّا مَا أَحَبُّوْا فَاغْتَسَرَ مِنَ الْعَالِمِ الْمُقْبِلِ فَدَخَلَهَا كَمَا كَانَ صَلَاحُهُمْ فَلَمَّا أَقَامَ بِهَا ثَلَاثًا مَرَّةً أَنْ يَخْرُجَ فَخَرَجَ (بخاری)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ کے کفار قریش بیت اللہ جانے سے مانع آئے۔ اس لیے آپ نے قریش کا جانور حدیبیہ میں ہی ذبح کر دیا اور سر بھی وہیں منڈوا لیا اور کفار مکہ سے آپ نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ آئندہ سال آپ عمرہ کر سکیں گے۔ تلواروں کے سوا اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں گے (اور وہ بھی نیام میں) اور قریش جتنے دنوں چاہیں گے، اس سے زیادہ آپ مکہ میں قیام نہ کر سکیں گے (یعنی تین دن) چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ سال عمرہ کیا اور شرائط کے مطابق آپ مکہ میں داخل ہوئے۔ پھر جب تین دن قیام

کو گزر چکے تو قریش نے مکہ سے چلے جانے کے لیے کہا اور آپ وہاں سے چلے آئے۔ (بخاری)

۲۵۲۱- عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ قَالَ أُنْطَلِقَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحْيِيَّةُ بْنُ مَسْعُودٍ بْنُ زَيْدٍ إِلَى حَيْبِ وَحْيٍ يَوْمَئِذٍ صَلَاحٌ

حضرت سہل بن ابی حثمہ سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن سہل اور محییہ بن زید بن سہل رضی اللہ عنہما خبر گئے۔ خیبر کے یہودیوں سے مسلمانوں کی ان دنوں صلح تھی۔ (بخاری)

مسلم اور دیگر کتب سیرت میں صلح حدیبیہ کی شرائط یوں ہیں۔

فوائد ومسائل | ۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سال واپس چلے جائیں ۲۔ اگلے سال آئیں اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں ۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں ۴۔ جو مسلمان پہلے سے مکہ میں مقیم ہیں، ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ مدینہ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مسلمان مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں ۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اس کو واپس کر دیا جائیگا۔ یہ معاہدہ طے ہوا ہی تھا کہ

حضرت ابو جندل کا واقعہ | ایک نہایت ہی دلگداز واقعہ پیش آیا۔ حضرت ابو جندل جو سہل کے صاحبزادے تھے اور اسلام لاپکے تھے۔ مکہ میں کافروں کی قید میں تھے

کسی طرح پابہ زنجیر کفار کی قید سے بھاگ کر آئے اور پکارے برادرین اسلام کیا مجھے مشرکین کے سپرد کر دو گئے۔ حضرت ابو جندل کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور جسم زخموں سے چور تھا۔ ان کی یہ فریاد سن کر صحابہ کے قلوب سخت مضطرب تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل کو مخاطب کر کے فرمایا۔

ابو جندل صبر کرو ضبط سے کام لو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور مظلوم ساتھیوں کے لیے جو کم ہیں رہ گئے ہیں کوئی راہ نکالے گا اور ہم صلح کر چکے ہیں۔ اس لیے مشرکوں سے بد عہدی نہیں کر سکتے۔

(یعنی ج ۱۳ ص ۲۶۸)

يَا اَبَا جَنْدَلٍ اَصْبِرْ وَ اَحْتَسِبْ فَاِنَّ
اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ جَاعِلٌ لَّكَ وَلِيًّا
مَعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ بِمَكَّةَ فَرَجًا
وَمَخْرَجًا وَ اِنَّا قَدْ عَقَدْنَا بَيْنَنَا
وَبَيْنَهُمْ صُلْحًا وَ عَهْدًا فَاِنَّا لَا
نَعْلُو رُبِّيْهِمْ

چنانچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق اس صلح کا نتیجہ اسلام و اسلامیان کے حق میں فتح مبین ثابت ہوا۔ صلح کے بعد تین دن تک حضور نے حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ پھر روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورہ نازل ہوئی۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا
بَابُ الصُّلْحِ فِي الدِّيَةِ
باب دیہ میں صلح کے متعلق

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نصر کی بیٹی ربیعہ رضی اللہ عنہا نے ایک لڑکی کے واث توڑ دیے۔ اس پر لڑکی والوں نے تاوان مانجا اور ان لوگوں نے معافی چاہی لیکن لڑکی والوں نے معاف کر کے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا (یعنی ان کا بھی دانت توڑ دیا جائے)۔ انس بن نصر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ربیعہ کا دانت توڑا جائیگا۔ نہیں، اس ذات کی

۲۵۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ
أَلَا نَصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ
أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ أَنَّ الرَّبِيعَ وَحْيَ
ابْنَةِ النَّصْرِ كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ
فَطَلَبُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ فَاتَّقَوْا
فَاتَّقُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَأَمَرَهُمْ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ أَنَسُ بْنُ
النَّصْرِ أَنُكْسِرَ ثَنِيَّةُ الرَّبِيعِ بِمَا
رَسُولُ اللَّهِ لَا وَالَّذِي بَشَكَ بِالْحَقِّ

قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے بیع کا دانت نہیں توڑا جائیگا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ انس! کتاب اللہ کا فیصلہ تو بدلہ لینے (قصاص) ہی کا ہے۔ چنانچہ لوگ راضی ہو گئے اور معاف کر دیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ نسلے خود ان کی قسم پر بری فرما دیتا ہے۔ فراری نے (اپنی روایت میں) حمید کے واسطے سے اور وہ انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے یہ زیادتی نقل کی ہے کہ وہ لوگ راضی ہو گئے اور تاوان لے لیا۔ (بخاری)

لَا تُكْسَرُ شَيْئُهَا فَقَالَ يَا اَنَسُ كِتَابُ
اللّٰهِ الْفَصَاصُ فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَعَفَوْا
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ تَوَقَّسَهُ عَلَى
- اللّٰهِ لَا بَصَرَةَ لَآ اَلْفَرَارِيَّ عَنْ حُمَيْدٍ
عَنْ اَنَسٍ فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقِيلَ لَآ اَلْفَرَارِيَّ

قولہ و مسائل ۱۔ اس حدیث میں جاربیہ سے آزاد جو ان لڑکی مراد ہے۔ نوٹ ہی نہیں ۲۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انس بن مالک کے چچا ہیں۔ یہ غزوہ اُحد میں شہید ہوئے ان کے جسم پر تلوار اور نیزے کے تقریباً اسی سے کچھ اوپر زخم آئے تھے۔ ان کی مدح میں سورہ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

وہ مروی جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تاوان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا۔ یہ آیت حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ، حضرت سعید بن زید، حضرت حمزہ، حضرت مصعب اور حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مدح میں نازل ہوئی کہ انہوں نے نذرمانی تھی کہ وہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کا موقع پائیں گے تو ثابت قدم رہیں گے۔ یہاں تک کہ شہید ہو جائیں۔ ان کی نسبت اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ انہوں نے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔

۲۔ مقدم جب بحضور نبوی پیش ہوا تو آپ نے قصاص کا حکم دیا تو حضرت انس بن نضر نے عرض کی۔ اَتُكْسَرُ۔ یہاں ہمزہ استفہام کے لیے۔ تَکْسَرُ صیغہ جہول ہے۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے۔ حضور کیا بیع کا دانت توڑا جائیگا۔ اس جملہ کے پیور یہ بتا رہے ہیں کہ انہوں نے حکم شرع کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ تعجب کے طور پر عرض کیا۔ شارحین نے مختلف انداز میں اس سوال کے جواب دیئے ہیں۔ اول یہ کہ حضرت انس یہ سمجھتے تھے کہ قصاص اور دیت میں اختیار ہے۔ یعنی اگر فریقِ مخالف راضی نہ ہو تو بھی دیت پر فیصلہ ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر فریقِ مخالف راضی ہو تو دیت دی جائے گی ورنہ اصل حکم یعنی قصاص کا حکم دیا جائیگا۔ دوم، ان کو کامل توقع تھی کہ اللہ تعالیٰ ضرور فضل فرمائیگا اور فریقِ مخالف کے دل میں رحم پیدا فرمائیگا۔

اور دینیت پر راضی ہو جائیں گے۔ اسی ظن غالب کی بنیاد پر انہوں نے قسم کھالی کہ ایسا نہیں ہوگا جسکے واضح ہوا کہ ظن غالب کی بنیاد پر قسم کھانا جائز ہے۔ ————— یا ان کا یہ خیال تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمادیں گے جیسا کہ حضور علیہ السلام کی یہ عادت کہ یہ بھی کی حضور درگزر کی تلقین فرمایا کرتے۔ سوم یہ کہ علامہ لا حکم شرح کو رد کرنے کے لیے نہیں بلکہ دینیت کے وقوع کی نفی کے لیے ہے۔

۳۔ علامہ طیبی علیہ الرحمہ نے اس کی بی تاویل کی ہے۔ کلمہ لا واللہ لیس رد الاحکم بل نفی لوقوعہ (ولا تُکسّر) اخبار عن عدم الوقوع ————— یعنی حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کلمہ لا حکم شریعت کو رد کرنے کے لیے نہیں بلکہ وقوع دینیت کی نفی کے لیے بولا تھا کہ ربیع سے دینیت نہیں لی جائیگی اور لا تُکسّر کے الفاظ سے انہوں نے دینیت کے عدم وقوع کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے فریق مخالف کے دلوں میں رحم و رافت اور لطف و مہربانی پیدا فرمادی اور انہوں نے ربیع کو مسافہ کر دیا۔ ————— شارحین حدیث نے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے قول کی جو تاویلیں کیں، غور و حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے تائید فرمادی ہے کہ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ كَوَ اَفْسَرَ عَلٰی اللّٰهِ لَا یَسِّرُ کہ اللہ کے بندوں میں ایسے بھی ہیں جو

صحابہ کرام اولیاء اللہ ہیں بعض سے کرامات بھی ظاہر ہوتی ہیں | اگر کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے کی قسم پوری فرمادیتا ہے۔ یوں تو صحابہ کرام علیہم الرحمہ والرضوان اولیاء اللہ ہیں اور ایسے ولی ہیں کہ جن کی مثل اب پیدا ہونا ناممکن ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اب کوئی ایسا ولی پیدا نہیں ہوگا جو صحابی بھی ہو (۴) مگر حضور کے صحابہ میں حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن سے کرامت کا صدور بھی ہوا ہے اور جن کی کرامت کی تصدیق نبی علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ اس لیے شارحین حدیث نے حدیث زیر بحث سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں علامہ عینی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ فیہ دلالت علی کرامات الاولیاء (۵) حدیث زیر بحث یہ بھی معلوم ہوا کہ قصاص و دینیت میں حضور درگزر سے کام لینا اور اس معاملہ میں فریق مخالف سے معاف کر دینے کی سفارش کرنا مستحب ہے۔ یہ کہ قصاص دینیت ایسی جنایات ہیں جن میں صلح ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا تعلق بندوں کے حق سے ہے۔ یہ کہ اگر عورت عورت کا دانت توڑ دے تو اس میں قصاص ہے۔ یہ کہ اگر کوئی کسی کا پورا دانت توڑ دے تو اس میں قصاص ہے۔ امام نووی شارح مسلم نے فرمایا یہ بات مجمع علیہ ہے۔ اگر دانت کا بعض حصہ توڑا ہے تو جمہور علماء کے نزدیک اس میں قصاص نہیں ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَسَنِ

باب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے متعلق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور یقیناً ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دوڑے گروہوں میں صلح کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ پس دونوں ہیں صلح کرادو۔

ابن موسیٰ نے بیان کیا کہ میں نے حسن بصری سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ ہذا صاحب حسن بن علی (معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں) پہاڑوں جیسا لشکر لے کر پہنچے تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو اپنے مقابل کا استیصال کئے بغیر واپس نہ جائے گا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کما اور بخدا، وہ ان دونوں اصحاب میں زیادہ اچھے تھے کہ اے عمرو! اگر اس لشکر نے اس لشکر کا استیصال کر دیا یا اس نے اس کا کر دیا تو (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) لوگوں کے امور کی جواب دہی کے لیے میری کفالت کون کر چکا، لوگوں کی عزتوں کے سلسلے میں میری کفالت کون کر چکا، لوگوں کی عیال کے سلسلے میں میری کفالت کون کرے گا؟ آخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے یہاں قریش کی شان عبد شمس کے دو آدمی بھیجے عبدالرحمن بن عمر اور عبداللہ بن عمر بن کثیر آپ نے ان دونوں اصحاب سے فرمایا کہ حسن بن علی کے یہاں جاؤ اور ان کے سامنے صلح پیش کرو۔ ان سے اس پر گفتگو کرو اور فیصلہ انہیں کی مرضی پر چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ لوگ آئے اور آپ گفتگو کی اور فیصلہ آپ کی مرضی پر ہی چھوڑ دیا حسن بن علی

بْنِ عَلِيٍّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ وَصَّيَّائِي عَظِيمَتَيْنِ وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ فَاَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا

۲۵۲۳۔ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ اسْتَقْبَلُ وَاللَّهِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ مُعَوِيَةَ يَكْتَابُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْعَاصِ إِنِّي لَأَدْرِي كِتَابَ لَا تُؤْتِي حَتَّى تَقْتُلَ أَقْلَهُمَا فَعَالَ مَعَهُ مُعَوِيَةُ وَكَانَ وَاللَّهِ خَيْرَ الرَّاحِلَيْنِ أَيْ عُمَرُ وَإِنْ قَتَلَ هُوَ لَأَمْرٌ هُوَ لَاءٍ وَهُوَ لَاءٍ هُوَ لَاءٍ مِنْ لِيٍّ بِأُمُورِ النَّاسِ مِنْ لِيٍّ يُلْسَا بِهِمْ مِنْ لِيٍّ يَضِيعَتُهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِ رَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنُ عَامِرٍ بَنِ كُرَيْشٍ فَقَالَ أَدْهَبَا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فَأَعْرِضَا عَلَيْهِ وَقُولَا لَهُ وَاطْلُبَا إِلَيْهِ فَأَتَيَاهُ فَدَخَلَا عَلَيْهِ فَتَكَلَّمَا وَقَالَ لَهُ فَطَلَبَا إِلَيْهِ فَقَالَ لَهُمَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِنَّا بَنُو عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَدْ أَصَبْنَا مِنْ هَذَا الْمَالِ وَإِنْ هَذِهِ الْأُمَّةُ قَدْ عَانَتْ فِي دِمَائِهَا قَالَا فَإِنَّهُ يُعْرِضُ عَلَيْكَ كَذَا وَكَذَا وَيَطْلُبُ إِلَيْكَ وَ

يَسْأَلُكَ قَالَ فَسَمِعْتُ لِي بِهَذَا أَقَالَه مَخْشُو
لَكَ بِهِ فَمَا سَأَلَهُمَا شَيْئًا إِلَّا قَالَا لَمْ نَحْضُرْ
لَكَ بِهِ فَصَالَحَهُ فَقَالَ الْحَسَنُ وَكَفَلْتَهُ
سَمِعْتُ أَبَا بَكْرَةَ يَقُولُ رَأَيْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْيَنْبَرِ
وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحَبَشِيُّ وَهُوَ
يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَدَّةً وَعَلَيْهِ أَجْرِي
وَيَقُولُ إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّئٌ وَلَكِنَّ اللَّهَ
أَنْ يَصْلَحَ بِهِ بَيِّنٌ فَسَمِعْتُ عَظِيمَتَيْنِ
مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ
إِنَّمَا تَبَتُّ لَنَا سِمَاعُ الْحَسَنِ مِنْ أَبِي
بَكْرَةَ بِهَذَا الْحَدِيثِ (بخاری)

علیہ السلام نے فرمایا، ہم تو مطلب سے ہیں یہ غفلت
کا مال ہم نے خرچ کیا ہے (لوگوں پر کہیں کہ اس
دور میں) اس امت میں قتل و فساد کی گرم بازاری ہے۔
(جسے مال خرچ کر کے ہی روکا جاسکتا ہے) ان دونوں
اصحاب نے کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے
سامنے غلال غلال وصول کیے ہیں۔ معاملہ آپ کی
مرضی پر چھوڑا ہے اور آپ سے پوچھا ہے حسن رضی اللہ
عنہ نے فرمایا اس کی ذمہ داری کون لے گا؟ ان دونوں
قاصدوں نے کہا کہ ہم اس کے ذمہ داریں حضرت
حسن نے جس چیز کے متعلق بھی پوچھا تو انھوں نے یہی
کہا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں اور آخر آپ نے صلح
کر لی۔ پھر فرمایا میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا

وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرمانے سنا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما
انھوں کے پہلو میں تھے اور انھوں نے کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہونے اور کبھی حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اور فرماتے
کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ (بخاری)

۱۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ واس کے رسول کے کلام میں رجاء یقین کے معنی میں ہوتی ہے جیسے حضور
علیہ السلام نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے متعلق اِنِّیْ لَارْجُوْهُ الْخَبِیْرُ میں ان کے لیے غیر
کی اُمید رکھتا ہوں۔ یہاں رجاء یقین کے معنی میں ہے۔ اسی طرح زبیر بخت حدیث میں سیدنا حسن علیہ السلام
کے متعلق حضور نے فرمایا۔ لَعَلَّ اللَّهُ أَنْ يَصْلَحَ اِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالٰی حسن بن علی کے ذریعے مسلمانوں کے
دو گروہوں میں صلح کرا دے گا۔ یہاں لعل بھی یقین کے معنی میں ہے (منہجی ج ۱ ص ۳۶) ۲۔ یہ حدیث
حضرت امام حسن علیہ السلام کی عظمت و رفعت، زہد و تقویٰ، وسعت قلبی اور ایثار و قربانی کی آئینہ دار ہے
آپ نے باوجود قوت و شوکت کے ملت اسلامیہ میں افتراق و انتشار کو پسند نہ فرمایا اور مسلمانوں کی دو عظیم
جماعتوں کو خود بیزی سے بچا لیا حالانکہ چالیس ہزار افراد نے آپ کے دستِ اقدس پر بیعت کی تھی۔
اگر آپ چاہے تو بڑی آسانی سے حضرت امیر معاویہ کے لشکر کو شکست دے سکتے تھے۔ اور یہ بھی
واضح ہے کہ حضرت امام حق پر تھے مگر ہمارے لیے مشاجرات صحابہ کے متعلق زبان کھولنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام | حضرت امام ابو محمد حسن بن علی مرتضیٰ علیہما السلام، آپ ائمہ شیعہ میں امام دوم ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد لقب تقی و سید عرف

سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سبط اکبر ہے۔ آپ کو ریحانۃ الرسول اور آخر الخلفاء بالنص بھی کہتے ہیں۔ آپ کی ولادت مبارکہ ۱۵ رمضان المبارک ۳۲ھ کی شب میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام حسن رکھا اور ساتویں روز آپ کا عقیقہ کیا اور بال جدا کئے گئے اور حکم دیا گیا کہ بالوں کے وزن کی چاندی صدقہ کی جائے۔ آپ خالص اہل کسا ہیں۔

بخاری کی روایت میں ہے قبلہ حسن و جمال سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ و بارک و سلم سے کسی کو وہ مشابہت ضروری حاصل نہ تھی جو سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی۔ آپ سے پہلے حسن کسی کا نام نہ رکھا گیا تھا۔ یہ جتنی نام پہلے آپ ہی کو عطا ہوا ہے۔ حضرت اسماء بنت عقیس نے بارگاہ رسالت میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کا خبر دہ پہنچایا۔ حضور تشریف فرما ہوئے۔ فرمایا کہ اسماء میرے فرزند کو لاؤ۔ اسماء نے ایک کپڑے میں حضور کی خدمت میں حاضر کیا۔ سید عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے دہانے کان میں اذان اور بایں کان میں تکبیر فرمائی اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے اس فرزند ارجمند کا کیا نام رکھا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میری کیا مجال کہ بے اذن و اجازت نام رکھنے پر سمجھ کر تا لیکن اب جو دریافت فرمایا جاتا ہے اور کچھ خیال میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ حرب نام رکھا جائے۔ آئندہ حضور مختار ہیں۔ آپ نے ان کا نام حسن رکھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور نے استغفار فرمایا۔ یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ کو آپ کی بارگاہ میں وہ قرب حاصل ہے جو حضرت ہارون کو درگاہ حضرت موسیٰ میں تھا۔ مناسب ہے کہ اس فرزند سعادت مند کا نام فرزند ہارون کے نام پر رکھا جائے۔ حضور نے ان کا نام دریافت فرمایا عرض کیا شبیر۔ ارشاد ہوا کہ اے جبریل لغت عرب میں اس کے کیا معنی ہیں۔ عرض کیا حسن، اور آپ کا نام حسن رکھا گیا۔

بخاری و مسلم نے حضرت برابر ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں میں نے نور محمد جان عالم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ شہزادہ بلند اقبال حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے دوش مبارک پر تھے اور حضور فرما رہے تھے یا رب میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو تو بھی محبوب رکھ۔ امام بخاری نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے۔ حضور ایک مزینہ لوگوں کی طرف نظر

فرماتے اور ایک مرتبہ اس فرزند جمیل کی طرف۔ میں نے سنا حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ میرا فرزند سید ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرے گا۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حسن و حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ ترمذی کی حدیث میں ہے۔ حضور علیہ وعلیٰ آلہ و صحابہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

ابن سعد نے عبد اللہ ابن زبیر سے روایت کی حضور کے اہل بیت میں حضور کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ اور حضور کو سب سے زیادہ پیارے حضرت امام حسن تھے۔ میں نے دیکھا حضور تو سجدے میں ہوتے اور یہ والا شان صاحب زادے آپ کی گردن مبارک با پشت اقدس پر بیٹھ جانے تو جب تک یہ نہ اترنے آپ سر مبارک نہ اٹھانے اور میں نے دیکھا حضور رکوع میں ہونے تو ان کے لیے اپنے قدیں طاہرین کو اتنا کشادہ فرما دیتے کہ یہ نیکل جاتے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بہت کثیر ہیں۔ آپ علم، حشمت و جاہ، جو دو کرم، زہد طاعت میں بہت بلند پایہ ہیں۔ ایک ایک آدمی کو ایک ایک لاکھ کا عطیہ مرحمت فرما دیتے تھے۔ حاکم نے عبد اللہ بن بلید غیر سے روایت کیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بچپن جج پایادہ کئے ہیں۔ آپ کی تواضع اور اخلاص و ادب کا یہ عالم تھا کہ آپ جج کے لیے پایادہ سفر فرماتے۔ آپ کا کلام بہت شیریں تھا۔ اہل مجلس نہیں چاہتے تھے کہ آپ گفتگو ختم فرمائیں۔

ابن سعد نے علی بن زید جدعان سے روایت کی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبار اپنا نکل مال راہ فدائیں دے ڈالا اور زمین مرتبہ نصف مال دیا اور ایسی صحیح نصیحت کی کہ لعلین شریف اور جرابوں میں سے ایک ایک دیتے تھے اور ایک ایک لکھ لیتے تھے۔

آپ کے حلم کا یہ حال تھا کہ ابن عساکر نے روایت کیا کہ آپ کی وفات کے بعد مروان بہت روہا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج تو رو رہا ہے اور ان کی حیات میں ان کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکیاں کیا کرتا تھا۔ تو وہ پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا میں اس سے زیادہ حلیم کے ساتھ ایسا کرتا تھا۔ مروان کو بھی اعتراض ہے کہ آپ کی بُردباری پہاڑ سے بھی زیادہ ہے۔

حضرت امام حسن کی خلافت | حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اہل کوفہ نے آپ کے دستِ حق پر بیعت کی اور آپ نے وہاں چند ماہ، چند روز قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے

اور خلافت کا امیر معاویہ کو تفویض کرنا مسطور ذیل شرائط پر منظور فرمایا :-

- ۱۔ بعد امیر معاویہ کے خلافت حضرت امام حسن کو پہنچے گی۔
- ۲۔ اہل مدینہ اور اہل حجاز اور اہل عراق میں کسی شخص سے بھی زمانہ حضرت امیر المومنین مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق کوئی مواخذہ و مطالبہ نہ کیا جائے۔
- ۳۔ امیر معاویہ ، امام حسن رضی اللہ عنہ کے قرض کو ادا کریں۔
- امیر معاویہ نے یہ تمام شرائط قبول کیں اور باہم صلح ہو گئی اور حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہوا جو حضور نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے اس فرزند ارجمند کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح فرمائے گا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۳۵ھ کا ہے۔

بَابُ هَلْ يَشِيرُ الْإِمَامُ بِالصَّلَاحِ

باب کیا امام صلح کے لیے اشارہ کر سکتا ہے

حضرت عمر و بنت عبد الرحمن نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر جھکڑا کرنے والوں کی آواز سنی۔ جن کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ فقہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے قرض میں کچھ کمی کرنے اور مطالبے میں نرمی برتنے کے لیے کہہ رہا تھا اور دوسرا کہتا تھا کہ خدا کی قسم، میں یہ نہیں کر سکتا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف گئے اور فرمایا کہ اس بات پر خدا کی قسم کھانے والے صاحب کہاں ہیں کہ وہ ایک اچھا کام نہیں کریں گے

۲۵۲۴۔ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتُ خُصُومٍ بِالْأَبَابِ عَالِيَةً أَصْوَاهُمَا وَإِذَا أَحَدُهُمَا يَسْتَوْضِعُ الْآخَرُ وَيَتَوَرَّعُ فِقَّةً فِي شَيْءٍ وَهُوَ يَقُولُ وَاللَّهِ لَا أَفْعَلُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ آيْتَنِ الْكُتَاتِي عَلَى اللَّهِ لَا يَفْعَلُ الْمُحَرَّمُونَ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَحَدًا ذَاكَ أَحَبُّ

ان صحابی نے عرض کیا۔ میں ہی ہوں یا رسول اللہ! میرا قرین جو چاہتا ہے وہی کر دوں گا۔ (بخاری)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن حدر و سلمی رضی اللہ عنہ پر ان کا قرض تھا۔ ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے ان کا چھپ کیا اور آخر تکرا رہی اور دونوں کی آواز بلند ہو گئی۔ نبی کریم

۲۵۲۵۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ كَانَ لَهُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي حَذْرَةَ الْإِسْلَامِي مَالٌ فَلَقِيَهُ فَلَزِمَهُ حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاهُمَا فَمَرَّ بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا كَعْبُ فَأَشَارَ
بِيَدِهِ كَأَنَّهُ يَقُولُ اانْتَصِفْ فَلَخَذَ
نِصْفَ مَا عَلَيْهِ وَتَرَكَ نِصْفًا
انھوں نے آدھا قرض چھوڑ دیا اور آدھا لیا (بخاری)

۱۔ عنوان کا مطلب یہ ہے کہ امام اور قاضی اور حاکم فریقین کو اگرچہ ایک ان میں سے حق پر ہو
صلح کی طرف ترجیح دلانا جائز ہے۔ جمہور کا یہ مذہب ہے۔ ائمہ امام مالک جواز کے قائل
نہیں ہیں ۲۔ دونوں مدعیوں سے واضح ہوا کہ مقروض کے قرض میں اپنی مرضی سے کمی کر دینا یا قرض کی کل رقم یا
یا بعض رقم کو معاف کر دینا کا ثواب ہے اور یہ کہ اگر کسی کا دیر کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو ابھی قسم کو توڑ دینا چاہیے
اور قسم کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ پے در پے ساٹھ روزے رکھے۔ یہ نہ کر سکے
تو ساٹھ مساکین کو بھر بھر پیٹ دونوں وقت کھانا کھلائیے۔ ۳۔ نیز اس حدیث میں نقد مال پر صلح کا ذکر
نہیں ہے غالباً نقد مال کو قرض پر قیاس کر کے عنوان قائم کر دیا۔

بَابُ فَضْلِ الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ

باب لوگوں میں باہم صلح کرانے اور

وَالْعَدْلُ بَيْنَهُمْ
۲۵۲۶۔ عَنْ ابْنِ مَرْيَةَ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كُلُّ سَلَامَةٍ مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ
كُلُّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ يَمُوتُ
بَيْنَ النَّاسِ صَدَقَةٌ

۱۔ سلامی کے معنی جوڑ کے ہیں۔ انسانی بدن میں تین سوساٹھ جوڑ ہیں جو اللہ تعالیٰ
کا بہت بڑا احسان ہے اور ہر نعمت پر شتم کا شکر ادا کرنا لازم و ضروری ہے ۲۔ لوگوں
کے ساتھ انصاف کرنا اور ان کے درمیان صلح کر دینا بھی کارِ ثواب ہے۔

بَابُ إِذَا أَشَارَ إِلَى مَأْرِبٍ بِالْصُّلْحِ

باب امام کے اشارے پر اگر کسی فریق نے صلح
فَاجَلَ حَكْمَ عَلَيْهِ بِالْحُكْمِ الْبَيْنِ | سے انکار کیا تو پھر امام جو حکم شرعی ہے اسے نافذ کرے

مطلب عنوان یہ ہے اگر امام قاضی اور حاکم نے صلح کی تلقین کی اور ایک فریق صلح کرنے سے انکار کر دے تو ایسی صورت میں قاضی شریعت کا جو حکم ہے اس کو نافذ کر دے کیونکہ صلح میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے اور جبراً صلح کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ حدیث زیر عنوان میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے دونوں فریقین میں بطور صلح ایک تجویز رکھی جس میں عروہ بن زبیر اور انصاری دونوں کی رعایت تھی مگر جب انصاری نے انکار کر دیا تو حضور علیہ السلام نے جو حکم شرعی تھا اس کے مطابق فیصلہ دیدیا۔

۲۵۲۷۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ ایک صحابی جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے، کے خلاف حرب کے نالے کے سلسلے میں اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انھوں نے پیش کیا۔ دونوں حضرات اس نالے سے (باغ) سیراب کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زبیر! تم پہلے سیراب کر لو، پھر اپنے چڑوسی کو بھی سیراب کرنے دو۔ انصاری کو غصہ آگیا اور کہا، یا رسول اللہ! کیا اسی وجہ سے کہ یہ آپ کے چھوٹے کے لڑکے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ آندس کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا (زبیر رضی اللہ عنہ سے) کہ سیراب کرو اور پانی کو (اپنے باغ میں) اتنی دینے تک آئے دو کہ دیوار تک چڑھ جائے۔ اس مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق عطا فرمایا تھا۔ اس سے پہلے آپ نے ایسا فیصلہ کیا تھا جس میں حضرت زبیر اور انصاری دونوں کی رعایت تھی۔ لیکن جب انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر مذکورہ بالا جملے کہے تو پھر حضور نے جو حکم شریعت تھا اس کو نافذ کر دیا تھا۔ (بخاری)

نوٹ :- یہ حدیث باب الشرب میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے، ضرور ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۵۰۵

يَا أَيُّهَا الصَّالِحِينَ الْغُرَمَاءُ وَأَصْحَابُ الْمِيرَاثِ

باب مترض غراہوں اور وارثوں کے درمیان صلح کرنا

اور اس میں تخمینہ سے کام لینا
ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دو فریق آپس میں صلح کر لیں کہ ایک قرض اور دوسرا نقد مال لے لے تو کوئی حرج نہیں۔ اب اگر ایک شریک کا مال ضائع ہو گیا تو اسے اپنے شریک سے مطالعہ حق نہیں ہوگا

وَالْمَجَازِفَةُ فِي ذَلِكَ
وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَوْ بَأْسٌ أَنْ يَتَخَارَجَ
الشَّرِيكَانِ فَيَا خُذَ هَذَا دَيْنًا وَ
هَذَا عَيْنًا فَإِنْ تَوَيَّ لَأَحْلَا هُمَا
لَمْ يَزَجْ عَلَى صَاحِبِهِ

۲۵۲۸۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرے والد جب شہید ہوئے تو ان پر قرض تھا۔ میں نے ان کے قرض خواہوں کے سامنے یہ صورت رکھی کہ قرض کے بدلے میں وہ (اس سال کی کھجور کے) پھل لے

ہیں۔ انھوں نے اس سے انکار کیا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے قرض پورا نہیں ہو سکے گا۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب پھل توڑ کر مرید دودھ جگہ جہاں کھجور خشک کرتے تھے ایں جمع کرو (تو مجھے اطلاع دینا)۔ چنانچہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ تشریف لائے، ساتھ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ وہاں آپ نے برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا کہ اب اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ اور ان کا قرض ادا کر دو۔ چنانچہ کوئی شخص ایسا باقی نہ رہا۔ جس کا میرے والد پر قرض رہا اور میں نے اسے ادا نہ کر دیا ہو اور نیزہ و سق کھجور باقی بھی بچ گئی۔ سات و سق عجمہ میں سے اور چھ و سق لون میں سے یا چھ و سق عجمہ میں سے اور سات و سق لون میں سے۔ بعد میں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب کے وقت ملا اور آپ سے اس کا ذکر کیا (بخاری)

یہ حدیث پارہ نم ۳۸ میں مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ گزر چکی ہے ضرور ملاحظہ فرمائیں حدیث ۲۲۳۸

بَابُ الصَّلَاحِ بِالْذِّينِ وَالْعَيْنِ

باب قرض اور نفع مال کے عوض صلح کرنا

۲۵۲۹۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس عنوان کے تحت حدیث کعب بن مالک ذکر کی ہے جو کہ گزشتہ صفحات میں مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ ملاحظہ کیجئے حدیث نمبر ۲۵۲۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ | نام سے اللہ کے جوڑا مہربان رحم والا ہے

کتاب الشُّرُوطِ

کتاب شرطوں کے بیان میں

شرط جمع ہے شرط کی۔ اس کے لغوی معنی علامت و نشانی کے ہیں اور اصطلاح میں شئی کا وجود جس پر موقوف ہو اسے شرط کہتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر وہ کسی شرط لگانا جائز ہے اور کوئی شرط لگانا جائز ہے۔

بَابُ مَا يَجُزُّ مِنَ الشُّرُوطِ

باب قبول اسلام اور احکام اور بیعت

فِي الْإِسْلَامِ وَالْأَحْكَامِ وَالْمَبَايِعَةِ | کے وقت کس طرح کی شرطیں جائز ہو سکتی ہیں؟ مطلب عنوان یہ ہے۔ قبول اسلام کے وقت کوئی شرط لگانا جائز ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت جریر مسلمان ہوئے تو شرط لگائی تھی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے یا یہ شرط لگائی تھی کہ ہر

نماز پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے اور ہر مسلمان کی تیر خواہی کریں گے۔ اسی طرح احکام میں یعنی معاملات یعنی بیع و شراہ وغیرہ میں اور بیعت کے وقت کوئی شرط لگانا جائز ہے۔

۲۵۳۔ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْكَأْبِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا كَاتَبَ سَهِيلُ بْنُ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ كَانَ فِيهَا اشْتَرَطَ سَهِيلُ بْنُ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَا يَأْتِيكَ مِثْلُ أَحَدٍ وَإِنْ كَانَ عَلَى دِينِكَ إِلَّا رَدَدْتَهُ إِلَيْنَا وَخَلَّيْتُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ فِكْرَهُ الْمُؤْمِنُونَ ذَلِكَ وَامْتَنَعُوا مِنْهُ وَإِلَى سَهِيلٍ إِلَّا ذَلِكَ فَكَاتَبَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ذَلِكَ فَرَدَّ يَوْمَئِذٍ أَبَا جَنْدَلٍ إِلَى أَبِيهِ سَهِيلِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ وَأَبَاهُ أَحَدٌ مِنَ الرِّجَالِ إِلَّا رَدَّهُ فِي ذَلِكَ الْمَدَّةِ وَإِنْ كَانَ مُسْلِمًا وَحَاجَةً مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ مَهَاجِرَاتٍ وَكَانَتْ أُمُّ كُلْثُومٍ بِنْتُ عُقْبَةَ بِنْتُ أَبِي مُعَيْطٍ مِمَّنْ خَرَجَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ وَهِيَ عَانِقُ حِجَاءٍ أَهْلُهَا يَأْتُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْجِعَهَا إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَرْجِعْهَا إِلَيْهِمْ لَمَّا أُنْزِلَ اللَّهُ فِيهِمْ إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مَهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِهِنَّ إِلَى قَوْلِهِ وَلَا تُهْمُ يَحْلُوْنَ لَهُنَّ فَاتْلُوهُ فَاتْلُوهُنَّ عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ بِحُلِهِ

ابن شہاب نے بیان کیا کہ انہیں عروہ بن زبیر نے خبر دی۔ انہوں نے مروان اور مسور بن مخزوم سے سنا۔ یہ دونوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے خبر دیتے تھے کہ جب سہیل بن عمرو نے (عہد یہ کفار قریش کی طرف سے معاہدہ صلح) لکھا تو جو شرائط بنی کریم بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سہیل نے رکھی تھیں۔ ان میں یہ بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص اگر آپ کے ہاں (فرار ہو کر) جاتا تو وہ آپ کے دین پر ہی کیوں نہ ہو، تو آپ کو اسے ہمارے حوالے کرنا پڑے گا۔ مسلمان یہ شرط پسند نہیں کر رہے تھے اور اس پر انہیں دکھ ہوا تھا لیکن سہیل کا اس پر اصرار تھا۔ اسی لیے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (معاہدہ میں) کھوا لیا۔ اتفاق سے اسی دن ابو جندل رضی اللہ عنہ کو جو مسلمان ہو جانے کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں کی اذیتوں کا شکار تھے اور کسی طرح بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے قید سے فرار ہو کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے، ان کے والد سہیل بن عمرو کے حوالے کر دیا گیا (معاہدے کے تحت) اسی طرح صلح میں بھی جو رو بھی آنحضرت کی خدمت میں لکھ سے فرار ہو کر آیا۔ آپ نے اسے ان کے حوالے کر دیا تو وہ مسلمان ہو۔ لیکن بہت سی مومن خواتین بھی ہجرت کر کے آگئی تھیں۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا بھی ان میں شامل تھیں جو اس دن مکہ سے

الْأَيَّةِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ
 مُهْجِرَاتٍ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ إِلَى عَفْوٍ كَرِيمٍ قَالَ
 عُرْوَةُ قَالَتْ عَالِشَةُ مَنِ أَقْبَرُ هَذِهِ الشَّرْطِ مَهْنٌ
 قَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَالَيْتُكَ
 كُلَّ مَا يَكْفِيكِهَا يَا اللَّهُ مَا مَسَّتْ يَدَهُ بِلَدٍ أَمْرًا
 قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ وَمَا بَالَيْتُهَا إِلَّا لِقَوْلِهِ
 (بخاری)

آئیں۔ یہ جوان خاتون تھیں۔ جب ان کے گھر والوں
 نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضور نے ان کو واپس
 نہیں کیا۔ کیونکہ خواتین کے متعلق حکم الہی اچکا تھا کہ
 ”جب مومن خواتین تمہارے یہاں ہجرت کر کے پہنچیں
 تو پہلے تم ان کا امتحان لے لو کہ واقعی ان کی ہجرت
 کی وجہ ایمان ہے یا کچھ اور“ ان کے ایمان کے متعلق
 جاننے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس

ارشاد تک کہ ”کفار و مشرکین ان کے لیے حلال نہیں ہیں“ الخ سرود نے بیان کیا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ
 عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرنے والی خواتین کا اس آیت کی وجہ سے امتحان لیا
 کرتے تھے۔ اے مسلمانو! جب تمہارے یہاں مسلمان خواتین ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو، غفور الرحیم
 تک۔ سرود نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان خواتین میں جو اس شرط کا اقرار کر لیں تو رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت کی، آپ صرف زبان سے بیعت میں آکتا فرماتے تھے، بعد
 بیعت کرتے وقت آپ کے ہاتھ نے کسی بھی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا بلکہ آپ ان سے بیعت صرف
 زبان سے لیا کرتے تھے۔ (بخاری)

فوائد ومسائل | ۱۔ اس حدیث کا تعلق بھی صلح حدیبیہ سے ہے البتہ اس میں خصوصیت کے ساتھ اس
 شرط کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مکہ سے جو بھی آئیگا واپس کر دیا جائیگا اور یہ کہ جو
 مستورات مکہ سے آئیں انہیں واپس مکہ نہیں بھیجا گیا۔

حضور نے حکم کو جلا وطن کیا تھا | ۲۔ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ مروان اور مسور بن خرمہ دونوں صلح حدیبیہ
 کے موقع پر حاضر نہ تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کو
 جلا وطن کر دیا تھا اور مروان بھی اپنے باپ حکم کے ساتھ طاقت چلا گیا تھا۔ مروان اس وقت بچہ تھا۔ اس
 لیے مروان کا حضور سے سماع ثابت نہیں ۳۔ اور مسور بن خرمہ کا حضور سے سماع تو ثابت ہے مگر وہ فتح مکہ کے
 بعد مکہ میں ہی حالت میں آئے اور صلح حدیبیہ کا واقعہ دو سال قبل کا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس حدیث میں
 مروان اور مسور بن خرمہ نے روایت کرتے وقت ان صحابہ کا نام ذکر نہیں کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
 کیونکہ تمام صحابہ کرام عادل ہیں۔ صرف یہ کہ دینا کافی ہے کہ صحابہ نے فرمایا ۴۔ سہیل بن عمرو بن شمس قرشی، یہ حضرت
 ابو جندل کے والد ہیں۔ یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سخت و شدید اصرار کر کے نبی علیہ السلام سے یہ شرط لکھوائی تھی

کہ اگر مکہ سے جو کوئی فرار ہو کر آئیگا۔ خواہ وہ مسلمان ہی ہو اس کو واپس کر دیا جائیگا۔ یہ ایک ایسی شرط تھی جو صحابہ کو ناکوار تھی اور ہونی بھی چاہیے تھی۔ مگر سب کے سر حضور علیہ السلام کے حکم کے سامنے خم تھے۔ اس موقع پر صحابہ کرام کی تسکین کے لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

اِنَّكَ مِنْ ذَهَبٍ مِّثْلِ الْيَصْفَرِ فَاَبْعَدُ
اللّٰهُ وَمِنْ جُءَاءِ مِثْلِهِمْ سَيَجْعَلُ
اللّٰهُ مَفْرَجًا مَخْرَجًا (رواہ احمد و مسلم)

جو مسلمان ہم سے کفار مکہ کی طرف جائیگا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور جو مسلمان مکہ سے مدینہ آئے گا اللہ تعالیٰ اس کی خلاصی کی کوئی راہ نکال دے گا۔

نیل الاوطار ج ۸ ص ۳۱

۳۔ سہیل فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ جب حضرت سہیل بن عمروؓ کے متعلق حضور کی پیشگوئی

یہ کفار قریش کے سردار تھے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے۔ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بحضور نبویؐ عرض کی تھی۔ حضور اس کے دانت نکلاؤ بجئے تاکہ یہ خطیب نہ دے سکے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ دَعُوْهُ فَعَسَىٰ اَنْ يَّعْتَمِدَ مَقَامًا نَّحْمَدُہ۔ عمران کو جانے دو۔ یقیناً وہ دن آنے والا ہے جب تم ان کی مدح و ثناء کرو گے۔ چنانچہ حضرت سہیل فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ آپ بہت قیمتی القاب تھے۔ قرآن کی تلاوت کرتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ حضور کے وصال کے بعد جب ارتداد کی دہار پھیلی اور فہائل عرب مُرتد ہونے لگے تو انہوں نے ایک نہایت فصیح و بلیغ خطیب دیا۔ جس کی وجہ سے سکون پایا ہوا اور لوگوں نے اختلاف ختم کر دیا۔ حضرت سہیل کا یہی وہ عزت والا مقام ہے جس

کی پیشگوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ حضرت سہیل کا ۱۸ھ طائون پھلا تو اس میں انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہم۔ حدیث کا مطالعہ کرنے والے نوٹ کر لیں کہ جس بھی موقع پر حضور نبی کریم علیہ السلام نے کسی کافر و منافق کو اس کی گستاخی اور آپ کی شان میں نازیبا جملے کہنے یا غلط رویہ اختیار کرنے کے یا جو داس کو چھوڑ دیا بلکہ صحابہ کے اصرار اور توجہ دلانے کے باوجود اس کے خلاف قدم نہیں اٹھایا۔ اس کی وجہ حکمتیں اور دینی مصلحتیں تھیں جو مجاہد ثبوت کے بیش نظریں۔

صُلِحَ حَیْلَیْہِ کے موقع پر جو عورتیں مُرتد ہو گئیں ان کی تعداد چھ تھی۔ ۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ من ہاجرین کی وہ عورتیں جو مُرتد ہو کر مشرکین سے جا ملیں ان کی تعداد چھ تھی۔ ام کلثم بنت سفیان جو عباص بن شداد فہری کے نکاح میں تھیں۔ فاطمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ جو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن تھیں اور حضرت عمر کے

نکاح میں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے انکار کر دیا اور مرتد ہو گئیں۔ بروح بنت عقیقہ، یہ شیماس بن عثمان کے نکاح میں تھیں۔ عیدہ بنت عبد العزیٰ ان کے شوہر عربین دو تھے۔ ہند بنت ابی ہمل بن ہشام بن عاص کے نکاح میں تھیں۔ کلثوم بنت جرحول یہ حضرت عمرؓ کے نکاح میں تھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مستورات کو کلام سے بیعت فرماتے تھے | ذیل بحث حدیث سے واضح ہوا کہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم مستورات کو کلام کے ذریعے بیعت فرماتے تھے۔ یعنی جب وہ شریعت اسلام کے احکام کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کا اقرار کر لیتیں تو آپ فرماتے میں نے تمھیں بیعت کر لیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کسی ناچوم کے ہاتھ کو حضور نے کبھی نہیں چھوا۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کبھی حضور اس طرح مستورات کو بیعت فرماتے تھے کہ آپ کے ہاتھ میں ثوب قطری ہوتا تھا اور اس کپڑے کا دوسرا سر مستورات کے ہاتھ میں ہوتا۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ایک پیالہ پانی کا طلب فرماتے اس میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے۔ اس کے بعد مستورات اپنے اپنے ہاتھ اس پانی میں ڈال دیتی تھیں یعنی ۳۱ (۲۹۲) بیعت کے ان طریقوں میں حکمت یہ تھی کہ اس طرح بالواسطہ حضور سے روحانی فیض حاصل ہو۔ جس پانی میں حضور اپنا دست مبارک ڈال دیں اور جس کپڑے کو حضور اپنے ہاتھ میں لے لیں وہ یقیناً برگزین جنتوں اور فیوض و برکات الیب کا خزانہ بن جاتا ہے۔ جس مرد اور عورت کو حضور علیہ السلام زبانی فرما دیں کہ میں نے تمھیں بیعت کیا یقیناً اس کا سینہ علم و عرفان کا خزان بن جاتا ہے اور یقیناً تمام مراحل سلوک اسی لمحے ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے صحابہ علیہم الرحمۃ والرضوان ایسے اولیاء اللہ ہیں جن کی مثال ملنی ناممکن ہے۔

اولیاء کرام کا بیعت کرنا سنت رسول ہے | ۷۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اس امت کے وہ افراد جو عالم باعمل جامع شرائط ہوں ان لوگوں

کی اصلاح کے لیے بیعت کرنا، جائز بلکہ سنت رسول ہے۔ شرط یہ ہے کہ نیت نیک ہو۔ مقصود دُنیا نہیں بلکہ رضائے الہی ہو اور لوگوں کی فلاح و صلاح۔

۸۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور اصحاب مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد ایسی صلح کرنا جائز نہیں ہے جس میں یہ شرط ہو کہ جو مسلمان اپنا دین و ایمان اور عزت بچانے کے لیے دارالحرب سے ہمارے ہاں آجائیں گے واپس کر دیا جائیگا کیونکہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ اَنَا بَرِحْتُ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ اَقَامَ مَعَ مُشْرِكٍ فِي دَارِ الْحَرْبِ۔ جو مسلمان دارالحرب میں کافروں کے ساتھ رہتا ہے میں اس کا دُزار نہیں ہوں۔ نیز مسلمانوں کا اجماع ہے کہ دارالحرب سے ہجرت کرنا ہر مومن مرد اور مومنہ عورت پر فرض ہے اور

اب فرض ہجرت سے اسی قدر باقی رہ گیا ہے۔ ۸۔ واضح ہو کہ اسلامی ہجرت مال و دولت اور عورت کے حصول کے لیے نہیں بلکہ اپنے دین و ایمان کے بچانے اور کفار و مشرکین سے اپنی عزت و ناموس کو محفوظ رکھنے کے لیے کی جاتی تھی۔ کفار دار الحرب میں مسلمانوں کو نہ صرف اسلامی احکام پر عمل کرنے سے جبراً روکتے تھے بلکہ

کیا دار الحرب سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا فرض ہے

ان کی عزت و ناموس پر حملہ کرتے تھے۔ فی زمانہ ایسا بہت ہی نادر ہے جہاں کے کافر و مشرک حکام مسلمانوں کو اسلامی احکام پر عمل کرنے یا نماز و روزہ، زکوٰۃ ادا کرنے، مسجدیں بنانے یا اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے روکتے ہوں۔ ایسے ممالک جہاں حکومت کفار و مشرکین کی ہی ہو، ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن امریکہ، بھارت وغیرہ ممالک کے مسلمان (اوجو دیکھو) وہاں ان کو مذہبی آزادی حاصل ہے، مضطرب و پریشان ضرور ہیں۔ کیونکہ ان کا سارا نظام حکومت، معیشت و معاشرت اور عائلی قوانین سب کے سب غیر اسلامی ہیں۔ ایسے ماحول میں ان مسلمانوں کو اپنی توجیز اولاد کو ان کی منگی، تہذیب و معاشرت سے محفوظ رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو گیا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو صحیح راہ پر عمل متعین کرنے کی توفیق فرمائی عطا فرمادے۔

۸۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ پاپورٹ وغیرہ کے ضابطے جو بین الاقوامی قانون ہے۔ اس کی پابندی کرنا بھی از روئے شرع مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کیونکہ ناجائز طریقہ سے کسی غیر مسلم ملک (اور آج کل تو مسلم ملک میں بھی جانا آنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی بدنامی ہوئی ہے اور مشکلات کا سامنا بھی اور دولت بھی اٹھانا پڑتی ہے) ۲۵۳۲/۲۵۳۱۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ اختیار کرنے پر بیعت کی تھی (بخاری) دونوں حدیثیں کا متن ایک ہی ہے اور مفہوم بھی واضح ہے تاہم ان دونوں حدیثوں کی مکمل تفہیم و ترجمانی پارہ اول کے کتاب الایمان کے آخر میں گزری چکی ہے ضرور ملاحظہ کیجئے۔

بَابُ إِذَا بَاعَ مُخْلًا قَدْ أُبْرَتْ

باب جس نے کھجور کا تاہیر کیا ہوا باغ فروخت کیا

۲۵۳۳۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَاعَ مُخْلًا قَدْ أُبْرَتْ فَتَمَسَّ ثَمَنًا يَلْبِئُغُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِيَ لِمَنْ بَاعَ

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی ایسا کھجور کا باغ بیچا جس کی تاہیر ہو چکی تھی (یعنی درخت پہنچ چکے تھے) تو اس کے پھل (اس سال کے) بیچنے والے ہی ہو جائے

ہاں اگر خریدار پھل کے بھی بیع میں داخل ہونے کی شرط لگا دے (تو پھل سمیت بیع متصور ہوگی) (بخاری)

فوائد و مسائل | یہ حدیث کتاب البیوع مع مکمل تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ ہشتم ص ۲۱۴ مطلب حدیث یہ ہے۔ درخت خواہ پیوندی ہو یا نہ ہو اگر وہ فروخت

کر دیا اور اس میں پھل لگے ہوئے ہیں تو اگر بائع نے صرف درخت بیچا ہے۔ اس کے پھل نہیں تو ایسی صورت میں پھل بائع کے ہوں گے اور بائع سے کہا جائے گا کہ وہ پھل توڑے۔ اگر درخت پھل سمیت بیچا ہے تو پھل اور درخت دونوں مشتری کے قرار پائیں گے۔

بَابُ الشَّرْطِ فِي الْبَيْعِ

باب بیع میں شرطوں کا بیان

۲۵۳۴۔ اس عنوان کے تحت امام نے حدیث عائشہ ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت پریرہ (جو کہ نوٹھی تھی) اپنے مالکوں سے ٹکڑا صلی کے لیے حضرت عائشہ سے عرض کی۔ ساری قیمت دے کر مجھے خرید لیں حضرت عائشہ نے کہا ولا میرے لیے ہوگی لیکن مالکوں نے یہ شرط لگائی حضرت عائشہ تمہیں خرید کر آزاد کر دیں مگر ولا ہماری ہوگی۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فَإِنَّهُ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔ ولا تو اسی کے لیے ہے جو نوٹھی کو آزاد کرے۔ (بخاری) پریرہ کے مالکوں نے جو شرط لگائی تھی وہ از روئے شرع ناجائز تھی یہ حدیث بھی متعدد مقامات پر مع تفہیم و ترجمانی کے گزر چکی ہے۔ دیکھئے فیوض پارہ ۸ ص ۸۹ کتاب البیوع۔

بَابُ إِذَا اشْتَرَطَ الْبَائِعُ ظَهَرَ الدَّائِبَةُ

باب اگر بیچنے والے نے کسی خاص مقام تک سواری

کی شرط لگائی تو جائز ہے

إِلَّا مَكَانَ مُسَيِّئٍ جَارٍ

حضرت جابر نے بیان کیا کہ وہ ایک غزوہ کے موقع پر ایک اونٹ پر سوار آرہے تھے، اونٹ تنگ گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اوھر سے گزر ہوا تو آپ نے اونٹ کو ایک ضرب لگائی اور اس کے حق میں دعا فرمائی۔ چنانچہ اونٹ اتنی تیزی سے چلنے لگا کہ کبھی اس طرح نہیں چلا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اسے ایک اونٹ میں بھیج دو۔ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا لیکن اپنے گھڑ تک سواری سے مستثنیٰ کر لیا۔ پھر جب ہم (مدینہ) پہنچ گئے تو میں نے اونٹ آپ کو پیش

۲۵۳۵۔ حَدَّثَنِي جَابِرٌ أَنَّهُ كَانَ يَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَغْبَا فَمَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَرَبَهُ قَدْ عَالَ قَسَارَ لَيْسَرٍ لَيْسَرٌ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ بَعْضُهُ بِوَقِيَّةٍ قُلْتُ لَا ثُمَّ قَالَ بَعْضُهُ بِوَقِيَّةٍ فَبَعَثَهُ فَأَسْتَنْتِ حُمَلَاءَهُ إِلَى أَهْلِي فُلْنَا قَدْ مَنَّا أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ وَتَقَدَّرْتُ ثُمَّ نَزَلْتُ فَارْسَلْتُ عَلَى أُمِّ

کہو یا اور آپ نے اس کی قیمت بھی ادا کر دی لیکن جب میں واپس ہونے لگا تو میرے پیچھے ایک صاحب کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا (میں حاضر ہوا تو) آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا اونٹ کوئی لے مختور رہی رہا ہوں۔ اپنا اونٹ لے جاؤ، یہ تمہارا ہی مال ہے (اور قیمت واپس نیس لی) مغیرہ پھر عامر اور ان سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تک اونٹ پر مجھے سوار ہونے کی اجازت دی تھی۔ اسحاق نے جبر پر پھر مغیرہ کے واسطے سے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا)۔ پس میں نے اونٹ اس شرط پر بیچ دیا کہ مدینہ پہنچنے تک اس پر سوار رہوں رہونگا۔ عطاء وغیرہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس پر مدینہ تک کی سواری تمہاری ہے۔ محمد بن مسکدر نے جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا کہ انھوں نے مدینہ تک سواری کی شرط لگائی تھی۔ زید بن اسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، مدینہ پہنچنے تک سوار اس پر نہیں رہو گے۔ ابوالزبیر نے جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا کہ مدینہ تک سواری کی انھوں نے مجھے اجازت دی تھی۔ عیسیٰ بن سالم کے واسطے سے بیان کیا اور ان سے جابر رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے گھر تک تم اسی پر سوار ہو کر جاؤ گے۔ عبید اللہ اور ابن اسحاق نے وہب کے واسطے سے بیان کیا اور ان سے جابر رضی اللہ عنہ نے کہ اونٹ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قَالَ مَا كُنْتُ لِأَخُذَ جَمَلِكَ فَخَذَ جَمَلًا
ذَلِكَ فَهُوَ مَالُكَ قَالَ شُعْبَةُ عَنْ مُغِيرَةَ
عَنْ عَامِرٍ عَنْ جَابِرٍ أَقْفَرُ فِي رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَهْرَهُ إِلَى الْمَدِينَةِ
وَقَالَ اسْحَقُ عَنْ جَبْرِ عَنْ مُغِيرَةَ فَبَعَثَهُ
عَلَى أَنْتَ فِي دَفْأَنَ ظَهْرِهِ حَتَّى أَتَلَكَ
الْمَدِينَةَ وَقَالَ عَطَاءٌ وَغَيْرُهُ لَكَ
ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِينَةِ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ
الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ شَرَطَ ظَهْرَهُ
إِلَى الْمَدِينَةِ وَقَالَ الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ
عَنْ جَابِرٍ بَلَغَ عَلَيْهِ إِلَى أَهْلِكَ قَالَ
عَبِيدُ اللَّهِ وَابْنُ إِسْحَقَ عَنْ وَهْبٍ عَنْ
جَابِرٍ اشْتَرَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِوَقِيئَةٍ وَتَابَعَهُ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ
جَابِرٍ وَقَالَ ابْنُ جَبْرِ بَيْعَ عَنْ عَطَاءٍ وَ
غَيْرِهِ عَنْ جَابِرٍ أَخَذَتْهُ بِأَرْبَعَةِ دَنَابِيرَ
وَهَذَا يَكُونُ وَوَقِيئَةُ عَلَى حِسَابِ الدِّينَارِ
بِحَشْرَةٍ دَرَاهِمٍ وَلَكُمُ يَبْنَ الشَّمْسِ
مُغِيرَةُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ وَابْنُ
الْمُنْكَدِرِ وَابْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ وَقَالَ
الْأَعْمَشُ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ وَوَقِيئَةُ ذَهَبٍ
وَقَالَ ابْنُ إِسْحَقَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ جَابِرٍ
بِمَا سَجَى دَرَاهِمٍ وَقَالَ دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مِقْسَمٍ عَنْ جَابِرٍ اشْتَرَاهُ
بَطَرِيْقٍ تَبَوَّلَكَ أَحْسَبُهُ قَالَ يَزِيدُ بْنُ

وَقَالَ أَبُو نَضْرَةَ عَنْ جَابِرٍ اشْتَرَاهُ
بِعَشْرِينَ دِينَارًا وَقَوْلُ الشَّعْبِيِّ
بِوَقْفَةٍ أَكْثَرَ وَالْإِسْطِطَاطُ أَكْثَرُ وَاصْحَمُ
عِنْدِي قَالَهُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ

ایک اوقیہ میں خریدا تھا۔ اس روایت کی متابعت
زید بن اسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے کی ہے
ابن جریر نے عطاء وغیرہ کے واسطے سے بیان کیا اور ان
جابر رضی اللہ عنہ نے کہ ربی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تھا۔ میں تسار یاہ اونٹ چار دینار میں بیٹا ہوں۔ اس حساب سے کہ ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔ چار دینار
کا ایک اوقیہ ہوگا۔ بغیرہ نے شعبی کے واسطے سے اور انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے (ان کی روایت میں)
اسی طرح ابن المنکدر اور ابو الزہیر نے جابر رضی اللہ عنہ سے اپنی روایت میں قیمت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ عیش نے
سالم سے اور انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے اپنی روایت میں ایک اوقیہ سونے کی روایت کی ہے یہ ابواسحاق
نے سالم سے اور انھوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے دوسو درہم بیان کیے ہیں اور داؤد بن نفیس نے بیان اور ان
سے عبید اللہ بن مفسم نے اور ان سے جابر رضی اللہ عنہ نے کہ آنحضرت نے اونٹ تبرک کے واسطے میں (غزوہ سے
واپس ہوتے ہوئے) خریدا تھا، میرا خیال ہے کہ انھوں نے کہا کہ چار اوقیہ میں (خریدا تھا)۔ ابونضرہ نے جابر رضی
اللہ عنہ سے روایت میں بیان کیا کہ بیس دینار میں خریدا تھا۔ شعبی کے بیان کے مطابق ایک اوقیہ ہی زیادہ روایتوں
میں ہے۔ اسی طرح شرط لگانا بھی زیادہ روایتوں سے ثابت ہے اور میرے نزدیک صحیح بھی یہی ہے۔ ابوعبداللہ
(امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) ثابت فرمائی ہے۔ (بخاری)

قواعد و مسائل | ۱۔ ان تمام حدیثوں سے امام بخاری نے بیع میں شرط کے جواز کا استدلال فرمایا ہے جیسا کہ
مذکورہ بالا بعض روایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اونٹ فروخت کیا اور جابر کو اجازت

دی کہ وہ اس اونٹ پر مدینہ تک سوار ہو کر جائیں گے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کے ہاں بیع میں اس قسم کی شرط لگانا
جائز ہے۔ احناف کا موقف یہ ہے کہ بیع وعقد میں شرط لگانی گئی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ بیع میں ایسی
شرط لگانا بیع کا مفسد نہیں جائز نہیں ہے۔ رہیں مذکورہ بالا روایات تو ان کے مضمون آپس میں متضاد ہیں۔
کسی میں شرط کا ذکر ہے اور کسی میں نہیں ہے۔ ایسی صورت میں قطعی طور پر یہ متین کرنا کہ معاملہ بیع کی نوعیت و کیفیت
کیا تھی۔ مشکل ہے نیز روایات کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے۔ احناف کا موقف اس مسئلہ میں بھی قوی ہے۔

کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط کے ساتھ بیع کو منع فرمایا ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابنہ
عن جده عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن مہدی عن بیع وشرط (طبرانی حاکم) (زبلی ج ۲ ص ۲۸۱)
غرض کہ احناف کے ہاں بیع میں ایسی شرط لگانا جس میں فریقین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو جائز نہیں ہے
نیز اس باب کی مذکورہ بالا روایتوں پر غور کیا جائے تو ان سے واضح ہوتا ہے کہ سواری کی شرط عقد بیع میں داخل نہیں

ہے بلکہ عقیدہ بیع کے بعد بطور تبرع و احسان سواہی کی اجازت دی گئی اور شرط کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے۔
جیسا کہ روایت ابو الزبیر سے واضح ہے۔

سیدنا امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے نزدیک یہی صحیح ہے کہ جن روایات میں شرط کا ذکر ہے وہ ان سے زیادہ ہیں جن میں شرط کا ذکر نہیں ہے۔ نہایت ادب سے عرض ہے کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ جن راویوں نے شرط کا ذکر کیا ہے وہ صرف تین عدد ہیں۔ عامر، ابن المنکدر، ابو الزبیر۔ اور جن راویوں نے شرط کا ذکر نہیں کیا ان کی تعداد چھ ہے۔ یحییٰ، زید بن اسلم، عطار، ابو المتوکل، ابو ہریرہ اور سالم۔ لہذا جس روایت میں شرط کا لفظ ہے اس کو تبرع و احسان پر محمول کرنا چاہئے۔ پس احناف کے نزدیک بھی بوقت عقد شرط نہ لگائی جائے اور عقد کے بعد بیع شرط کے مشتری کو رعایت دیدی جائے تو یہ جائز ہے۔

بَابُ الشَّرْطِ فِي الْمَعَامَلَةِ

باب معاملات میں شرطیں لگانے کے متعلق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انصار رضوان اللہ علیہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ پیشکش کی کہ ہمارے بھجور کے باغات آپ ہم میں اور ہمارے بھائیوں (مہاجرین) میں تقسیم فرما دیں (مراعات کے بعد) لیکن آنحضرت نے فرمایا کہ نہیں اس پر انصار نے کہا (مہاجرین سے) کہ آپ لوگ ہمارے

۲۵۳۶۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ قَالَتِ
الْأَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ أَخْوَانِنَا الْبَحْلِ
قَالَ لَا فَقَالَ تَحْفَمُونَا الْمَوْتَةَ وَ
تُشْرِكُكُمْ فِي الشَّمْرِ قَالُوا سَمِعْنَا
وَاطْعْنَا (بخاری)

باغات کے کام کر دیا کریں اور ہمارے ساتھ پھل میں شریک ہو جائیں۔ مہاجرین نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور ہم ایسا ہی کرینگے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ کی اراضی یہودیوں کو اس شرط پر دی تھی کہ اس میں کام کریں اور اسے بویں تو ادھی پیداوار انہیں دی جایا کرے گی۔

۲۵۳۷۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرُ الْيَهُودِ
أَنْ يَحْكُمُواهَا وَيَرْعَوْهَا وَلَهُمْ شَطْرُ
مَا يَخْرُجُ مِنْهَا (بخاری)

ان احادیث میں زمین کو کھیتی باڑی کے لیے دینے اور باغات میں کام کرنے اور ان کی شریوں وغیرہ کا بیان ہے۔ ان احادیث پر مکمل تبصرہ کتاب المحرث والزراعتہ پارہ نہم میں ہو چکا ہے

اور اس سلسلہ کے مسائل بھی بیان ہو چکے ہیں۔ ضرور دیکھتے پارہ نہم حدیث ۲۱۷۸، ۲۱۸۳۔ عزراں سے مناسبت اس حدیث کی سی ہے۔ ہمارے جن کو باغ کے پھلوں میں شریک اس شرط پر کیا گیا تھا کہ وہ ان میں محنت کریں۔ دیکھتے پارہ نہم کی حدیث نمبر ۲۱۷۵

بَابُ الشَّرْطِ فِي الْبَهْرِ

باب نکاح کے وقت مہر

کی شرطیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حقوق کی قطعیت شرائط کے پورا کرنے کے وقت ہوتی ہے اور تمہیں شرط کے مطابق ہی ملے گا۔ سور نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے اپنے ایک داماد کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے مجھ سے جب بھی کوئی بات کہی تو سچ کہی اور وعدہ کیا کہ اس میں پورے نکلتے۔

عقید بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ شرطیں جن کے ذریعے تم نے عورتوں کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے پوری کی جانے کی سب سے زیادہ سستی ہیں۔

شرط سے مراد وہ شرطیں ہیں جن کا تحقق نکاح سے ہو جیسے مہر، وغیرہ۔ ان کا پورا کرنا واجب ہے۔

بَابُ الشَّرْطِ فِي الْمَزَارَعَةِ

باب مزارعت کی

شرطیں

حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ ہم اکثر کھانسی کرتے تھے اور ہم زمین بٹائی ہو دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کسی کھیت کے ایک فٹلے میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی اس لیے ہمیں اس سے منع کر دیا گیا، لیکن چاندی (روپے وغیرہ) کے عوض کرایہ پر لینے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ صِدْرًا لَهُ فَأَخْبَنِي عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ فَأَحْسَنَ — وَصَدَّقَنِي وَوَعَدَنِي فَوَفَّى لِي

(بخاری)

۲۵۳۸۔ عَنْ عُقَيْبِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ الشَّرْطِ أَنْ تُؤَفَّقُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ

شرط سے مراد وہ شرطیں ہیں جن کا تحقق نکاح سے ہو جیسے مہر، وغیرہ۔ ان کا پورا کرنا واجب ہے۔

بَابُ الشَّرْطِ فِي الْمَزَارَعَةِ

باب مزارعت کی

شرطیں

۲۵۳۹۔ رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ يَقُولُ كُنَّا أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ حَقْلًا فَكُنَّا نَكْرِى الْأَرْضَ فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ هَذِهِ وَلَمْ تُخْرِجْ دِهَ فَنُهِمْنَا عَنْ ذَلِكَ وَلَمْ نُشْءَ عَنِ الْوَرَقِ (بخاری)

سے منع نہیں کیا۔ (بخاری)

فوائد و مسائل

زمین سونے چاندی یا دو پیسہ پیسہ سے کرایہ پر دینا جائز ہے۔ اسی طرح زمین کو بنائی پر دینا کر زمین میں جو کچھ پیدا ہوگا فریقین نصف نصف یا جوٹے جوٹے سے بھی جائز ہے۔ زمین کو اس شرط پر کرایہ پر دینا کر زمین کے اس قطعہ پر جو پیداوار ہووے میری اور زمین کے فلاں حصہ میں جو پیداوار ہووے مزارع کی ہوگی یہ جائز نہیں ہے۔ زمانہ نمبری میں ایسا کرتے تھے۔ زمیندار اور مزارع یہ شرط طے کر لیتے تھے کہ کھیت کے فلاں قطعہ کی پیداوار ایک فریق کو ملے گی اور دوسرے کی دوسرے فریق کو، اس شرط پر زمین کو کرایہ پر دینے سے ضرور علیہ السلام نے اس لیے منع فرمایا۔ مگر اس صورت میں کسی ایک فریق کو نقصان ہوتا تھا۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک قطعہ میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی اور اس طرح مزارع اور زمیندار میں جھگڑا ہوتا تھا۔ مزید تفصیل کے لیے پارہ نہم کی حدیث ۲۱۴۵ دیکھئے۔

بَابُ مَا لَا يَحْزُونُ مِنَ الشَّرْطِ فِي النِّكَاحِ

میں حائز نہیں

باب جو شرطیں نکاح

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان تجارت نہ بیچے۔ کوئی شخص بخش نہ کرے اور اپنے بھائی کی لگائی ہوئی قیمت میں (دہنتی کے ساتھ) کسی قسم کی زیادتی نہ کرے۔ نہ کوئی شخص اپنے کسی بھائی کے پیغام نکاح کی موجودگی میں اپنا پیغام بھیجے اور کوئی عورت

۲۵۴۰ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَاسًا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَزِيدَنَّ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبَنَّ عَلَى خُطْبَتِهِ وَلَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَقَ أُخْتِهَا لِيَسْتَكْفِيَ إِسَاءَتَهَا

(کسی مرد سے) اپنی (دینی یا سنی) بہن کے طلاق کا مطالبہ نہ کرے (جو اس مرد کے نکاح میں ہو) تاکہ اس طرح اس گھر کی خود مالک بن بیٹے۔ (بخاری)

بَابُ الشَّرْطِ الَّتِي لَا تَحِلُّ فِي الْحُدُودِ

باب وہ شرطیں جو حدود میں حائز نہیں

۲۵۴۱۔ اس عنوان کے ماتحت حدیث ابو ہریرہ و خالد بنی ذکرکن ہے جس میں یہ ہے کہ زانی سے سو گمبایاں اور ایک نوڈی فدیہ لے کر اسے چھوڑ دیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا زانی کو اس شرط پر معاف کرنا جائز نہیں ہے۔ زانی اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کی سزا صرف سو کوڑے ہیں اور اگر زانی شادی شدہ ہے تو اس کی سزا رجم ہے۔ ہم بفضلہ تعالیٰ اس حدیث پر تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں اور یہ

حدیث پارہ دہم میں مکمل تفہیم و ترجمانی کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے۔ ضرور بالضرور ملاحظہ کریں۔ حدیث نمبر ۲۵۱۶

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ شُرُوطِ الْمَكَاتِبِ إِذَا

بَابُ مَكَاتِبِ اِگر اپنی بیع پر اس وجہ سے راضی ہو جائے کہ

رَضِيَ بِالسَّبْعِ عَلَى أَنْ يُعْتَقَ | اسے آزاد کر دیا جائیگا تو اس کے ساتھ کوئی شرط نہ ہو سکتی ہیں

۲۵۲۲۔ اس عنوان کے تحت امام نے حدیثِ عائشہ ذکر کی ہے جس میں حضرت بریرہ کا ذکر ہے اس

سے قبل منعمہ و بارگزر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت بریرہ جنہوں نے کتابت کا معاملہ کر لیا تھا حضرت

عائشہ سے عرض کی آپ مجھے خرید لیں اور پھر آزاد کر دیں۔ بریرہ نے یہ بھی عرض کی کہ میرے مالک کہتے ہیں

غریب کہ آزاد آپ کر دیں اور و لا مالکوں کی ہوگی۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ عائشہ تم بریرہ کو خرید لو اور

ولا تو اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے (بخاری)

۲۔ یہ تیسرے میں جگہ ہے جہاں امام نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اس حدیث سے واضح ہوا کہ مکاتیب اگر

اس شرط پر راضی ہو جائے کہ اس کو غریب کہ آزاد کر دیا جائیگا تو ہاں ہے اور بائع کا و لا کا اپنے شرط کرنا ناجائز ہے۔

بَابُ الشُّرُوطِ فِي الطَّلَاقِ

بَابُ طَلَاقِ كِی شُرُطُولِ كِی مُتَلَقِ

ابن مسیب، حسن اور عطاء نے فرمایا کہ (جلد)

شروع طلاق سے کیا ہو یا نہ کیا ہو، طلاق شرط

کے مطابق واقع ہوگی۔

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالْحَسَنُ وَ

عَطَاءُ إِنَّ بَدْءَ الطَّلَاقِ أَذْ

آخَرُ فَهُوَ أَحَقُّ بِشُرْطِهِ

مطلب عنوان یہ ہے کہ طلاق دینے وقت لفظ طلاق کو پہلے ذکر کرے مثلاً یوں کہے۔ اَنْتَ طَلَقِ

اِنْ دَخَلْتَ الدَّارَ فَجَعَلَ طَلَاقَ هِیَ جب تو گھر میں داخل ہو یا لفظ طلاق شرط کے الفاظ کے بعد ذکر کرے

مثلاً یوں کہے۔ اِنْ دَخَلْتَ الدَّارَ فَأَنْتَ طَلَقِ۔ اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق تو حکم دونوں کا

ایک ہے۔ جب شرط پائی جائیگی مبینی عورت گھر میں داخل ہوگی (طلاق واقع ہو جائے گی)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تجارتی قافلوں کی) پیشوائی

سے منع کیا تھا اور اس سے بھی کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا

سامان تجارت بیچے اور اس سے بھی کہ کوئی عورت اپنی

(دینی یا نسبی) بہن کے طلاق کی شرط لگائے اور

۲۵۲۳۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَتْ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنِ الْمَسْلُوكِ وَأَنْ يَبْتَاعَ الْمُهَاجِرُ

لَا عَرَبِيَّ وَأَنْ تَشْتَرِطَ الْمَرْأَةُ

طَلَاقَ اخْتِهَا وَأَنْ يَسْتَأْمَرَ الرَّحُولُ

اس سے کہ کوئی اپنے بھائی کے بھاد پر بھاد لگائے (گجارتے کے لیے) اسی طرح آپ نے بخشش اور نصیریہ سے بھی منع فرمایا۔

(بخاری)

عَلَى سَوْمٍ آخِيهِ وَتَهْلَى عَنِ النَّجْشِ
وَكُنِ التَّصْرِيَةَ تَابِعَهُ مَعَادُ
وَعَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ شُعْبَةَ وَقَالَ
عُنْدُ رَجُلٍ وَعَبْدُ النَّجْشِ يَحْيَى وَقَالَ
أَدْمُ نَهَيْتَنَا وَقَالَ التَّصْرُ وَحَجَّاجُ
بْنُ مِهَالٍ تَهْلَى

بْنُ مِهَالٍ تَهْلَى

قوائد و مسائل

اس حدیث میں نبی علیہ السلام نے چند باتوں سے منع فرمایا۔ اول تلقی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ گاؤں کے لوگ سامان خورد و نوش فروخت کرنے کے لیے شہر کی طرف آئیں اور شہر کے لوگ ان کو شہر کا نرخ بتاتے بغیر ان سے سامان خرید لیں۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اگر گاؤں سے آنے والوں کو شہر کا نرخ معلوم ہوتا تو وہ نقصان میں نہ رہتے۔ دوم کوئی عورت اپنی اسلامی بہن کی طلاق کی شرط کرے یعنی عورت یہ کہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو پھر میں تم سے نکاح کروں گی۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایک عورت کا گھر اجاڑ کر اپنا بسانا اچھا کام نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی عورت نے سابقہ بیوی کو طلاق دینے کی شرط پر نکاح کیا تو شرط پاتی جانے کی صورت میں طلاق ہو جائے گی۔ سوم اپنے مسلمان بھائی پر بیع کرنا یعنی ایک شخص سودا کر رہا ہے۔ ابھی اس کی بات ختم نہیں ہوئی کہ دوسرا شخص اسی چیز کا سودا کرنے کی بات کرے۔ چہارم بخشش سے منع فرمایا۔ بخشش یہ ہے کہ کسی چیز کا بھاد بڑھاتے جائیں حالانکہ اس سے ان کا مقصد خریدنا نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ ان کے اس طرح نرخ بڑھانے سے خریدار دھوکہ میں آجائے۔ پنجم نصیریہ سے منع فرمایا۔ وہ یہ ہے کہ جانوروں کے تھنوں سے دو ایک دن دودھ دو بانہ جائے اور خریدار تھنوں میں دودھ زیادہ دیکھ کر دھوکہ میں آجائے اور جانور خرید لے۔ کتاب البیوع میں اس مضمون کی متعدد حدیثیں ذکر ہو چکی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

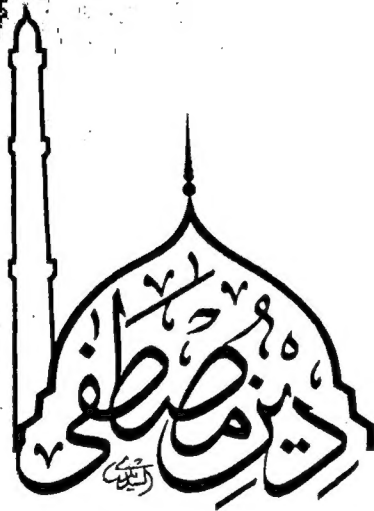
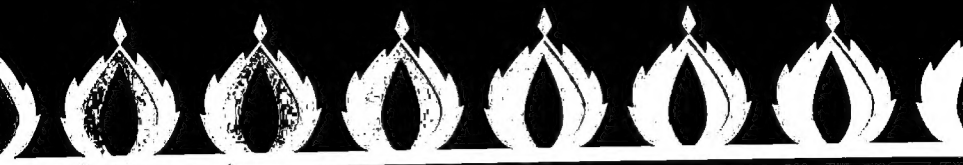
آج مورخہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ ۱۱ فروری ۱۹۸۸ء بروز جمعرات پارہ دہم کی تفہیم و ترجمانی سے فارغ ہوا۔ اب کتابت و طباعت وغیرہ کام رملہ باقی ہے۔ برادرِ مذہب صدیقی صاحب دل لگا کر کتابت جلد کر دیں تو یہ ان کا کام ہوگا۔ عزیزِ مَنعم اشرف رضوی کو تاکید کرتا ہوں۔ جب بھی مالی وسائل اجازت دیں فیض کی طباعت کی طرف جلد توجہ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ قارئینِ مذہب سے التماس ہے کہ وہ میری صحت و سلامتی کے لیے دعا فرمائیں۔ میں سانس کی تکلیف

مریض ہوں۔ اسی کی وجہ سے بلڈ پریشر بھی ہے۔ مگر یہ صرف حدیث رسول کی برکت ہے کہ بخاری شریف کی شرح کا کام جاری ہے۔ مقصود صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہے اور دین اسلام کی تبلیغ — گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں پارہ کی سرسری ترتیب ہو گئی ہے۔ اور گیارھویں پارہ کی تفہیم و ترجمانی شروع کر دی ہے۔ انشاء اللہ العزیز گیارھواں پارہ بھی جلد قارئین کرام مطالعہ کریں گے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ
يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ



آن حسن و خوبی انسان آن شمع جمع عاقل
آن تاج خوابان جهان آن روش و می توان
سنبل خال می توان باغ عنای در می آن
ای شمس دینش آفتابش آن جان جان



عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْآلَاءُ

بِالْمَعْتَمَدِ

صاحبزادہ سید مصطفیٰ اشرف رضوی

